خدا بخش لائبریری جرنل پٹنہ

۱۰۲

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر: ۳۳۴۲۴/۷۷
شمارہ : ایک سو تین

سالانہ : ۳۰۰ رُپے
: ۴۰ ڈالر ایشیا، ۱۲۰ ڈالر غیر ممالک

اس شمارے کی قیمت: پچھتّر رُپے

۱۹۹۶ء

مصطفیٰ کمال ہاشمی نے پاکیزہ آفسیٹ شاہ گنج پٹنہ میں چھپوا کر خدا بخش لائبریری پٹنہ سے شائع کیا۔

فہرست

جرنل ۱۰۳

اردو مسئلہ: ــــــــــــــــــــــــــــــ ۱۔۱۱۲

مقالہ نگار: ۵ ــــــ ۷۲

عابد رضا بیدار
ڈاکٹر مسعود حسین خاں
جناب جمنا داس اختر
جناب شاہد رام نگری
جناب سید حامد

جناب فرخ جلالی
جناب جاوید اشرف
جناب شفیع عالم
پروفیسر محمد محسن
جناب سید ہاشم علی
جناب بیتاب صدیقی

جناب شمس کنول
جناب سید ظفر ہاشمی
جناب ہارون خاں شروانی
جناب ریحان غنی
جناب غلام سرور

بحث کے شرکا: ۷۳ ــــــ ۹۳

جناب ابوالفیض سحر (دہلی)
جناب اقبال انصاری (علیگڑھ)
جناب بیتاب صدیقی (پٹنہ)
جناب سید حامد (دہلی)
ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی)
ڈاکٹر رضی الدین احمد (تروچی)
ڈاکٹر طارق سعید (فیض آباد)

جناب سید فضل احمد ریٹائرڈ آئی جی بہار
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی)
ڈاکٹر محمود الحسن (خدا بخش)
نواب رحمت اللہ خاں شروانی (علیگڑھ)
ڈاکٹر اخلاق اثر (بھوپال)
ڈاکٹر انصار اللہ (علیگڑھ)
جناب تقی رحیم (پٹنہ)

کامریڈ حبیب الرحمٰن (پٹنہ)
جناب رشید حسن خاں (دہلی)
ڈاکٹر ریحان غنی (پٹنہ)
جناب عبدالسلام خاں (رامپور)
جناب فرخ جلالی (علیگڑھ)
پروفیسر محسن (پٹنہ)
جناب مسعود احمد برکاتی (کراچی)

جناب ہارون رشید (پٹنہ)
جناب اسلم پرویز (رانچی)
جناب انوار کریم (پٹنہ)
جناب جمال عبدالواجد (دہلی)
ڈاکٹر حسن مجید (پٹنہ)
ڈاکٹر رضوان احمد خاں (پٹنہ)
جناب شاہد رام نگری (پٹنہ)

جناب عبداللطیف اعظمی (دہلی)
محترمہ قرۃ العین حیدر (دہلی)
ڈاکٹر محفوظ الحسن (الکاما)
جناب منظر امام (سری نگر)
جناب سید ہاشم علی (علیگڑھ)
ڈاکٹر اعجاز علی ارشد (پٹنہ)
جناب انیس رفیع (کلکتہ)
جناب جمشید قمر (رانچی)

ڈاکٹر حنیف کیفی (دہلی)
ڈاکٹر رضوان احمد خاں (مونگیر)
جناب شفیع مشہدی (پٹنہ)
جناب غلام سرور (پٹنہ)
ڈاکٹر کمال الدین (دربھنگہ)
ڈاکٹر محمد حسن (دہلی)
ڈاکٹر نسیم اختر (پٹنہ)

رسائل کا اشاریہ

* برہان کا اشاریہ ——— ڈاکٹر شائستہ خان ——— ۱۱۳

بازیافت

* ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی کی پچاس سال پرانی دو اردو تحریریں ——— ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی ——— ۱۹۳

شیعہ سنی مسئلہ

* نادر شاہ ایرانی اور اتحاد اسلامی ——— ۲۲۱

تذکرہ

* برصغیر کے علمائے معقولات اور انکی تصنیفات ——— محمد عبدالسلام خاں ——— ۲۳۱

جناح

* محمد علی جناح ——— ایم۔ آر۔ اے۔ بیگ ——— ۲۴۳

ہندو مسلم مسئلہ

* ہندو مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ——— محمد یوسف اعظمی (نگار، اپریل مئی ۱۹۲۶ء) ——— ۳۶۷

نوادر

* تفسیر سورۂ فاتحہ و اخلاص (خدا بخش خاں) ——— تحفۂ مہر الٰہی ——— ۳۹۵
* انتخاب نمبر ۱: تحریریات انجمن علمیہ صوبہ بہار، ۱۸۶۶ء / لارڈ بیکن کی دو تحریریں (ترجمۂ خدا بخش خاں) وغیرہ ——— سید قرنیؔ جلالی ——— ۴۲۷

صلاح الدین خدا بخش

* عشق کی سوناتیں ——— صلاح الدین خدا بخش ز النّاظر، نومبر ۱۹۲۱ء ——— ۴۴۷

شیعہ سنّی مسئلہ

* شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک مکتوب گرامی ——— سید شاہ محمد فخر عالم ——— ۴۴۹

مناظر احسن گیلانی

* کوچۂ عشق رسول میں ——— مناظر احسن گیلانی ——— ۴۵۲

تذکرے

* مرآۃ الکاملین / آئینۂ کاملی ——— الطاف حسین خاں شروانی ——— ۴۵۶ / ۵۱۴

حصّۂ انگریزی

* فرہنگ ہلالی مرتبۂ ڈاکٹر شیخ غلام مقصود ہلالی ——— ترتیب، ڈاکٹر کلیم سہسرامی ——— ۱
* عربوں کی تاریخ کے لیے ایک قدیم مأخذ (کتاب الرّدہ نسخۂ خدا بخش) ——— فریڈ ایم۔ ڈونر ——— ۲۳



اردو مسئلہ

جڑوں کی آبیاری یا پتیوں پر چھڑکاؤ

حرفے چند

اردو دانشوری پر پٹنہ میں ۱۹۸۹ء میں ایک انٹر سیمینار ہوا۔ اس بار سے کے دانشوری سیمینار میں اردو زبان کے مسئلے کی بات بھی چھڑی۔ اردو کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ دانشوری کا مسئلہ اس سے بڑی گہرائی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہمارے دانشور کس سطح پر اور کس سطح کے ہیں، اردو دانشوری کہاں ہے اور کیسی ہے؟ اس سے بڑی حد تک متعین ہوتا ہے اردو کا مقام اور وہ مسائل جو اردو کو درپیش ہیں۔

اس لیے پہلے خیال یہ تھا کہ اس اردو مسئلے کے مباحث و مقالات کو دانشوری مقالات و مباحث کے ساتھ ہی شائع کیا جائے، لیکن پھر طے یہی ہوا کہ اسے الگ رکھا جانا ہی بہتر ہوگا۔ اس لیے یہ الگ سے پیش کیا جا رہا ہے؛ تاہم اوپر کی سطور میں جو اشارہ ہوا، وہ ذہن میں رکھ کے مطالعہ کیا جائے، اور اردو دانشوری کے مباحث و مقالات (جو الگ مجلد میں شائع ہو رہے ہیں) بھی پیش نظر رہیں تو اچھا ہوگا۔

—— وہاب

پیشگفتار

اردو مسئلہ پر آپ ہم سے کہیں بہتر لکھی ہوئی پیش گفتار کیوں نہ پڑھیں۔ جناب کلدیپ نیر صاحب کی ایک بڑی خوبصورت تحریر جو بہار اردو کنونشن (۱۹۸۳ء) کے افتتاحی جلسہ میں صدارتی خطبہ کے طور پر پیش کی گئی تھی:

"میں آج اردو کی تعریف میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اردو زبان کی مٹھاس خوبصورتی، الفاظ، شاعری کی تعریف دن رات ہوتی رہتی ہے ہر پلیٹ فارم سے ہوتی ہے لیکن اردو کے بنیادی مسائل پر بات کم ہوتی ہے اس لئے میں اردو سے متعلق میٹھی میٹھی باتیں کر کے اردو والوں کو غفلت کی نیند سلانے کی بجائے کچھ کڑوی باتیں کر کے انہیں غفلت سے جگانا پسند کروں گا۔

آج سے پندرہ برس پہلے میں نے پٹنہ شہر میں اردو ایڈیٹرس کانفرنس میں کچھ باتیں کہی تھیں ان باتوں کو میں پھر سے دہرانا چاہوں گا۔ میں نے کہا تھا کہ جب تک اردو کو اقتصادیات سے نہیں جوڑا جائے گا۔ اس کا مستقبل محفوظ نہیں ہو سکتا۔ جب تک اردو زبان کو تعلیم روٹی روزی کا ذریعہ نہیں بنائیں گے وہ اس تیزی سے ترقی نہیں کر سکے گی جیسی کہ اسے کرنا چاہیئے۔ بہار میں اس سلسلے میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ کچھ علاقوں میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا گیا ہے۔ لیکن زبانیں کسی حکومت یا برسر اقتدار گروہ کی

مدد یا حمایت سے نہ تو بنتی ہیں اور نہ ہی وہ کسی زبان کو ختم کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ اردو کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ اردو والے پورے جذبے کے ساتھ آگے آئیں اور سرکاری دفتروں سے لے کر ہر گلی کوچے تک اردو کے فروغ کے لئے جدوجہد کریں۔

دوسری چیز جس کے خلاف ہمیں لڑنا ہوگا وہ ذہن ہے کہ "اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے" یہ بات اردو کے دانا دشمن اور نادان دوست دونوں ہی کہتے ہیں۔ اردو دشمن یہ بات کہہ کر زبان کے معاملے کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندوستان کی سرزمین سے جنم لینے والی اس زبان کو غیر ملکی زبان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف اردو کے نادان دوست اسے مسلمانوں کی زبان کہہ کر اس کے ساتھ ہونے والے تعصب اور سوتیلے برتاؤ کا رونا روتے ہیں۔ اگر اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہوتی تو اردو کا سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار پنجاب سے شائع نہ ہوتا۔ اگر اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہوتی تو آج ہندوستان میں اردو پڑھنے بولنے والوں کی تعداد دس کروڑ کے قریب ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہے اردو کو کسی ایک مذہب یا فرقہ کے ساتھ جوڑنا اردو کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔

وہ لوگ بھی اردو کے دوست نہیں ہیں جو اردو کے دروازے بند رکھنا چاہتے ہیں۔ جو دوسری زبانوں کے الفاظ کو اردو کا حصّہ بناتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ جو فارسی زدہ اردو بولنا اور لکھنا اردو کی زندگی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ انداز فکر دنیا کی کسی بھی زبان کا ذہن نہیں ہوتا ہے۔ آج تک اردو کے

مقبولیت کی وجہ یہی رہی ہے کہ اس نے دنیا کی ہر زبان سے بہتر سے بہتر الفاظ بلا جھجک اپنے دامن میں سمیٹ لئے لیکن کچھ عرصہ سے اردو والوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اردو میں کسی قسم کی ملاوٹ پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ سچائی یہ ہے کہ جسے یہ ملاوٹ کہتے ہیں یہی اردو کی قوت ہے۔ اردو اپنے اندر دوسری زبانوں کے الفاظ جتنے زیادہ سموئے گی اتنی ہی اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔

اردو ہندوستان پاکستان کی مشترکہ زبان ہے۔ آج ہر ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس عمل میں اردو بہت اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ ان دونوں ملکوں کے درمیان نفرت کی چاہے جتنی دیواریں کھڑی ہوں لیکن اردو وہ پل ہے جو نفرت کی دیواروں پر سے گزرتا ہوا ہمیشہ دونوں ملکوں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ بنا رہے گا۔ ہمیں اس پل کو قائم رکھنا ہے اس مشترکہ سرمایہ کی حفاظت کرنی ہے۔

آیئے اب ہم اردو اکیڈمیوں کی بات کریں۔ آج ہندوستان میں درجنوں اردو اکیڈمیاں اور انجمنیں ہیں۔ لیکن ان اکیڈمیوں میں اردو کیلئے کیا کام ہو رہا ہے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کچھ بھی نہیں۔ ایسے موضوعات پر ریسرچ جن کا زبان سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے ادیبوں اور شاعروں کو ایوارڈ جو ادب کے لئے نہیں اردو کے لئے نہیں۔ عوام کے لئے نہیں۔ صرف ایوارڈ حاصل کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ اور کتابیں چھپواتے ہیں۔ جو پیسہ اور انرجی اردو کے فروغ کے لئے خرچ ہونی چاہئے تھی۔ جو پیسہ اردو کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچانے پر ستا عوامی ادب، بچوں کیلئے کتابیں وغیرہ

•

شائع کرنے پر خرچ ہونا چاہئے تھا۔ وہ رقم چند اردو فروشوں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ ہمیں ان اکیڈمیوں کے معیار کو بہتر بنانا ہوگا ان کا عوام سے رابطہ جوڑنا ہوگا۔

آیئے اب اردو ادیبوں اور شاعروں کی باتیں کریں اردو کے فروغ میں اسے مقبول عوامی زبان بنانے میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں کا اہم رول ہے۔ غالب سے لے کر فیض تک رتن ناتھ سرشار سے لے کر کرشن چندر تک اردو شاعروں اور ادیبوں نے اسے عام آدمی کے نظریات، دکھ درد اور روز مرہ کی زندگی کا عکاس بنایا۔ لیکن آج جب اردو ادیب اور شاعر عام آدمی سے بالکل کٹ کر رہ گئے ہیں۔ آج اردو کی کہانیاں اور افسانے روز مرہ کے درد کو الفاظ میں نہیں سمیٹتے۔ آج اردو ادب نہ سماج کے لئے نشتر کا کام کرتا ہے اور نہ مرہم کا۔ اس کے باوجود اردو ادیب اور شاعر کو یہ شکایت رہتی ہے کہ اس کی کتابیں بکتی نہیں ہیں،

آپ عام آدمی کی زبان میں بات کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کی کتابیں کیسے نہیں بکتیں کیسے آپ کو عوامی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔

خدا کے لئے اردو کو محدود مت کیجئے۔ اردو کو خواص کی زبان مت بنایئے۔ اردو کو اکیڈمیوں اور لائبریوں سے باہر نکال کر گاؤں دیہات میں پہونچایئے۔ اردو نے بازاروں اور گلیوں میں جنم لیا اور دربادوں کی زبان کبھی نہیں رہی

آج آپ اسے گلیوں سے اٹھا کر درباروں میں پہونچانا چاہتے ہیں یہاں اردو کا دم گھٹ جائے گا۔ اسے واپس گلیوں اور بازاروں میں لے جایئے پھر دیکھئے اردو کیسے پھلتی پھولتی ہے!؟

کلدیپ نیر کی مختصر مگر بہ جہت تحریر گیارہ سال کے بعد آج بھی تازہ لگتی ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑا ہے، نہ اردو مسئلوں میں اور نہ اردو والوں کی بے حسی میں۔ اردو زندہ ہے تو صرف ووٹ کے سبب؛ اور وہ سبب بھی غنیمت ہے۔ لیکن یہ منفی جینا، دوسروں کے سہارے جینا، اور مثبت طور سے اپنے آپ کچھ نہ کرنا حتیٰ کہ اپنے بچوں کو اردو سکھانے کے لیے کسی کے پاس گھنٹہ آدھ گھنٹہ بھی میسر نہ ہونا اصل مسئلہ ہے۔ اس کے ساتھ اسے بھی جوڑ لیجیے کہ حکومت کی طرف سے جو مالی عنایات و عطیات میسر ہیں وہ بھی بجائے اردو کے اردو والوں کے مالی مسائل حل کرنے میں کام آجاتے ہیں اور بس۔ ان 'عنایات' کے مصارف کی نگرانی کے لیے بھی اردو والوں میں زندگی کی کوئی رمق نہیں ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ عوام اردو مسئلہ سے واقف نہیں خواص کو اردو سے کوئی غرض نہیں ہے۔

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے 'پہ' گہر ہونے تک

آپ بھی انتظار کیجیے ہم بھی! کہ:

رگ و پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

[illegible]

فہرست

مقالہ نگار: ۵ —— ۷۲

عابد رضا بیدار ■ جناب سیّد حامد ■ پروفیسر محمد محسن ■ جناب سیّد ظفر ہاشمی
ڈاکٹر مسعود حسین خاں ■ جناب فرخ جلالی ■ جناب سیّد ہاشم علی ■ جناب ہارون خاں شروانی
جناب جمنا داس اختر ■ جناب جاوید اشرف ■ جناب بیتاب صدیقی ■ جناب ریحان غنی
جناب شاہد رام نگری ■ جناب شفیع عالم ■ جناب شمس کنول ■ جناب غلام سرور

بحث کے شرکاء: ۷۳ —— ۹۲

جناب ابوالفیض سحر (دہلی) ■ ڈاکٹر اخلاق اثر (بھوپال) ■ جناب اسلم پرویز (رانچی) ■ ڈاکٹر اعجاز علی ارشد (پٹنہ)
جناب اقبال انصاری (علیگڑھ) ■ ڈاکٹر انصار اللہ (علیگڑھ) ■ جناب انوار کریم (پٹنہ) ■ جناب انیس رفیع (کلکتہ)
جناب بیتاب صدیقی (پٹنہ) ■ جناب تقی رحیم (پٹنہ) ■ جناب جمال عبدالواجد (دہلی) ■ جناب جمشید قمر (رانچی)
جناب سیّد حامد (دہلی) ■ کامریڈ حبیب الرحمٰن (پٹنہ) ■ ڈاکٹر حسن مجید (پٹنہ) ■ ڈاکٹر حنیف کیفی (دہلی)
ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی) ■ جناب رشید حسن خاں (دہلی) ■ ڈاکٹر رضوان احمد خاں (پٹنہ) ■ ڈاکٹر رضوان احمد خاں (مونگیر)
ڈاکٹر رضی الدین احمد (ترپتی) ■ ڈاکٹر ریحان غنی (پٹنہ) ■ جناب شاہد رام نگری (پٹنہ) ■ جناب شفیع مشہدی (پٹنہ)
ڈاکٹر طارق سعید (فیض آباد) ■ جناب عبدالسلام خاں (رامپور) ■ جناب عبداللطیف اعظمی (دہلی) ■ جناب غلام سرور (پٹنہ)
جناب سید فضل احمد ریٹائرڈ آئی جی بہار ■ جناب فرخ جلالی (علیگڑھ) ■ محترمہ قرۃ العین حیدر (دہلی) ■ ڈاکٹر کمال الدین (دربھنگہ)
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی) ■ پروفیسر محسن (پٹنہ) ■ ڈاکٹر محفوظ الحسن (گیا) ■ ڈاکٹر محمد حسن (دہلی)
ڈاکٹر محمود الحسن (خدابخش) ■ جناب مسعود احمد برکاتی (کراچی) ■ جناب مظہر امام (سری نگر) ■ ڈاکٹر نسیم اختر (پٹنہ)
نواب رحمت اللہ خاں شروانی (علیگڑھ) ■ جناب ہارون رشید (پٹنہ) ■ جناب سید ہاشم علی (علیگڑھ) ■

عابد رضا بیدار

ماں کی ردا ــــ جو دن ہوئے نیلام ہو چکی

اردو میری وہ ماں ہے جس کی ردا پچھلے چالیس سال میں ریزہ ریزہ نیلام ہو رہی ہے۔ میں نیلام پر چڑھی اس ردا کو اب واپس لینا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ جس جس نے اس ماں کا دودھ پیا ہے اس سے دودھ اپنا حق مانگ رہا ہے۔

پٹنہ میں ادارہ تحقیقات اردو اور خدا بخش لائبریری کے اہتمام میں منعقد ہونے والی اردو ریسرچ کانگریس میں پچھلے تین برسوں سے اردو مسائل پر غور و فکر کے لیے جو سلسلہ چھڑا ہے، اس بار کی تیسری اردو ریسرچ کانگریس میں ادھر ادھر کے مسائل کو چھوڑ کر براہ راست بنیادی مسئلوں کو موضوع بحث بنایا گیا ــــ پہلا مسئلہ اردو دانشوری کا جائزہ تھا اور دوسرا خود اردو زبان کی بقا کا مسئلہ تھا۔

اردو دانشوری کا جائزہ، یہ خصوصی موضوع اردو دوستوں کو اس امر کی طرف موڑنے اور توجہ دلانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا کہ اب سے پہلے ہمارے لکھنے والے اپنے اردگرد سارے مسائل پر سوچا کرتے تھے اور اپنی سوچ کو سنجیدہ تحریروں میں قلمبند بھی کیا کرتے تھے اور صرف یہ نہ ہوتا تھا کہ اہل قلم نظمیں غزلیں، افسانے، ادبی تنقیدیں، ادبی تحقیقیں لکھ کر نبٹ جائیں: سرسید شعرائے دہلی کے احوال لکھتے تھے تو آثار قدیمہ پر بھی روشنی ڈالتے تھے، اکبر اور فیروز شاہ کی تاریخوں کو بھی مرتب کرتے تھے، معاشرتی مسائل پر بھی قلم اٹھاتے تھے۔ شبلی اگر انیس و دبیر کا موازنہ کرتے تھے تو مابعد الطبیعاتی، فلسفیانہ اور کلامی مسائل پر بھی لکھتے تھے، تاریخ اسلام پر بھی لکھتے تھے، تہذیبی تاریخ کو بھی اپنا موضوع بناتے تھے اور ان علوم کی تمام شاخوں کے مطالعہ میں اور ان کے لکھنے میں اپنا وقت لگاتے تھے جو ان کے عصری سماج پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ آج ویسا کیوں نہیں ہوتا۔ اس پر بھرپور بحث کرنی تھی خاصی بحث ہوئی بھی!

لیکن بات وہیں پر آگئی کہ دانشوری جاندار ادب کی پہچان ہے مگر: یہ ادب جس زبان کا ادب ہے،

اس زبان کا حال ہی دگرگوں ہے، تو ادب میں وہ جان کہاں سے آئے، دانشوری جس سے عبارت ہے!

تو، اصل، اہم، بنیادی مسئلہ تو خود اردو زبان کا مسئلہ ہوا! جس پر چالیس سال کی مدت میں ریزہ ریزہ تو سوچا گیا مگر سنجیدگی سے سر جوڑ کر بھرپور انداز میں کبھی بات نہ ہوئی۔ مقصد تھا کہ اس پر کچھ دیر بات ہو کہ ہر سال سرکار اردو پر مجموعی طور سے تیس کروڑ کی رقم صرف کرتی ہے تو اس سے اردو کا بنیادی کام کس حد تک ہو پاتا ہے۔ ریسرچ کانگریس نے یہ اجلاس اس لیے بلایا تھا کہ مخلص لوگ سر جوڑ کر بیٹھیں اور بنیادی مسائل پر سنجیدگی سے کچھ دیر بات کر سکیں۔ اپنے وقت کی، اپنے آرام کی، اور اپنی توانائیوں کی قربانی دیں تاکہ سامنے کے مسائل سے آنکھیں چار کر سکیں اور آنے والی نسلوں کے سامنے ہم کسی جگہ تو سرخرو ہو سکیں۔ اس پر گفتگو کریں کہ اگر اردو کا بنیادی کام نہیں ہو رہا ہے تو اس میں سرکار کی بدنیتی ہے، یا خود ہم اردو والوں کو سانس لے کر، ٹھہر کر، یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے کہ ہماری ترجیحات کیا ہیں۔ اس پر گفتگو کریں کہ تیئوں پر چھڑکاؤ کب تک؟ جڑیں کب تک سوکھتی رہیں گی؟ اس پر گفتگو ہوئے کہ اردو کی موجودہ تحریک اور ادب کے سربراہ موجودہ ادارے، اداروں کے نگہباں اور موجودہ تنظیموں کے ذمہ داران اور سرکار کی تیس کروڑ کی رقم، اردو کے لیے امداد کے مستفیضان، زیادہ سے زیادہ اگلے چالیس سال اور زندہ رہیں گے! لیکن اس کے بعد، نئی نسلوں کا ایک قافلہ بھی تو آئے گا، اور اس کے بعد اردو تہذیب اور اردو زبان اچھی یا بری جس شکل میں رہی اس کا نام تو تاریخ کا حصہ بنا ہی رہے گا!

پھر براہ راست ایک سوال کا جواب تلاش کرنا تھا کہ: آنے والی تاریخ میں ہم سب اپنے لیے انفرادی فائدہ اٹھانے کے بجائے اس مشن کو تقویت دینے کے لیے کیا کر پا رہے ہیں جس اہم مشن کی کامیابی اور ناکامی پر ہماری زندگیوں کے بعد اردو کی تقدیر کا انحصار ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس دنیا سے رخصت ہوں اور آنے والے سوالوں کے جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہ رہیں کیا یہ اچھا نہیں کہ آج اس وقت، ہم اپنے آپ سے سوال کریں اور اپنے آپ اپنی سکت بھر کچھ جواب تلاش کر لیں، ایسے جواب جن میں سود و زیاں کے کاروبار سے بے نیاز ہو کر اپنی تہذیب کو بچانے کا کچھ سامان کر لیا جائے، وہ تہذیب جو اس ملک کا قابل فخر ورثہ ہے۔

بہت سی باتیں ہوئیں، کچھ رہ بھی گئیں۔ ہم لوگ اب جیسے بھی ہیں، ہیں۔ (آرڈر پر بنائے تو نہیں جا سکتے!) اسلیے جب کسی قومی مسئلے پر بات ہوتی ہے تو گرمی زیادہ ملتی ہے، روشنی کم۔

اردو مسئلہ میں بنیادی بات اس بار صرف اس نکتہ پر کرنی تھی کہ سرکاری، نیم سرکاری اردو اداروں اور تنظیموں کو حکومت جو امداد دیتی ہے، اس کے جو جو مصرف ہیں ان میں، اس صدی کے بعد بھی اردو پڑھنے والے ملیں، اس نکتہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے یا نہیں! اور یہ کہ اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے تو محض بے خیالی ہے یا پھر ان کے دستور میں کوئی کمی ہے۔

اجلاس میں اردو اداروں اور تنظیموں کی قابل لحاظ نمائندگی سے افہام و تفہیم کی فضا قائم رہی، ساتھ ہی اردو تحریک اور اردو ادب کے اہم لوگ بھی جلسے میں موجود تھے۔ تین مرکزی جامعات میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے خود وائس چانسلر سید ہاشم علی صاحب تھے۔ جامعہ ملیہ کی نمائندگی اردو کے پروفیسر حنیف کیفی کر رہے تھے، دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹر عبد الحق تھے، انجمن ترقی اردو ہند کے صدر سید حامد صاحب اور جنرل سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم تھے، ساہتیہ اکادمی سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اکادمی کی نمائندگی کر رہے تھے، ترقی اردو بورڈ نے ڈاکٹر ابو محمد سحر کو نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، اردو اکادمیوں کی نمائندگی سراج الدین صاحب، شاہ مشتاق صاحب، شین مظفر پوری صاحب، ڈاکٹر عبد الاحد صاحب، حفیظ اللہ نیولپوری صاحب، علاوہ ازیں بہار اقلیتی کمیشن کے وائس چیرمین، اقلیتی کمیشن کے رکن رکین، ہمدرد نیشنل فاونڈیشن کے ایجوکیشن ایڈوائزر، این سی ای آر ٹی کے مشیر، اردو ٹکسٹ بک کارپوریشن کے اردو مشیر، آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن کے (نجی طور سے شریک) ماہرین، دس اہم اخباروں کے مدیر اور دو درجن سے زیادہ اردو مسئلہ سے شغف رکھنے والے مخلص مفکر اور ادیب اجلاس میں شریک رہے۔

اردو کے سلسلے میں جہاں اصل مسئلہ پر باتیں ہوئیں وہاں اردو روٹی روزی کی بات، اردو کے لیے سڑکوں پر نکل آنے کی بات، پبلک مفاد سے اردو کے رشتہ کی بات' اور زائد رسم الخط کی بات' بھی ہوئی! یہ سب اردو مسئلے کی جہات ہیں اور ان امور پر باتیں کرنی ضروری ہیں۔ شرکا میں سے بہتوں نے اچھی خاصی گفتگو ان مسائل پر کی بھی — لیکن ہمیں سمٹانے، توجہ مرکوز کرنے' اور غیر محدود کو محدود بنانے کی عادت نہیں رہی ہے، اس لیے مرکزی خیال کا دامن ہمیشہ ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتا ہے۔ یہاں لوگ اس لیے نہیں جمع ہوتے تھے کہ سرکار سے کچھ مطالبے کریں۔ جمع اس لیے ہوئے تھے کہ اپنے آپ سے کچھ مانگیں۔ مسئلہ اس وقت قطعی یہ نہیں تھا کہ کس ریاست میں دوسری اور تیسری سرکاری زبان بنوایا جائے، بلکہ صرف اتنا کہ خود اردو والوں کے گھر کی زبان تو بنی رہ جائے! کوئی مالک رام یہ تو نہ کہے کہ اب میرے بعد کچھ دن میں میری کتابوں اور میرے ذخیرے کو استعمال کرنے والا گھر میں تو کوئی رہے گا نہیں'

اس لیے اس سارے اندوختے کا کرنا کیا ہے! مسلم یونیورسٹی میں پڑھنے والے بچے کا باپ اس پر تو فخر نہ کرے کہ میرے بچے کو اردو نہیں آتی، وہ انگریزی یا ہندی میں خط لکھتا ہے۔ میں اردو کی اس تقدیر کے خلاف لڑنا چاہتا ہوں جو ہم خود بنا رہے ہیں! یہ اس کی قدرتی سرنوشت نہیں ہونی تھی جو ہمارے ہاتھوں لکھی جا رہی ہے!! یو۔پی اور بہار، دہلی اور حیدر آباد، بھوپال اور ٹونک، بنگلور اور میسور کا اردو بولنے والا مسلمان ۱۹۷۱ء کے بعد، بجرنگ بلی نعرے پر اب کراچی یا ڈھاکہ کا رخ نہیں کرتا، اس کی یہ کشتیاں جل چکیں! پنجاب اور دہلی کا سکھ، ہند سماچار کا ہندو قاری اور پریم چند سے گیان چند تک کی نسل کے اردو استعمال کرنے والے اَن گنت ہندو بھی اپنے گنگا جمنی ورثہ سے دست بردار ہونے کے لیے کسی طرح تیار نہیں۔ آنند نرائن ملا اس تاریخی قافلہ کا تنہا راہی نہیں جو کہتا ہے میں اپنے مذہب سے دست بردار ہو سکتا ہوں، اپنی ماں کی زبان نہیں چھوڑ سکتا! لیکن اردو والے ایک مدت سے بے حسی کا اس بری طرح شکار ہیں کہ لگتا ہے کہیں کوئی ایک کڑی ٹوٹ گئی ہے جس سے مکمل رشتۂ خیال شکستہ ہو گیا ہے۔ نتیجہ میں ساری منصوبہ بندی (اول تو منصوبہ بندی ہے ہی کہاں!) جو بھی ہے گستہ، شکستہ، شکست خوردہ ہے۔

ہماری غرض یہ ہے کہ ابھی اور کچھ نہیں کرنا ہے، صرف مل کے بیٹھنا ہے، بار بار ملنا ہے، جلد جلد ملنا ہے اور اردو کو اس صدی کے بعد بھی باقی رکھنے کا منصوبہ بنا لینا ہے۔

اردو مسئلے کے سفر کے پورے پھیلاؤ کو یکدم حل کرنے کی کوشش زیادہ سود مند نہیں۔ میرے خیال میں اس کی چار پانچ منزلیں تقسیم کر کے یہ سفر طے ہو تو کچھ حاصل بھی ہوتا جائے گا اور ہم تھکنے سے بھی بچ جائیں گے۔ اور پہلی منزل ان تمام اردو اداروں (اکادمیوں، بورڈوں، ریجنل سنٹروں، ریاستی آرگنوں، مرکزی اور ریاستی سرکاری تعلیمی تنظیموں، انجمنوں، اہم جامعات کے اردو شعبوں) کو اردو کے بنیادی کام کی طرف قطعیت کے ساتھ ایک موڑ دینا ہے تاکہ اس صدی کے بعد بھی ہمارے پڑھنے والے ہمیں مل سکیں۔ بس صرف وَن پوائنٹ پروگرام لے کر چلا جائے اور اس کے لیے پانچ ورنہ ضروری ہو تو دس سال لگا دیئے جائیں تاکہ پچھلے چالیس سال کا پرائشچت ہو سکے۔ اس وقت ایک یہی بنیادی کام ہے۔

اور پھر اس مذکورہ بنیادی کام میں ہر شخص میں کتنا خلوص ہے، یہ بھی پتا چل جائے گا، کیونکہ اس میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دینا ہوگا، اسے ملے گا کچھ بھی نہیں! اردو کا کاروبار تو بہت ہو چکا اب کچھ بنیادی کام بھی ہو جائے!

گاندھی کی زبان

اردو ہندی کے علاوہ گاندھی جی کی زبان 'ہندستانی' کی بات بھی چھڑی۔ یہ وہ زبان ہے جو بعضوں کے خیال میں گاڈسے کی گولی سے مہاتما کے ساتھ ختم ہو چکی۔ کچھ دوست اس سے متفق نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ زبانیں نظریوں عصبیتوں کے ساتھ نہیں چلتیں، پبلک مفاد کی کوئی بھی چیز صرف اس مفاد کے موافق ہی چل سکتی ہے اور یہ کہ پبلک مفاد نے جناتی ہندی کو آہستہ آہستہ رد کر دیا ہے' اور اس کے نتیجہ میں ہندستانی حاوی آتی جا رہی ہے۔

اردو ہندی ہندستانی

ہندستانی کے حاوی آتے جانے کی بات ایک اور رخ سے بار بار چھڑی کہ فلم، مشاعرہ، ریڈیو سب جگہ وہی آسان زبان استعمال ہو رہی ہے (نارنگ، حبیب الرحمٰن) بلکہ ایک رائے تو یہ بھی تھی کہ اخبارات تک میں یہی زبان حاوی آ رہی ہے (شاہد رام نگری)۔

ان باتوں کے درمیان کچھ صاحبان لفظ ہندستانی کے بجائے لفظ اردو کا استعمال کر رہے تھے لیکن ظاہر ہے ان کا مطلب بولی سے تھا' زبان سے نہیں۔ اور بولی بغیر رسم الخط میں ہندستانی کہی جا سکتی ہے جو فارسی رسم الخط میں لکھی جائیں تو اردو اور ناگری میں لکھی جائیں تو ہندی۔ ذہن میں دھندلکے نہیں رہنے چاہئیں اس سے کوئی بھی ایشو صاف نہیں ہو پاتا۔ مثلاً یہی ہندستانی اور اردو کی بات ہے۔ بار بار کہا جاتا ہے کہ فلم اور مشاعرہ کے ذریعہ اردو زندہ ہے' اردو مر نہیں سکتی، اردو گھر گھر پھیل رہی ہے۔ پتا نہیں ہمیں بے وقوفوں کی جنت میں رہنے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے بے شک فلم اور مشاعرہ ہی نہیں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان بھی وہ ہوتی جا رہی ہے جو عوام سمجھتے ہیں لیکن یہ تو عوامی بولی کی جیت ہوئی اردو کہاں سے آ گئی۔ یہ تو مہاتما کی جیت ہوئی جو کہتا تھا آسان زبان ملک کے بڑے حصہ کی زبان، ہندستان کی زبان، ہندستانی ہے جو دو رسم الخط میں لکھی جاتی ہے مگر ابھی مہاتما کی آدھی جیت ہوئی ہے' اور وہ جیت بھی مہاتما کی نہیں بلکہ مفاد کا جبر ہے۔

مہاتما کی شکست خوردگی

مہاتما کی آدھی شکست خوردگی آج بھی قائم ہے، آج بھی اس ملک کی کروڑوں کی آبادی کو گونگا بہرا بنانے کا عمل جاری ہے اور جمہوریت کے تمام تر مظاہر کے باوجود اتنی بڑی آبادی کو اس کا رسم الخط واپس نہیں ملا ہے۔ اس کے لیے آئینی جدوجہد جاری ہے اس جدوجہد کے نتیجہ میں ایک ریاست میں ایک حد تک

اس کے آئینی حق کو تسلیم کیا جا چکا ہے جس پر عمل درآمد کی جو شکایتیں ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ دور ہو جائیں گی۔ جدوجہد جاری ہے جس کے نتیجہ میں اس ریاست میں مزید اچھے نتائج کی امید کی جا سکتی ہے۔ بعض اور ریاستوں میں بھی اردو آبادی اپنے حقوق کی طلب میں آئینی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ لیکن اب ایسا خیال ہونے لگا ہے کہ حق ملتے کم ہیں اس لیے حق چھیننے کی بات ہونی چاہئے خصوصاً جب دوسرے سارے راستے آزمائے جا چکے۔ اسی لیے متعدد صاحبوں نے کہا کہ وقت آگیا ہے کہ اردو تحریک کو عوامی تحریک کی شکل میں چلایا جائے۔

عوامی تحریک

عوامی تحریک ضرور چلے لیکن اس طرح نہیں جس طرح بعض ناعاقبت اندیش ذاتی اغراض کے لیے جذباتی عوام کو استعمال کر کے اپنا کھیل کھیل جاتے ہیں۔ یہ عوامی تحریک اگر اس طرح چلی کہ بقول ڈاکٹر فارنگ لسانی اقلیت کو مذہبی اقلیت بنا کے پیش کیا گیا کہ اس گمراہ کن طریقے سے سڑکوں پر تو بہت سوں کو لے آ سکتے ہیں لیکن سچائی کا راستہ یہ نہیں ہے۔ سچ یہ نہیں ہے کہ اردو بنگالی اور مدراسی مسلمان کی مادری زبان ہے لیکن سچ یہ ضرور ہے کہ یوپی اور بہار اور کشمیر اور پنجاب اور ہماچل پردیش اور ہریانہ اور دہلی اور مدھیہ پردیش اور راجستھان اور حیدرآباد اور بنگلور اور میسور کے بہت سے ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں کی زبان اردو ہے۔ سچ یہ نہیں ہے کہ کیرالا کا مسلمان اردو بولتا ہے اردو استعمال کرتا ہے، لیکن یہ سچ ضرور ہے کہ یوپی کے متعدد ضلعوں میں اردو ایک بڑی اکثریت کی زبان ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں اور دوسری مذکورہ ریاستوں میں بھی اردو نے ہی حد بندیوں کو ہمیشہ توڑے رکھا ہے۔ اس لیے عوامی تحریک کو اس کا لحاظ رکھنا ہوگا کہ زبان کا مسئلہ مذہبی مسئلہ یقیناً نہیں ہے۔

گنگا جمنی تہذیب کو بچانے کا مسئلہ

غلط فہمی اصل میں کہاں سے ہوئی اس نکتہ کی گرفت سے باتیں غیر واضح نہیں رہیں گی۔ ہوا یہ کہ آزادی کے بعد یکایک ایسا لگا کہ صدیوں میں جو ایک ملا جلا کلچر، ایک گنگا جمنی تہذیب اپنے سارے حسین مظاہر کے ساتھ ابھر کر دلوں پر قبضہ کر چکی تھی وہ ملک کی تقسیم کے ساتھ ایسا لگا جیسے ہوا میں اڑ گئی، پاکستان میں اسلیے اسکے واسطے جگہ نہ تھی کہ پاکستانی نظریہ سازی کی بنیاد اور نقطۂ آغاز ہی اس مشترک تہذیب کے خلاف تھا اور ہندستان کے ظلمت پسند طبقہ کے نزدیک اب اس تہذیب کی جگہ یہاں اسلیے نہیں تھی کہ اگر پاکستان کی قوم کو ایک مصنوعی نظریہ کی بنا پر نئی تہذیب بنانے کا حق تھا جو پنجاب اور سندھ اور پشاور کے ہوتے ہوئے موہن جوداڑو اور ہڑپا اور ٹیکسلا کو

نظر انداز کر سکتی تھی ـــــــ تو ہمیں وہ حق کیوں نہیں پہنچتا کہ ایک ہزار سال کے پورے تہذیبی دور کی تشکیلات کو اس کے مظاہر کو، اس کے اثرات کو تاریخ سے نہ سہی نئے ہندستانی سماج سے تو کھرچ کے پھینک ہی دیں!

بہت کوشش کی دوستو! اپنی سی کر کے دیکھ لی!! لیکن ہوا یہ کہ دونوں طرف، نفرت کے لاوے، ہیں، نفرت پیدا کرنے والے جلتے چلے گئے اُدھر وہ مصنوعی نظریہ ۲۴ سال چل کے ۱۹۷۱ء میں اپنی قدرتی موت مر گیا ـــــــ ـــــــ اب اِدھر نبٹنا ہے! اور یہ نبٹارا میں آپ اِس جیسے سمیناروں میں بیٹھ کر نہیں کر پائیں گے، ہم سے آپ سے زیادہ توانا مفادِ عامہ خاموشی سے فیصلہ لکھنے میں مصروف ہے لیکن حامد صاحب کے بقول اگر اس فیصلہ میں آپ کا کوئی ہاتھ نہ ہوا تو آنے والی نسلیں آپ کو معاف نہیں کریں گی۔

زمانہ اپنا فیصلہ لکھتا جا رہا ہے۔ مگر اس کے ہر پیراگراف کا عنوان کہیں جواہر لال نہرو ہے (جس سے سردار پٹیل نے پوچھا تھا آٹھویں شیڈول میں جو اردو بڑھا رہے ہو یہ کس کی زبان ہے؟ اور اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا تھا سردار یہ میری زبان ہے میری مادری زبان!) کہیں گاندھی (جو کہتا تھا اس ملک کی زبان وہ ہندستانی ہے جو دو خطوں ناگری اور فارسی رسم خط میں لکھی جاتی ہے) کہیں اندرا ("اردو شاندار اور جاندار زبان ہے' ہماری زبان ہے' اس ملک کی زبان ہے' یہیں پیدا ہوئی یہیں پلی بڑھی اس کا اس دیش پر حق ہے"!) کہیں تیج بہادر سپرو کہیں ہردے ناتھ کنزرو کہیں برجموہن دتاتریہ کیفی کہیں آنند نرائن ملّا!!

ـــــــ زمانے کے اس فیصلے کے آخری پیراگراف لکھے جانے کا وقت آگیا ہے۔ اب بھی اگر ہم ان بچی کھچی سطروں کا ایک معمولی سا حقیر عنوان بھی نہ بن سکے تو تاریخ ہمارے کلنک کو بھی بھولے گی نہیں اور قیامت تک کے لیے یہ کریڈٹ ہماری نسل کا طرّۂ امتیاز بنا رہے گا کہ ہندستان کا پبلک مفاد یہاں تک تو خود ہی لے آیا تھا ـــــــ اس کے بعد اس نسل کو صرف یہ بتلانا تھا کہ تہذیبی ورثہ کو فنا کرنے سے پوری قوم ہار جاتی ہے پوری قوم ایک بیش قیمت شے سے محروم ہو رہی ہے اور اس کی قیمت جاننے والے یہ بتانے کی زحمت بھی نہیں کرتے کہ کیا قیمتی چیز ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔

ـــــــ



ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا تھا، آزادی کے دس گیارہ برس بعد وہ پٹنہ میں ادارہ تحقیقات اردو کی ایک نمائش کا افتتاح کر رہے تھے، انہوں نے کہا تھا: اور اسی پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں کہ ایک وفادار ہندستانی شہری کی حیثیت سے مجھے یہ زبان اس زندگی کے پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کی بشارت دیتی ہے جو ہم سب ہندوستانی اپنے آزاد دیس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس زندگی کی روح کیا ہے؟ اس کی روح ہے اور ہمیشہ سے رہی ہے کثرت میں وحدت کی تلاش! الگ الگ اور طرح طرح کے عناصر سے ایک ملی جلی گنگا جمنی تہذیب کے بنانے کی آرزو، جو زینتِ چمن کو گلہائے رنگ رنگ کا نتیجہ جانتی ہے جو رنگ برنگے تمدنی پھولوں کو وحدتِ قومی کے ڈورے میں پرو کر ایسا ہار بنانا چاہتی ہے کہ وہ ہار گوندھ کر انسانیت کی گردن میں ڈالا جائے تو اس کی شوبھا کو بڑھا دے، جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ ع "ہر رنگِ لالہ و گل و نسریں جدا جدا!" یہ کہنے کی ہمت رکھتی ہے کہ "ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے" جہاں کل اپنے کو جزو کا رقیب نہیں سمجھتا۔ اس کی طاقت کو اپنا بل جانتی ہے۔ ہندوستانی زندگی کے تمدنی مظاہر میں مجھے یہ روح اردو زبان کے بڑے ستھرے اور نکھرے ہوئے روپ میں دکھائی دیتی ہے۔ فرقے کی زبان

اردو نہ کسی فرقے کی زبان ہے، نہ کسی مذہب کی زبان ہے، نہ کسی حکومت کی زبردستی چلائی ہوئی زبان ہے، نہ کسی خاص نیت سے مصنوعی گڑھی ہوئی زبان ہے۔ یہ تو جنتا کی بولی ہے! لوگوں کی زبان ہے! آپس کے میل جول کا پھل ہے، میلوں، ٹھیلوں، بازاروں

منڈیوں کی ریل پیل میں رلی ہوئی زبان ہے، زندگی کے بیوپار کے کانٹوں میں تلی ہوئی زبان ہے، چیزوں کے لین دین کے ساتھ ویا۔ دل کے لین دین کا نتیجہ ہے، یہ فقیروں اور سنتوں کی زبان ہے جو اپنے پریم سے چھلکتے ہوئے دل کی بات اوروں تک پہنچانے کے لیے بے کل تھے اور جن کی من موہن باتیں سننے کو عام لوگ کان لگائے رہتے تھے اسی لیے یہ محبت اور پریم کی زبان ہے، رواداری کی زبان ہے، میل ملاپ کی زبان ہے، اس کا دل بھی بڑا ہے اس کی جھولی بھی بڑی ہے۔ یہ نئے انداز سے جھجکتی نہیں، نئی بات پر بدکتی نہیں، لفظوں سے گھنیاتی نہیں وچاروں سے چھوت چھات نہیں کرتی۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اُردو کے یہ گُن خواہ مخواہ گا رہا ہوں، ان کا ذکر اس لیے کرتا ہوں کہ ہمیں جو سماج بنانا ہے اس میں جوڑنے والی طاقتوں کو اُبھارنا ہے، توڑنے والی طاقتوں کو دبانا ہے۔ زبان جوڑنے والی طاقت ہے، ہر زبان جوڑتی ہے، پر ہر زبان والے اسے اپنے کو دوسروں سے الگ کرنے کا آلہ بنا لیتے ہیں، اس پر لڑتے ہیں، کٹتے مرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر تہمتیں باندھتے ہیں۔ ایک ہی دیس میں ایک زبان والا علاقہ دوسری زبان والے علاقے سے ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے کوئی پرایا دیس ہو۔ یہ سب تو بھول کی باتیں ہیں اور آج جب کہ دیس کو اپنی آزاد زندگی کی پہلی کٹھن منزل در پیش ہے اتحاد قومی از بس ضروری ہے۔ ان جھگڑوں میں پھنس کر ہم ان مشکلوں کا سامنا کیسے کریں گے جو آگے دکھائی دے رہی ہیں۔ اُردو چونکہ دیس کے کسی ایک علاقے میں محدود نہیں ہے۔ ہر جگہ ہی اس کے بولنے اور سمجھنے والے موجود ہیں اس لیے اس کو تو وحدت قومی کے پیدا کرنے میں سب سے آگے ہونا چاہیے لیکن

پچھلی تاریخ نے اس میں بھی بہت سے پیچ ڈال دیے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ مسلمانوں کی زبان ہے کوئی کہتا ہے یہ پردیسی زبان ہے مگر سچ یہ ہے کہ یہ نہ خالی مسلمانوں کی زبان ہے نہ پردیسی زبان ہے۔ اور اچھا مان لو کہ یہ مسلمانوں ہی کی زبان ہوتی تو بھی تو ہماری آزاد جمہوری زندگی میں یہ کوئی عیب کی بات نہ ہوتی۔ ہر آدمی جو ہمارے دیس میں بستا ہے، اسے اپنا دیس جانتا ہے اس کے ودھان کو مانتا ہے، اس کے مطابق چلتا ہے، وہ ہمارا بھائی ہے ساتھی ہے دوست ہے، اس کی ترقی ہماری ترقی ہے، اس کی بھلائی میں ہماری بھلائی ہے مگر اردو تو خالص مسلمانوں کی زبان ہے بھی نہیں۔

کوئی فہرست نہیں بنائی ہے جو نام اس وقت یاد آ گئے وہ لیتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ "تربھون ناتھ ہجر، جوالا پرشاد برق، رتن ناتھ سرشار، پروفیسر رام چندر، سدرشن، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، برجموہن دتاتریہ، نسیم چکبست، سرور جہاں آبادی، فراق گورکھپوری، منشی نولکشور، لالہ سری رام صاحب خمخانہ جاوید، منوہر لال زتشی، دیا نرائن نگم کی زبان کو کوئی مسلمان کی زبان کیسے بتاتا ہے اور اس زبان پر مذہبی تنگدلی اور فرقہ پرستی کی تہمت کیسے باندھ سکتا ہے؟ جس زبان میں آریہ سماج کا تمام تر مذہبی لٹریچر موجود ہے اسے مسلمانوں کی زبان کہہ کر تنگدلی اور تنگ نظری کی پرورش کرنا کون سی دیانت ہے، کون سی فراست ہے، پھر اردو نہ بدیسیوں کی زبان ہے نہ بدیسی زبان ہے۔ ذرا دیکھیے تو قدم قدم پر اسکی شہادت ملتی جائیگی۔ لسانی نقطۂ نظر سے اسکے افعال اور حروف، اور عام ضرورت کے اسم سب ہندی ہیں۔ اسکی آوازوں پر کان دھریے تو ایران اور عرب سے کوئی رشتہ نہیں ملتا۔ آوازوں کی بہت بڑی

تعداد خالص ہندستانی ہیں۔ عربی لفظوں میں جو سامی آوازیں آئی ہیں انھیں بھی بول چال میں ہند یا لیا ہے لکھائی میں بھی کہ اس کے پردیسی ہونے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ دیوناگری کے مقابلے میں ہمارے رسم الخط میں جنوں ہندوستانی آوازوں کے ظاہر کرنے کا اس میں سامان ہے اس میں ڑ، ڈ، ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ، بھ، پھ، بھ، چھ اور کھ کیا پردیسی آوازوں کے نشان ہیں؟

دوستو! شاید اس وقت یہاں اردو دوست زیادہ جمع ہوں، آپ سے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کا فرض ہے کہ اپنی عزیز زبان کی روح کو آپ کسی حال میں مسخ نہ ہونے دیں۔ کوئی اس روح سے ناواقف ہو تو اسے بتائیں کہ یہ روح کیا ہے۔ اس روح کو تازگی بخشیں کہ ایک اچھی سماجی زندگی کے بنانے میں آپ کا ادب کسی اور سے پیچھے نہ رہے۔ زبان اور ادب کا مقابلہ یہ نہیں کہ کسی سے روٹھ گئے، کسی کو برا سمجھ لیا، کسی کو دبا دیا، اس میں جیت اس کی ہے جو خدمت کے میدان میں اور دل سے بازی لے جائے۔ مقابلہ اس میں کیجیے کہ کس زبان کے گیت قوم کے دل کو گرماتے ہیں، کس کا ادب صالح اقدار کی ترویج کا ذریعہ بنتا ہے۔ کون اچھے آدمی، اچھی ریاست اور اچھے سماج کے بنانے میں، اس کو عدل و انصاف، صداقت و امن کی بنیادوں پر مضبوط کرنے میں، غلطی کرنے پر جرأت سے ٹوکنے میں، نیکی کو فراخدلی سے سراہنے میں، دماغوں کو تنگ نظری اور تنگدلی کے جالوں سے صاف کرنے میں، علم کی سرحدیں آگے بڑھانے میں، آدمی نے جن سچائیوں کا سراغ لگا لیا ہے، کہیں لگایا ہو، کسی نے لگایا ہو، ان سے اپنے ہم وطنوں کے ذہنوں کو منور کرنے میں، جذبۂ قومی کو ایک قومی اور مؤثر جذبہ بنانے میں، وطن اور اہلِ وطن کی اچھائیوں اور خوبیوں سے وہ

ذہنی وابستگی اور روحانی دلبستگی پیدا کرنے میں، جو قومی وفاداری کی جڑ ہے کون زبان دوسری زبانوں سے زیادہ کارگر ہے۔ یہ نیکی کا مقابلہ ہے۔ اس میں جیت اور ہار نہیں ہوتی۔ اس میں مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں اور دوسرے کے آگے بڑھ جانے پر بھی اتنا ہی خوش ہوتے ہیں جتنا خود اپنے آگے نکلنے پر۔

میری التجا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تاریخی اتفاقات نے اُردو ہندی کے تعلق میں جو گتھیاں سی ڈال دی ہیں وہ اُردو اور ہندی دونوں کے کام کرنے والے اپنی سوجھ بوجھ اور صاف دلی سے اس طرح سلجھائیں گے کہ یاد بھی نہ رہے گا کہ کبھی یہ الجھنیں پیدا بھی ہوئی تھیں۔ محبت سے کہتے ہیں ٹوٹے دل جڑ جاتے ہیں اور ایسے جڑتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں بال پڑا تھا

دلِ شکستہ در آں کوے میکنند درست
چنانکہ میشناسی کہ از کجا بشکست

میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ اُردو کسی طرح ہندی کی رقیب نہیں ہے۔ سب ہندوستانی شہری، ان کی زبان کچھ بھی ہو، دستورِ ہند کے مطابق ہندی کو دیس کی سرکاری زبان مانتے ہیں اور اس کی ترقی میں ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، اُردو والے بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ پھر اُردو ہندی کی رقیب کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ بھی ہندوستانی دستور کی تسلیم کی ہوئی قومی زبانوں میں سے ایک ہے اور ہندی سے سب سے قریب ہے۔ ●●

جناب سید حامد
دہلی



شیش محل میں بیٹھ کر اعتراضات کے پتھر ادھر اُدھر پھینکنا بڑی خطرہ طلب بات ہے۔ اردو کی بقا کے متعلق جو سوال اٹھایا گیا، اس میں سبھی جغرافیائی خطے آجاتے ہیں: اردو کی بقا کا جہاں تک تعلق ہے، ہم کو ہندستان کے متعلق سوچنا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ پاکستان میں اردو باقی رہے گی۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ وہاں اردو کو دوسری علاقائی زبانوں کے مقابلہ میں دشواریوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، لیکن پھر بھی وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اردو وہاں ترقی کرے گی اور فروغ پائے گی۔ اب ہندستان میں اردو کی بقا کے کیا امکانات ہیں، اسی کے متعلق ویسے تو میں ہمیشہ ایک رجائی نقطہ نظر رکھتا ہوں لیکن مجھ کو اندیشہ یہ ہے کہ جس رفتار سے اردو زوال پذیر ہے اس وقت ہندستان میں اگر اسی رفتار سے وہ چلتی رہی تو یہ زیادہ دنوں کی مہمان نہیں ہے؛ اور اس کے شواہد آپ کو اپنے ملک میں ہر طرف ملتے ہیں؛ اور جس صوبے سے میرا تعلق ہے وہاں تو تقریباً دو پیڑھیاں اردو سے بے بہرہ ہو چکی ہیں؛ اور وہ صوبہ اس کا زعم کرتا تھا کہ ہماری زبان ٹکسالی زبان ہے اور اردو کا گھر ہے۔ بہت سی مستثنیات بھی ہمیں مل جائیں گی، ان مستثنیات کی بنا پر خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اردو کو قبول عام حاصل ہو رہا ہے، یہ بات بھی اپنی جگہ پر ہے لیکن قرائن یہ بھی ہیں کہ اس قبول عام کے باوجود اس کی حیثیت صرف ایک بولی کی رہ جائے گی، زبان کی حیثیت نہیں رہے گی؛ —— ہندی، اردو، ہند آریائی زبان کی دو شاخیں ہیں اور ان میں مابہ الامتیاز صرف رسم خط ہے؛ اگر رسم خط کو ہم نے مضبوطی کے ساتھ نہیں پکڑا اور رسم خط کی ترویج کی کوشش ہم نے نہیں کی تو کچھ عرصے کے بعد آپ کی زبان باقی نہیں رہے گی۔ آپ اس بات سے مطمئن ضرور ہو جائیں گے کہ ٹیلی ویژن کی زبان، ریڈیو کی زبان اور بعض ہندی اخباروں کی زبان دراصل اردو ہے۔

کسی پیڑ کے لیے جہاں جڑیں بہت ضروری ہوتی ہیں وہاں اس کی نشو و نما کے لیے پتیاں بھی درکار ہوتی ہیں، اگر آپ کسی پودے کو پتیوں سے محروم کر دیں تو وہ پودا مرجھا جائے گا، کیونکہ پیڑ کے تغذیے کا سامان نہ صرف جڑوں سے ہوتا ہے بلکہ پتیوں سے بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ یہ تعلق رسم خط اور زبان کا تعلق، نہ جسم اور مزاج کا تعلق ہے، نہ جسم اور جلد

کا تعلق ہے؛ یہ جسم اور روح کا تعلق ہے، اور اگر آپ اس کو اشجار کے سباق میں دیکھنا چاہیں تو رسم خط کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پتیاں ہیں۔ اگر زبان کو اصلاً آپ جڑ کہتے ہیں تو رسم خط اس کی پتی ہے اور پتیوں سے آپ کسی پیڑ کو محروم کردیں تو نہ تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ پیڑ ہے کون سا اور نہ وہ پیڑ زیادہ دن تک زندہ رہے گا۔ رسم خط کی ضرورت دراصل اس لیے بھی ہے کہ آپ کو حوالے کے لیے لوٹنا پڑے گا بار بار۔ تلفظ میں الفاظ اپنا چولا بدلتے چلے جاتے ہیں، اور پھر آپ کو یہ اندازہ ہی نہیں رہ جائے گا کہ لفظ اصلاً کیا تھا۔ ایک معیار آپ کے پاس زبان کا ہے، لکھی ہوئی زبان کا۔

لکھی ہوئی زبان کا اگر ——— معیار نہ رہا تو قاعدہ کچھ دنوں میں قیدا ہو جائے گا، مصوّر مسوّر ہو جائے گا اور تیز تیج ہو جائے گا۔ طرح طرح سے الفاظ بدل جائیں گے پھر آپ کے پاس کوئی معیار نہیں رہے گا، ان الفاظ کی صحت تلاش کرنے کا۔ جانوروں کا بھی شجرہ رکھا جاتا ہے؛ الفاظ شجرہ اور شناخت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لحاظ سے رسم خط انتہائی ضروری ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں کہ ہم نے رسم خط کے لیے کچھ کیا؛ وہ دوسری داستان ہے جس پر میں آؤں گا۔

ہم اس بات کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ ہندی والے اردو کی طرف ملتفت ہو رہے ہیں اور تجارتی نقطہ نظر سے ہماری کتابیں ناگری رسم خط میں منتقل ہوتی ہیں تو اس کا اثر بھی اور نتیجہ بھی وہی ہوتا جو ادب کے نقطۂ نظر سے منتقل ہونے کی صورت میں ہوتا۔ نتیجے کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں اور دونوں ایک مانگ کی تشفی کر رہے ہیں لہٰذا ہم کو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ تو ہرگز نہیں نکلتا کہ ہم اردو رسم خط کو چھوڑ کر اپنی توجہ اردو کی کتابوں کو ناگری رسم خط میں چھپوانے پر صرف کردیں۔ جناب سید ہاشم علی صاحب نے دراصل یہ فرمایا، انھوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کو اردو رسم الخط ترک کر کے ناگری رسم الخط اختیار کر لینا چاہیے، انھوں نے یہ کہا تھا کہ جہاں تک کہ فارسی رسم الخط ہے اس کو ہمیں برقرار رکھنا چاہیے اور ان لوگوں کے فائدے کے لیے جو فارسی رسم خط سے ناواقف ہیں، ان کتابوں کو ناگری رسم الخط میں بھی منتقل کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔

ہم پذیرائی کریں گے ان لوگوں کی کوششوں کی جو دوسری زبان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے ادب کو اپنے رسم خط میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں اس پر اتفاق رائے ہونا چاہیے کیونکہ ہم پذیرائی کر رہے ہیں اپنے ہندی کے بھائیوں کی۔ اور انجمن ترقی اردو نے تو بڑی واضح پالیسی یہ اپنائی ہے کہ ہم ہندستان کی دوسری زبانوں کے اہل قلم کے ساتھ رابطے استوار کریں گے اور کوشش یہ کریں گے کہ ان کی کتابیں ان کے شاہکار ہماری زبانوں میں منتقل ہوں اور ان سے یہ توقع کریں کہ وہ ہماری کتابوں کو اپنی زبانوں میں منتقل کریں، اور یہ نہ سمجھیں کہ اردو کا سرمایہ صرف غزل ہے۔

اردو کے پاس اور بھی ادب عالیہ ہے جس کو منتقل کرنا اردو زبان کے حق میں ہوگا اور اردو زبان کے متعلق جو تاثرات ہیں ہمارے اہل وطن کے، ان تاثرات کی تصحیح بھی اس طور پر ممکن ہوگی کہ ہم اپنے ادب کو بھی دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کی کوشش کریں۔ ہندی کا جہاں تک تعلق ہے، یہ کہا گیا ہے، حال ہی میں کئی بار اور کئی مقامات پر کہا گیا ہے، یہ ایک خمار سا ہے اگر ہندی یا اردو والے یہ سمجھیں کہ ہندی سے اردو کی رقابت ہے تو یہ ایک خمار ہے اس دور کا جب اردو اور ہندی میں مقابلہ ہو رہا تھا ہندوستان کے رابطے کی زبان بننے کا۔ یہ مقابلہ ختم ہوا اور اردو والوں نے خوش دلی کے ساتھ ہندی کی بالادستی کو اس ضمن میں تسلیم کر لیا اور ہم سب کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ اب یہ مقابلہ ہے ہی نہیں، اب مدعا یہ ہے کہ اردو زبان اپنی ساری خصوصیات، اپنے رسم خط، اپنے ادب کے ساتھ ترقی کرے، اس ترقی کے لیے ہم نے کیا کوشش کی یہ داستان دراصل عبرتناک ہے جیسا کہ ایک صاحب نے کہا کہ اردو اگر زندہ رہے گی تو ہمارے گھروں میں زندہ رہے گی اور اپنے گھروں کا نقشہ ہم دیکھ لیں گے۔ بہت کم اردو کے اہل قلم ایسے ہیں جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا بچہ اردو جانتا ہے۔ تو ہم کو سب سے بڑا علاج اس بے حسی اور بے تعلقی کا کرنا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے، ایک دوسرے موقع پر، کہ اردو کے لیے تین محاذ ہیں اردو کی جد و جہد کے، اور میں دہراؤں گا اس بات کو مگر اختصار کے ساتھ۔

ایک محاذ تو آئینی محاذ ہے جس پر بہار کے اردو والوں نے دلچسپی لی اور خدا کے فضل سے انھیں کامیابی حاصل ہوئی، ہندوستان بھر میں اس محاذ پر اردو والوں کو سرگرم عمل ہونا چاہیئے۔

دوسرا محاذ یہ ہے کہ ہم ہندی والوں سے بالخصوص رابطہ بڑھائیں اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کریں، ہندی والوں کو جلد یا بدیر یہ احساس ہو کر رہے گا کہ اردو سے قرب میں ان کے لیے توانائی کے ذخائر مستور ہیں۔ یعنی اگر اردو اور ہندی ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور لین دین کا سلسلہ اردو اور ہندی کا برابر چلتا ہے تو ہندی زبان یقیناً توانا ہوگی اور اردو بھی اگر ہندی سے الفاظ لے گی تو اردو زبان بھی متمول ہوگی۔ ہم کو تو یہ احساس ہے لیکن ہندی والوں کو یہ احساس نہیں ہے کہ اردو زبان میں طاقت اور توانائی، روانی اور شگفتگی کے اتنے ذخائر جمع ہیں۔ ان کو کچھ مبہم سا احساس ضرور ہے، اس بات کو واضح طور پر کسی ہندی والے نے غالباً نہیں کہا ہے کہ اردو سے ہم کسب فیض کر سکتے ہیں اور یہ ہوگا جلد یا بدیر ہوگا؛ لیکن غور فرمایئے کہ ہمارا اس میں کیا رول ہوگا اگر ہم صرف ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں اور یہ سوچیں کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ ہندی والے اور دوسری زبانیں اردو کی پذیرائی کریں گی اپنے گھر میں اس کو جگہ دیں گی تو ہم نے کیا کیا، ہم نے کیا تیر مارا، اردو والوں نے اردو کے ساتھ حق وفا کہاں ادا کیا؟ اگر رفتار زمانہ پر چھوڑتے ہیں تو! یہ دوسرا محاذ رابطے کا ہوا، ابنائے وطن کو قریب لانے کا، دوسری زبانوں سے بالعموم اور ہندی زبان سے بالخصوص۔

تیسرا محاذ جو میری دانست میں سب سے اہم محاذ ہے اور جس پر رتی برابر کام نہیں ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں تک ہم اردو منتقل کریں؛ یہ بنیادی اور ٹھوس بات ہے، اس کے علاوہ جو کچھ بھی باتیں ہم کریں گے ان کے نتائج صفر ہوں گے۔ ہمیں سب سے بڑا کام یہ کرنا ہے، یہ کام کوئی دشوار نہیں ہے، بغیر کسی صرفے کے یہ کام ہو سکتا ہے کہ والدین اپنے بچوں تک اردو زبان منتقل کریں اور ہمسائے اپنے ہمسائے کے بچوں کو اردو پڑھائیں۔ یہ کام بہت آسانی سے ہو سکتا ہے، بشرطیکہ شوق اور لگن اس سلسلے میں ہم پیدا کر سکیں اور یہ لگن اگر ہم نے پیدا نہیں کی تو ان شکایتوں اور منصوبوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اور ایک بات میں عرض کروں گا۔ ایک اہم چیز ہوتی ہے احساسِ زیاں: کہ ہمارا نقصان ہوا ہے؛ اگر یہ احساس نہیں ہے کہ ہمارا نقصان ہوا ہے تب تو ہم کوئی قدم آگے نہیں بڑھائیں گے۔ اور اگر یہ احساس ہونے کے بعد اس احساسِ زیاں کو ہم اپنے سینے سے لگائے رہے، اور ہم نے عمل کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھایا، تو یہ احساس زیادہ صحتمند نہیں رہتا۔ یہ ناسور بن جاتا ہے اور عملی طاقت بالکل سلب ہو جاتی ہے؛ اس وقت ہمارا عالم یہی ہے کہ ہم اردو کے متعلق کہتے ہیں کہ اردو مر رہی ہے لیکن کوئی عملی قدم کسی قسم کا اردو کے سلسلے میں سوائے آپ کے صوبے بہار کے جہاں کام ہوا، بہار میں دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ منوالیا گیا، اس کے علاوہ کوئی بڑا کام کوئی چھوٹا کام اردو کے سلسلے کا ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا ہے۔

اردو ادب کے سلسلے میں، ہندستان کی دوسری زبان کے ادب پر میری گہری نظر نہیں ہے، لیکن سرسری نظر میں نے ڈال لی ہے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ اردو والے اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے چلے آرہے ہیں، زندہ تو یہ کچھ عرصے تک رہے گی، لیکن جب موثر رسم خط کا ختم ہو گیا، حوالہ نہیں رہا، استناد کے لیے کوئی معیار نہیں رہا تو اس کے بعد زبان اپنے سانچے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ زبان بکھر جائے گی۔

ہم خیر مقدم کرتے ہیں اپنے ان بھائیوں کا جو ہماری زبان کو اپنے رسم خط میں شائع کر رہے ہیں لیکن اس خیر مقدم کے بطن سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونی چاہیے کہ ہم کو اپنی زبان کے تحفظ کے لیے جد و جہد بالکل ترک کر دینی چاہیے۔ یہ میں رعایت کرکے کہہ رہا ہوں اپنی اور آپ کی؛ ورنہ کوئی قابل لحاظ جد و جہد دراصل ہم کر نہیں پا رہے ہیں۔

••

جناب شمس کنول
علیگڑھ



میں نے اردو کو مردہ زبان کہا ہے، اس پر لو، چراغ پا ہیں۔ میں نے جو کہا ہے اسے دلیل کے ساتھ غلط ثابت کیجئے۔ ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے محرر بھی اردو جانتا تھا اور مختار بھی۔ وکیل کے کاروبار کی زبان اردو تھی اور فاضل جج بھی اپنے فیصلے اردو ہی میں لکھتا تھا۔ مگر آج کوئی موکل بھی اردو زبان میں عرضی نہیں دے سکتا۔ سینما کے پوسٹر اردو میں چھپتے تھے۔ پردے پر فلم کا نام بھی اردو میں آتا تھا۔ فلم کے تمام مکالمے اور نغمے بھی اردو ہی میں لکھے جاتے تھے۔ اسی لیے پارسی پروڈیوسر آرڈیشر ایرانی کے حکم پر سلوچنا جیسی یہودن کو اردو زبان سیکھنا پڑی تھی اور سہراب مودی کی ہدایت پر اینگلو انڈین ایکٹر ٹام آلٹر اردو ٹیوشن رکھنے پر مجبور ہوا تھا۔ لیکن آج گیت بھی ہندی میں لکھے جاتے ہیں اور مکالمے بھی ہندی میں، کہانی کا مسودہ بھی ہندی ہی میں قلم بند کیا جاتا ہے۔ پوری فلمی دنیا سے اردو ختم ہو چکی ہے۔ کبھی کچہریوں اور میونسپلٹیوں کے ہر دفتر میں اردو پڑھے لکھے ہی رکھے جاتے تھے۔ حد یہ کہ فوج کی زبان بھی اردو ہی تھی، جو رومن رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ فریادی کی رپٹ اور تھانیدار کا روزنامچہ اردو ہی میں قلم بند کیے جاتے تھے، یعنی ملازمت چھوٹی ہو یا بڑی اردو جانے بغیر نہیں ملتی تھی۔ لیکن آج اردو جاننے والا احساسِ جرم میں مبتلا ہے۔ ایک دکاندار اپنی دکان کا حساب بھی اردو میں نہیں لکھ سکتا۔ شمع میگزین کی تعداد اشاعت کبھی ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی، مگر آج بہت کم ہے۔ رحمان نیر جیسا کامیاب کاروباری انسان اپنی نورچشمی روبی کو سرمۂ مفت کی طرح کسی کو دے دینے پر مجبور ہوا مگر گود لینے والا بھی اسے زندہ نہ رکھ سکا۔

اگر اردو زندہ ہوتی تو دلی اردو اکادمی کے آرگن ایوان اردو کو ہر برس آٹھ دس لاکھ روپے کا خسارہ نہ ہوتا۔

اگر اس کے بعد بھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اردو زبان ہندستان میں کس حد تک زندہ ہے تو فروری ۱۹۹۴ء کے کتاب نما میں سید ظفر ہاشمی کا مہمان اداریہ پڑھیے۔

ان لوگوں کے بہکائے میں مت آیئے جو مشاعروں کی کامیابی سے اردو کی درازیٔ عمر کو ناپتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کے مشاعرے، مشاعرے نہیں نوٹنکیاں ہوتے ہیں، اور ان نوٹنکیوں کے آدھے سے زیادہ گویے اپنے نغمے دیوناگری لپی میں لکھ کر لاتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر آج مشاعروں میں معاوضہ ملنا بند ہو جائے تو کل ہی سے کتنے ہی

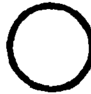
بشیر بدر اور عنوان چشتی شاعری تیاگ کر اپنے اپنے گھر جا بیٹھیں گے۔

بات معترضہ ہے مگر سنجیدگی سے سنیے۔ مذہب پیغمبر کی دین ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے لیے حکومت کی سرپرستی ناگزیر ہوتی ہے اور مولوی، پنڈت یا پادری، سنت سادھو یا صوفی اپنی تبلیغ کے ذریعہ اُسے فروغ دیتے ہیں۔ اسی طرح زبان عوام بناتے ہیں مگر حکومت اسے زندہ رکھتی ہے۔

میں نے اپنے ملک کے سیکولر آئین کے زعم میں اردو قلم کاری کو اپنا شغل اور پیشہ بنایا تھا اور اپنی آبائی جائداد کو ٹھکرا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ گاندھی کے اس دیش میں اردو زندہ رہے گی لیکن بمبئی میں تیس برس دو ماہ اور ۲۰ دن گزارنے کے باوجود میں اپنے فارغ بال سر کے لیے ۱۰×۱۰ کی ایک چھوٹی سی چھت بھی تعمیر نہ کر سکا اور آخر پسپا ہو کر اپنی ٹھکرائی ہوئی جائداد کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں نے کسی اردو انجمن یا اکادمی سے اپنا حق طلب کیا ہو، مگر اپنے حق کے لیے گڑگڑایا کبھی نہیں۔ اس لیے کہ ان کرسیوں پر جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ سب ہی مجھ سے جونیئر ہیں۔

("قومی آواز" ۱۹ر فروری ۱۹۹۴ء)

جناب سید ظفر ہاشمی
۰، شاہ عالم ہاؤسنگ سوسائٹی
چنڈولا لیک، احمد آباد ۲۸ (گجرات)



موجودہ ہندستان میں اُردو کی حالت زار کا مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر جائزہ لیا جائے اور وہ بات خدا کو حاضر و ناظر جان کر صاف صاف کہہ دی جائے جو ہر ایک کے دل میں ہے تو نتیجہ عام خیال سے بالکل مختلف نکلے گا۔ اُردو کے بارے میں ہماری سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی شخصیتیں جس قسم کے بیانات دیتی رہتی ہیں وہ عموماً مصلحت کے مارے ہوتے ہیں۔ حقیقت سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اُنیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں یہ بات سچ تھی کہ اُردو ہندستان کے ایک بڑے طبقے کی زبان تھی۔ اس طبقے میں مسلمان بھی تھے ہندو بھی تھے اور سکھ بھی تھے۔ سبھی اُردو پڑھتے تھے لکھتے تھے اور بولتے تھے۔ مولوی کریم بخش ہوں یا رام اوتار تیواری یا کرتار سنگھ یا پریم کمار نارنگ سب اُردو جانتے تھے اور سبھوں کے بچے مدرسوں اور اسکولوں میں اُردو پڑھتے تھے۔ اُردو پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ اُس سے پہلوتہی کر جانا ناممکن تھا۔ اُسی فضا نے ہر فرقے میں اُردو کے جید عالموں، شاعروں اور ادیبوں کو پیدا کیا۔ اُن دنوں اُردو گلیوں اور بازاروں میں، دفتروں اور دکانوں میں، میلوں اور ٹھیلوں میں گھروں اور محلوں میں، محفلوں اور تقریبوں میں، محلوں اور جھونپڑوں میں اٹھلاتی پھرتی تھی۔ یہ واحد زبان تھی جسے ہندستان کی مشترکہ تہذیب کی نمائندگی کا فخر حاصل تھا۔ جس کا کوئی مذہب نہ تھا۔ جو کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھی اور یہی ایک زبان تھی جس کا مزاج صحیح معنوں میں سیکولر تھا اور ہندستان کے مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔

لیکن آزادی کے بعد ہندستان کا نقشہ ہی نہیں بدلا کئی دوسری تبدیلیاں بھی آئیں۔ اُن میں ایک اہم تبدیلی یہ بھی تھی کہ اُردو کو دیس نکالا مل گیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ ہندستان کے وہ مسلمان جو ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے وہ اپنے ساتھ اُردو بھی لیتے گئے۔ اس لیے اُردو اب ہندستان میں باقی نہیں رہی۔ تقسیم کے حادثے نے جس نفرت اور خلیج کو جنم دیا اُس کا اثر اُردو پر براہِ راست پڑا۔ شمالی ہند کے ہندوؤں نے ہندی اپنالی، پنجابیوں پر ہندی لاد دی گئی

دوسرے صُوبے مقامی زبانوں کے خول میں سمٹ گئے اور ہا شیخ اپنی اپنی دیکھ کے مصداق بھی اپنی اپنی زبانیں لے کر بیٹھ گئے اور اردو کو سب بھول گئے۔ اُردو گلیوں اور بازاروں سے دفتروں اور دکانوں سے، میلوں اور ٹھیلوں سے، اسکولوں اور کالجوں سے بھاگ کر لُٹتی لُٹاتی بے آبرو ہوتی مسجدوں اور دینی مدرسوں میں پناہ گزیں ہو گئی کیونکہ اس کا اپنا کوئی صوبہ نہ تھا کشمیر تھا لیکن ہائے کشمیر تیرا بھی کیا مقدر ہے۔

یہی حقیقت ہے باقی سب مصلحت، مطلب پرستی دھوکہ فریب اور جھوٹ ہے۔ اُنیسویں صدی عیسوی کے حوالے سے اُردو کے مقام کا تعین آج نہیں کیا جاسکتا۔ اُس وقت اُردو رام اوتار تیواری بھی پڑھتے تھے۔ کرتار سنگھ بھی پڑھتے تھے اور پریم کمار نارنگ بھی۔ اس لئے اُردو اُن سب کی زبان تھی۔ گلے گلے تھی۔ وہ سب اُردو کے پرستار تھے۔ دل و جاں سے چاہنے والے لوگ تھے۔ اُن کی شخصیت پر اُردو کی گہری چھاپ تھی اور اُن کے گھروں میں، اُن کی محفلوں میں اُردو کی گھن گرج تھی۔ اُس وقت یقیناً اُردو کا کسی خاص مذہب یا فرقے سے تعلق نہ تھا۔ اُس وقت اگر ہم فخر کرتے تھے کہ اُردو ہماری مشترکہ تہذیب کی نمائندہ ہے۔ ہماری گنگا جمنی تہذیب کا مظہر ہے، ہماری ملی جلی روایت کا ایک حصہ ہے۔ ہم سب کی وراثت ہے اور ہمارے وجود کا ایک حصہ ہے، اُسے مذہب یا فرقے میں بانٹا نہیں جاسکتا، اس پر سب کا حق ہے اُسی طرح جس طرح اس دھرتی پر سب کا حق ہے۔ تو یہ بات غلط نہ تھی، لیکن کب تک پدرم سلطان بود کا نعرہ لگایا جائے گا، کب تک خوابوں کے جزیرے میں مست خرامی جاری رہے گی۔ کب تک تاریخ کے سنہرے اوراق سے جھانک جھانک کر خوبصورت چہرے پر نثار ہوتے رہیں گے اور کب تک اس حقیقت سے آنکھیں بند رکھیں گے کہ ہندستان میں اُردو اب سب کی زبان نہیں رہی اور یہ صرف مسلمانوں کی زبان بن گئی ہے۔

لیڈروں کی بات چھوڑیے کہ وہ حق بات کبھی نہیں کہتے۔ ان ادیبوں کو بھی چھوڑیے جو اکیڈمیوں اور سرکاری اداروں میں گھسے بیٹھے ہیں۔ اور طرح طرح کی سرکاری مراعات، انعامات اور اعزازات حاصل کر رہے ہیں ان کتب سازوں کو بھی چھوڑیے جو کتابوں پر کتابیں لکھ لکھ کر اپنے لمبے ہاتھوں سے سرکاری اداروں میں بھاری قیمتوں پر ڈھکیل دیتے ہیں جہاں پڑی وہ سڑتی ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اُردو کو آج بھی ایسی زبان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو سب کی زبان ہے اور جس کا تعلق کسی خاص فرقے سے نہیں ہے تاکہ اُن کے نام نہاد سیکولرزم کا بھرم قائم رہے اور وہ اُس کے طفیل سرکاری مراعات، اعزازات اور انعامات سے شرفیاب ہوتے رہیں۔ لیکن اُن لوگوں سے پوچھیے جو تھرڈ کلاس ہوٹلوں اور چائے خانوں میں تہمد باندھ کر بنچوں اور کرسیوں پر اکڑوں بیٹھتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں میں اُردو کا اخبار یا رسالہ ہوتا ہے۔ جو جھونپڑوں میں رہتے ہیں جن کے طاقوں پر قرآن شریف بڑے سلیقے سے جزدان میں لپیٹا رکھا ہوتا ہے اور نیچے ٹوٹی ہوئی میز پر ایک طرف اے آر۔ خاتون، واجدہ تبسم، علامہ راشد الخیری، صادق سردھنوی اور مولانا عبدالحلیم شرر کے ناول ہوتے ہیں اور دوسری طرف آسان نماز، بہشتی زیور اور

شاہ نامہ اسلام دھرا ہوتا ہے جنھیں چراغ کی ٹمٹماتی روشنی میں بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے اُن
لوگوں سے پوچھیے تو وہ یہی کہیں گے کہ اُردو اُن کی زبان ہے۔ اسی لیے وہ لوگ اپنے بچوں
کو اُردو اسکولوں میں بھیجتے ہیں تاکہ وہ اپنی زبان سیکھ سکیں اور اس کے ذریعہ وہ اپنے
مذہب اور اپنی ثقافت سے واقف ہو سکیں۔ اُردو ان کے لیے لسانیات کا پٹارہ نہیں اور
نہ ہی ساختیات کا کموڈ جس پر بیٹھ کر وہ اندرونی بخارات اور خرافات سے فارغ ہو سکیں نہ
انھیں تنقید کے اُگالدان میں دلچسپی ہے اور نہ ہی تجریدیت کی ماری دوسری شعری و نثری
تحریروں میں انھیں اس اُردو میں دلچسپی ہے جو اُن کے بچے پڑھتے ہیں۔ اس اُردو میں
دلچسپی ہے جس میں آسان نماز ہے، پیغمبروں اور رسولوں کے احکامات ہیں۔ بزرگوں کے
ملفوظات اور مخطوطات ہیں، درویشوں اور فقیروں کی حکایتیں ہیں۔ اُن کہانیوں اور ناولوں
میں دلچسپی ہے جن سے اُن کے اخلاق سُدھرتے ہیں۔ ذہنی سکون ملتا ہے اور زندہ رہنے کی
امنگ تیز ہوتی ہے۔ اُن نظموں اور غزلوں میں دلچسپی ہے جس کی نغمگی سے اُن کے دلوں
میں گرماہٹ پیدا ہوتی ہے اور چہروں پر سُرخی اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ اُردو انھیں
لوگوں کی زبان ہے۔ لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اُردو پڑھتے یہ لوگ ہیں اور فیصلے وہ
کرتے ہیں جن کے بچے انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جن کے ڈرائنگ
روموں میں کھلی میز پر انگریزی کے رسالے اور کتابیں ہوتی ہیں اور ڈھکی شیلف میں ساختیات
لسانیات اور تنقید کی کتابیں بڑے سلیقے سے رکھی رہتی ہیں اور قرآن شریف اور بہشتی زیور
(اگر وہ مکان ان کتابوں کا ہے تو) اس بکس میں بند رہتا ہے جو اُن کی محترمہ جہیز میں لائی تھیں۔
یہ کون ہوتے ہیں کہنے والے کہ اُردو سب کی زبان ہے۔ اُردو اُن کی زبان بھلا کیسے ہو سکتی
ہے جبکہ ان کے بچے اُردو کی الف، بے سے ناواقف ہیں، اُردو کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے
ہیں۔ اُردو پڑھنے والے بچوں کو کمتر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ اس قوم کو ذلیل اور گرا ہوا سمجھتے ہیں
جو اُردو بولتی لکھتی اور پڑھتی ہے۔ جو اُردو اسکولوں کا مذاق اُڑاتے ہیں ــــ ایک مرتبہ
ہمارے ایک ملاقاتی نے اپنا صاف ستھرا کھایا پیا گدرایا ہاتھ ہوا میں لہرا کر بڑے جوش
میں کہا۔ "ان جھونپڑے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اُردو پڑھائیں"۔ ہم نے پوچھا
کیوں بھیا۔ کیوں یہ جھونپڑے والے ہی کیوں آپ کیوں نہیں، بولے "اس لیے کہ یہ لوگ اپنے
بچوں کو انگریزی اسکولوں میں نہیں بھیج سکتے۔ تو کم از کم اُردو اسکولوں میں تو بھیجیں"۔
یہی ذہنیت ہر اس شخص کی ہے جو مڈل کلاس سے لے کر اپر موسٹ کلاس سے تعلق
رکھتا ہے۔ یہ سب یہی چاہتے ہیں کہ اردو نچلے طبقے کے لوگ پڑھیں اور وہ اُن کے
لیے کموڈ اور اُگالدان بنائیں۔ لیکن ان نچلے طبقے کے لوگوں کو کموڈ اور اُگالدان کی ضرورت نہیں۔
یہ لوگ ٹاٹ کے پردے کے پیچھے سیپٹک بیت الخلا میں، جھاڑیوں کی اوٹ میں یا سلم کوارٹرس
کے قدمچوں میں اپنے بخارات نکالتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں تھوک دیتے ہیں۔ میں مسلمانوں
کی بات کر رہا ہوں۔ اور یہی مڈل کلاس سے لے کر اپر اور اپر موسٹ کلاس اُردو کو اپنی

زبان کہتے ہوئے شرماتا ہے۔ کس بل بوتے پر کہے کہ اُردو اُس کی زبان ہے۔ مخصوص حالات کے دھارے میں یہ کہ اتفاقاً اُردو تو اُس نے سیکھ لی ہے۔ بڑا ادیب بھی بن گیا ہے۔ بڑا ادب بھی پیدا کر رہا ہے اور اکثر بڑوں میں پیدا کر رہا ہے لیکن اب وہ نہیں چاہتا کہ اُس کی نئی نسل بھی اس معتوب زبان سے رشتہ استوار کرے۔ اسی خجالت سے بچنے کے لیے یہ طبقہ غیر مسلموں کو بھی ساتھ رکھتا ہے اور دونوں مل کر نعرہ بلند کرتے ہیں کہ اردو کسی ایک فرقے کی زبان نہیں۔ اگر وہ یہ کہہ دے کہ اُردو اب ہندستان میں صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو وہ مراعات، انعامات اور اعزازات جو انھیں سرکار سے مل رہے ہیں ختم ہو جائیں گے۔ انھیں اسی کام پر لگایا گیا ہے کہ وہ اُردو کے ساتھ منافقت کرتے رہیں۔ یہ وہ ایجنٹ ہیں جنھیں اُردو دشمن حکومتوں نے اُردو قوم میں پلانٹ کیا ہے۔

رہ گئے ہمارے غیر مسلم احباب تو میں اُن کے متعلق قدرِ بہتر رائے رکھتا ہوں لیکن نہایت احترام کے ساتھ ایک سوال پوچھتا ہوں کہ کس بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ آج ۱۹۹۴ء میں اُردو اُن کی بھی زبان ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں وہ کیا پیش کرنا چاہتے ہیں صرف اتنا ہی نہ کہ وہ خود ادیب و شاعر ہیں۔ ادب اور شاعری کے طفیل نام اور پیسہ کما رہے ہیں اردو محفلوں میں بڑی ادا سے اردو بولتے ہیں اور مشاعروں اور سیمناروں میں نئے دھار شعر سناتے ہیں اور دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں اور کتابیں لکھ لکھ کر سرکار کے کھاتے میں ڈالتے رہتے ہیں یہ معتزز حضرات اُس زمانے کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جب ہندستان تقسیم نہیں ہوا تھا اور اردو نے ہجرت نہیں کی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ اُن کے اپنے گھروں میں اردو کا کیا مقام ہے۔ وہ اپنی نئی نسل میں اُردو کو منتقل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ اُن کی اس پود کا اُردو کے ساتھ کیسا رویہ ہے اور سب سے سچّی اور کھری بات تو یہ ہے کہ وہ مردم شماری یا دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری کاغذات یا اندراجات میں مادری زبان کے کالم میں کیا لکھواتے ہیں۔ اُردو؟

یہی وہ سچ ہے جو تمام جھوٹ کا پردہ فاش کرتا ہے اور میں اپنے غیر مسلم احباب کو رعایت اس بات پر دیتا ہوں کہ وہ جتنا بھی کرتے ہیں اردو پر احسان ہی کرتے ہیں۔ ان کا مذہب اردو میں نہیں ہے۔ اُن کی ثقافت پر اب اردو کا قطعی اثر نہیں، ان کے رسم و رواج پر اب اردو اثر انداز نہیں اور ان کا سماج مجموعی طور پر اردو کو ملک بدر کر چکا ہے۔ ان حالات میں اگر وہ اردو میں اب بھی دلچسپی رکھتے ہیں تو بلاشبہ وہ احسان ہی کرتے ہیں اُن کی اردو میں یہ دلچسپی ملک کے بٹوارے سے قبل کا ہینگ اوور ہے جس سے وہ جیتے جی چھٹکارا نہیں پاسکتے لیکن اردو صرف اُن کی شخصیت کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اور صرف ان کے ذہنوں اور سوچوں میں بسی ہوئی ہے اس سے پرے کچھ بھی نہیں۔ خود فریبی کا نقاب اٹھا کر دیکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ اُردو گھبرائی ڈری سہمی نچلے طبقے کے مسلمانوں کی پناہ میں پڑی ہوئی ہے اور مولانا عبدالحلیم شرر کی ناولیں، بہشتی زیور اور شاہنامہ اسلام پڑھنے والا مسلمانوں کا یہ طبقہ اس کے آنسو پونچھ رہا

ہے اور اپنی بچی کو سفید جمپر اور شلوار پہنا کر اردو میڈیم کے اسکولوں میں پیدل بھیج رہا ہے اور اسی وقت کونوینٹ کی شٹل بس گموڈا اور اگالدان بنانے والے ادیبوں کے بچوں کو بغیر بھونپو بجائے سرسراتی ہوئی نکل رہی ہے۔

تو سوال صرف یہ ہے کہ اُردو پڑھتا کون ہے؟ میں یہ سوال اُن سبھوں سے پوچھتا ہوں جو اپنے چہرے پر خول چڑھائے دل کی آواز دبائے مُنہ سے بولتے اور قلم سے لکھتے ہیں۔ ان کے اندر ایک اور آدمی جو بیٹھا ہوا ہے وہ کیا کہتا ہے۔ اُس سے پوچھیے تو وہ یہی کہے گا کہ اُردو صرف مسلمان پڑھتے ہیں کہ اردو اُن کی مادری زبان ہے۔ اس زبان میں اُن کا مذہب ہے۔ ثقافت ہے۔ اس زبان سے اُن کی انفرادیت قائم ہے۔ یہ زبان اُن کی شناخت ہے۔ وہ اگالدان اور گموڈی ادب کے لیے یا روٹی خریدنے کے لیے اردو نہیں پڑھتے۔ وہ مولانا عبدالحلیم شرر اور صادق سردھنوی کی ناولوں کے لیے پڑھتے ہیں، آسان نماز اور بہشتی زیور کے لیے پڑھتے ہیں بزرگوں کے ملفوظات اور مخطوطات کے لیے پڑھتے ہیں غالب اور میر کی غزلیں کے لیے پڑھتے ہیں۔ ہمارے بڑے ادیب اور نقاد غالب اور میر کو قوس میں رکھ کر باقی سب پر زبردست قہقہہ لگا دیں گے لیکن جس وقت وہ قہقہہ لگاتے ہوں گے ان کے اندر کا وہ دوسرا آدمی انھیں چیخ چیخ دکھاتا ہوگا اس لیے کہ وہ خود کو دھوکہ دے رہے ہوں گے۔

ہندستان کے اُردو اسکولوں کا سروے کیجیے، ان طالب علموں کا سروے کیجیے جو اُونچے درجات میں اُردو مضمون لیتے ہیں تو صرف ایک بات سامنے آئے گی کہ ان میں ۹۹ فیصد مسلمان ہیں، ہاں ایک فیصد دوسرے لوگ بھی ہوں گے لیکن یہ لوگ شوق یا مصلحت کا شکار ہوں گے اس سے آگے کچھ نہیں ۔۔۔ ایک قدم اور آگے بڑھیے ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے فارم میں مادری زبان کے خانے میں جھانکیے ۹۹، ۹۹ فیصد مسلمان ہوں گے۔ پھر اس بات کا کھلے عام اعتراف کرنے میں کیا چیز مانع ہے کہ موجودہ ہندستان میں اُردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ تمام ہندستانی مسلمانوں کی زبان اردو ہے یہ میں نہیں کہتا۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ آج اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اردو میری مادری زبان ہے اور سرکاری کاغذات اور اندراجات میں بھی وہ یہی کہتا ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہی ہوگا۔ یہ بات الگ ہے کہ کوئی زبان کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ اُردو بھی نہیں ہے۔ اُسے سیکھنے پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی آزادی ہر ایک کو ہے اسی طرح جس طرح مجھے انگریزی لکھنے پڑھنے اور بولنے کی آزادی ہے اور میں اس آزادی کا فائدہ بھی اُٹھاتا ہوں۔ میں اچھی انگریزی جانتا ہوں لکھتا ہوں بولتا ہوں لیکن انگریزی میری مادری زبان نہیں۔ اسی طرح کسی غیر مسلم کو اُردو سے محبت ہو سکتی ہے عقیدت ہو سکتی ہے، دلچسپی ہو سکتی ہے اور اس کا اُسے پورا حق بھی ہے۔ ایک غیر مسلم بڑا ادیب، عظیم شاعر اور اُردو کا جیّد عالم ہو سکتا ہے لیکن وہ اُردو کو اپنی مادری زبان نہیں کہتا کیوں؟ اس لیے کہ مادری زبان تو اس کی کچھ اور ہے جو اس کے گھر والے بولتے ہیں لکھتے اور پڑھتے ہیں جو اس کے بچے سیکھ رہے ہیں اور جس زبان میں وہ اپنے سماج سے لین دین کرتا ہے۔

کیا میں غلط کہتا ہوں؟

کیا یہ غلط ہے کہ جب اقلیت کی زبان کا ذکر چھڑتا ہے تو ہمارے اور آپ کے ذہنوں میں اُردو اور صرف اُردو آتی ہے؟ جب اُردو کی فریب گذیدہ ترقی و تحفظ کا حوالہ دیا جاتا ہے تو کس قوم کو خوش کرنے کی سازشش کارفرما ہوتی ہے؟ اُس وقت کیا سازشی ذہنوں میں صرف مسلمان قوم نہیں ہوتی؟ اُردو کے نام پر ہندستان میں فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ میں دوران سفر ٹرین اور بس میں اُردو پڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہوں تو بغیر کسی شبہ و ثبوت کے لوگ مجھے مسلمان سمجھ لیتے ہیں ایسا کیوں ہے ـــ؟ میں ہی کیا محترم رام پرکاش تیواری صاحب بھی اگر اُردو پڑھتے ہوئے پکڑے جائیں اور بظاہر ان کے چہرے بُشرے سے اُن کی ذات کا کوئی واضح ثبوت نہ ملے تو لوگ انھیں بھی مسلمان مان لیں گے بعد میں بھلے ہی وہ صفائی پیش کر کے باعزت بری ہو جائیں لیکن پہلا تاثر تو یہی ہوگا۔

تو جب اُردو اتنی گہرائی اتنی شدت اور اس قدر واضح طور پر مسلمانوں سے منسوب ہو گئی ہے تو اس بات کا اعلان کرنے میں کیا قباحت ہے کہ ہندستان میں اردو اب صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس اعلان سے کئی فائدے ہوں گے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں مختصراً یوں سمجھیے کہ دستور میں دی گئی اقلیتی زبان کی ترقی و تحفظ کی گارنٹی واضح ہو جائے گی۔ اردو اداروں پر اقلیتی فرقے کا حق زیادہ ہوگا۔ مردم شماری میں سرکاری کارندے مادری زبان کے خانے میں غلط اندراج نہ کر سکیں گے۔ اُردو کو ختم کرنے کی سازشش کہاں کہاں کام کر رہی ہے۔ ذرا غور کریں۔ ہندی علاقے میں غریب اور جاہل مسلمانوں کی مادری زبان مردم شماری کرنے والے متعصب کارندے اگر ہندی لکھ دیں تو زیادہ تعجب کی بات نہیں کہ غریب اور جاہل مسلمان آسان اُردو بولتے ہیں جس پر ہندی کا گمان ہو سکتا ہے۔ (گو کہ یہ گمان بھی سراسر لغو ہے) لیکن گجرات، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، کیرالا، تامل ناڈو، اُڑیسہ اور بنگال کے وہ مسلمان جو ہندستانی زبان بولتے ہیں اُس کو ہندی کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ اُن کی زبان یا تو صوبے کی زبان ہوگی یا پھر اُردو۔ ہندی تو کسی طرح نہیں ہو سکتی اور کیوں ہوگی۔ لیکن ان لوگوں کی زبان کو ہندی کہا جاتا ہے اور اس طرح اعداد و شمار غلط پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ اعلان ہو جائے کہ وہ مسلمان جو اپنے گھروں میں اُردو ہندستانی بولتے ہیں اُن کی زبان اردو ہی کہلائے گی تو مردم شماری کا فارم بھرنے والا متعصب بابو صحیح اندراج کرنے پر مجبور ہوگا اور جس طرح کریم الدین احمد کے فارم میں مذہب کے خانے میں اسلام کے علاوہ کچھ نہیں لکھ سکتا اسی طرح مادری زبان کے خانے میں اُردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان لکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اُردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دینے سے اُن کے اندر اپنی زبان کے تحفظ کا جذبہ شدت اختیار کرے گا اور وہ سرکار سے ہٹ کر اُردو کی ترقی و تحفظ کے نئے ذاتی راستے تلاش کریں گے۔ کم از کم اُردو کا کوئی وارث تو ہوگا۔ ابھی تو یہ لاوارث ہے بلکہ ہر ایک کی داشتہ ہے جس سے حسب استطاعت لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بھنبھوڑتے ہیں اور بھنبھوڑ کر

چھوڑ دیتے ہیں۔

اُردو کو کچھ صوبوں میں دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ بھی لوگ کرتے ہیں۔ دوسری سرکاری زبان سے مراد کیا ہے یہ بات واضح نہیں کم از کم مجھے تو نہیں معلوم۔ اگر دوسری سرکاری زبان سے مُراد یہ ہے کہ منسٹروں اور افسروں کے نام کی تختیاں اُردو میں بھی لگ جائیں اور سرکاری آرڈر، سرکلر، نوٹس، قرارداد وغیرہ اُردو میں بھی جاری کیے جائیں، سرکاری دفتروں میں درخواستیں اُردو میں بھی دی جاسکیں ریلوے ٹائم ٹیبل اور منی آرڈر فارم اُردو میں بھی شائع ہوں تو یہ صورت میرے خیال سے نہایت مضحکہ خیز ہوگی۔ اس لیے کہ اگر کسی اُردو کے مجاہد نے اپنے فیکٹری کے لائسنس کی درخواست اردو میں دے دی تو صدیاں گزر جائیں گی اُسے کوئی جواب نہ ملے گا۔ اس لیے کہ وہ حضرات جو فیصلہ کریں گے اُردو نہیں جانتے۔ اب افسروں کو سمجھانے کے لیے ایک اُردو جاننے والا مترجم رکھا جائے گا جو درخواست کا ترجمہ کرکے صاحب کو پیش کرے گا۔ صاحب آرڈر اُردو میں نہیں کسی اور زبان میں دیں گے۔ جس کا ترجمہ کیا جائے گا اور یہ ترجمہ صحیح ہوگا کہ غلط صاحب کس طرح جانیں گے اور وہ فیئر کاپی کس طرح سائن کریں گے۔ اگر مترجم صاحب نے کتابت کی غلطی کردی تو 'ہاں'، 'نا' بھی ہوسکتا ہے۔

تو صاحب کوئی ایسا مجاہد نہیں ہے، میں بھی نہیں آپ بھی نہیں، جو اُردو کی خاطر فیکٹری قُربان کر جائے کاروبار بھینٹ پر چڑھا دے، روزی روٹی داؤ پہ لگا دے۔ مجاہد ہوا سوالی وہ اپنے کام کے لیے درخواست اُسی زبان میں دے گا جو صاحب جانتے ہیں اس صورت میں مترجم کے پاس کوئی کام نہ ہوگا اور اُسے ڈسپیچ میں لگا دیا جائے گا۔ قصہ ختم۔ ارے صاحب جب اتنا زبردست ڈنڈا برسنے اور اربوں روپئے خرچنے پر بھی غیر ہندی صوبوں کے سرکاری دفتروں میں پچاس سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی ہندی کا ایک سکہ نہ چل سکا تو اُردو کا کیا چلے گا خاک ـــــ رہ گئیں منسٹروں اور افسروں کے نام کی تختیاں تو لوگ دفتروں میں تختیاں پڑھنے نہیں جاتے کام کرانے جاتے ہیں اور اگر کام نہ ہو تو تختی ہو یا تختہ سب بے کار۔ اور یہ منی آرڈر فارم اُردو میں بھر کر دیکھیے روپیا گا تو اس وقت پہنچے گا جب دودھ پیتی آپ کی منی ماشا اللہ شادی کے لائق ہو جائے گی یا پھر سرے سے لاپتا ہی ہو جائے گا۔

کوئی شخص اپنی روزمرہ کی خوشی کو کاروبار کو، مراسم اور تعلقات کو، روزی روٹی کو کسی زبان کے لیے قربان نہیں کرسکتا۔ وہ اُسی زبان کو اختیار کرے گا جس کے ذریعہ اس کی عام ضرورتیں آسانی کے ساتھ پوری ہو جائیں اور اس کی دُنیا سُدھرے۔ اگر ہندی انگریزی یا دوسری علاقائی زبانوں میں کارروائی کرنے سے ہمارا کام آسانی سے ہو جاتا ہے اور ان زبانوں کو پڑھنے سے ہمارے بچے ڈاکٹر، انجینئر، آئی اے ایس یا عام سرکاری ملازم ہو جاتے ہیں تو ہم وہی زبان اختیار کریں گے اور یہ بات دوپہر کے سورج کی طرح روشن اور سمندر کی طرح گہری ہے کہ اُردو ہندستان کے کسی صوبے میں اصل معنوں میں سرکاری زبان اب نہیں بن سکتی۔ اُسے موجودہ سرکاری زبانیں دوسری تیسری چوتھی یا کوئی بھی سرکاری زبان بننے نہ دیگی۔

کوئی بھی زبان اپنا وقار اور اپنا مقام کم کرنا نہ چاہے گی۔ ہاں ایک صورت ہے۔ ان صوبوں میں جہاں اُردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ ہو رہا ہے تمام سرکاری ملازمتوں میں اُردو جاننا ضروری قرار دے دیا جائے۔ پھر دیکھیے ایک جھٹکے میں سارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور بغیر کسی دوسرے قدم کے اُردو سرکاری زبان بھی بن جائے گی اور روٹی روزی سے جڑ بھی جائے گی بلکہ چپک جائے گی۔ کیا اُردو والے یہ مطالبہ کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں؟ کیا موجودہ نظام اس کی اجازت دے گا؟ کیا اکثریت اسے قبول کرے گی؟ ظاہر ہے ناممکن! اس کے علاوہ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی جو بھی صورت ہوگی ناقص ہوگی، کاؤنٹر پروڈکٹیو ہوگی، صرف تماشا ہوگا، دکھاوا ہوگا۔ اس سے اُردو کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اُلٹے اس کے ساتھ نفرت بڑھے گی۔ اگر ہم اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ ترک کر دیں تو اُردو کے ساتھ دوسری زبانوں کی خیرسگالی کا راستہ ہموار ہو جائے گا اور کٹر سے کٹر اردو دشمن کا رویہ بھی نرم پڑ جائے گا۔

اس لیے ہمیں اُردو کو اب عوامی زبان کی حیثیت سے ہی پروان چڑھانا ہوگا۔ اس کی ترقی ترویج و تحفظ محض ادبی مذہبی اور ثقافتی ضروریات کے پیش نظر کرنا ہوگا۔ اسے ادب مذہب اور ثقافت ہی کے اندر رکھنا ہوگا اور اس کے سیکھنے کا مقصد ادبی ثقافتی اور مذہبی سرگرمیوں سے لطف اندوز ہونا ہی ہوگا۔ اُردو کو پیٹ سے نہیں ذہن و رُوح سے جوڑنا ہوگا۔ پیٹ کا رشتہ آپ دوسری زبانوں سے استوار کریں۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔ اُردو صرف اپنے لیے سیکھیں، اپنی انفرادیت کے لیے سیکھیں، اپنی ثقافت اور اپنے مذہب کے لیے سیکھیں اور سیکھنے کے لیے دستور کے مطابق جو حق اقلیتی زبان کو دیا گیا ہے اس کا مطالبہ بھی کریں اسے حاصل کریں۔ اس کے لیے لڑتے بھی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ مدرسوں اور مسجدوں میں عربی کے ساتھ ساتھ اُردو پڑھانے کا انتظام بھی کریں۔ اس کام کے لیے دوسرے ادارے بھی قائم کریں یہ سوچ کر کہ یہ جنگ ہماری ہے اور ہمیں خود ہی لڑنا ہے۔

سرکار کے پیچھے کاسۂ گدائی لیے کب تک بھاگتے رہیں گے؟ پچاس سال سے بھاگ رہے ہیں کیا ملا؟ سوائے محرومی، ناکامی، احساس شکستگی، ذلت اور رسوائی کے اور کیا ملا میرے بھائی۔

(کتاب نما فروری ۱۹۹۴ء)

ڈاکٹر مسعود حسین خان
علی گڑھ



میں ہندی کا کبھی مخالف نہیں رہا۔ میں نے اس زبان کو بڑے چاؤ سے اس زمانے کے علی گڑھ میں سیکھا جب پنڈت رام سروپ شاستری کو ہندی کے طالب علم کی تلاش ہوتی تھی اور آفتاب ہاسٹل سے چپراسی بھیج کر بلایا جاتا تھا۔ ہندی شاعری سے ہمیں پا کر سکے پہلی مجھے گیت نگاری کی تحریک ملی۔ لیکن آزادی ملنے کے بعد سے ہندی والوں کا جو رویہ اردو کی جانب رہا ہے اس نے بہت سی اچھی چیزوں میں میرے ایمان کو متزلزل کر دیا ہے۔ ریاستی حکومتوں نے (خاص طور پر اتر پردیش میں) اس کا تعلیمی نظام درہم برہم کر دیا۔ مردم شماری میں اس کے اعداد و شمار طرح طرح کی ترکیبوں سے گھٹا کر لکھے جانے لگے۔ اتر پردیش اور بہار میں اردو بولنے والے اتنے بھی نہیں درج کیے گئے جتنے کہ مسلمان ہیں! ووٹ حاصل کرنے کی خاطر ہر الکشن سے پہلے جھوٹے وعدے کیے گئے۔ اردو والوں سے کہا گیا کہ جب ہر ریاست کے مسلمان وہاں کی زبان اپنا چکے ہیں تو ہندی کے علاقے کے مسلمان ہندی کو کیوں نہیں قبول کرتے۔ آج ملک کی 'ایکتا' اور 'اکھنڈتا' کا کس قدر ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے لیکن اس کے سب سے بڑے دشمن خود ہندی والے ہیں جنھوں نے ملک کی 'ایکتا' اور ہندی زبان کو لازم و ملزوم سمجھ لیا ہے۔ خالصتان کی تحریک کا یہ رنگ نہ ہوتا اگر ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں پنجاب کے ہندوؤں نے اپنی مادری زبان پنجابی کو اپنانے سے انکار نہ کر دیا ہوتا۔ جب یہ صورت نہ چل سکی تو یہ لالچ دیا گیا کہ زبان پنجابی رہے لیکن اس کے لیے رسم خط دیوناگری تسلیم کیا جائے۔ اردو کے لیے دیوناگری رسم خط کی تحریک یہاں بھی چلائی گئی۔ بہار میں شری جگن ناتھ مشرا نے ریاست کے لسانی ایکٹ میں ترمیم کرا کے

جب اردو کو بھی ثانوی زبان کی حیثیت سے داخل کرا دیا تو ہندی کے دانشور (دائیں اور بائیں
بازو دونوں طرف کے) بلبلا اٹھے۔ مہادیوی ورما اردو کے خلاف میدان میں کود پڑیں۔ امرت رائے
نے اردو کو ایک لسانی انحراف بتایا، جو ولی کے بعد سے شروع ہوا تھا اور ماقبل ولی کے ادب
کو 'ہندوی' کا نام دے کر ہندی تاریخ ادب کی کڑی بنا دیا۔ ترقی پسند دانشور نامور سنگھ، اور
ترقی پسند مصنفین نے اردو کی انفرادی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکہ اسے ملک کے لیے
بدقسمتی بتایا۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے اشارۃً یا کنایتاً امرت رائے نے اردو کو دستور کے آٹھویں شیڈول
میں شامل کرنے کو پہلی لسانی بھول بتایا۔

اس کا جواب صرف یہ ہے کہ 'ذرا تلخ تر' اور 'گام و تیز تر' کر دیا جائے۔ اس بات کا
اعلان کیا جائے کہ اردو اس ملک کی سیکولرزم کی ایک نشانی ہے اور اگر اسے چاہنے والوں
میں 'چند در چند' بھی نہ رہیں تب بھی مسلمانوں کی تہذیبی ضرورت کا تقاضا ہے کہ اسے
برقرار رکھا جائے۔

میں نے اس دوران اردو سے متعلق جو مضامین لکھے ان میں بار بار کہا کہ تاریخ
کے بعض ادوار میں زبان، عقیدہ سے بھی زیادہ کسی جماعت کے تشخص اور بقا کے لیے اہمیت
اختیار کر لیتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خود اردو والے اپنے لیے اس کو ایک 'قدر' تسلیم
کریں۔ جب یہ ان کے لیے 'قدر' کا حکم رکھے گی تو اس کی تعلیم و ترویج اُن کا وظیفہ بن
جائے گا۔ اردو کے زوال کی ذمہ داری بہت کچھ اغیار پر ہے۔ لیکن تھوڑی بہت خود اردو
بولنے والوں پر بھی ہے جس کی 'انجمنیں'، یوم اردو اور اکادمیاں رسمی کاموں کو اس کا اصل
کام سمجھتی ہیں۔ ہم 'سنگ و خشت' کے لیے مرے مٹتے ہیں اور 'حرف و صوت' کو لائق اعتنا تک
نہیں سمجھتے۔ کیا مسلمانوں میں کوئی پنڈت آنند نرائن ملا جیسا موجود ہے جو ان کی طرح
یہ کہہ سکے:

"میں اپنا مذہب چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنی مادری زبان نہیں چھوڑ سکتا۔"

میں نے اپنے اداریوں کے مجموعے "اردو کا المیہ" کا انتساب ان الفاظ میں کیا:

"فریدہ، نادرہ، شاہدہ، زیبا
اور اُن جیسی لاکھوں اردو کی بیٹیوں کے نام جو اپنی مادری
زبان سے محروم کردی گئی ہیں۔"

کسی بھی جماعت کے لیے "زبان کشی" ہر قسم کی "کشی" سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس طرح آپ ایک نسل کو گونگی بہری بنا دیتے ہیں۔ یہ ہماری بے بسی کی انتہا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم نہیں دے سکتے۔ ہم انگریزی اور ہندی سیکھنے کے خلاف نہیں لیکن یہ دونوں مادری زبانیں نہیں ہیں۔ مادری زبان میں اپنے بچوں کو تعلیم دینا ہمارا دستوری حق ہے۔ اس دستوری حق کو قانونی حق میں تبدیل کرنا ضروری ہے۔

اردو کے سلسلے میں جو ناانصافی اِس ملک میں ہو رہی ہے اُس نے میری قوم پرستی کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ نہ میرے حق میں مفید ہے اور نہ میرے وطن کے حق میں۔ میں اسے ہندی والوں کی کم نظری اور تنگ دلی سمجھتا ہوں کہ وہ ہندی کی ترویج کے لیے "اردو کشی" کو ضروری سمجھتے ہیں۔ انھیں ابھی تک غالباً اپنی زبان پر مکمل بھروسہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ وہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ "اُردی" (اُردو + ھندی) جنوبی ایشیا میں لسانی ابلاغ کا سب سے بڑا ذریعہ بن چکی ہے جس کی تگ و تاز پاکستان و ہند تک محدود نہیں بلکہ وہ برِصغیر کی حدود سے باہر نکل کر سنگاپور اور عدن اور پورٹ سعید تک پہنچ چکی ہے۔ یہ ایک لسانی "تِرمُکھی" ہے جس کے دونوں رویوں کا برقرار رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ دنیا کی پانچویں عالمی زبان کی حیثیت سے اپنا مقام لے سکے۔



جناب سید ہاشم علی

علی گڑھ



میری مادری زبان اردو ہے اور میری ساری تعلیم سائنس کی ماسٹرز ڈگری تک جامعہ عثمانیہ کی بدولت اردو میں ہوئی ہے۔ میرا ذہنی نشوونما حیدرآباد کے خالص اردو ماحول میں ہوا جہاں سرکاری نظم و نسق، اعلیٰ جامعاتی تعلیم بشمول سائنس اور ہائی کورٹ کی زبان اردو تھی۔ آزادی کے وقت اردو ہندوستان کی وہ واحد زبان تھی جو جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے اس قدر ترقی یافتہ حالت میں تھی کہ تمام عصری ضروریات کیلئے بغیر کسی کوشش کے استعمال ہو سکتی تھی۔ اس ماحول سے آزادی کے بعد اچانک سارا کام انگریزی یا علاقائی زبان میں ہونے لگا۔ میری زندگی کے پچھلے تیس سال نظم و نسق کے پیشے میں ملکی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے علاوہ اردو کے مسلسل تنزل کو دیکھنے میں صرف ہوئے۔ لہٰذا اس مضمون میں میرا طرزِ فکر ایک ایڈمنسٹریٹر کا ہے۔ کہ اگر میرے ذہن میں اردو کی بقا، ترویج و ترقی کا کام سونپا جائے تو میں کیا کروں گا۔ اس پس منظر میں میرے ذہن میں یہ سوالات آئے:-

ع۱ اردو کیا ہے؟ ع۲ اردو والے کون ہیں؟ ع۳ اردو کا مسئلہ کیا ہے؟ ع۴ کیا اردو والے اپنے مقصد کے تعین میں عقلی ہیں یا جذباتی اور کیا یہ مقصد خود ان پر واضح ہے؟ ع۵ ان کے مطالبات کیا ہیں، ان مطالبات کی عدم تکمیل کی وجہ کیا ہے۔ ان کی شکایات کیا ہیں، مطالبات اور شکایات کی واجبیت کیا ہے؟ ع۶ مقصد کے حصول کیلئے خود ان کی طرف سے کیا کوشش ہوئی ہے اور کیا مقصد کا تعین اور حصول کی کوشش صحیح خطوط پر ہوئی ہے۔ ع۷ کیا اردو والوں کی موجودہ پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت ہے، اور اگر ہے تو کن خطوط پر۔ میرا خیال اس بات پر بھی گیا کہ اردو کے بارے میں جدوجہد کرنے والوں میں اکثریت ان اصحاب کی ہے جو آزادی سے قبل کے ماحول میں پیدا ہوئے جبکہ اردو ہندوستانی کی فارسی رسم خط میں (جس میں ہندی آوازوں کے لئے بھی حروف تہجی میں شامل کر لیئے گئے تھے) ہندوستان کی عام زبان تھی۔ اور ان میں بہت کم ایسے لوگ شامل ہیں جو آزادی کے بعد پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے جدوجہد کرنے والے ماضی کے نمائندہ ہیں، حال اور مستقبل کے نہیں۔ میری دانست میں نوجوان دانشوروں

کو بھی اس مسئلے کے تعین اور حل کی کوششوں میں شامل کرنا چاہیئے۔

اردو کے مسئلے پر غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اردو کیا ہے۔ اس بارے میں اردو داں اور غیر اردو داں عوام دونوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بعض اردو والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا ہندی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور بعض غیر اردو والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا ہندستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نہ لسانیات کا ماہر ہوں نہ تاریخ ادب اردو کا، لہٰذا اگر میرے تجزیئے سے ماہرین کو اختلاف ہو تو اس کی معافی ابھی سے مانگ لیتا ہوں

صدیوں سے شمالی ہند کی ایک عام زبان یا لنگوا فرینکا رہی ہے، جس کا نام ہئیت ترکیبی اور رسم الخط بدلتے رہے ہیں۔ یہ مختلف ادوار اور علاقوں میں معمولی صرفی اختلاف کے ساتھ مختلف ناموں سے موسوم رہی جیسے برج میں برج بھاشا، راجستھان میں راجستھانی، دہلی اور اطراف دہلی میں ہریانوی، کھڑی بولی، ہندی، ہندوئی دہلوی ریختہ، اردو، عہد انگریزی میں ہندستانی رومن اردو، گاندھی جی کی ہندی اتھوا ہندستانی دستور ہند کے بعد کی نئی سرکاری ہندی اور عوام کی آسان لوک ہندی۔ یہی زبان پانچ سو سال پہلے دکن گئی تو دراوڑی زبانوں کے ماحول میں بہت کچھ اپنے خمیر پر قائم رہی اور ہندی، ہندوی اور زبان ہندستانی کہلائی۔ چند صدیوں بعد دکھنی کا نام پایا۔ گجرات گئی تو گجراتی کہلائی۔ اس پر مذہبی کتابوں اور سرکاری زبانوں کے اثرات ہوتے رہے اور سنسکرت، عربی، ترکی، فارسی، ڈچ، انگریزی اور دوسری ہندستانی اور غیر ملکی زبانوں کے بہت سے الفاظ اس میں شامل ہوتے رہے۔ اور اس کا مسلسل ارتقاء ہوتا رہا۔ مغلوں کے زمانے میں یہ زبان سرکاری زبان فارسی کے رسم خط میں بھی لکھی جانے لگی۔ جس طرح پشتو، پنجابی اور سندھی آج بھی عربی رسم خط میں لکھی جاتی ہیں۔ انگریزوں کے عہد میں اس کو فوجی اور سول عہدہ داروں کی سہولت کے لیے رومن رسم خط میں رومن اردو کہا جانے لگا۔ یہ عوامی زبان کبھی سرکاری زبان نہیں رہی سوائے ایک مختصر مدت کے کہ جب مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے فارسی کی جگہ اس کو استعمال کیا اور ریاست حیدرآباد میں ۱۸۸۴ء سے ۱۹۴۸ء تک یعنی صرف ۶۴ سال۔ آج بھی سرکاری ہندی کی ہئیت ترکیبی اور مقبول عام زبان میں جو فلموں، گیتوں اور بازاروں کی عام زبان ہے کافی فرق پایا جاتا ہے۔

۱۷۷۰ء میں شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن شریف کے پہلے ترجمے کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"یہ قرآن شریف کا پہلا ہندی ترجمہ ہے حالانکہ رسم خط فارسی تھا۔" (صدق جدید)

شاید اسی سال جان گلکرائسٹ نے اسے ہندستانی کے نام سے موسوم کیا۔ اس لیے اس نے یہ محسوس کیا

کہ اسے بعض ہندستانی دیوناگری میں لکھنا پسند کرتے ہیں اور بعض فارسی رسم خط میں۔ چنانچہ اس نے فورٹ ولیم کالج میں دونوں رسم خط استعمال کئے، اور کتابیں شائع کیں۔ ۱۸۸۳ء میں ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر شائع ہوئی جس میں مرتب نے یہ بتایا ہے کہ سنسکرت جب ہندستان میں آئی تو سیدھی طرف سے لکھی جاتی تھی اور ایسے کتبے اب بھی افغانستان میں موجود ہیں۔ ۱۹۴۵ء گاندھی جی نے اس عوامی زبان کی اس طرح تعریف کی :

" قومی زبان کل ہند بول چال (INTER COURSE) کیلئے ہندستانی زبانوں میں سے ایک زبان کی ضرورت ہے جس کو ہندستان کے زیادہ سے زیادہ لوگ جانتے اور بولتے ہوں، اور دوسرے آسانی سے سیکھ سکتے ہوں۔ یہ زبان بلاشبہ ہندی ہے۔ یہ شمال کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جب اردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے تو اردو کہلاتی ہے۔ کانگریس کے ۱۹۲۵ء کے کانپور سیشن کے مشہور ریزولیوشن میں اس مروجہ زبان کو ہندوستانی کہا گیا ہے . . . یہ قومی زبان ہم کو اس قابل بنائے گی کہ ہم اس میں گفتگو کر سکیں اور دونوں رسم خط میں لکھ سکیں۔"[1]

آزادی کے بعد ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء یعنی تقسیم ہند کے باوجود اپنے مضمون گورنروں اور وزیروں کے ضابطہ عمل (CODE OF CONDUCT) میں لکھتے ہیں :

" وہ دونوں رسم خط سیکھیں (ہندی اور اردو) اور اپنے رفیقوں سے انگریزی میں بات کرنے سے بچیں، یا وہ اپنی ریاست کی زبان میں بات کریں جس کے وہ گورنر ہیں اور ہندستانی میں جو ہندستان کی عام زبان (LINGUA FRANCA) ہے اور ناگری اور اردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے۔ یہ نہ سنسکرت آمیز ہندی ہے اور نہ فارسی آمیز اردو۔ بلاشبہ ہندستانی وندھیا رینج کے شمال میں کروڑوں کی زبان ہے۔"[2]

پروفیسر رومیلا تھاپر نے لکھا ہے[3] :

" ہندی دلی کے اطراف واکناف اور موجودہ اتر پردیش میں بولی جاتی تھی . . . جب صوفی اس علاقے میں آباد ہوئے تو ابتدائی ہندی کو ہندوی کے نام سے موسوم کرکے عوام کے وسیع ترطبقے کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ بعد میں یہ زبان بھگتی تحریک نے استعمال کی جس میں کبیر، نانک، سورداس

---

(1) The selected work of Mahat ma Gandhi, vol.4, Navgiran Trust 1968-69, pp.357-358. (2) Ibid., vol.6, pp.463-464.

(3) History of India, Romila Thapar, 1966, p.313 of

اور معیار یا بی قابلِ ذکر ہیں۔ اس سے زبان کے بتیے میں مزید اضافہ ہوا۔ اس سے قبل دوسرے لکھنے والوں نے جن میں امیر خسرو جو سلطانوں کے شاعر تھے اور عام طور پر فارسی میں لکھتے تھے، اس زبان میں لکھنا شروع کیا۔ جس بات سے اس زبان کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ یہ زبان اردو کے والدین (CO PARENT) میں سے ایک تھی۔ اردو یعنی لشکری زبان سلطان کی لنگوا فرنیکا بنتی جا رہی تھی۔ اس لیے یہ ہندی قواعد اور فارسی عربی الفاظ کے اشتراک سے بنتی تھی۔ لازماً جو لوگ اردو استعمال کرتے تھے وہ ہندی سے بھی واقف تھے۔"

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری اپنے کلام کے مجموعے "پچھلی رات" کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

" ہندستان کے جس زمانے میں اردو شاعری نے جنم لیا اور پروان چڑھی، اس وقت ہندستان میں تعلیم کا معیار بہت پست تھا اور ہماری علمی اور فکری زندگی عام طور سے بے جان تھی۔ اس دوران میں ہماری زندگی بڑی حد تک انحطاط کا شکار رہی . . . میں نے جب آنکھ کھولی تو داغ اور امیر کی مسموم شاعری ہندستان پر چھائی ہوئی تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ نئی اور صالح زندگی کے آثار بھی نمودار ہو چکے تھے۔ آسی غازی پوری، شاد عظیم آبادی، حالی پانی پتی اور ان کے بعد چکبست اور اقبال اور ان کے متعدد معاصرین ایک نئی جیتی جاگتی صوتیات کو جنم دے رہے تھے۔ یہ زمانہ اردو شاعری کے انحطاط اور آنکھ کھولتے ہوئے نشاۃ ثانیہ کا زمانہ تھا۔ تھوڑے دنوں بعد ایک نئی مصیبت بھی اٹھ کھڑی ہوئی، اور یہ مصیبت جواب تک دور نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ بڑھتی جا رہی ہے۔ اردو دشمنی کا طوفان۔ لیکن فکر و تامل کے قابل یہ امر بھی ہے کہ ہندی تحریک کو بھی سہارا لینا پڑا۔ اسی مغربی ہندی کا جس کی بنیادوں پر اردو کی عمارت کھڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک طرف تو ایک طوفانِ نفرت کے مظاہرے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف ہندی داں عوام و خواص میں ناگری رسم خط میں چھپ کر اردو شاعری کے صدہا مجموعے کروڑوں کی تعداد میں محض ہندی داں اہلِ وطن میں مقبول ہوتے گئے۔ دیکھیے یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ میں نے اپنی غزلوں میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ اس مغربی اور مقبول عام ہندی کو جس کا نام اردو زبان و ادب ہے، زیادہ نرم دوں اور اس میں گنگ و جمن کے دوآبے کی شادابی اور انسانی تہذیب کے رس جس کو سمو دوں۔"

میں نے کچھ عرصہ قبل بی۔ بی۔ سی کے اردو ہندی پروگرام میں ہندی کے مشہور ناولسٹ گلشن نندہ کا ایک انٹرویو سنا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی زبان میں لکھتے ہیں تو ان کا جواب تھا۔ "میں پنجابی میں سوچتا ہوں۔

اردو میں لکھتا ہوں، اور ہندی میں چھپتا ہوں۔"

فارسی کئی سو سال تک ہندستان کے بڑے علاقے کی سرکاری زبان رہی ہے اور اس کا اثر ساری علاقائی زبانوں پر ہوا۔ چنانچہ جنوبی ہند کی زبانوں خصوصاً تلگو میں اس کے بہت سے الفاظ مروج ہیں۔ حالانکہ یہ ایک دراویڈین زبان ہے اور جس طرح ہندستان کی ہر زبان میں اس وقت انگریزی کے الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔ اسی طرح فارسی سے بھی نئے اقدار، تصورات اور اظہارِ خیال کے انداز ہندی میں منتقل ہوئے اور ہندی کے (BASE) یا بنیاد پر فارسی اور دیگر زبانوں کے طویل لسانی اختلاط کے نتیجہ میں اردو پیدا ہوئی جو اُس زمانے کے سرکاری رسم خط فارسی میں بھی لکھی جانے لگی۔ لہٰذا اردو ایک رواداروسیع آغوش اور ترقی یافتہ ہندی ہے جس نے غیر زبانوں کے الفاظ شامل کرنے اور رسم خط اختیار کرنے میں کوئی تعصب نہیں برتا اور جس کے دو اہم اجزا ہندی اور فارسی دونوں آرین ہیں۔

اردو کے بعد اردو والوں کا تعین بھی ضروری ہے تاکہ مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس مضمون میں اردو والوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے اور وہ لوگ بھی جن کی مادری زبان اردو نہ ہونے کے باوجود اردو لکھتے اور بولتے ہیں۔

اردو بولنے والوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اس عوامی زبان کو بولتے ہیں۔ ان کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اس کو اردو کہتے ہیں اور فارسی رسم خط پر معترض نہیں ہیں۔ دوسرے وہ جو اس زبان کو ہندی یا ہندستانی بولتے ہیں اور اردو کو محض رسم خط کا فرق سمجھتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اس کو ہندی بولتے ہیں اور اردو جاننے سے انکار کرتے ہیں۔

اردو اور اردو والوں کے تعین کے بعد اب اردو کے مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جدوجہد آزادی کے زمانے اور آزادی اور تقسیم ہند کے بعد سیاسی وجوہات کی بنا پر اردو کی مخالفت شروع ہوئی اور لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد مزید مسائل پیدا ہوئے۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ اردو والے ہندی کو وہ مقام نہیں دینا چاہتے تھے۔ جس کے لیے وہ آج خود جدوجہد کر رہے ہیں، اور گاندھی جی کے دو رسم خط والے فارمولے کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ جس کی بنا پر یہ ترقی یافتہ زبان سارے ملک کی مسلّمہ زبان بن سکتی تھی۔ ان اختلافات کے بارے میں سردار پٹیل کے کاغذات میں جو کئی جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اس مروجہ زبان کو ہندستانی کے نام اور دیوناگری رسم خط میں ہندستان کی سرکاری زبان بنانے کی پیش کش کی تھی لیکن نوابزادہ لیاقت علی خاں نے جو تقسیم ہند چاہتے تھے اس پر آمادگی ظاہر نہیں کی یہ آفر دراصل تاریخ کو دہرا رہا تھا۔ جس طرح چند صدیوں قبل عوامی زبان کو اس زمانے کے سرکاری رسم خط فارسی میں لکھا جانے لگا تھا۔ اسی طرح سردار پٹیل

کی تجویز کی بنا پر آزادی کے زمانے کی فارسی آمیز عوامی زبان کو سرکاری زبان کے رسم خط میں جو شمالی ہند کی اکثریت کا رسم خط بھی تھا لکھے جانے کی سفارش کی گئی تھی۔ اردو والوں کے لئے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ زبان کی موت یا ایک زائد رسم خط کا اختیار کر لینا۔ اور یہ موقع ہاتھ سے چلا گیا۔

مجلس دستور ساز میں دو گروہ تھے جن میں سے ایک مروجہ عوامی زبان ہندستانی کو سرکاری زبان بنانے کا حامی تھا اور دوسرا خالص ہندی کو۔ پنڈت نہرو مروجہ زبان کی تائید میں تھے۔ رائے شماری کے وقت دونوں گروہوں کو مساوی ووٹ ملے اور صدر کے کاسٹنگ ووٹ سے ہندی سرکاری زبان بن گئی۔ اس فیصلے کی تعمیل میں حکومت کو مختلف اقدامات کرنے پڑے جو اس فیصلے کی تعمیل کے لیے ضروری تھے۔ حالانکہ اس وقت کے سارے لیڈر ہندستانی بولتے تھے اور ان کو سرکاری زبان بولنے میں ابتدائی چند جملوں کی حد تک کامیابی ہوئی تھی اور پھر وہ مروجہ زبان بولنے لگتے تھے۔ ہندستان کے چاروں وزیر اعظم بڑی حد تک مروجہ زبان بولتے تھے۔ اور آزادی کے تیس سال بعد ۱۹۷۸ء کے یوم آزادی کی لال قلعہ والی تقریر میں موجودہ وزیر اعظم نے (۸۰) سے زیادہ فارسی اور عربی الفاظ (بشمول تکرار الفاظ) استعمال کئے۔

مجلس دستور ساز کے فیصلے کی تعمیل میں سرکاری زبان سے بدیسی زبانوں کے مقبول مروجہ الفاظ کو نکال دیا گیا۔ اس قسم کی کارروائی ترکی اور ایران میں بھی کسی زمانے میں ہوئی تھی جبکہ ان زبانوں سے عربی کے الفاظ نکالے گئے تھے۔ علاوہ اور اقدامات کے دو اقدامات یہ بھی تھے کہ ریڈیو پر فلمی گانے بند کیے گئے جو عوامی زبان میں ہوتے تھے اور تیس سال بعد آج بھی ہوتے ہیں۔ ہارمونیم کا استعمال بند کیا گیا جس کے ساتھ عوامی زبان کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ یہ پالیسی تقریباً پچیس سال تک جاری رہی اور سارا ہندستان دن بھر ریڈیو سیلون سنتا رہا۔ جہاں سے فلمی گانے اور غزلیں نشر ہوتی تھیں۔ چند سال قبل آل انڈیا ریڈیو نے پالیسی تبدیل کی اور اب وہ ودھ بھارتی کے بیچ رنگی پروگرام میں فلمی گانے، غزلیں اور ڈرامے اُسی عوامی زبان میں نشر ہوتے ہیں جس کو گاندھی جی نے ہندی ہندستانی کا نام دیا تھا۔ یہ سب سے زیادہ پسندیدہ پروگرام سمجھا جاتا ہے اور ہر ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتا ہے جس میں اعلانات تو سرکاری ہندی یا علاقائی زبانوں میں ہوتے ہیں لیکن پروگرام عام فہم زبان میں اور یہی گانے جو ہندی پروگرام میں سنائی دیتے ہیں۔ اردو کے خصوصی پروگرام میں بھی ہوتے ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد مروجہ فارسی رسم خط والی زبان نئی قائم ہونے والی مملکت کی ایک مسلمہ زبان کی حیثیت سے قائم رہی۔ اس وجہ سے بھی اردو دوسری سیاسی وجوہات کی بنا پر بھی ہندستان میں اس عام زبان کو ایک

فرقہ کی زبان کہا جانے لگا۔ اور یہ غلط فہمی ابھی تک باقی ہے۔ اور بدقسمتی سے اردو دوست اور اردو دشمن دونوں طبقوں میں ہے۔ لسانی ریاستوں کی تشکیل کے بعد سہ لسانی فارمولے میں ریاستی زبان۔ قومی سرکاری زبان اور بین الاقوامی زبان انگریزی کو شامل کیا گیا اور اس فارمولے کے باعث فارسی رسم خط والی عام زبان یعنی ہر ریاست میں اقلیتی زبان بن گئی۔ کوئی دو سال قبل "السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا" میں ایک ماہر لسانیات نے لکھا تھا کہ اردو ہندستان کی عام زبان ہے لیکن غلط رسم خط میں۔ اگر یہ ادعا صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عوام کی اکثریت کو اردو سے کوئی دشمنی نہیں ہے، البتہ ان کے پاس فارسی رسم خط سیکھنے کی کوئی ضرورت ہے نہ وقت اور وہ اس عوامی زبان کو لشکری زبان کے محدود نام سے یاد کرنا نہیں چاہتے اور ہندی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن گذشتہ تیس سالوں میں سرکاری اور درسی کتابوں کی ہندی اور اس عوامی ہندی میں کس قدر فرق آچکا ہے کہ گاندھی جی کے فارمولے کو موجودہ حالات کے مطابق کی کوشش کی جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اردو ہندستانی عوام کی یک جہتی اور دراوڑین زبانوں ہندی اور فارسی کے طویل لسانی اختلاط کی آئینہ دار زبان ہے اور جب ناگری رسم خط میں لکھی جاتی ہے تو لوگ ہندی کہلاتی ہے۔

اب میں اردو والوں کے مقصد کے تعین مطالبات اور شکایات اور موجودہ پالیسی میں (اگر کوئی ہے) تبدیلی کی ضرورت پر مزید کچھ لکھے بغیر آزادی اور لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد اردو والوں کے لیے جو مسائل پیدا ہوئے ان کے حل کے لیے ایسے سوالات اٹھانے کی کوشش کروں گا جن پر غور کرکے صحیح فیصلے کرنے کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے ان پر غور کرنے کے بعد کسی ایسی فعال اور دوراندیش پالیسی کا تعین ہو سکے جس کی بنا پر وہ زبان جو عوامی زبان سے اقلیتی زبان کے درجہ پر آچکی ہے، پھر سے عوامی زبان بن جائے۔

(۱) کیا اردو والوں کو حکومت کی سرپرستی نہ ہونے سے مایوس ہونے کی ضرورت ہے جبکہ تاریخ ہند میں کئی سو سال سے عوام کی زبان کبھی سرکاری زبان نہیں رہی ہے اور اس کے باوجود ساری علاقائی زبانیں زندہ ہیں۔

(۲) کیا اردو کو قومی سرکاری زبان اور کئی ریاستوں کی ریاستی سرکاری زبان ہندی کا مدمقابل بنانے کی کوشش کی جائے یا اس کی دستوری حیثیت تسلیم کرکے دوسری لسانی اقلیتوں کی طرح اس کا جائز دستوری حق منوایا جائے۔

(۳) کیا اردو والوں نے ہندستان کی طرح کثیر زبانی ممالک مثلاً سوویت یونین، ممالک متحدہ امریکہ اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ کی لسانی اقلیتوں کے ساتھ حکومتوں کے سلوک کے سلسلے میں کوئی معلومات حاصل کی ہیں اور اگر نہیں تو کیا ایسا مطالعہ سودمند ثابت نہیں ہوگا تاکہ حکومت سے دوسرے روادار ممالک کی مثال پیش کرکے مناسب مطالبات کئے جا سکیں۔ امریکہ میں اگر پرائمری جماعتوں میں کسی لسانی اقلیت کا ایک بھی طالب علم ہو تو اسے

مادری زبان میں تعلیم کے لئے اپنی زبان کے اساتذہ کی فراہمی کا حق حاصل ہوتا ہے)

(۴) کیا ایسی ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد ہو اسے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا جائے۔ ایسے مطالبے کے کیا عملی فوائد ہوں گے۔ یا ایسا مطالبہ متعصب افراد کی مخالفت میں مزید شدت پیدا کرے گا۔

(۵) کیا اردو والے سہ لسانی فارمولے میں اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ ہندی ریاستوں میں تو یہ ممکن ہے (لیکن یہیں اس کی شدید مخالفت ہوتی ہے) لیکن دوسری لسانی ریاستوں میں چار زبانیں لازمی ہوں گی۔ اگر اردو والے صرف تین زبانیں سیکھنا چاہیں تو کونسی زبان چھوڑ دی جائے گی اور اس کے کیا نتائج ہوں گے۔

(۶) کیا اردو کو ابتدائی تعلیم کا ذریعہ تعلیم رکھا جائے اور بعد میں ریاستی، قومی یا انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کی جائے۔

(۷) کیا اردو ذریعہ تعلیم کو تعلیم کے ہر اسٹیج کے لئے ضروری سمجھا جائے۔ اگر ایسا سمجھا جائے تو سوال غور طلب ہو جاتا ہے کہ کیا زمانہ حاضر میں علم برائے علم ہوتا ہے یا علم برائے روزگار کیا علم اور معیشت میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ 'MANAGEMENT' کے بین الاقوامی ماہر 'PEPER F. DRUCKER' نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

" آج تعلیم یافتہ لوگوں کی بڑی اکثریت کسی نہ کسی ادارے میں ملازمت کرتی ہے۔ چاہے وہ کوئی کمپنی ہو یا حکومتی ادارہ۔ ہسپتال ہو یا یونیورسٹی۔ یہ وہ پہلا سماج ہے جہاں کوئی مالک نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً ہر شخص کسی نہ کسی ادارہ کا ملازم ہے۔"

کیا اردو والے زمانہ حاضر کی اس حقیقت سے مستثنیٰ ہیں؟

(۸) کیا اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس اور کالجوں کے خراب نتائج کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیا ان اداروں میں طلباء کی تعداد میں اضافہ یا کمی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ کیا ان اداروں کے فارغ التحصیل طلبا کے عملی زندگی میں کامیاب یا ناکام ہونے کے اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں۔ کیا اس امر کی کوئی تحقیق کی گئی ہے کہ ایسے طلبا کو ملازمتوں کے حصول یا مسابقتی امتحانوں اور روزمرہ کے سرکاری کاروبار میں سہولت ہوئی ہے یا نقصان۔

(۹) کیا ہر اردو والے طالب علم کیلئے اسکولوں و کالجوں میں اردو لازمی زبان کی حیثیت سے پڑھانے کا انتظام کیا جائے چاہے ذریعہ تعلیم کوئی بھی زبان ہو۔ کیا اس مطالبے سے سارے اردو والے طالب علم مستفید نہیں ہوں گے۔ چند مدرسوں میں زبانی

کا ذریعہ تعلیم ہونا یا ہر مدرسہ میں زبان کی عام تعلیم ہونے کے دو متبادل فیصلوں میں کون سا فیصلہ زیادہ تعداد کیلئے سود مند ہوگا۔

(۱۰) کیا اردو رسم خط کا تحفظ کیا جائے۔ اس لیے کہ سارا ادبی سرمایہ اسی رسم خط میں ہے اور اس تصفیہ کے بعد کیا ہر مدرسہ میں لازمی اردو تعلیم کا مطالبہ ضروری نہیں ہے۔ اور اگر نہیں تو اردو خاندانوں میں رسم خط کا تحفظ کیسے ہوگا۔

(۱۱) کیا اردو والوں نے اس تلخ تاریخی جبر پر بھی غور کیا ہے کہ ان کی نسلیں جو ہندی ریاستوں میں ہندی میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور غیر ہندی ریاستوں میں ہندی ثانوی زبان کی حیثیت سے سیکھ رہی ہیں وہ اردو رسم خط سے کس حد تک واقف ہیں۔ کیا یہ نسل گھر کی اردو کو ہندی رسم خط میں نہیں لکھ رہی ہے۔ کیا کوئی شماریاتی جائزہ ہوا ہے کہ نئی نسل میں کتنے اردو رسم خط سے واقف ہیں۔ اگر اس تعداد میں تشویشناک حد تک کمی ہوئی ہے تو اردو والوں نے کون سے ایسے اقدامات کئے ہیں کہ اردو کا تہذیبی اثاثہ ان کو فراہم ہو سکے۔

(۱۲) کیا اردو کا رسم خط بدل دیا جائے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو کیا وہ رسم خط رومن ہو (جسے شاید غلطی سے ترقی پسندی سمجھا جائے) کیا وہ ریاستی زبان کا رسم خط ہو (جس سے زبان کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے گی) یا دیوناگری ہو (جس سے عوامی زبان اور سرکاری زبان کے قریب ہو جانے کے مواقع حاصل ہوں گے۔)

(۱۳) کیا اردو کا ایک زاید رسم خط دیوناگری ہو۔ اگر یہ ضروری سمجھا جائے تو اردو کی ساری آوازوں کے لیے دیوناگری رسم خط میں کن معمولی تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی تاکہ لوگ " مر جا گا لیب کی گجل " نہ بولنے لگیں۔

کیا کسی نے فارسی اور دیوناگری حروف تہجی میں سے اکثر ایک دوسرے کے مشابہ اور معروف ہونے پر کوئی کام کیا ہے ؟ ۔

(۱۴) اگر اردو کی کتابیں ایک سے زائد رسم خط میں شائع ہونے لگیں (ہندی پریس اردو کی مقبول عام کتابوں کو اس طرح سے چھاپ رہے ہیں) تو کیا اس کا سرکاری ہندی پر اثر نہ ہوگا۔ کیا اردو والوں نے ۱۹۴۷ء کی سرکاری ہندی اور ۱۹۸۰ء کی سرکاری ہندی میں (جو ریڈیو پر سنی جاتی ہے۔) کچھ فرق محسوس کیا۔ یقیناً وہ اب عوامی زبان سے نسبتاً زیادہ قریب ہو گئی ہے۔

(۱۵) کیا اردو والوں نے ہندی نثر کے ارتقا کا مطالعہ کیا ہے کہ آزادی سے ۱۹۸۰ء تک اس زبان کی ہیئت ترکیبی میں کچھ ارتقا ہوا ہے۔ کیا اس ارتقا سے دونوں زبانیں ایک دوسرے کے قریب نہیں ہو رہی ہیں۔ کیا

کیا اس حقیقت سے اس وہم کی تردید نہیں ہو جاتی کہ رسم خط کی تبدیلی یا ایک سے زائد رسم خط کے استعمال سے زبانوں کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ ہندی کے موجودہ ارتقا سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر اس تبدیلی کے بھی زبانوں کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ اور ایسی تبدیلی بعض اور حالات کے تابع ہوتی ہے۔

(۱۶) کیا اردو والوں نے اردو بولنے والوں یا لوک ہندی بولنے والوں کی مدد کی کوئی کوشش کی ہے کہ انھیں اپنی پسندیدہ کتابیں اور شاعری کے مجموعے پڑھنے کیلئے مل سکیں۔ کیا عوامی زبان کو اکثریتی عوام کے رسم خط میں شائع کرنا زبان کی ترویج اور ترقی میں معاون نہیں ہوگا۔ کیا عوامی زبان کو ایک نامانوس رسم خط میں (دوسروں کیلئے) مقید کر لینا اس زبان کی خدمت ہے۔ اور کیا کتابوں کی عدم دستیابی کی صورت میں یہ زبان موجودہ نسل کے بعد عوامی زبان کی حیثیت سے باقی رہ سکے گی۔

(۱۷) کیا اردو والوں نے دوسری زبانوں کے جاننے والوں کیلئے URDU SELF TOUGHT قسم کی کتابوں کی اشاعت کا کبھی خیال کیا ہے۔ کیا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر ہندوستانی رسم خط میں اس قسم کی کتابیں شائع ہوں۔

(۱۸) کیا BASIC ENGLISH کی طرح کسی نے BASIC URDU بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ ثقیل اور مشکل الفاظ سے پاک ایک آسان زبان دوسری زبان بولنے والوں کے کام آسکے۔

(۱۹) کیا اردو دشمنی کے محرکات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کیا تعصب کا جواب تعصب سے دیا جانا چاہیئے یا رواداری اور فراخ دلی کے اظہار سے۔

(۲۰) کیا اردو کی جدوجہد سیکولر انداز میں نہیں ہونی چاہیئے۔ کیا اس عوامی زبان کیلئے جدوجہد کرنے میں قول اور عمل کا تضاد کمزوری کا باعث نہیں ہے۔

میں نے اردو کے مسئلہ پر بہت سے ISSUES یا سوالات آپ کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ اگر اردو والے دانشوران پر غیر جذباتی انداز میں غور کر سکیں اور غور و فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ تو اس عمل کے دوران شاید یہ بات بھی واضح ہوگی کہ اردو والے اور حکومت شاید مساوی طور پر اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ ہندوستانی تہذیب کی ایک مشترکہ اور یک جہتی پیدا کرنے والی میراث کو اس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ اگر اس وقت مناسب حفاظتی تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو بہت ممکن ہے کہ جس طرح ہندوستان کی یہ عوامی زبان جس کے ارتقاء میں ہر فرقہ کے لوگ شریک رہے ہیں اب محض ایک اقلیتی زبان ہو کر رہ گئی ہے وہ ہندوستان میں فارسی اور اسپین میں عربی کی طرح خود اردو والوں کی کوتاہ اندیشی اور عدم توجہ کی بنا پر ہندوستان میں ناپید ہو جائے اور اگر ایسا ہوا تو اس کی ساری ذمہ داری اردو والوں کی موجودہ نسل پر ہوگی۔ ●●

جناب ہارون خاں شروانی

حیدرآباد



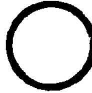
آج کل تاریخ دکن، عہد وسطی کے تقاضوں کی وجہ سے کسی دوسرے علمی کام کی طرف توجہ نہایت دشوار ہے۔ میرا تو یہ ایقان ہے کہ ہمارا نستعلیق رسم خط خود تو ڈوبے گا نہیں لیکن ہماری زبان کی بربادی کا سبب بن جائے گا۔ مگر اس کو کوئی سننے کے لیے تیار نہیں۔ ٹوک پلک دنیا کی ہر زبان میں تھے، لیکن سوائے ہماری زبان کے ہر دوسری زبان نے طباعت کی غرض سے یا تو ان سے استغنا حاصل کیا ہے یا پھر اس رسم خط ہی کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ ہم ہی ایسے خوردبین ہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، ہم (زبان کے) دم واپسیں تک سر مو ہٹنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ اپنے تازہ ترین مضمون "اردو رسم خط" میں اس نقطۂ نظر کے بالکل ہی قریب آ گئے ہیں، اور "مشکلات" اور "خامیوں" کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ لیکن ان کے باوجود آپ موجودہ رسم خط ہی کو (جس سے غالباً نستعلیق رسم خط سے مراد ہوگی) قائم رکھنا مناسب سمجھا ہے۔ آپ نے جو تین اسباب شمار کیے ہیں، ان میں سے ۳ یعنی دیوناگری رسم خط کی اردو زبان پر تطبیق کی حد تک آپ کے سو فیصدی ساتھ ہوں؛ رومن خط کی ترویج میں جو دشواری ہے اس کی وجہ سے دیر لگے گی، مگر میں اسے اپنانے میں کوئی خطرہ تصور نہیں کرتا۔ تہذیب کا تعلق زبان سے زیادہ ہے، رسم خط سے اتنا نہیں۔ یوگوسلافیہ میں تقریباً ایک ہی زبان دو مختلف لپیوں میں لکھی جاتی ہے، لیکن دونوں خطوں کا تمدن ایک ہی ہے؛ ملیشیا اور انڈونیشیا نے اپنا رسم خط بدل دیا ہے، تو شاید ان کی تہذیب کو کوئی بڑا دھکا نہیں لگا۔ بہرحال اس مسئلے پر بحث بہت کچھ قبل از وقت ہے۔ لیکن طباعت میں نستعلیق کی بجائے نسخ کے استعمال سے تو بظاہر کوئی خطرہ نہیں۔ جیسا میں اوپر عرض کر چکا ہوں، آپ اپنے مضمون میں اس نقطۂ نظر کے بالکل قریب آ گئے ہیں بلکہ اس سے تماس کر لیا ہے، مگر ایک ساتھ اس سے گریز بھی کر گئے ہیں۔ میں ذاتی طور پر آفسیٹ کو صرف محدود طور پر مفید سمجھتا ہوں۔ اگر کثیر اشاعتی اخباروں اور کتابوں کے لیے یہ طریقہ کارآمد ہوتا تو اخباروں اور کتابوں کے لیے ہر جگہ استعمال کیا جا سکتا۔

بہرحال مجھے اس بات سے اطمینان ہوا کہ اردو کے آپ جیسے صف اوّل کے عالم بھی موجودہ صورت حال سے متاثر ہیں اور اس میں ترمیم کے خواہاں ہیں۔

مکتوب ــــ بنام ڈاکٹر مسعود حسین

جناب جمنا داس اختر

۹-۱۰، ساؤتھ پٹیل نگر، نئی دلی



اس خبر پر دکھ ہوا مگر حیرانی نہیں ہوئی کہ دلی اسمبلی میں جنتا دل کے ایک ممبر جناب شعیب اقبال کو بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایک ممبر نے پاکستانی ایجنٹ قرار دیا۔ اول الذکر کا "قصور" یہ تھا کہ اس نے اسمبلی کی کارروائی کا ایجنڈا اردو میں تقسیم نہ کرنے کا معاملہ اٹھائے جانے پر کانگریس کی مسز تاجدار بابر کی شکایت کو حق بجانب قرار دیا۔

اردو کے معاملہ میں تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہونے میں نہیں آتا۔ مجھے یاد ہے کہ چند سال پہلے اتر پردیش کے ایک غیر کانگریسی مگر سیکولر ہونے کا دعوا کرنے والے ایک وزیر اعلا نے یہ کہہ کر اردو کی مخالفت کی تھی کہ فارسی رسم الخط ہونے کے سبب یہ ایک غیر ملکی اور اسلامی زبان ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجھے ہندوستان ٹائمز کے نمائندہ خصوصی کے ہمراہ سری نگر میں اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر رام چندر کاک سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ جب میرے ساتھی نے میرا پورا نام بتانے کے بجائے صرف جے۔ ڈی۔ اختر کہہ کر وزیر اعظم سے تعارف کرایا تو وزیر اعظم نے کشمیر کے مسئلے پر گفتگو کرنے سے گریز کرنے کی کوشش کی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ بعد میں میرے ساتھی کو دوسرے کمرے میں لے جا کر پوچھنے لگے کہ آپ اس مسلمان کو اپنے ساتھ کیوں لائے ہیں؟ جب میرے ساتھی نے کہا کہ یہ مسلمان نہیں بلکہ جمنا داس اختر ہندو ہے تو وزیر اعظم نے اطمینان کا سانس لیا۔ "اختر" کے لفظ سے انھیں غلط فہمی ہو گئی تھی اور وہ مجھے مسلمان سمجھ کر میری موجودگی میں سیاسی صورت حال پر گفتگو کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ۱۹۴۷ء میں میرے ہی خاندان کے ایک سینیر ممبر کرنل دتا نے انھیں گرفتار کیا تھا۔

میں ان لوگوں میں نہیں جو اردو سے محض اس لیے نفرت کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں ملک کی تقسیم کا ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ پاکستان کا مطالبہ کرنے والے اردو کی حمایت کرتے

تھے۔ ستم ظریفی ہے کہ پاکستان میں آج بھی اردو صحیح معنوں میں سرکاری اور قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں کر سکی۔ آج بھی پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان میں اردو کی کتابیں زیادہ تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ مغربی پنجاب میں ایک طبقہ اردو کو گنگا جمنی تہذیب کی پیداوار قرار دے کر اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ بلوچستان کے سابق وزیر اعلا نواب اکبر بگٹی کو اردو سے اس قدر نفرت ہے کہ وہ اردو میں کسی سے گفتگو نہیں کرتے۔

اردو کو پاکستان سے وابستہ کرکے اردو کے کسی حامی کو پاکستانی ایجنٹ قرار دینا تعصب، تنگ نظری، فرقہ پرستی اور اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اردو کا جنم برِ صغیر کے اسی حصے میں ہوا تھا جسے آج بھی ہندوستان کہتے ہیں۔ اردو جاننے والے تمام ہندوستان میں ہیں اور لگ بھگ تمام ہندوستانی ریاستوں میں اردو کے اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ اردو کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا روز نامہ ہندوؤں کی ملکیت اور ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ اردو اخبارات پڑھنے والوں میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں۔ میں پٹیل نگر میں رہتا ہوں جو پنجابی ہندوؤں اور سکھوں کی بستی ہے یہاں قومی آواز، ہند سماچار، پرتاپ، ملاپ اور تیج جیسے اردو اخبارات باقاعدگی سے فروخت ہوتے ہیں۔

مجھے ان ہندو، سکھ اور عیسائی ادیبوں، شعرا اور صحافیوں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جو آج بھی اردو کو اپنائے ہوئے ہیں۔ بلا شبہ ملک کی تقسیم کے بعد اردو زوال کے دور سے گزری مگر آج پھر اردو کی پوزیشن بحال ہو رہی ہے۔ اردو سے نفرت کرنا اور اسے نظر انداز کرنا اس ملک کی مشترکہ تہذیب اور تمدن پر مہلک وار کرنا ہے۔ مخالفت اور نفرت کرنے والے اس بات کو بھی نظر انداز کر رہے ہیں کہ ویدوں، پورانوں، اپنشدوں، رامائن، مہابھارت اور گیتا جیسی مقدس کتابوں کے تراجم ہزاروں کی تعداد میں ملک کی تقسیم سے پہلے شائع ہوئے تھے۔ ہندی میں رامائن کا صرف ایک منظوم ترجمہ پنڈت رادھے شیام نے کیا تھا لیکن رامائن کے لگ بھگ ایک درجن منظوم ترجمے شائع ہوئے۔ ان میں سے تین میرے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ بھاگوت پران کے دو منظوم ترجمے اردو میں شائع ہوئے۔ بھاگوت گیتا کے دو الگ الگ منظوم ترجمے لاہور میں مرحوم خواجہ دل محمد اور سید حبیب مدیر اعلا روزنامہ "سیاست" نے شائع کیے۔ آپ حیران ہوں گے کہ مقبول اکیڈمی لاہور نے ۱۹۸۵ء میں جناب عبدالعزیز خالدی کی مرتب کی ہوئی کتاب "مہابھارت کتھن مالا" شائع کی۔ اب تک اس کے تین اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے ٹائیٹل پر مہابھارت کی جنگ سے متعلق ایک تصویر درج ہے۔ اس میں ارجن کو تیر چھوڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل سطور سے کیا گیا ہے:

"حکمت و حرف و حکایت کا مرقع
مخزنِ دانشِ نورانی ہند
ہند و پاکستان کے اس مشترک ماضی کے نام
جس میں پوشیدہ ہے اک مستقبلِ نو کا پیام"

یقیناً جہاں بھارت پر سنسکرت کے سوا کسی بھی دوسری ہندوستانی زبان میں ایسی شاندار اور قابلِ تعریف زبان آج تک شائع نہیں ہوئی اور یہ اعزاز پاکستان میں ایک مسلمان کو حاصل ہوا ہے۔

ناظرین کو شاید معلوم نہیں ہے کہ گروگرنتھ صاحب کا ترجمہ بھی اردو میں شائع ہوا تھا۔ اس کی ایک جلد آنجہانی سنت درشن سنگھ دگل کے روحانی مت سنگ کی لائبریری میں موجود ہے۔

اردو کو مقبول بنا کر اور اس کا صحیح درجہ بحال کر کے ہم نہ صرف اپنے قدیم ورثہ کی حفاظت کر سکتے ہیں بلکہ مختلف ریاستوں میں تال میل کا مسئلہ بھی حل کر سکتے ہیں۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اردو ہندوستان اور پاکستان میں مفاہمت اور رابطہ کا فرض بھی ادا کر سکتی ہے۔

اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے اس کا صحیح درجہ ملنا چاہیے۔ دراصل تمام تنگ نظری کی جڑ فرقہ واریت ہے۔ آزاد ہندوستان کے معماروں نے فرقہ واریت کے خلاف جدوجہد کو جمہوریت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے لازمی قرار دیا تھا۔ مگر یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ سیاسی مفاد پرستی فرقہ واریت کا انسداد ہونے نہیں دیتی۔ کشمیر میں شیخ عبداللہ نے فرقہ واریت کے خلاف جدوجہد کی تو انھیں فرقہ پرست عناصر نے ذلیل کرنے کی کوشش کی۔ اور تو اور ریاستی اسمبلی میں پرجا پریشد کے ایک رکن نے بخشی غلام محمد کو پاکستان کا ایجنٹ قرار دیا تھا۔ مرحوم میر واعظ مولوی فاروق خوش تھے اندرا گاندھی سے مل کر ریاست میں مفاہمت کا ایک نیا دور شروع کرنا چاہتے تھے مگر خود غرض عناصر نے یہ ملاقات نہ ہونے دی۔ دلی میں جب بخشی غلام محمد کا فرزند اپنا فارم اپنی بیوی کے نام منتقل کرانے کے لیے رجسٹرار کی عدالت میں گیا تو رجسٹرار نے جھنجھلا کر کہا: "آپ پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے" جب جونیر بخشی نے اپنا تعارف کرایا اور رجسٹرار کو ڈانٹ دیا تو رجسٹرار کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

ملک دشمن اور سماج دشمن جرائم کا انسداد کرنے کے لیے جہاں انتظامیہ میں ایماندار افراد ہونے چاہئیں وہاں سیاست دانوں کو مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے کام نہیں لینا چاہیے۔ مندر اور مسجد کے نام پر سیاسی دکانیں چمکانے والوں سے کوئی پوچھے کہ آپ اسمگلنگ کے دھندے اور عصمت فروشی کے خلاف کیوں آواز بلند نہیں کرتے۔ بے چاری اردو کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ اقلیتوں کو محض ان کے مذہب کے سبب کیوں شک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

○○

ہماری زبان یکم اکتوبر ۱۹۹۴ء

پروفیسر محمد محسن
(پٹنہ)

اردو کی ترویج و ترقی کے جتنے سامان اور جتنی سرپرستی آزادی کے بعد فراہم ہو گئی ہیں آج سے تیس چالیس سال قبل ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ آج تقریباً ہر صوبے میں اردو اکیڈمیاں ہیں جنہیں سرکاری امداد کی موٹی موٹی رقمیں ملتی ہیں۔ مرکزی سطح پر ترقی اردو بورڈ ہے۔ نیشنل بک ٹرسٹ جیسا سرکاری ادارہ اردو کی کتابوں کی اشاعت پر کافی خرچ کرتا ہے، این سی ای آر ٹی میں اردو نصابی کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا ایک شعبہ بھی کام کر رہا ہے۔ تقریباً ہر یونیورسٹی اور ہر کالج میں اردو کی تعلیم کا علیحدہ شعبہ قائم ہے۔ اکیڈمیاں کتابوں کی اشاعت بھی کرتی ہیں اور اشاعتی امداد کی صورت میں خاص رقم بھی پیش کرتی ہیں۔ قلمکاروں کی ہمت افزائی کے لئے کتابوں پر انعام دیتی ہیں۔ آج جتنی تعداد میں اردو کتابیں شائع ہو رہی ہیں آج سے بیس تیس سال قبل کبھی شائع نہ ہو سکتی تھیں۔ سرکاری اداروں میں اردو مترجم ہیں اور غیر سرکاری اداروں کی امداد کا بھی سامان ہے لیکن دوسری طرف اردو پڑھنے لکھنے والوں کی تعداد روز بروز گھٹ رہی ہے تیزی سے گھٹتی جا رہی ہے اور یہ دن دور نہیں ہے جب اردو مترجم، مترجم خواہ سرکاری ہی کیوں نہ رہے ایک معمہ بن جائے۔ ایک وہ وقت تھا جب باوجود اساتذہ اور درسی چیزوں کی کمی کے اسکولوں اور کالجوں میں اردو کی کلاس دوسرے شعبوں کی کلاس کے ہم پایہ ہوا کرتی تھیں لیکن آج کبھی کبھی اردو کی کلاس میں زیادہ اردو کے استاد دکھائی دیتے ہیں۔

موجودہ صورت حال کے اسباب کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے لیکن اتنا کہنا ضروری ہوگا کہ ان اسباب میں حکومت سے زیادہ ہم اردو والوں کی بے توجہی اور نا عاقبت اندیشی کا دخل ہے۔ ہم میں کا ہر فرد اپنی ذات کے مفاد سے بلند ہو کر اس سے الگ کچھ کرنا تو درکنار کچھ سوچنے کا بھی اہل باقی نہیں رہا ہے۔ ہمارے اہل اردو دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ اس خوش فہمی کا شکار رہا کہ اردو کے لئے انگریزی کی طرح روٹی روزی سے جوڑ کر جب تک نہ بٹھائے جائیں اردو باقی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ صوبہ بہار نے اس مہم میں سب سے پہلے پیش قدمی کر کے اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے اور اس طرح اردو والوں کی ملازمت کو آبادی کے اندر ہزار ڈیڑھ ہزار اردو والوں کی تحریر اور تالیف کی روزی روٹی کا سامان کر لیا ہے مگر اس سے کام کچھ اور لیا جا رہا ہے۔ دوسرے صوبوں میں بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی مہم میں لگ کر اردو حلقے گروہ بندی کا مقصد بلند کرنے کا خواب دیکھنے لگے ہیں۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اگر دوسرے صوبوں کو بھی کامیابی حاصل ہو گئی تو اردو دشمنی کے طوفان میں یہ کاغذی ناؤ کب تک چلائی جا سکے گی اور اردو کی گرتی ہوئی دیوار والوں کی طرح کو اس سے استواری کس طرح حاصل ہو سکے گی۔

آپ جانتے ہیں اس ملک میں کچھ لوگ ایسے طبقے ملتے ہیں جب انگریزی سکہ رائج الوقت تھی، سرکاری یا غیر سرکاری دفتروں میں

سارا کام انگریزی میں ہوتا تھا۔ اسکولوں اور کالجوں میں انگریزی ہی ذریعۂ تعلیم تھی، سارے مضامین انگریزی میں پڑھائے جاتے تھے۔ صرف اردو کا ایک کمپوزیشن کلاس ہوا کرتا تھا۔ روٹی روزی سے اس وقت اردو کا رشتہ برائے نام تھا۔ حلیم شرر اور پریم چند جیسے ملک گیر شہرت یافتہ افلاس کی زندگی گزار رہے تھے۔ سرسید نے اسی صورت حال کی مناسبت میں محمڈن اینگلو عربک کالج کی بنیاد ڈالی تھی لیکن اردو اس وقت جن ترقیوں کی منزلیں طے کر رہی تھی آج کے ہندوستان میں اب وہ خواب و خیال ہو گئی ہیں۔

حالانکہ اس وقت کے اعتبار سے آج اردو کا روزی روٹی سے زیادہ مضبوط رشتہ پیدا ہو گیا ہے آج ہم اس پر آنسو بہا رہے ہیں کہ اردو صرف ایک ادبی زبان بن کر رہ گئی ہے بلکہ جہاں تک عوام کے خواص میں بھی اس کی مقبولیت کا سوال ہے یہ محض شاعروں اور فلموں کی زبان ہو گئی ہے۔ علمی اور سائنسی کتابوں کا جو سلسلہ آزادی سے پہلے تھا آج اس کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس وقت اردو والوں کا اردو سے جذباتی لگاؤ تھا وہ اردو کو اپنے تشخص کی ایک زندہ علامت سمجھتے تھے۔

انہیں اس کا یقین تھا کہ اگر اردو ختم ہو جائے گی تو انہیں اپنی روایت، تہذیب، اپنی ثقافت بلکہ اپنی شناخت سے بھی دست بردار ہو جانا پڑے گا۔ اردو کا روزی روٹی سے رشتے کا ہوا یا بڑھے والوں نے اردو کی بقا اور اس کی جڑوں کی آبیاری کے حقیقی سامان وسائل پر غور و فکر کرنے سے بھی طلباء کو بے نیاز کر دیا ہے۔ اور ہر طرف سے آواز آ رہی ہے کہ ہم اردو کس لئے پڑھیں۔ اس وقت ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اردو پڑھنے لکھنے والوں کی روز افزوں گھٹتی ہوئی تعداد کے سدباب کی کوشش میں لگ جائیں۔ اس کے لیے ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ ہم اردو گھرانوں کے بچے بچیوں کی اردو کے ذریعہ ابتدائی تعلیم کا زیادہ سے زیادہ سامان کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ مادری زبان میں لازمی ابتدائی تعلیم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے، خصوصاً ان صوبوں کی حکومت جو کبھی اردو کے مرکز سمجھے جاتے تھے اور جنہیں آج ہندی صوبوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، بہار، یوپی، مدھیہ پردیش، دلی اور راجستھان اس بات پر راضی ہے کہ اردو والوں کے سبب ضرورت مادری زبان میں ابتدائی لازمی تعلیم کا انتظام کر دیا جائے۔ اگر ہمارے بچے بچیاں کم از کم اپنی ابتدائی تعلیم اردو میں حاصل کرنے لگیں تو اردو سے ان کے ٹوٹتے ہوئے رشتے میں جان پڑ جائے گی اور اردو سے ان کا وہی جذباتی تعلق پیدا ہو جائے گا جو آزادی سے پہلے ہمارا طرۂ امتیاز بنا ہوا تھا۔ چونکہ ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کر لیا گیا ہے اور مرکز اور ہندی صوبوں میں سارے کام ہندی میں ہونے لگے ہیں۔ بغیر ہندی سے رابطہ رکھے ہوئے ہمارا روزی روٹی کا مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اردو ذریعۂ تعلیم کے ساتھ ابتدائی تعلیم کے دوران ہی میں ہندی رسم الخط سے پوری آشنائی حاصل کرا دینا بھی ضروری ہوگا۔ دوسرے سارے مضامین اردو میں پڑھائے جائیں لیکن ایک مضمون ہندی کا بھی رہنا چاہئے۔ اس کے لئے اسٹاف میں اضافہ کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ہندی کا اسکولوں میں لازمی مضمون ہونے کی وجہ سے اردو کے سارے اساتذہ ہندی سے بھی واقف رہتے ہیں۔ اردو میڈیم پرائمری اسکول کی نصابی کتابوں کی تیاری کی ذمہ داری اردو اکیڈمیوں کو

مہیا ہو سکتی ہے۔ بنگال اردو اکیڈیمی نے اس معاملے میں ایک خوش آئند پیش رفت کی ہے۔ انہوں نے چھٹے درجے تک کے لئے اردو کی نصابی کتابیں تیار کرلی ہے۔

پرائمری تعلیم کے بعد ہائی اسکول اور کالج کی تعلیم کے سلسلے میں سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کو حیثیت ثانوی زبان کے حکومتوں نے تو انتظام کرنے کا اہم اور احتجاج شروع کرنے میں اردو والوں کو لگ جانا چاہئے۔ اب رہے اردو میڈیم ہائی اسکول کا معاملہ اگر ایسے محدودے چند اسکول رہیں تو ان میں سے نکلنے والوں کی کھپت اردو پرائمری اسکول میں اساتذہ کی حیثیت سے بآسانی ہو جائے گی اور اس طرح ہمارے جیسے صوبے میں تین چار ہزار لوگوں کی روزی روٹی کا مستقل سامان ہو جائے گا۔ البتہ ان اسکولوں کی تعداد ضرورت سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح ملک میں کم از کم ایک اردو یونیورسٹی کا قیام بھی مفید ہوگا خاص [illegible] میں ترقی اردو بورڈ کی بنیاد ڈالی گئی تھی اور جس مختلف کمیٹیاں وضع اصطلاحات کے لئے بنائی گئی تھیں ان کے علاوہ ہر علمی ادبی سائنسی شعبوں میں ترجمہ اور تصنیف کے کام کرنے کے علاوہ کمیٹیاں بھی قائم کی گئی تھیں اس وقت یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ ملک میں ایک اردو یونیورسٹی بھی قائم ہوگی جہاں ان کی کتابوں کی نصابی حیثیت ہو جائے گی۔ سمجھا گیا تھا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ہی اردو یونیورسٹی بنا دیا جائے گا۔ پروفیسر مجیب مرحوم اس وقت ترقی اردو بورڈ کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر بھی تھے لیکن بعد میں جامعہ ملیہ کے اساتذہ اور سربراہ کار خود اس تجویز کے خلاف ہو گئے اور جامعہ ملیہ کو پہلے صوبائی یونیورسٹی کی حیثیت دے دی گئی اور اب تو اسے مرکزی یونیورسٹی بنا کر جو جال بچھایا گیا ہے اس میں تو کسی تبدیلی کا امکان نہ ہوگا۔

بہر حال وضع اصطلاحات کا کام مکمل ہو چکا ہے اور کیا رہ گئے ترجمے اور تصنیفات کا سلسلہ جاری ہے اردو یونیورسٹی میں یہ کتابیں نصاب میں داخل ہو جا سکیں گی۔ یہ جامعہ فارغ التحصیل طلبہ ملک کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اردو شعبے اور اردو پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کی حیثیت سے نہایت کارآمد ثابت ہوں گے۔ آج اردو میں خواہ کوئی علمی یا سائنسی موضوع پر کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اردو کے اساتذہ علوم جاذبہ سے عام طور پر مطلق نا آشنا ہیں اور یہی حال ان کے شاگردوں کا بھی ہے جو آئندہ ان کی جگہیں لینے والے ہوں گے۔ یہی اساتذہ اگر اردو یونیورسٹی میں تعلیم پا کر موجودہ علمی ادبی سائنسی معاملات پر اردو کے ذریعہ کامل دسترس حاصل کر لیں گے اور اردو کے شعبوں میں یونیورسٹیوں اور کالجوں میں کام کرنے لگیں گے تو اردو میں سائنسی اور علمی تحقیقات کا دروازہ از سر نو کھل جائے گا اور اردو ادب میں بھی خاطر خواہ ترقی کے امکانات از سر نو ظہور پذیر ہو جائیں گے۔

جناب شاہد رام نگری
پٹنہ

زبان جذبات و احساسات کے اظہار کا سب سے موثر ذریعہ ہے اس لئے دنیا میں ہر شخص کو اپنی زبان سے جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ زبان کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کے دوران ہم لوگ حقیقت پسندی سے کام لینے کے بجائے اکثر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی یہ کہتا ہے کہ اردو زبان مر رہی ہے یا مرنے جا رہی ہے تو لگتا ہے کانوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا محسوس ہوتا ہے۔ جان بلب مریض کا تیمار دار معالج کی زبان سے مریض کے آخری سانس تک بھی خیر کی امید رکھتا ہے اسی طرح ہم یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ اردو مر رہی ہے ہم اپنے دانشوروں کو مخاطب ہوتے یہ سننا چاہتے ہیں کہ اردو زندہ رہے گی اس کا مستقبل تاریک ہرگز نہیں ہے۔ یقینی نہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اردو کے بارے میں ہماری خواہش اور آرزو الگ بات ہے اور آج اردو جس حال میں ہے وہ بالکل دوسری بات ہے۔ ہم لوگ بات بات میں دونوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے حقیقت حال کو سمجھنے اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں اکثر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سیمینار کا موضوع اردو کے زوال کی وجوہات ہم لوگوں کو اظہار خیال کی دعوت دیتا ہے جس کا مقصد اردو کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات سے آگاہی حاصل کرنا نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اردو کی رفتار ترقی کے مختلف ادوار میں چالیس سالہ عہد جمہوریت میں آج اردو کس حال میں ہے اور مستقبل میں اس کے زندہ رہنے کے امکانات کیا ہیں اس کے انہوں نے سیدھا سوال کیا ہے کہ کیا اردو اس صدی کے بعد بھی زندہ رہے گی؟

میں اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر اس سوال کا جواب یہ دینا چاہوں گا کہ اردو تو باقی رہے گی نہیں اس صدی کے بعد بھی زندہ رہے گی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان شاعروں کو کیا ہے

پیرو کا جو اردو کے حامی شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں اردو نے بعض کو قیادت و سیادت
کی عزت سے سرفراز کیا ہے یا اردو بعض کو اردو کا فرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو اپنی
زندگی کا سامان خود فراہم کر رہی ہے ان لوگوں کے ذریعے جن کا نام اردو کے حامی شاعروں اور
ادیبوں کی فہرست میں کبھی نہیں لیا جاتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اردو دیوناگری
میں ہندو اب تک جو خدمت اردو کی کر رہے ہیں اس کا اندازہ ہو جائے گا۔ جس طرح بیشتر
مسلم گھرانوں میں ہندی بولی جاتی ہے اور ان کی سرحد ملتی ہے ہندی زبان کا دیا جاتا ہے اسی طرح
ہندو گھرانوں کی زبان میں مختلف بولیاں اور ان کی زبان اردو زبان ہے جس میں ہندی یا ہندوستانی
شامل ہے دیوناگری رسم خط میں لکھی جاتی ہے اور اردو زبان کہتے ہیں ہندی یا ہندوستانی
کا نام دیا جاتا ہے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ ہندی یا ہندوستانی دونوں زبان ہوگی
جسے ہم اردو کہتے ہیں
وہ بھی ہے اور ہم اسکولوں میں بولی جاتی ہے اور جسے ہم اردو کہتے ہیں
جو اردو کو دیوناگری رسم خط میں لکھنے کی
تعریف کرتے ہیں وہ غلط نہیں ہیں مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اردو کے
دیوناگری میں آ جانے سے اردو والوں کی اکثریت کا رجحان یہ خیال ہے کہ اردو کے
رسم خط کو دیوناگری رسم الخط کا جامہ پہنا دینا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے اردو کا کچھ
بگڑ جائے۔ ہمارے رجحان کو یہی خیال ہے
بہر حال یہ بات ہے کہ اردو زبان میں کسی کا الگ کر دینا ہی ہے اگر اردو کے لیے دیوناگری کا
اردو کا رسم خط تو بس فارسی رسم الخط میں ہی لکھا جاتا ہے۔ اگر ہم اردو کے لیے دیوناگری
خاص طور پر بھی اختیار کر لیا گیا تو اردو کا سارا حسن غارت ہو جائے گا اور اس میں وہ بات پیدا ہو جائے
کہ ہم جنہوں نے اردو کو اپنایا ہے ان کی زبان کی روایت ہے اور وہ اکثریت
کی زبان اردو ہے۔ بہر حال یہ بات نازک ہے اور ہندی کے ساتھ ان کی اکثریت
ہندی کی تو جو صورت ہے۔ لیکن ہندی والوں نے ہماری دولت یا
مسودہ زبان کو دیوناگری میں لکھ کر اپنا لیا ہے۔ اور ہمیں دیوناگری کے ساتھ
مشورہ ہے کہ اردو کو دیوناگری کا جامہ پہنانا منظور کر لیا ہے۔ اور ہم بھی دیوناگری کے ساتھ
کہ ہم تو ان کے ساتھ نہیں ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ تصور غلط ہے کہ ہم ان کا
وہ کبھی نہ لیں گے یہ اردو کا تصور ہی ہمارا ہے ہماری ہندی زبان ہے۔ ہم اپنے دلوں کو بھی سمجھا سکتے ہیں اس لیے ہم تو

[illegible]

[illegible] میں [illegible] فرمائیے۔ [illegible] ہندوستان میں شائع [illegible] ہیں۔

"[illegible]"

[illegible]

یہ بھی ایک بات تھی کہ اردو میں ہندی الفاظ [illegible] وقت [illegible] شعرا نے
[redacted] [illegible]
[illegible] میں زبان [illegible] میں اس نے [illegible] اتفاق کیا [illegible]
[illegible] کے استعمال کا [illegible] دیا۔

دکھیو [illegible] میں [illegible] [illegible] ان کا [illegible]
[illegible] اور قوت [illegible]
[illegible] ترجمہ شدہ [illegible]
[illegible] زیادہ استعمال [illegible] ہے۔
[illegible] زبان
[illegible] ہے۔
[illegible] ہے۔

[illegible] زبان میں [illegible] [illegible]
[illegible] [redacted] [illegible]
[illegible] مشہور [illegible] استعمال ہے۔

[illegible] زیادہ
[illegible] ہے
[illegible] شاعری میں [illegible] شعر [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] اردو کا
[illegible]

انہوں نے ڈکشنری میں اردو الفاظ کے معنی انگریزی میں بہت وقت لگتا ہے اس لئے مشتاق نے اردو ہندی ڈکشنری
اردو میں انگریزی [illegible] تھی کہ صاحب نے بتایا کہ ایک شعر پڑھنے میں تقریباً وقت [illegible]
[illegible] ایک لفظ کا مطلب اس ڈکشنری میں دیکھ سکتے ہیں کچھ
[illegible] ہو گیا۔ [illegible] ہزار الفاظ
[illegible] تھا [illegible] ہو گیا [illegible] میں [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] اردو [illegible] ہیں۔ [illegible]
[illegible] زبان [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] اور [illegible]
[illegible] اردو [illegible]۔ [illegible]
[illegible] ایک [illegible] کیا ہے
[illegible] میں اردو [illegible] بہت [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible] میں [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو گا "
[illegible] بہت [illegible] وقت [illegible]
[illegible] تھا۔
[illegible] میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] گئے
[illegible]
[illegible] میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی ضرورت ہے جس میں ہندوستانی محاورے اپنی اصلیت کی ضرورت کا شدت سے اظہار کیا۔ اسپیلنگ
درہونا۔ راجا رام موہن رائے نے انگریزی کی روشنی میں پایا ہے۔ انہوں نے اردو زبان کی ضرورت کے پیش نظر مرتب کی
تھی۔ [illegible] انہوں نے ڈاکٹر گلکرسٹ کی رسم الخط کے ذریعہ اردو سیکھنے کا ایک قاعدہ بھی مرتب کیا تھا
علاوہ ازیں جب انہوں نے یہ قاعدہ لکھا تو اس کی کوئی افادیت سے متعلق نظر میں خیال تھی لیکن
دو سیاہ انگریزوں کی عام ہندوستانی زبان میں اردو کے ایک اشتہار پیرا نے [illegible] اس طرح کے
سہی کا حصہ کی ضرورت [illegible] کو یہ قاعدہ دکھایا گیا اور انہوں نے بڑے مشورے سے
سے فرمایا۔

ہم اردو زبان کو رومن رسم الخط کے مطابق [illegible] جب [illegible] ہیں اس کو جاری
رکھتے چلے۔ اگر اس محبت سے ہم اردو کی خدمت [illegible] تو اس میں کیا نقصان ہے؟

جناب فرخ جلالی

کراچی



اردو زبان کی علمی صلاحیت کے بارے میں اب اختلافات ختم ہو چکے۔ اردو میں ہندوستانی اور پاکستانی ادب کا بیش قدر ذخیرہ موجود ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ نہ صرف ابتدائی اور ثانوی ادب کا سرمایہ بڑھایا جائے بلکہ سر ورق جایا جائے۔ تبادلے کی ضرورت ہے زندگی کے مسائل کو جذباتی نقطہ نظر سے دیکھنے کی عادت کم پڑے۔ اب علوم میں فن اور اندازہ کے بجائے صحت بیان پر زیادہ زور ہے۔

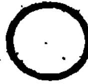
ہمارے ملک میں ہر قومی شخص کی مادری زبان زندہ اور بامعنی الفاظ پر خیال کر کے بجائے مصنوعی الفاظ اور اصطلاحات کو اختیار کیا جا رہا ہے اور بعض قدیم اور مقبول زبانوں کو متروک۔ اور ادب کے میدان میں کچھ لوگ کی تحریر چاپس ہو چکی ہے جیسے اور بھی ترجمے ایسی صورت میں اردو کو جو قدیم زبانوں کی جدید ترین شکل ہے اسکے سرمایہ علمی میں اضافہ کرنا ایک قومی اور انسانی فرض ہے اگر اردو کے سرکاری یا نیم سرکاری ادارے اردو میں بڑے پیمانے پر علوم کی کتابیں اور خصوصی مباحث میدان کے رسائل شائع کرنا شروع کریں۔ اب کتابیں علم کا مکمل نمائندگی نہیں کر سکتیں۔ رسائل اور جرائد کے مقالے اور سیمیناروں میں پیش کردہ مقالوں کے ذریعے اشاعت علوم کا اہم ترین ذریعہ بن گئے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ مختلف محوروں کی اکادمیاں ایک واضح منصوبے کے تحت علوم کی اشاعت اور تحقیق کا کام منتخب کر لیں علوم کی موٹی تقسیم بھی مناسب ہوگی مثلاً

(۱) سماجی علوم (۲) حیاتیاتی علوم (۳) کیمیاوی علوم (۴) صنعتی علوم (۵) حرفتی علوم (۶) عماراتی علوم (۷) لسانی علوم

علوم کی تقسیم در تقسیم اپنی جگہ ایک وسیع علم ہے مگر فی الحال ان علوم میں تصنیف اور تالیفات اور ترجموں سے کام چل سکتا ہے اب کم مائیگی اور بے بضاعتی کے احساس کمتری سے نکلنا بہت ضروری ہے۔ یعنی صدیوں کے رسمی دیہاتوں کے علاوہ ہمارے دنیا میں مادری زبانوں میں علوم کے انبار لگ گئے ہیں۔ جاپان، اسرائیل، چین اور عرب ممالک میں اپنی زبان میں علوم کی اشاعت زور و شور سے ہو رہی ہے۔ آج اردو میں علمی ذخیرہ کا کیا ہوگا۔ ہم نے اردو قدیم طرز کے مدرسوں سے کام لے سکتے ہیں۔ یہ مدرسے جب علم حساب اور فلسفہ اور منطق پڑھاتے آئے ہیں تو شاید یہ بھی ہمارے کام آ جائیں۔ اردو میں علمی ذخیرہ ہوگا تو نئے اسکولوں، کالجوں اور جامعات کے امکانات اور وسیع تر ہو جائیں گے جس کے منصوبے کسی اور وقت پیش کئے جا سکتے ہیں۔

جناب وہاب صدیقی
پٹنہ



آج اردو کے بنیادی مسائل کچھ تو ایسے ہیں جو حصولِ آزادی کے پہلے سے ہمارے سامنے موجود ہیں اور زیادہ تر آزادی کے بعد کی پیداوار ہیں۔ اور اس سلسلہ میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اردو کے فروغ و ترقی اور تعلیمی خدمات کے ادارے کے قیام کی بابت حکومت کے بیان کردہ مقاصد اور عمل میں تضاد ہے اور یہی تضاد موجودہ پیچیدہ مسائل کی بنیاد ہے۔

حضرات، اردو مشاعرے، سیمینار، سمپوزیم اور اردو کا "عقیدہ" قرار دیتے ہیں کہ جب تک اردو غزل موجود ہے اور جب تک فلمی دنیا ہے اردو زندہ، توانا اور جاوداں رہے گی"۔ اسی طرح فلموں میں غزل خوانی اور مجالس قوالی اور ریڈیائی مشاعرے اور مذاکرے کی حیثیت "پتیوں پر چھڑکاؤ تک" کے مترادف ہے۔

جناب والا! اردو کے تحفظ و بقا کا مسئلہ دراصل بنیادی مسئلہ ہے۔ فروغ و اشاعت کا معاملہ بھی آج "پتیوں پر چھڑکاؤ" کا مسئلہ ہے اور جب تک اردو کے تحفظ و بقا کا بنیادی طور پر پورا سامان فراہم نہیں کیا جاتا، جڑیں سوکھتی رہیں گی۔ حکومت کا طرزِ عمل ہو یا اردو کے ادبی فروغ و اشاعت کے اداروں کی سرگرمیاں ہوں وہ سب پتیوں پر چھڑکاؤ کی نمائشی سرگرمیاں ہیں جن کے پیچھے اردو دوستی کے جذبہ سے زیادہ کسی نہ کسی طرح مفاد پرستی موجود ہے۔

آزادی کے بعد اردو کی جڑوں کو شاداب رکھنے کے لئے بہار کے اردو دوستوں نے قابلِ فخر کارنامے انجام دیئے ہیں جنہوں نے جڑوں کی شادابی کے پیشِ نظر محسوس کیا کہ اردو کے تحفظ و بقا کے بنیادی مسائل میں اردو کی تعلیم کا مسئلہ سب سے اہم ہے اور اس وقت اسکولوں میں نئے نصاب کیلئے جو پالیسی متعین ہو رہی تھی اس سے اردو کی بقا کو زبردست خطرہ تھا چنانچہ پوری سرگرمی یکجہتی اور جد و جہد کے ذریعہ ثانوی سطح پر اردو کو ایک مادری زبان کے لازمی مضمون کی حیثیت دلانے میں کامیابی حاصل کرلی جس کے سہارے تعمیری کاموں کی راہیں کھل گئیں۔

بہرحال اردو دوستوں نے اردو کے تحفظ و بقا اور اس کے فروغ کے مسائل پر غور کرنے کے لئے سات مخصوص مقاصد متعین کئے جس کے تحت ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تینوں سطح کی تعلیم کو اولیت دی گئی اور حکومت سے بھی سات مخصوص مقاصد کے لئے اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دئے جانے کا مطالبہ شروع کیا گیا اور اس مطالبے کو مؤثر بنانے کے لئے اردو ... زبان دیکھنے والوں کے ... اکثر وسائل فراہم کرکے صحیح جمہوری ...

کے سامنے دستور ہند کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت ایک محضر نامہ کے ذریعہ انجمن کے ایک وفد نے اپنا مطالبہ رکھا اور مزید تقویت کے لیے دستور کی دفعہ ۳۴۵ کے تحت بھی مزید مطالبات کئے گئے۔ دوسری بات اردو دوستوں نے محسوس کیا کہ اردو تعلیم کی جو کمی جاری ہے اسلئے تعمیری کاموں کی طرف توجہ دیتے ہوئے سب سے پہلے انجمن اردو گرلس ہائی اسکول پٹنہ میں قائم کیا گیا پھر نمبرہ چودہ اضلاع میں اردو تعلیم کے گرلس ہائی اسکول اردو دوستوں کے تعاون سے مزید کھولے گئے جبکہ انجمن اردو گرلس اسکول قائم شدہ سنہ ۱۹۶۲ء سے پہلے ریاست بھر میں ایک بھی گرلس اردو اسکول نہ تھا۔

اسطرح بہار میں آزادی سے پہلے صرف سات اردو میڈیم کے ہائی اسکول تھے لیکن اردو تحریک نے جو تعمیری اور تعلیمی بیداری پیدا کی اس کے نتیجہ میں تقریباً اسّی اردو ہائی اسکولوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان میں سے اکثر کو اقلیتی حیثیت مل چکی ہے۔ اسی طرح آزادی کے پہلے ایک کالج بھی اردو اقلیتی حیثیت کا نہ تھا اور اس وقت ان کی تعداد دو درجن سے بھی اوپر ہے۔

ابتدائی تعلیم کی سطح پر بھی اردو دوستوں کی کوششوں سے ابتدائی تعلیم کو بھی فروغ حاصل ہوئی اور ۱۹۶۸ء میں حکومت مجبور ہوئی کہ ابتدائی اسکولوں میں جتنی بحالیاں ہوں ان میں سے ۷ فی صد سے ۱۰ فی صد تک اردو اساتذہ کی بحالیاں ہوں اس طرح پرائمری ٹیچرس ٹریننگ اسکولوں پر بھی ۱۰ فی صد تک داخلہ لینا ضروری قرار پایا اور ۱۹۷۸ء میں تقریباً آٹھ سو اردو پرائمری اور مڈل اسکولوں کو اقلیتی حیثیت دلائی گئی۔

اس سلسلے میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ساری اردو تحریک کامیاب رہی اور اردو تعلیم کے لئے جو کچھ ہوا وہ اردو تحریک کے دباؤ کا نتیجہ تھا جو غیر فرقہ وارانہ سیکولر اور جمہوری طور پر چلائی گئی، احتجاج مظاہرے، جلسے اور وفود کو طریقۂ کار بنایا گیا جس کے نتیجہ میں ایک دہائی عرصہ بعد حکومت نے ۱۹۸۰ء میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دینے پر مجبور ہوئی۔

اردو کے بنیادی کاموں میں جو نامساعدت اور رکاوٹ بڑھتی جارہی ہے اس میں سرکار کی بدنیتی پر پوری ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود اردو والے خصوصاً نام نہاد دانشور اور سیاسی افراد کے ساتھ اردو آبادی بھی کسی نہ کسی طرح ذمہ دار ہے اور اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے آج جیسی مخصوص محفلوں کے قیام کی ضرورت ہے۔

جناب ریحان غنی
پٹنہ



ملک گیر سطح پر اردو کا مستقبل تاریک ہے اور اس کے ذمہ دار ہم اردو والے ہی ہیں۔ آج اردو تعلیمی اداروں سے تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہے، نئی نسل کو اردو سے وہ دلچسپی نہیں ہے جو آزادی سے قبل کی نسل کو تھی۔ اردو والے احساس کمتری کے شکار ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو مخالف ایک طبقہ اردو کو تقسیم ہند کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور یہ ہمارے ایک پڑوسی ملک کی قومی زبان بھی ہے۔ یہ وہ ملک ہے جو کبھی ہمارے ملک کا ہی حصہ تھا۔ یہ احساس کمتری کا ہی سبب ہے کہ ہمیں یہ کہنا پڑا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ تمام فرقوں کی زبان ہے اور ہم اپنے اس دعوے کے ثبوت میں جگن ناتھ آزاد، گوپی چند نارنگ اور راجندر سنگھ بیدی جیسے لوگوں کا نام لیتے ہیں لیکن اردو پر مسلمان ہونے کا جو لیبل ہم نے اپنی حماقتوں سے لگا رکھا ہے اسے نہیں مٹایا جا سکتا۔ اردو مسلمانوں کی زبان ہے یہ کہنے میں ہمیں شرم کیوں محسوس ہوتی ہے؟ اور جب کوئی یہ کہہ دیتا ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو ہم چراغ پا کیوں ہو جاتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں نے ایک سازش کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لسانی محاذ پر بھی لڑانے کے لئے جب ہندوستانی زبان کو دو حصوں میں منقسم کر دیا تھا اسی وقت فارسی اور عربی آمیز اردو مسلمانوں کی اور سنسکرت آمیز ہندی ہندوؤں کی زبان بن گئی تھی۔ اس کے بعد اردو تقسیم ہند کے بعد تیزی سے زوال کا شکار ہو گئی کیونکہ مسلمان خود بھی احساس کمتری کے شکار ہوتے گئے اور اقتصادی طور پر بدحال ہوتے گئے۔ اور آج صورت حال یہ ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان بھی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت خاص طور پر نئی نسل کو اردو سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو تعلیمی اداروں سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ بہار کی صورت حال ان معنوں میں زیادہ خراب ہے کہ یہاں اردو دوسری سرکاری زبان بنا دی گئی ہے اور حکومت اردو پر اچھی خاصی رقم بھی خرچ کر رہی ہے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ آج بھی اردو اسکولوں میں بھی طلبا اور طالبات کی اکثریت ہندی میڈیم سے تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اس طرح اردو ہمارے اپنے تعلیمی اداروں سے بھی ختم ہوتی جا رہی ہے۔

اردو کے سمٹنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اردو کے وہ ادارے جسے اردو والے خود ہی چلاتے ہیں یا وہ جو سرکاری گرانٹ پر چلتے ہیں ان اداروں نے بھی اردو کو غیر مسلموں سے دور رکھا ہے۔ بہار میں اردو سے دلچسپی رکھنے والے غیر اردو داں لوگوں کو اردو سکھانے کا کوئی نظم نہیں ہے۔ اردو تعلیم ختم ہونے کی وجہ سے پورے ملک میں اردو کا مستقبل تاریک ہو گیا ہے۔ اردو تعلیم کو فروغ دیے بغیر اردو ہی نہیں بلکہ کسی بھی زبان کو زندہ نہیں رکھا جا سکتا خواہ حکومت اس زبان کی فروغ پر کتنی ہی بڑی رقم کیوں نہ خرچ کر دے۔

جناب شفیع عالم
پٹنہ



اردو کے فروغ کے سلسلے میں حکومت جو فنڈ فراہم کرتی ہے اس کے بندر بانٹ کے لئے فکرمند رہتے ہیں، اور دوسری فکر یہ رہتی ہے فروغ اردو سے متعلق اداروں کے کلیدی عہدے لینے کی۔ حکومت سے عہدے اور فنڈ ملنے کے بعد اردو کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اردو کی مہم کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہو جاتی ہے اور دوسری طرف حکومت بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں میری یہ تجویزیں ہیں کہ ——

(۱) حکومت کی طرف سے کوئی بھی عہدہ کی پیشکش قبول نہیں کرنی چاہئے اور یہی حکومت کو یہ احساس دلانا چاہئے کہ ہم آپ کے عہدے کے لالچی نہیں، بلکہ ہمیں حکومت کو یہ احساس دلانا چاہئے کہ ہم ان عہدوں سے بے نیاز ہیں، ہمیں تو صرف اردو کا فروغ اور ترقی چاہئے۔

(۲) اردو سے متعلق جو بھی ادارے ہیں مثلاً انجمن ترقی اردو، اردو اکیڈمی، فروغ اردو، اردو ترقیاتی بورڈ، اردو مشاورتی بورڈ —— ان سب اداروں کو اردو کے فروغ کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں۔ ان اداروں کو حکومت سے جو فنڈ ملتا ہے اس کا استعمال فروغ اردو پر ایمانداری سے کرنا چاہئے۔

(۳) اسکول اور کالج کی نصابی کتابیں جو ہندی زبان میں ہوتی ہیں۔ ان کے اردو میں ترجمے کرائے جائیں اور پھر انہیں چھاپا جائے تاکہ اسکول اور کالج کے اردو داں لڑکوں کو ہندی میں نصابی کتابیں پڑھنے کیلئے مجبور نہ ہونا پڑے۔ جہاں کالج اور یونیورسٹی امتحانوں میں سوالوں کے جواب اردو میں لکھنے کی اجازت نہیں ہے، وہاں ارباب حکومت اور حکام سے مل کر سیاسی طور پر اسے بحال کرانا چاہئے۔ اسی طرح ریاستی پبلک سروس کمیشن اور یونین پبلک سروس کمیشن میں بھی سوالوں کے جواب اردو میں لکھنے کی اجازت دلوانے کی کوشش کی جائے۔

(۴) جو بچے انگریزی (یا ہندی) اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ ان کے والدین پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اپنے بچوں کو گھر پر اردو کی تعلیم بھی دلائیں۔ اس کیلئے خاص طور سے مہم چلانے کی ضرورت ہوگی اور مہم کیلئے بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ پوسٹروں اور کتابچوں کا چھپوانا اور ان کے ذریعہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔

(۵) عام تجربہ یہ ہے کہ حکومت کے مسلم ملازمین، مسلم افسران اور کالجوں کے اردو داں اساتذہ اردو اخبارات خریدنا اور پڑھنا معیوب سمجھتے ہیں بلکہ وہ ہندی اور انگریزی اخبارات خرید کر پڑھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ رجحان افسوسناک ہے۔ ایسے لوگوں کو جگانے اور یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اردو زبان ان کی تہذیبی وراثت کی امین ہے وہ اس کی حفاظت کریں اور قائم رکھیں۔

(۶) ریاست کے جن اضلاع، سب ڈویژنوں اور بلاکوں میں اردو ٹرانسلیٹروں (مترجموں) کی تقرریاں ہوئی ہیں، وہاں حقیقت میں اردو میں کام نہیں ہو رہا ہے۔ صرف چند مترجم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو سرکاری نوکری مل گئی ہے، اردو میں کام ہو یا نہ ہو اس سے ان کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ بہرحال قصور اس میں افسران کا بھی ہے جو اردو مترجموں سے دوسرے قسم کا کام لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت پر زور دے کر ان افسران کو سخت ہدایت دلوائی جائے کہ وہ اردو مترجموں سے اردو کا کام لیں۔

(۷) ریاستی، ضلعی اور بلاک کی سطح پر جن دفاتر میں اردو میں بورڈ نہیں ہے، وہاں اردو کا بورڈ آویزاں کرایا جائے۔ یہ کام انجمن ترقی اردو بہ آسانی کروا سکتی ہے۔

(۸) جن ریاستوں میں اردو دوسری سرکاری زبان نہیں ہے، وہاں اسے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دلوانے کیلئے متحدہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ رائے عامہ ہموار کیا جائے اور سیاسی سطح پر تحریک چلا کر حکومت کو مجبور کر دیا جائے۔ عوامی سطح پر مہم شروع کی جانے اور ہر کام اردو میں کیا جائے۔

(۹) بہار کے باقی ماندہ اضلاع میں بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دلوانے کیلئے حکومت پر دباؤ ڈالا جانے۔

(۱۰) جن اسکولوں اور کالجوں میں اردو اساتذہ نہیں ہیں وہاں حکومت پر دباؤ ڈال کر تقرری کروانے کی ضرورت ہے۔

(۱۱) ہر دو تین مہینوں پر کانفرنس اور سیمینار منعقد کیے جائیں اور اس میں نئی نسل یعنی نوجوانوں اور اسکولوں، کالجوں کے اردو داں طلباء اور طالبات، نیز ان کے والدین کو مدعو کیے جائیں اور ان سیمینار اور کانفرنس میں تفصیل سے بتایا جائے کہ اردو کا کیا اور کتنا بڑا حصہ ہے۔

(۱۲) آئینی، لسانی اور مذہبی تنظیموں پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اردو کے فروغ کے سلسلے میں مخصوص (قدم) اٹھائے اور ہر سرکاری دفتر میں اردو میں بورڈ آویزاں کرائے۔

(۱۳) میری آخری تجویز یہ ہے کہ جگہ جگہ اردو ٹریننگ کیمپ یا مرکز قائم کرکے غیر اردو داں لوگوں کو اردو سکھائی جائے اور اردو سیکھنے کی طرف انہیں مائل کرنے کیلئے کچھ وظیفہ مقرر کرنا بہتر ہوگا۔ دیہی علاقوں سے اس کام کا آغاز ہو تو بہتر ہے۔

جناب جاوید اشرف (میٹھ)



سید حامد کے بقول "کسی قوم میں زوال بلی کی طرح دبے پاؤں آتا ہے" اردو پر زوال بھی اسی طرح دبے پاؤں آیا۔ اردو کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کی نسبت ایک ایسی قوم سے ہوگئی ہے جو زوال آمادہ اور زماں آزردہ ہے احساس زندہ ہو تو بقا کی امید پیدا ہو جاتی ہے اور اگر احساس بھی باقی نہ رہے تو زیست کی توقع مایوس کن ہو جاتی ہے۔ شکر ہے کہ اب اپنی زیاں کاری اور زبوں حالی کا اس قوم کو کچھ کچھ احساس ہونے لگا ہے، یہی احساس اپنی متاع گم گشتہ کی بازیابی کی نوید ہے۔

گھر کو آگ اکثر اپنے ہی گھر کے چراغ سے لگتی ہے، اردو کو آگ بھی اردو والوں سے لگی، اردو کو خسران اردو والوں ہی سے ہوا۔ حکومت وقت اور رہبر شملے گلہ شکوہ ہم کیوں کریں۔

مسئلہ اردو کے فروغ کا نہیں اب مسئلہ اردو کی بقاء و تحفظ کا ہے اور سانحہ یہ ہے کہ

دامن پہ جن کے داغ ہے اردو کے خون کا　　　شامل ہیں ایسے لوگ بھی اردو بچاؤ میں

سب سے پہلی ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو کو ایسے خونیں ہاتھوں سے بچایا جائے جن کی چارہ گری سے اردو کا خون ہو رہا ہے۔ وہ شگفتہ و شیریں زبان اردو جو ہر زمانہ ہر عہد میں ہر دلعزیز رہی سر کا تاج بن کر رہی گلے کا ہار بن کر رہی آج وہی زبان دردر بھٹک رہی ہے، پامال ہو رہی ہے، جن گھروں میں کل تک اردو کے چراغ جلتے تھے، اردو کے شادیانے بجتے تھے، آج ان گھروں میں بھی اردو کی قندیل بجھ گئی۔ اردو کے نام لیوا اٹھ گئے۔ یہ صوبائی اکیڈمیاں، اردو ادارے، انجمنیں اور تنظیمیں جو اپنے ڈربے میں بند ہو کر اردو کی رکھوالی کر رہی ہیں وہ اردو کو کون سی نئی صدی میں لے جا رہی ہیں۔

اردو کا آفتاب ابھی ڈوبا نہیں ہے لیکن ڈوب جانے کا خدشہ ہے اور ہر زمانے میں یہی ریت رہی ہے کہ زمانہ چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے ڈوبتے سورج کی نہیں حالانکہ ڈوبتا سورج بھی ڈوب ڈوب کر اگتا ہے۔ یہ اردو کا آفتاب اگر ڈوب گیا تو اردو دنیا میں اندھیرا چھا جائے گا اور ہم اردو والوں نے اب تک کوئی ایسا چراغ بھی روشن نہیں کیا ہے کہ اس ظلمت شب کا مقابلہ کر سکیں، اسلئے ع

چراغ کی تو ہر ایک حال میں ضرورت ہے　　　کہ چاندنی تو کبھی ہے کبھی نہیں پیارے

آج اردو، وقت کی اس دہلیز پر کھڑی ہے کہ اس کے قدموں سے اس کی زمین چھینی جارہی ہے، اس کے ناموس پر ڈاکے ڈالے جارہے ہیں اور اس کے خاتمۂ وجود کے سامان ہورہے ہیں لیکن ہم اردو کا دم بھرنے والے، اردو کی بانگ لگانے والے ایک تماشائی بن کر زمانے کا رقص دیکھ رہے ہیں۔

اردو ہماری قدیم تہذیب و روایات کی آئینہ دار ہے، ہمارے دیرینہ اقدارِ دیرینہ ثقافت کی پاسدار ہے، اردو ہماری شان ہماری پہچان ہے۔ اردو کی بقا کا راز مضمر ہے، اردو باقی نہ رہی تو ہمارا ثقافتی تشخص اور ہماری یادگار حسین تاریخ ہی مٹ کر رہ جائے گی۔ عقلمند وہ ہے جو مٹنے سے قبل اپنی بقا کی فکر اور کوئی سامان کر لے۔

شہر شہر ڈھول بجانے اور ناقوس پھونکنے سے اردو دنیا میں کبھی سحر نہ ہوگی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اردو کا ایک سربکف قافلہ شہروں کے فصیل سے نکل کر قریہ قریہ، قصبہ قصبہ، اردو کی اذاں پکارے اور گھر گھر محلہ محلہ اردو کی تبلیغ کرے اور نمازِ اردو بجالائے، ورنہ یہ نماز اگر قضا ہوئی تو اردو کی شریعت میں اس کے ازالہ کے لیے کوئی قضا و کفارہ بھی نہیں۔

اردو کی جڑیں ابھی سوکھی نہیں ہیں، لیکن سوکھتی جارہی ہیں۔ جڑ سوکھتی ہے تو پتے بھی سوکھ جاتے ہیں، شاخیں بھی سوکھ جاتی ہیں، صرف پتیوں پہ چھڑکاؤ سے پتیاں سرسبز نہیں ہوتیں جب تک کہ جڑیں تازہ دم نہ ہوں، جڑوں میں تازگی ہو تو پتیاں سوکھ کر بھی شاداب ہوجاتی ہیں۔ پتیوں پر چھڑکاؤ تو شبنم شبانہ سے بھی ہوجاتی ہے لیکن شبنم کی رسائی جڑوں تک نہیں ہوتی، جڑیں اس فیضان سے محروم رہجاتی ہیں، اسلیے ضرورت ہے پہلے جڑوں کی آبیاری کی جائے تاکہ جڑ توانا ہو کر نئی نئی کونپل، نئی نئی شاخ، نئے نئے پتے پھینکے اور پھل پھول اگائے۔ اور اگر آبپاشی کے ذرائع میسر نہ ہوں تو ان آنکھوں سے پٹایا جائے جن میں آنسوؤں کا ایک سمندر منجمد ہے۔

اردو کی زمین ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے، ذرخیزیت ابھی باقی ہے، صرف نم ہونے کی دیر ہے، یہ زمین نم ہو گئی تو اردو کے پودے خود بخود ہرے بھرے ہوجائیں گے، تنومند ہوجائیں گے ورنہ یہ سوکھ جائیں گے، مرجائیں گے۔

اردو کے بازار میں ایک نیا فیشن یہ بھی آگیا ہے کہ "اونچی دکان پھیکا پکوان" کے محاورے پر زور و شور سے عمل ہو رہا ہے۔ مصنف دو پیسے کی کتاب سونے چاندی کے بھاؤ بیچ رہا ہے، تاکہ دیکھنے والا بڑی قیمت دیکھ کر بڑا صحیفہ سمجھ لے۔ اقبال و غالب کے کلیات و دواوین کی آج بھی وہ قیمت نہیں جو ایرے غیرے کے مجموعہ کلام کی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی قیمت والی معمولی کتاب بھی کتب خانے یا کتب فروش تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، عوام تک نہیں پہنچتی۔ اردو کا چلن عام کرنے کے لیے اردو کتابوں کا بھاؤ بھی کم کرنا ہوگا تاکہ بچہ بچہ، غریب و تونگر شوق سے کتابیں خریدے اور

پڑھے۔ سستی طباعت کا بھی عمدہ نظم ہونا چاہیئے خواہ حکومت کی سطح سے ہو یا پرائیوٹ سطح سے۔

بعض اہل خرد اردو رسم خط بدل دینے کی بات کرتے ہیں، یہ تو اپنے خنجر سے آپ زخمی ہونے کی بات ہوگی، جب رسم خط ہی نہ رہا تو زبان کہاں باقی رہے گی۔ ـــــــ اردو کوئی علیگڑھ کی شیروانی تو نہیں جسے کاندھا بدل بدل کر پہنا، اتارا جائے۔ اور اب تو اسی ادل بدل سے علیگڑھ کی شیروانی بھی کاندھوں سے اتر گئی اور وہی شیروانی کوٹ اور پتلون میں بدل گئی۔ یہی حشر اردو کا بھی ہوگا اگر اس کا رسم خط بدل گیا۔ ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے ؎

رفوگران خرد کے نہ جائیو نزدیک   بلا سے پیرہن چاک بے رفو رکھیو

ہمیں ایسے رفوگر کی رفوگری، ایسے بخیہ گر کی بخیہ گری نہیں چاہیئے جو شیروانی کی چاک پر پائجامے کا بخیہ لگا دے، اور شیروانی کا بخیہ ادھیڑ کر اسے پائجامہ بنا دے۔

برصغیر میں پھیلے ہوئے خانقاہ، مدارس اور مکاتب نے بھی اردو کی خوب خوب خدمات انجام دیئے ہیں، طوفان حوادث میں بھی ان چھوٹے بڑے مکتبوں، مدرسوں نے اردو کے دیپ جلائے ہیں اور اردو کا نام زندہ رکھا ہے، آج بھی اردو ان اداروں کے دم سے زندہ ہے، یہ اور بات کہ تلاطم وقت نے ان اداروں کو بھی خاصا ضرب پہنچایا ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ بڑے گھرانوں کے بچے بھی بنیادی اور ابتدائی تعلیم انہی درسگاہوں میں حاصل کرتے تھے، آج انگریزی تعلیم کے دلدادہ بڑے لوگ اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں بھیجنا اور عربی فارسی اردو کی تعلیم دلانا کسرشان سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو اب غریبوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے اس لیے بھی غریب ہوتی جا رہی ہے۔ صوبہ بہار کے چپے چپے میں مدرسوں کا جال بچھا ہوا ہے، لیکن حکومت کی تحویل میں آجانے کے سبب ان مدرسوں کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ان مدارس کی طرف بھی توجہ مبذول کی جائے اور نظام تعلیم، نصاب تعلیم میں تھوڑی اصلاح لاکر ان مدرسوں کو اردو کا گھر بنایا جائے اور انہی گھروں سے اردو کو گھر گھر عام کیا جائے۔ اردو والوں کے ذہن سے احساس کمتری کا خمار اتارا جائے، اردو کو اپنے گھروں میں جگہ دی جائے، وقعت دی جائے تاکہ دوسرے بھی اردو کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں۔

اردو کو ہم نے پھٹے پرانے، میلے کپڑے کی طرح اتار پھینکا ہے۔ جب تک ہم اردو کو لباس جان بنا کر زیب تن نہیں کریں گے، اسے مشاعرے سے ہٹ کر معاشرے کی زبان نہیں بنائیں گے، اردو کی بقا و تحفظ کے لیے تن من دھن کی بازی نہیں لگائیں گے، اردو کو گلدستہ بنا کر اپنے گھروں میں نہیں سجائیں گے، اردو رسم خط کی پاسبانی اور پاسداری نہیں کریں گے، اردو نگاہوں کے سامنے دم توڑ دے گی اور اس وقت کف افسوس ملنے کے سوا ہمیں کچھ ہاتھ نہیں آئیگا۔

کرے جو خدمت اردو اسی کی ہے زبان اردو   وگرنہ بے زبان تم سے نہ ہے اردو زبان ہم سے

جناب غلام سرور
پٹنہ



تیس سال بیت گئے۔ پورے تین جگ گزر گئے ؎ یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا۔ اس مدت میں نہ معلوم کتنے جوار اور بھاٹے آتے۔ گنگا میں کتنا پانی بہہ گیا اس دوران جون کا مہینہ تھا۔ گرمی اپنے پورے جوبن پر تھی۔ پٹنہ میں لو چل رہی تھی۔ بدن جھلس جاتا تھا۔ ۱۳، ۱۴، ۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو بہار کی راجدھانی پٹنہ کے قلب میں واقع انجمن اسلامیہ ہال کے باہر ہال کے کیمپس کا جنوبی میدان سبھا سبھی یا بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ بہار ریاستی اردو کانفرنس کا انعقاد ہو رہا تھا۔ حکومت بہار کے وزیر اعلا آنجہانی ڈاکٹر سری کرشن سنہا نے اس عظیم اور تاریخ ساز کانفرنس کا افتتاح فرمایا تھا۔ صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم نے اس کانفرنس کی صدارت کی تھی۔ اور پہلی بار اسی موقع پر اپنے مطبوعہ خطبہ صدارت میں دستور جمہوریہ ہند کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اردو کو بہار کی علاقائی زبان بنائے جانے کا مطالبہ رکھا تھا۔ وزیر تعمیرات عامہ بہار مرحوم عبدالقیوم انصاری اس شاندار کامیاب کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے چیرمین تھے۔ انجمن ترقی اردو ہند جس کا صدر دفتر تب علی گڑھ میں ہوا کرتا تھا اس کے پہلے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار مرحوم کے فرستادہ نمائندہ خصوصی مرکزی انجمن مرحوم خیر بہوروی بہ نفس نفیس ہمہ وقت موجود تھے اور جب عبدالقیوم انصاری نے اپنے خطبہ استقبالیہ کا یہ جملہ پڑھا کہ مسلۂ اردو زبان آزاد ہندستان کے سامنے ہنوز حل طلب ہے اور ملکی قومی ہم آہنگی ترقی کے لیے ان کا حل ضروری ہے تو ہزاروں ہزار سامعین نے جو ہال کے احاطے کے باہر کے جنوبی میدان تک پھیلے ہوئے تھے مرض کی تشخیص اور اس نسخہ کی تجویز پر بے ساختہ نعرۂ تحسین و آفریں بلند کیا تھا۔ کانفرنس کے اجلاس پر اجلاس ہوتے رہے اور آخری دن آل انڈیا مشاعرہ کی ایک ایسی یادگار محفل برپا کی گئی کہ شاید پھر ویسی محفل نہ سجی شب بھر چلتی رہی موذن نے فجر کی اذان دے دی تب بھی اور جنوں مقامی ریاستی حتی کہ نصف درجن بیرونی شعرائے کرام کا کلام سننے سے سامعین محروم رہ گئے۔ کون باور کرے گا کہ مرحوم مجاز لکھنوی پٹنہ میں موجود تھے۔ جلسہ گاہ کے سو گز کے اندر تھے مگر ڈائس تک نہ پہونچے۔ صبح ان کی آنکھ کھلی تو لوگوں کی ادھ کھلی آنکھوں نے انہیں دیدۂ حیرت سے دیکھا اور کف افسوس مل کر رہ گئے۔ اسی مشاعرے سے قبل دن کی مجلس میں ایک انجمن عالم وجود میں آئی اور اس کا نام بہار ریاستی انجمن ترقی اردو رکھا گیا۔ انتخاب بھی عمل میں آگیا۔ سردار محمد لطیف الرحمٰن مرحوم ایم۔ ایل۔ اے۔ اس انجمن کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ میرے کمزور مگر جواں کاندھوں پر بار نظامت دھر دیا گیا اور یہیں سے یعنی ۱۵ جون ۱۹۵۱ء سے بہار میں آزاد ہندستان کی اردو تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔ محمد ایوب ایڈوکیٹ مرحوم، سہیل عظیم آبادی مرحوم، پروفیسر سید اختر اورینوی مرحوم ابوالاحد محمد نور مرحوم اس کانفرنس کے کرتا دھرتا،

روح رواں مرکزی کردار، بیسرو تھے۔ ہائے ایک میں ہی نصیبوں جلا اب تک زندہ اور جی رہا ہوں :

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم   تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

انجمن کی پہلی ورکنگ کمیٹی میں سر سید سلطان احمد بار ایٹ لا مرحوم، ڈاکٹر سید محمود مرحوم، عبدالقیوم انصاری مرحوم، ابوالاحد محمد نور مرحوم، محمد یوب ایڈووکیٹ مرحوم، پروفیسر اختر اورینوی مرحوم، سہیل عظیم آبادی مرحوم، سید ریاست علی ندوی مرحوم، ابوالحیات چاند مرحوم کے علاوہ سید مظہر امام سابق ایم پی، سید سلطان احمد ایڈیٹر اتحاد، سید شاہ مشتاق احمد سابق ایم ایل اے سید شاہ محمد نور اللہ سابق ایم ایل سی میاں عبدالمالک سابق ایم ایل سی تھے سردار محمد لطیف الرحمٰن مرحوم صدر تھے۔ میں انجمن کا پہلا جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ حافظ منظور حسین سابق ایم ایل اے خازن مقرر ہوئے۔ مولانا مہتاب صدیقی جوائنٹ سکریٹری نامزد کیے گئے۔ سید اسد حسین اور سید سعید اختر سکریٹریز تھے۔ الحاج پروفیسر حافظ شمس الدین احمد شمس منیری نائب صدر تھے کانفرنس اور انجمن کے انعقاد و قیام میں عبدالقیوم انصاری میر مجلس تھے اور سہیل صاحب کو انصاری صاحب سے اس درجہ قرب حاصل تھا کہ سید مجیب الرحمٰن سہیل جمیلی عظیم آبادی کو ناواقف لوگ مومن برادری کا سمجھا کرتے تھے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کانفرنس اور ریاستی انجمن اور اردو تحریک سے سہیل صاحب کی وابستگی، تعلق، ساتھ اور رشتہ بڑا گہرا تھا۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ استقبالیہ خطبہ کی نوک پلک افسانہ نگار صحافی سہیل کی ہی سنواری ہوئی ہے۔ یوں تو سہیل اردو کے افسانہ نگار کی حیثیت سے ادب کے آسمان پر ابھرے مگر تیس سال قبل جب کی بات میں کر رہا ہوں انہیں بہار کے ایک صحافی کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا تھا۔ بہار میں سب سے پہلا اردو روزنامہ ۱۹۴۰ء میں سید نظیر حیدر مرحوم نے "صدائے عام" کے نام سے جاری کیا۔ شروع کے برسوں میں اسی کی مانوپولی تھی۔ یہ مسلم لیگ اور پاکستان کا حامی تھا مگر اپریل ۱۹۴۹ء میں عبدالقیوم انصاری کی نظر عنایت اور مولوی محمد اسحاق جہاں آبادی کنسٹرکٹر پی ڈبلو ڈی کی نذر حقیر سے سہیل عظیم آبادی کی ادارت میں روزنامہ "ساتھی" کا اجرا ہوا۔ یہ پہلے دن سے نیشنلسٹ خیالات کا نقیب اور کانگریس کا داعی تھا۔ سہیل صاحب نے اپنے قلم کے ذریعہ مسلسل انجمن اور اردو تحریک کی پر زور حمایت اور زوردار وکالت کی۔ دراصل یوں بھی سہیل صاحب عمل کے میدان میں کبھی نہ رہے اور جب بھی قدم رکھا ناکامی کا سامنا پڑا۔ چنانچہ یکم ستمبر ۱۹۵۱ء سے "ساتھی" میری ملکیت و ادارت میں آگیا جو جون ۱۹۵۳ء تک اسی حیثیت میں چلتا رہا۔ ساتھی جاری ہوتے ہی سرکار کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا پھر بھی ڈھائی سال سے کم کی مدت میں ساتھی اور سہیل مقروض ہو گئے دس ہزار روپئے نقد سکہ رائج الوقت ادا کر کے میں نے "ساتھی" خریدا اور یہ پوری رقم قرض، بقایہ اور دین کی ادائیگی کی نذر ہو گئی کیونکہ اس کے علاوہ بھی اسی روز دو سو روپئے مجھ سے سہیل بھائی نے ادھار لیے تب انجمن ترقی اردو ہند کا صدر دفتر حیدرآباد دکن ہوا کرتا تھا اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم اس انجمن کے خالق، مالک، ناظم، کارکن، ایڈیٹر سب کچھ اکیلے ہوا کرتے تھے تقسیم کے بعد جب انجمن کا صدر دفتر دریا گنج دلی منتقل ہو چکا تھا اس پر فسادیوں

سے حملے کی خبر سے مولوی صاحب اتنے پریشان ہوئے کہ خود پاکستان منتقل ہو گئے۔ ان کے ساتھ انجمن کے نائب صدر پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی بھی یہ کہتے ہوئے کہ جہاں میری اردو ہے گی جہاں میرا مولوی رہے گا وہیں میں بھی جا بسوں گا۔ مولوی صاحب کا طلسم تو شاید برسوں بعد ٹوٹا، کیفی کے لیے تو پاکستان جنت نشاں میں برج بانو کو ملکۂ معظمہ کا تخت ملنے کا بھرم چند دنوں میں ہی ٹوٹ گیا اور وہ اپنے وطن عزیز فردوس بر روئے زمین ہندستان لوٹ آئے۔ مجھے معلوم ہے کہ مولوی صاحب نے سہیل صاحب کو کہا کہ چلے چلو بلکہ کراچی پہونچ کر بھی صدا دی، ہانک لگائی مگر سہیل نہ گئے حالانکہ عبدالحق صاحب انہیں بہت مانتے تھے اور چھوٹا ناگپور میں اردو کے چلن اور رواج کا ایک منصوبہ انہوں نے تیار کیا تھا جس کی ذمہ داری سہیل صاحب کو بلاشرکت غیرے سونپ دی تھی۔ اس مرکز کا نام اردو مرکز پڑا رانچی اس کا صدر دفتر قرار پایا۔ سہیل صاحب اس کے مدارالمہام مقرر ہوئے اور ان کی رہائش گاہ اور دفتر کا نام ابجد گھر رکھ کر منصوبہ چھیڑ دیا گیا۔ اس وقت بہار میں مرکزی انجمن کی شاخ موجود تھی۔ چونکہ آزادی سے پہلے اور لگ بھگ تین سال بعد تک بہار ایک صوبہ تھا چنانچہ بہار صوبائی انجمن ترقی اردو یہاں چل رہی تھی۔ لیڈی انیس امام مرحومہ ایم۔ ایل۔ سی اس کی صدر تھیں، قاضی محمد سعید مرحوم اس کے جنرل سکریٹری تھے۔ جسٹس خلیل احمد اور قاضی عبدالودود صاحبان اس کے اہم ارکان تھے۔ سہیل صاحب بھی اس انجمن کے رکن تھے مگر یہ انجمن اس صدی کے نصف پر جا لیٹی تھی اور پھر انصاری صاحب سے سہیل صاحب کا قرب تھا چنانچہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے قیام کے ساتھ ہی روز اول سے ہی سہیل صاحب نے صوبائی انجمن سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دستور کے نفاذ کے بعد ہر صوبہ اسٹیٹ یا ریاست کہا جانے لگا اور صوبائی انجمن سے امتیاز کی خاطر بھی نئی انجمن کا نام بہار ریاستی انجمن ترقی اردو رکھا گیا جو ہنوز چل رہا ہے۔ سردار محمد لطیف الرحمن کے بعد مولوی محمد ایوب، پھر نثار احمد خاں، پھر غلام سرور، پھر شاہ مشتاق احمد اور پھر غلام سرور ریاستی انجمن کے صدر رہتے آئے۔ میں نے جنرل سکریٹری شپ سے سبکدوشی حاصل کی تو مولانا بیتاب صدیقی اس کے جنرل سکریٹری ہوئے۔ اس دوران فضل الرحمن سابق مرکزی وزیر، نواب سید غضنفر نواب دانش، عزیزہ نقی امام ایم پی، عبدالسمیع ندوی وزیر بہار، محمد حسین آزاد ایم، ایل، اے سابق وزیر بہار، عبدالغفور ایم ایل اے سابق وزیر اعلا بہار، شکور احمد مرحوم سابق ڈپٹی اسپیکر بہار اسمبلی، غازی سید جعفر امام مرحوم، نثار احمد خاں ایڈوکیٹ، کامریڈ تقی رحیم، سید زبیر اعظم جعفری، کلام حیدری، انور عظیم، کامریڈ علی اشرف، ایس ایم شفیق، محبوب وارثی مرحوم، محمد طاہر ایم پی مرحوم، چودھری محمد صلاح الدین وزیر بہار وغیرہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۵ء تک کے پندرہ برسوں میں ریاستی انجمن کے قائدین میں رہے ہیں اور اس مدت میں دستخطی مہم، مردم شماری مہم، اور دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ، صدر کی خدمت میں وفد اور میمورنڈم، ابتدائی تعلیم مہم، تعلیم نسواں مہم جیسی عوامی تعمیری مثبت تحریکیں چلتی رہیں۔ اس مدت کی انجمن اور اردو تحریک کے دفتر کی دیکھ ریکھ کے لیے محفوظ الحق جیری، سید منظور احمد، ڈاکٹر متین احمد صبا اور پروفیسر سید عبدالمغنی بالترتیب ۱۹۵۰-۶۰، ۱۹۶۰-۶۲، ۱۹۶۲-۶۵ اور ۱۹۶۶-۷۱ میں ریاستی انجمن کے آفس سکریٹری رہ چکے ہیں



آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ اب سے پہلے ہمارے لکھنے والے اپنے اردگرد کے سارے مسائل پر سوچا کرتے تھے اور اپنی سوچ کو سنجیدہ تحریروں میں قلمبند بھی کیا کرتے تھے اور علوم کی ان تمام شاخوں کے مطالعہ میں اور ان کے لکھنے میں اپنا وقت لگاتے تھے جو ان کے عصری سماج پر اثر انداز ہو رہے تھے، اردو ریسرچ کانگریس کے فاضل شرکا نے یہ سیدھا سوال کیا ہے کہ آج ویسا کیوں نہیں ہوتا۔ میری ناچیز اور ناقص رائے میں اس سیدھے سوال کا سادہ جواب یہ ہے کہ آج اردو آبادی کے صف اول کے ممتاز فنکار، اہل قلم، مفکر اور دانشور ایک زوال پذیر سماج کی تمام علامتوں سے متصف ہیں۔ دراصل انھیں اس DECADENT SOCIETY کی لعنتوں نے بری طرح دبوچ رکھا ہے، اور ان کا ELITE اس جنتر منتر سے باہر نکلنے میں یکسر ناکام رہا ہے۔ بحمد للہ اردو آبادی کا طبقہ عوام اس گورکھ دھندے سے نکل جانے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے اور بعید نہیں کہ وہ اس بھول بھلیاں سے نکل جانے میں کامیاب بھی ہو جائے مگر پورے طور پر یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہمارا موجودہ سیاسی ڈھانچہ یکسر بدل جائے۔ آیئے ہم سب مل کر اس FEUDAL SOCIAL ORDER کی تبدیلی کا انتظار کریں اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں عرض کریں کہ:—— ؎ دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

جملۂ معترضہ کے بعد آمدم بر سر مطلب۔ جیسا کہ میں نے ابتدائی سطور میں عرض کیا ہے۔ آج کے اس خصوصی سیشن کی خدمت میں اپنے نکات پیش کرتا ہوں۔ تفصیلات سے اسلیے پرہیز کر رہا ہوں کہ تشریح، وضاحت، دستاویز سے آپکے ذہن و دماغ کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف اشارے کرتا جاؤں گا اور کہتے ہیں کہ عقلمنداں را اشارہ کافی است۔ پس تحقیق کہ دانش مندوں کی اس سے زیادہ وقیع مجلس اور کون ہوگی۔

سب سے پہلے آپ کی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی دور کر دوں کہ بہار پہلا اسٹیٹ ہے جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے بصد ادب و احترام عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ اس سے بہت پہلے ریاست کشمیر اور پھر ریاست آندھرا پردیش میں یہ سانحہ گذر چکا ہے۔ اس اعتبار سے بہار ملک کا تیسرا اسٹیٹ

ہے جہاں اردو کو یہ مقام ملا ہے۔

اس کے معاً بعد دوسری بات بھی ساتھ ہی ساتھ عرض کردوں کہ آزادی کے ۴۱ برسوں کے تجربے نے ہم پر یہ واضح کردیا ہے کہ ملک کی آبادی کے لیے عموماً اور اردو آبادی کیلئے خصوصاً پہلا، درمیانی اور آخری مسئلہ تعلیم ہے۔ عام تعلیم، ابتدائی تعلیم۔ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ اگر ہم نے خواندگی اور تعلیم ELEMENTARY EDUCATION کے مسئلہ کو حل نہ کیا اور اس کلی پر قابو نہ پالیا تو ہمارا مستقبل تاریک رہے گا۔

تیسری بات قانون اردو خصوصاً بہار آفیشیل لنگویجز ترمیم ایکٹ ۱۹۸۰ء کے تین بنیادی نقائص کی نشاندہی ہے، اولاً قانون میں اردو زبان کا ذکر تو ہے مگر اس کے رسم خط کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔ آپ ماہرین قانون بھی ہیں اور ماہرین لسانیات بھی۔ بھلا آپ کو یہ بتانا کہ زبان اور رسم خط کا ایک دوسرے کے ساتھ وہی تعلق ہوتا ہے جو جسد و روح کا ہوا کرتا ہے، چھوٹا منھ بڑی بات نہ ہوگی۔ ؟

دوسرے یہ کہ ہم ۲۷ سال سے مسلسل پوری ریاست کیلئے اپنا مطالبہ دہراتے آئے ہیں، اور قانون اردو کے نفاذ کے ۸ سال بعد بھی اب تک آدھے بہار میں بھی اسے لاگو نہیں کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ راجدھانی پٹنہ یعنی عظیم آباد بھی جسے گنگوتری اور بنگال کی کھاڑی کا درجہ حاصل ہے اس مقام سے محروم ہے، اور تیسرے یہ کہ ۲۷ سال سے جن مخصوص مقاصد کیلئے اردو کے اس مقام کا مطالبہ اور اس کے لیے جدوجہد ہوتی رہی ہے۔ ان میں اول، دوم اور سوم کا تعلق صرف تعلیم سے ہے۔ ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم۔ مگر قانون سے تعلیم اسی طرح غائب ہے جیسے کبھی گدھے کے سر سے سینگ غائب ہوگئی تھی۔

چوتھی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ اردو تحریک کے چوکھٹے سے متعلق ہے۔ اسے اچھی طرح ذہن نشیں کر لیجئے کہ اردو تحریک کو خواص کی ڈیوڑھی سے الگ کرکے عوامی بنانا ہوگا۔ خود اردو زبان لال قلعہ کی بجائے جامع مسجد کی سیڑھیوں اور اردو بازار کی دکانوں میں گھٹنوں کے بل چل کر پروان چڑھی ہے اس کا دم نہ گھٹ جائے گا اگر اسے بالائے بام مقید محصور اور محبوس کرکے رکھ دیا جائے؟ اور یہ بھی نہ بھولئے کہ ٹھیک اسی طرح اردو تحریک کو غیر اردو آبادی کے ساتھ ساتھ لے کر اور ان کے اشتراک، تعاون اور امداد کے سہارے آگے بڑھانا ہوگا۔ بہار میں ہمارے تجربے میں بھی یہ بات ابھر کر آئی ہے اور اردو کی جنم کنڈلی بھی اس تصویری سے جوڑ کھاتی ہے۔ الغرض یہ کہ اردو تحریک کو قصر اردو سے نکال کر گلی گلی، کوچہ کوچہ، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ لے جانا ہوگا، تبھی اردو کے روشن مستقبل کی بشارت دی جاسکے گی۔

پانچویں بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو کی لڑائی صرف کسی طبقے، فرقے یا لسانی گروہ کی لڑائی نہیں ہے بلکہ اصلاً یہ جمہوریہ ہند کی آئین کی لڑائی ہے۔ دستورِ ہند کی دفعات ۲۹ (۱)، (۲)، ۳۰ (۱) (۲)، ۴۵، ۳۴۳ (۱)، (۲)، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۵۰، ۳۵۰ (الف)، ۳۵۱، اور شیڈول ۸ کی لچھمن ریکھا کے اندر رہ کر ہم یہ لڑائی لڑ رہے ہیں، اور دستور سے باہر کے کسی کھیت کے گندم کو شجرِ ممنوعہ قرار دیتے ہیں۔ کیا ہم بہار کو ایک ذولسانی اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں؟ نہیں۔ نہیں۔ کیا ہماری تحریک سے ملک کی آزادی، سلامتی، سرحد کی آبرو پر آنچ آئے گی؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حاشا وکلا۔

آخر میں یہ عرض کر دوں کہ قانونِ اردو کے نفاذ کے بعد ٹرانسلیٹر، اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر اور ٹائپسٹ کے نام پر ۸۰۰ بحال ہوئے اور گذشتہ ۸ برسوں میں ۱۶۰۰۰ (سولہ ہزار) اسامیاں ماری گئیں۔ کسی اسکول کو منظوری نہ دیئے جانے اور صرف ٹو یونٹوں کی منظوری جس میں اردو کا ذکر تک نہیں اس چترائی کا ثبوت ہے جس سے کام لے کر اردو کی گردن اڑا دینے کی سازش رچی گئی۔ اگر بہار کی اردو آبادی اس سوال پر بیدار نہ ہوتی تو اب تک بہار کا وہی حشر ہو چکا ہوتا جو یوپی کا ہوا۔

●●

اردو مسئلہ - بحث

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

بعض باتوں کو بالکل غلط سمجھا جا رہا ہے۔ آندھرا پردیش کے آفیشیل لینگویجز ایکٹ میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے یا نہیں ہے؟ میرا خیال ہے نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر کشمیر میں اردو اسٹیٹ لینگویج ہے تو وہ لسانی حقائق کی بنا پر نہیں ہے وہ صرف سیاسی بنا پر ہے۔ یہ بات ہم سبھی جانتے ہیں کہ کشمیر کی درسگاہیں ہم جانتے ہیں۔ ہم ایک ملٹی لنگول سوسائٹی میں ہیں اور ہماری تعلیم صرف زبان سے متعلق نہیں ہوتی ہے، سوشل سائنس کا دھارا ہے کچھ بچے آگے جاتے ہیں کچھ ہیومینیٹیز میں جاتے ہیں کچھ لائف سائنسز میں جاتے ہیں کچھ آگے انجینئرنگ میں آ رہے ہیں جن میں بعض انگریزی میں تخصص کریں گے بعض ہندی میں تخصص کریں گے اور بعض بنگالی، ایک زبان نہیں ہے یہ پورا برصغیر linguistic diversity کے اعتبار سے زبانوں کا جنگل ہے۔ اردو اس میں ایک lingua franca کا رول ادا کر رہی تھی۔ میرا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ فرض کیجئے ایک سوشل سائنٹسٹ یا سائنٹسٹ ہے ہماری آبادیوں میں سے اور وہ اپنی تخصص کے میدان کی وجہ سے اسکول سسٹم میں یا کالج میں اردو نہیں پڑھ سکا تو اگر ہم ثقافت سے اپنا رشتہ برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور وہ نجی طور پر اردو پڑھ لیتا ہے یا اگر آپ اسکا انتظام کرتے ہیں تو آپ کو یہ اطمینان رہتا ہے کہ اپنی ثقافت سے زبان کی شرط اردو کی شرط کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ سرکاری سطح پر تو ہم اپنا حق مانگیں گے ضرور مانگیں گے بالکل آپ نے صحیح لفظ استعمال کیا لسانی اقلیت اور اسی پر میں اصرار کرتا ہوں بیشک اردو مسلمانوں کی اکثریت کی زبان ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کسی چیز کو paradox یا تو آپ paradox کے معنی نہیں سمجھے paradox کا مطلب یہ ہوتا ہے قول محال جبکہ دونوں نقیض تحقیقی طور پر درست ہوں اردو علاقائی زبان ہے کیوں کہ اردو علاقائی زبان نہیں ہے لیکن اردو ملکی زبان ہے اور ان دونوں چیزوں میں تضاد نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے وضاحت کی کہ اردو ہرگز اس معنی میں علاقائی زبان نہیں ہے جس طرح گجرات میں گجراتی ہے بنگال میں بنگالی ہے پنجاب میں پنجابی ہے۔ ان زبانوں کا کوئی چلن اپنے علاقے سے باہر نہیں ہے۔ سو اردو محض ایک علاقائی زبان کہہ کر ہم اردو کی بے توقیری اور بے حرمتی ہی کرتے

ہم علاقائی زبان تو ہیں لیکن علاقائی حق بھی چاہتے ہیں لیکن علاقائی زبانوں سے بہت بڑھ کے ہمارا پورے برصغیر میں نہ صرف ہندستان میں بلکہ ہندستان پاکستان دونوں ملکوں اور کسی حد تک غیر ملکوں میں بھی ہمارا وہ کردار ہے جو کسی ملکی زبان کا ہوتا ہے اور کسی قومی زبان کا ہوتا ہے ۔

<u>پروفیسر محسن (پٹنہ)</u>

اردو کی تعمیر ہمارے گھروں میں ہے ۔ اگر ہم اپنے گھر سے شروع کریں اور ہم یہ چاہیں کہ ایک بچہ یا لڑکا کہ ہمارا بچہ اردو سیکھے گا تو کوئی مشکل یا ایسی بات نہیں جہاں تک بڑی باتوں مثلاً اردو کی سرپرستی کا سوال ہے ، یہ سب بھی ہو سکتا ہے مگر ایسی اسکیمیں جذباتی طور سے نہیں چلتیں منصوبہ کے تحت چلتی ہیں ۔

<u>ڈاکٹر نسیم اختر</u>

کتنی سو ٹرانسلیٹر بحال ہو چکے ان میں ہم بھی ہیں ۔ لیکن کسی سے اردو کا کام نہیں لیا جاتا اور جو دوسرا دوسرا کام لیا جاتا ہے اس کی شکایت کی جائے تو ہمارا کیریکٹر رول خراب ہوگا !

<u>ڈاکٹر کنول نارائن (مدھبنی)</u>

اردو ٹرانسلیٹر بحال ہو گئے تو اس سے اردو زندہ نہیں ہو گئی ، کچھ لوگوں کو ملازمت مل جائے تو اردو کا مقصد پورا نہیں ہوا ۔ دیکھنا چاہئے کہ ان کا اردو دفتروں میں کچھ سود ہوتا یا نہیں ۔

<u>جناب محمد ارمان رشید (پٹنہ)</u>

مختلف اضلاع میں جو اردو ٹرانسلیٹر بحال ہو چکے ہیں ان کے دفتر میں کوئی درخواست ہی نہیں پہنچتی ۔ وجہ یہ ہے کہ اردو ٹرانسلیٹر ہی بند کمرے میں درخواستیں دیتے ہیں ۔

<u>جناب شفیع مشہدی (پٹنہ)</u>

اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہوگی کہ اردو میں درخواستیں کیوں نہیں آتیں ، اس میں کچھ ہم لوگوں کا بھی دوش ہے ۔ کچھ یہ کہ جب پارٹی اردو میں جاتی تو درخواست لکھوانی چاہئے ، یعنی اصل نقطہ قانون نہیں ، قانون پر عملدرآمد ہے ۔

جناب ملک رحیم (ممبئی)

گاندھی کی ہندوستانی ختم ہو چکی تھی مگر اب پھر آرہی ہے۔ بات یہ ہے کہ قومی مفاد کے خلاف جو بات بھی چلے گی وہ کچھ دن تک چل کے ختم ہو جائے گی۔ بات وہی چلے گی جو قومی مفاد جس کے حق میں ہوگا، جہاں تک اردو کا سوال ہے، روٹی روزی سے اس مسئلہ کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی)

جو لوگ کو باقاعدہ پیٹ کی ایک سبیل انجمن بھی اختیار کر رہی ہے یعنی آئندہ بجٹ کے ادبی انجمن خصوصی دلچسپی لے گی جس میں سید حامد کے امکانات رکھے ہوئے بجٹ کے فرسٹ ایڈیشن کے ناظم (غلام) صدر صاحب سے بھی مدد لی جائے گی۔

ڈاکٹر لامی زعلی ارشد

اردو زبان کے تحفظ و ارتقا کیلئے جو اقدامات کئے جا سکتے ہیں ان کی دو سطحیں ہوں گی۔ پہلی سطح یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر حکومت سے یہ مطالبہ کریں کہ ● اردو کو دستور ہند کی آرٹیکل ۳۴۵ کے مطابق ان تمام ریاستوں میں سرکاری زبان بنایا جائے جہاں اردو بولنے والے موجود ہیں۔ اس سلسلے میں دستور ہند کے کسی اور دفعہ کا حوالہ دینا سراسر غلط ہے۔ ● جن کی مادری زبان اردو ہے ان کیلئے کم از کم پرائمری سطح پر لازمی طور سے اردو میں تعلیم کا نظم کیا جائے، آئین کے دفعہ ۳۵۰A میں اس کا پروویژن موجود ہے ● سکنڈری سطح پر سہ لسانی فارمولہ کو الف، مادری یا علاقائی زبان، ب، ایک جدید ہندوستانی زبان باستثنائے سنسکرت، ج، ایک غیر ملکی زبان، کی شکل میں لاگو کیا جائے۔ ● آئی اے ایس کے پرلیمنری امتحان میں اردو کو ایک مضمون کی حیثیت سے شامل کیا جائے۔

دوسری سطح وہ ہے جس کا تعلق اردو اداروں سے ہے۔ اس سلسلے میں چند نکات ہیں ● مختلف عمر کے بچوں کیلئے ان کی پسند اور ضرورت کے مطابق اردو میں باتصویر دلچسپ اور معلوماتی کتابیں تیار کرنی ضروری ہیں۔ کلاسکس اور سائنس فکشن پر مشتمل کتابیں بھی تیار ہونی چاہئیں۔ یہ کام بڑے پیمانے پر ترقی اردو بیورو کر سکتا ہے اور مکتبہ جامعہ بڑے پیمانے پر اردو والوں کا ... ● معیاری ہندی اردو اور اردو ہندی لغات یا مختلف علوم و فنون سے متعلق اصطلاحات پر مبنی لغات کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہونی چاہئے۔ ترقی اردو بیورو نے یہ کام اٹھایا ہے مگر کام کی رفتار بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ● اردو پڑھنے والے بچوں کیلئے لسانی اور غیر لسانی مضامین کی نصابی کتابیں تیار کرنا اکثر ریاستوں میں ٹیکسٹ بک کارپوریشن کی ذمہ داری ہے، یہ ادارے جس سرکاری رقم سے چلتے ہیں اس میں اردو والوں سے لیا گیا ٹیکس بھی شامل ہے۔ ● دوسری زبانیں بولنے والوں کی خاصی بڑی تعداد اردو سیکھنے کی خواہشمند ہے لیکن یہ کام زیادہ تر شروع نہیں ہوا۔ ایسے لوگوں کیلئے اردو ٹریننگ کیمپ لگانے کی ضرورت ہے۔

● جو لوگ مقابلہ جاتی امتحانات میں اردو ایک مضمون کی حیثیت سے لیتے ہیں ان کی بہتر تعلیم کیلئے ترقی اردو بیورو، اردو اکادمیوں اور انجمن ترقی اردو کو آگے آنے کی ضرورت ہے۔ ● مختلف ریاستوں خصوصاً بہار میں ایسے کئی سرکاری اور نیم سرکاری ادارے ہیں جن کے ذمے اردو یا اقلیت کے حقوق کی نگرانی ہے، ان اداروں کے ذمہ داروں کو دیکھنا چاہئے کہ ملازمتوں میں اردو والوں کو ان کا حق مل

رہ گیا ہے یا نہیں ؟ ۔ ● یہ ہے کہ جن اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنایا گیا ہے وہاں کے اردو عوام کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں جہاں تک ہو سکے اردو میں درخواست دیں خواہ اس سے کام میں تاخیر کیوں نہ ہو ۔ ● اردو والوں میں یہ احساس پیدا کرنا کہ حیثیت سے الگ ہو کر بھی اس زبان کو سیکھنا ایک عظیم تہذیبی ورثے کی حفاظت کرنا ہے ۔ اردو کے ہر ادارے کو اپنا پہلا کام سمجھنا چاہیئے ۔

ڈاکٹر انصار اللہ ، علی گڑھ

● گزشتہ سال ، ہندی ، ہندوستانی ، اردو کے موضوع پر یہاں مذاکرہ ہوا تھا اس میں ہندی شاعری کے اوزان و بحور سے متعلق بعض ایسی قدیم تحریروں کا ذکر کیا تھا ، جو فارسی اور اردو میں ہیں ۔ ہندی کے جتنے عالم یہاں موجود تھے ، سب نے ان تحریروں سے کوئی دلچسپی لی تھی ۔

● نارنگ صاحب نے فرمایا کہ اردو کے کچھ دیوان ہندی میں چھپے ہیں ، یہ خالص تاجرانہ معاملہ ہے لیکن بات شاید اتنی آسان نہیں ہے ۔

● قدیم ہندی کا بہت بڑا سرمایہ اردو خط میں ہے جسے ہندی کے ادب والوں نے باوجود اس کے کہ اس میں بیشتر اسلامی عقائد کا اظہار ہوا تھا اسے آنکھوں سے لگایا اور اپنی زبان کا سرمایہ بنا لیا ۔ وہ اردو خط میں ایک ایک قدیم نسخے کی جستجو کرتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں ۔ اس مقصد کیلئے وہ نہ صرف اردو خط سیکھتے ہیں بلکہ فارسی عبارات کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ چنانچہ ماتا پرشاد گپت اور پرمیشوری لال گپت جیسے حضرات نے چندائن جیسی کتابوں کو شائع کیا ہے لیکن اردو کے عالم آج بھی اپنے اس سرمایے کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے ۔ جہاں تک معاملہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے ۔ جب اردو والے ہندوؤں کے پڑھنے سے دلچسپی نہیں رکھتے ، ہندی والے ایسے دلچسپی سے پڑھتے ہیں ۔ اردو میں جو دشواریاں ہیں ، ظاہر ہیں اور ہندی میں ہر قسم کی سہولتیں ہیں ۔ وہاں والے درسے قدیم نسخے پڑھنے کا تعاون حاصل ہوتا ہے ۔ موجودہ صورت حال اگر برقرار رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب اردو میں لکھنے والوں کا بھی کال ہو جائے گا ۔

● سید حامد صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ آج ہمارا ادب سکڑ رہا ہے ۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارے بیشتر طالب علم خط کو نستعلیق لکھتے ہیں ۔ قدیم مخطوطات ہی نہیں ، اردو کے اساتذہ میں بھی ایسے لوگ بہت کم ہیں جو قدیم مخطوطات ہی نہیں اردو کی ابتدائی تحریروں کو بھی صحیح طور سے پڑھ سکتے ہوں

● اردو کے سلسلہ عوام کی دلچسپی مسلّم لیکن ہم ان سے کوئی نہیں جانتا کہ اردو کی اعلا تعلیم کے خواہش مندوں کی تعداد کم سے کم ہوتی جا رہی ہے اور نتیجے کے طور پر علمی تصانیف کا معیار اور گرتا جا رہا ہے ۔ گزارش کا یہ سلسلہ اگر جاری رہا تو اردو کس سطح پر آ سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جانا چاہیئے ۔

<u>ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی)</u>

● اردو کے مسئلہ کے حل کیلئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو آبادیاتی پس منظر اور سامراجی سازش کو پوری طرح سمجھا جائے ورنہ فرقہ واریت
اور لسانی تعصب کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی نظریاتی بنیاد نہیں ہے۔ مثلاً اردو اور ہندی سگی بہنیں ہیں لیکن جتنا ماحلہ
اردو اور ہندی میں ہے شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں ہو۔ جہاں اردو مسلمانوں کی زبان ہے وہاں یہ بھی سچ ہے کہ اردو ہندو مسلمان
دونوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ تمام حق تلفیوں کے باوجود اردو کا عوامی، سیاسی چلن روز افزوں ہے۔
● ایک کثیر مذہبی اور کثیر لسانی سماج میں قومیت کو مذہب یا زبان سے جوڑنا سامراجی سازش تھی، آزاد ہندوستان میں
اس زہر کو ختم کرنا ابھی باقی ہے۔ (۳) اردو کے بغیر ہندی اور ہندی کے بغیر اردو کا کوئی تصور ممکن نہیں۔ اردو نے عربی فارسی کے
غیر ملکی ذخیرے کو بھی بڑی حد تک بدل دیا ہے، آوازیں بدل گئی ہیں، لفظوں کے معنی بدل گئے اور دیسی اور مستعار عناصر کے
اختلاط سے نئی گنگا جمنی شکلیں وجود میں آئیں۔ اردو کا کوئی کلمہ اس گنگا جمنی کیفیت سے خالی نہیں۔ اردو والے اس عرفان کو
عام کریں کہ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے، وہ ہندی کی حلیف ہے، ہندی کی حریف نہیں۔ (۵) اگر ہندی والے یا تجارتی حلقے
اردو ادب کو ناگری میں چھاپتے ہیں تو اس سے ہماری زبان کی مقبولیت ہی ہوتی ہے، لیکن ہمیں اردو زبان کو اردو رسم خط میں زندہ
رکھنا ہے، اردو کو فارسی رسم خط سمجھنا یا کہنا بھی ناسمجھی ہے۔ جس رسم خط میں متعدد عربی فارسی آوازوں کا املا ہو گئی ہو یا
جس میں چودہ دیسی آوازوں کا اضافہ ہو گیا، وہ رسم خط ہمارا اپنا رسم خط ہے۔ مراٹھی، گجراتی، پنجابی کی طرح ہمیں بھی اپنے رسم خط
کے ساتھ جینے کا حق حاصل ہے۔ ● اردو کیلئے سب سے پہلے ہمیں اپنی کل ہند تنظیم کو منظم کرنا چاہئے، ● لسانی
مادری زبان میں مراعات پر اصرار کرنا چاہئے اور جہاں جہاں اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں وہاں اسے عوامی مطالبہ کی شکل دینی چاہئے۔
تاکہ بچے اپنی مادری اور ثانوی زبان سے محروم نہ ہوں۔ (۷) اردو کے مسئلے کو فرقہ واریت سے بچا کر جمہوریت سے جوڑنا چاہئے یعنی
اردو کے حقوق کا مطالبہ مذہبی اقلیت کے بجائے لسانی اقلیت کے طور پر کرنا چاہئے، اس رویے میں ذرا سی غلطی سے نقصان ہمارا ہی ہے۔
● ہمارا بچہ نمونے پر انتہا پرورش اور دوسرے مرحلوں میں مادری زبان کے سرکاری اسکیم میں ترمیم ہونا چاہئے۔

● جہاں جہاں اردو تعلیم کا انتظام نہیں ہے یا دوسرے
مضامین پر توجہ کی وجہ سے بچہ اسکول میں اردو نہیں پڑھ سکا، وہاں اپنے ثقافتی تشخص کی تکمیل کیلئے گھر پر اردو ضرور پڑھانی
چاہئے۔ وہ زبان جس کے جاننے والے اس کو ترک نہ کریں وہ کبھی مر نہیں سکتی۔ لسانی اقلیتوں کی زندگی کا سوال جمہوریت
کی بقا کا بنیادی سوال ہے اور اس کو اسی طرح سمجھنا اور سمجھانا چاہئے۔

<u>ڈاکٹر محمد حسن (دہلی)</u> [تحریری شرکت]:

○ ہندوستان میں اردو کا چلن کم ہو گیا۔ رسالوں کی پہنچ اور کتابوں کی رسائی محدود ہو گئی پبلشر کم بلکہ معدوم کتب فروش کم بلکہ مفقود۔ ایسے میں اگر کوئی لکھنا بھی چاہے تو کیوں کر لکھے اور چھاپے گا کون؟ اس صورت حال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے:

وہ یہ کہ ایک اچھا پبلشنگ ہاؤس ہو اور اس کے گرد لکھنے والوں کا ایک گروہ ہو جو اسی مقصد سے کام کرے کہ جدید ترین نظریات، علوم اور تجربات سے اردو والوں کو واقف کرائے گا۔ اس اشاعت گھر کے کم سے کم پیمانہ پر کتب شائع ہوں اور ایک پبلشنگ کا رسالہ۔ گجراتی میں ایک وقت یہ اہتمام کیا تھا کہ ہر جدید ترین موضوع پر مستند کتابوں کی تلخیص دنیا بھر کی زبانوں سے گجراتی زبان کے ۱۰۰ صفحات میں کر کے الگ الگ کتابچوں کی شکل میں چھاپنا شروع کی تھی اور ہر کتابچے کی قیمت =/5 Rs ہوتی تھی اور اس سلسلے میں ہزار نمبر نکل چکے ہیں۔ اگر کوئی تک ہر کتابچے شامل تھے اس قسم کا کام اردو میں بآسانی کیا جا سکتا ہے اب بھی اردو لکھنے والوں میں سائنس میں ڈاکٹر عبید صدیقی اور ڈاکٹر رئیس احمد، سماجی علوم میں پروفیسر علی محمد خسرو، امتیاز احمد، رشید الدین خاں جیسے اہل علم موجود ہیں اور خود ہمارے ادیبوں میں بھی علمی موضوعات پر لکھنے والوں کی کمی نہیں، ضرورت ہے انتظام کی۔ اور یہ انتظام کیا جا سکتا ہے اور اس کا آغاز اردو اکادمیوں ہی سے ہونا چاہئے۔ یقین مانئے یہ خسارے کا سودا نہیں۔

رہی اردو اکادمیوں کی بات — یقیناً حکومت پانچ کروڑ روپیہ ان اکادمیوں پر خرچ کر رہی ہے یہ بھی درست ہے کہ ان اکادمیوں سے کچھ نہ کچھ ہر سال بہت سی کتابیں زیادہ چھپنے لگی ہیں اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔ پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن بھی چھپے ہیں مگر اردو دنیا کی ان سے صرف ایک ہی آس لگی ہوئی ہے اور وہ پوری نہیں ہوتی ہے وہ ہے اردو کی تعلیم کا انتظام۔ جب تک یہ نہیں ہوتا اردو کا مستقبل محفوظ نہیں اور اکادمیاں شک و شبہ کی نظر سے دیکھی جاتی رہیں گی۔

حکومت نے ان اکادمیوں کے آئین میں بہت سے حقوق دے رکھے ہیں نہیں دیا ہے تو یہی حق نہیں دیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اکادمیوں کے آئین میں مناسب تبدیلی کی جائے اور ان اکادمیوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے طور پر ماڈل اسکول کھول سکیں اور اپنے زیر نگرانی صوبے کے مختلف شہروں میں قائم کر سکیں اور دوسروں کو بھی اس قسم کے اردو ماڈل اسکول قائم کر سکیں، بعض اکادمیوں کے پاس اتنی گرانٹ ہے کہ وہ آج بھی یہ کام کر سکتی ہیں اور بہتر ہو اس مقصد کے لیے مخصوص گرانٹ دی جائے اسی کے ساتھ جن اسکولوں یا کالجوں میں اکادمی مناسب سمجھے اپنی طرف سے اردو ٹیچر مقرر کر سکے یہ اس وقت تک جب تک انہیں باقاعدہ اردو ٹیچر نہ مل جائیں اکادمی کے ماڈل اسکول اردو سنٹر بھی کہلائیں گے اور امتحان اردو کے بھی اور ان میں دیگر مضامین بھی پڑھائے جاتے ہوں گے۔ اسی کے ساتھ نصاب اور اردو امدادی کتب کی ترتیب کا کام بھی اکادمیوں کے سپرد ہو جب تک اردو تعلیم میں اکادمیوں کی کارگزاری قابل اطمینان نہیں ہوتی اس وقت تک اکادمیوں پر اردو دنیا کا اعتماد بحال نہیں ہو سکتا۔

جناب عبداللطیف اعظمی صاحب:

اردو کے مسائل کے سلسلے میں جناب سید حامد صاحب نے تین محاذ کی نشاندہی کی ہے، میرے نزدیک ایک چوتھا محاذ بھی ہو سکتا ہے، جس کا تعلق یونیورسٹیوں سے ہے ۔ عام طور پر ایک اردو یونیورسٹی قائم کرنے کا حکومت سے مطالبہ ہوتا ہے مگر ایک نیا مطالبہ کرنے سے پہلے کیوں نہ یہ کام موجودہ یونیورسٹیوں یا ان میں سے کسی ایک سے لیا جائے۔ اور جب میں نظر ڈالتا ہوں تو میری نگاہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے (۲) جامعہ ملیہ ہی ایک ایسی واحد یونیورسٹی ہے جس کا ذریعہ تعلیم خود جامعہ کے دستور کے مطابق اردو ہے۔
بالکل ابتدا ہی میں یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس قومی یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اردو ہوگا مگر ڈاکٹر صاحب، سید عابد حسین اور پروفیسر محمد مجیب صاحب کے آنے سے جامعہ کے سواد میں وسعت پیدا ہوئی اور ان بزرگوں نے خالص تعلیمی فضا پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کی طرف خصوصی توجہ کی۔ جامعہ ملیہ سے پہلے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کا ذریعہ تعلیم بھی اردو تھا اسی لئے دارالترجمہ حیدرآباد دکن نے ان تمام علوم و فنون پر اردو میں کتابیں تیار کر دی گئی تھیں جو ایک یونیورسٹی میں پڑھائے جاتے ہیں لیکن ان کتابوں میں سے بیشتر کتابیں زبان و بیان کے لحاظ سے اچھی خاصی گنجلک تھیں جن کی بنا پر جامعہ نے اردو کتابوں کی نشر و اشاعت کے لئے مکتبہ جامعہ کے نام سے ایک الگ اشاعتی ادارہ قائم کیا اور مختلف موضوعات پر تدریسی نصابات کے لئے اردو اکادمی قائم کی۔ اس اعتبار سے جامعہ نے اس راہ میں پہلا قدم اٹھایا۔ اسی طرح جامعہ نے ناخواندہ بالغوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ کی اور ان نو خواندہ بالغوں کے لئے بھی اردو میں کتابیں شائع کیں۔ ● ۱۹۳۶ء میں جب میں جامعہ کالج میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ کالج میں بمشکل پندرہ بیس طالب علم تھے اور ان کی بڑی تعداد غیر ملکی تھی البتہ جامعہ کے ابتدائی اور ثانوی اسکولوں کا معیار بہت بلند تھا اور ان میں بڑی مشکل سے داخلہ مل پاتا تھا۔ اسی وجہ سے جامعہ نے بچوں کی کتابوں کی طرف خصوصی توجہ کی اور بڑی تعداد میں اردو کی ایسی کتابیں شائع کیں جو زبان اور معلومات اور طباعت، شکل و صورت کے اعتبار سے نہایت عمدہ اور خوبصورت تھیں۔
● جامعہ کا ایک دردناک پہلو یہ بھی ہے کہ آزادی کے بعد جب حکومت اور مختلف یونیورسٹیوں نے اس کی سندوں کو تسلیم کر لیا، پھر جامعہ میں پوسٹ گریجویٹ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، [illegible] طالب علموں کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا، اور اب جب کہ یونیورسٹی کا درجہ مل گیا اور اساتذہ کو سنٹرل یونیورسٹی کے اساتذہ کے برابر تنخواہ ملنے لگی تو اب تقریباً داخلہ کا کوئی مسئلہ نہ رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب اساتذہ کی بیشتر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اردو پڑھانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ایسے طالب علم آنے لگے جو نہ صرف اردو سے نابلد تھے بلکہ اردو رسم خط سے بھی ناواقف تھے جس کے نتیجے میں یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ جو طلبہ اردو میں امتحان کے پرچے نہیں لکھ سکتے وہ انگریزی اور ہندی میں لکھ سکتے ہیں۔ اس وقت بڑی تعداد ہندی میں جواب لکھنے والوں کی ہے، تھوڑی تعداد ان کی ہے جو انگریزی میں لکھتے ہیں اور اردو میں صرف وہ طلبہ جو عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ لکھتے ہیں یا وہ جو جامعہ کے ہائر سکنڈری اسکول کا امتحان پاس کر کے آئے ہیں۔ ایسی صورت میں جب جامعہ کو ایسے طلبا نہیں ملتے جو اردو سے پوری واقف ہوں تو اردو یونیورسٹی کیلئے کہاں سے طالب علم آئیں گے؟

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

یہ حقیقت ہے کہ اندرونی طور پر اردو زبان کو شدید خطرہ درپیش ہے ، . . . . معیار بندی
کی ضرورت تو ہمیں اور اردو کی بہ نسبت ہے . . . کسی دوسری زبانوں کے مقابلے میں ہم زیادہ
سے زیادہ . . . لیکن زیادہ معیار بندی سے ہمارا حشر وہی ہوگا جو سنسکرت کا اس
ملک میں ہوا ، چنانچہ عوامی لہجوں پر عوامی ضرورتوں پر نظر رکھنا بہت ضروری ہے میں اپنی
ذات کی حد تک . . . . . شعوری بھی رہنمائی اور کمیونیکیشن کا کام کیا ہے ، دو برس پہلے ہم نے
دہلی میں ایک سیمینار کروایا تھا اس میں میرے دوست رشید حسن خاں بھی شریک تھے
اردو . . . . . . زبان کی تبدیلی ہو رہی ہے اور میرا خیال ہے چند ماہ میں نتیجے
آ جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا ، ہمارا جو عوامی رشتہ ہے ان کی بازیافت کی بھی ضرورت ہے
امیر خسرو کی زبان سے لیکر ہماری داستان کے کلچر تک اور آج تک ہمارے عمل میں برابر
آگے نہ ایک . . . . رہی ہے کہ عوامی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جائے ۔ اس طرف میں نے
سوال اٹھایا ضرور کیا تھا کہ شاعری جس طرح . . . . ہے شہروں میں بھی دیہات میں بھی
دیہات میں بھی اور فلم جس طرح ہر طبقہ پیش ہے زندگی کی ترجمانی کرے مثلاً
تو سطح سے بھی کمیونیکیشن کا عوامی رشتے استوار ہو جاتے ہیں ، تفصیل کسی دوسرے
وقت عرض کروں گا جو ابوالفیض سحر نے کہا کہ ان نکات میں سے صرف ایک کی طرف
توجہ چاہوں گا اس تجویز میں میرے خیال میں یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی بات ایسی
آ جائے ۔

۔ یہ طریق کی analogy جو ہے اس نے نہایت خطرناک نتائج پیدا کیے ہیں
زبان ایک سماجی phenomenon ہے ، سماجی طاقتوں سے زندہ رہتی ہے
اگر سماجی طاقتوں کا علم نہ ہو تو نہ ہو ... سماجی نہ ہو تو زبان ختم ہو جاتی ہے آج ہم
plural سوسائٹی میں ہیں یہاں کئی مذہب کئی فرقے کئی ذاتیں ہیں لیکن وہ دلی کی زبان تھی
آریائی زمانے میں قدیم ہندوستان کے زمانے میں سنسکرت بالکل محفوظ تھی اور تمل کی

اس ملک کی سب سے بڑی زبان ہند آریائی تھی لیکن وہ زبان اس زبان کا بولنے کی تحریک
نظام کی تحریک کمیونلسٹوں کی تحریک اس کا سلسلہ یہاں ختم ہو گیا۔ آج سنسکرت
ایک مردہ زبان ہے اور اس کی جگہ دوسری معمولی زبانیں پراکرتیں اور اپ بھرنشیں جن کا
مطلب ہے بگڑی ہوئی زبانیں انہوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ کہ ضرورت ہے کہ اگر سماج کی
تاریخیں جو اس وقت اردو کا سرچشمہ یا تعلق ملکوں کا اس پس منظر میں
اس منظر میں اردو کو دیکھا جائے اردو کا مسئلہ کو دیکھا جائے۔ اور یہ دھیان میں رکھنا
یہ آخری بات کہ بالکل یہ حقیقت ہے کہ اردو کا تعلق کسی مذہب سے زیادہ ہے
کسی مذہب سے نہیں ہے لیکن اس بات کو ضرور نظر میں رکھ لینا ہے کہ کمیونلزم نے
کمیونلزم کو پیدا کیا، کمیونلزم نے لنگوازم کو پیدا کیا، پچھلے پچاس برسوں میں
ہماری تاریخ جو موڑ مڑ چکی ہے اور جس خون کا دریا کو ہم پار کر چکے ہیں اور
آج بھی جو آگے ہیں یعنی آسام میں، بنگال میں، بعض دوسرے ملکوں میں
لنگوازم کی وجہ سے بھڑک رہی ہے اگر ہم اس حکمت عملی کو اختیار کریں کہ اردو
ایک لسانی اقلیت ہے فرقہ وارانہ اقلیت ہے یا نہیں ہے یہ فیصلہ آپ کریں
نہیں ایک premise یہ ہے کہ اردو ایک linguistic minority
اور ایک جمہوریت میں ایک سوشلسٹ سماج میں ایک linguistic minority
اور اس کو تمام حقوق تمام ملکوں میں ملنے چاہئیں

کامریڈ حبیب الرحمٰن (پٹنہ)

اب وقت آگیا ہے کہ عوامی تحریک کا دباؤ ڈال کر ہم کچھ حاصل کریں۔ اب صرف نوشتہ دیوار تک محدود رہنے کا وقت نہیں ہے بلکہ اس کو آگے بھی ہمیں ملحوظ رکھنی ہوگی۔

جناب غلام سرور (پٹنہ)

اردو کو دوسری سرکاری زبان تو بنا دیا گیا مگر بنیادی تعلیم چھین لی گئی، دیا کم چھین لیا زیادہ۔ اردو کی بنیادی تعلیم ضروری

اور اہم ہے۔ صرف اردو میں بورڈ کے قیام سے مسئلہ کا حل نہیں نکل سکتا، جب تک ہمیں اردو آبادی کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا ورنہ بہت ساری دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔

ڈاکٹر محسن (پٹنہ)

اردو تعلیم کا رشتہ جب تک روزگار سے استوار نہیں ہوگا اردو کا فروغ نہیں ہو سکتا۔ ہم صرف نصابی کتابوں پر زور دیتے ہیں اور نفسِ تعلیم کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ ہمیں ایک ایسا نصاب تیار کرنا ہوگا جس کی بنیاد عام علوم پر رکھی گئی ہو۔ مختلف موضوعات پر کتابوں (مثلاً سائنس، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ) کا اردو میں ترجمہ بھی ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر اخلاق اثر (بھوپال)

مدھیہ پردیش میں سائنسی کتابیں باقاعدہ اردو میں لکھی جا رہی ہیں اس کے علاوہ این سی ای آر ٹی، ترقی اردو بورڈ بھی سائنسی کتابیں چھاپ رہی ہیں۔

ڈاکٹر رضوان احمد خاں (پٹنہ)

مدھیہ پردیش [illegible] درسی اعتبار سے کتابیں کم چھپ رہی ہیں اور بازار میں عام طور پر دستیاب بھی نہیں ہیں۔

جناب ابوالفیض سحر [illegible]

اردو یونیورسٹی کا قیام اہم ہے۔ ہندوستان کی ہر زبان کی ترقی کے لئے ایک کمیشن بنایا گیا تھا اور ایک کروڑ روپے مختص کئے گئے تھے۔ جہاں دانشوروں کو اردو کے مستقبل کے لئے لائحہ عمل طے کرنا تھا۔

جناب غلام سرور (پٹنہ)

اردو تحریک کو عوام کی ذہنی سطح سے الگ کر کے عوامی بنانا ہوگا۔ خود اردو زبان والے طبقے کی بات جامع مسجد کی سیڑھیوں اور اردو بازار کی دکانوں میں گفتگو کر کے چل پاتی ہے، اسلام نہ گھٹ جائے کا نعرہ بالائے طاق رکھ کر محدود اور مجبور کر کے رکھ دیا جائے؟ ٹھیک اسی طرح اردو تحریک کو غیر اردو آبادی کو ساتھ لے کر ان کا اشتراک، تعاون اور ان کی حمایت سے آگے بڑھانا ہوگا۔

• ملک کی آبادی کا ایک طبقہ اور اردو آبادی کے لئے خصوصی پیمانہ درمیانی اور آخری مسئلہ تعلیم ہے۔ عام تعلیم یا ابتدائی تعلیم اگر ہم نے خواندگی اور تعلیم کے مسئلہ کو حل نہیں کیا اور اس کی پیروی نہ پایا تو ہمارا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

جناب ابوالفیض سحر

اردو کے مسئلہ کو جس رخ سے بھی دیکھنا چاہئے اسی رخ سے ہم دیکھ نہیں رہے ہیں۔ گاندھی جی کا ہندوستانی تصور موجودہ دور میں اپنی معنویت کھو چکا ہے۔ دستور ہند میں بھی کہیں ہندوستانی کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اردو کا نام لے کر ہی مسئلہ کا حل نکالنا چاہئے۔

جناب ہارون رشید (پٹنہ)

اردو کی قسمت اردو والے ہی بگاڑ رہے ہیں، اردو ملازمین کی تقرری تو ہو گئی لیکن اردو کا کام نہیں ہو رہا ہے

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

انتظامی طور پر اردو زبان کو شدید طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ہمیں عوامی ضرورتوں پر نظر رکھنا ہوگا، عوامی اخبارات کی بازیافت کی ضرورت ہے۔ زیادہ معیار بندی ہمارے لئے ضرر رساں ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر اخلاق اثر (بھوپال)

اردو ملازمین کے بجائے اردو داں افسران کی بحالی ہو تاکہ درخواستوں پر براہ راست غور ہو سکے۔

جناب انیس رفیع صاحب

جناب سید حامد صاحب کا یہ اندیشہ کہ اردو کی بقا کا امکان ہندوستان میں کم سے کم ہوتا جا رہا ہے، کیونکہ اردو بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوتی جا رہی ہے، ممکن ہے یہ زبان پاکستان میں زندہ رہے۔ میرے خیال میں یہ اندیشہ حقائق پر مبنی نہیں بلکہ یہ ان کا خوف ہے اور اس کی صداقت اسی خوف تک محدود ہے (۱) ناسخ نے ہندی الاصل الفاظ نکال کر اردو پر بڑا ظلم کیا۔ (۲) سوال یہ ہے کہ کیا زبان کے ارتقا میں رد و قبول کا جو سلسلہ ہے وہ زبان کی ترقی میں مانع ہے؟ کیا شکسپیر کی زبان ترک و قبول کے مراحل سے نہیں گذری؟ کیا اس نے انگریزی زبان کو نقصان پہنچایا ہے؟ (۳) یہ مان لیا جانا چاہئے کہ فارسی رسم خط والی زبان اردو اب مسلمانوں میں (اردو داں) محدود ہو گئی ہے۔ اردو کی کسمپرسی ہندوستان میں ان مسلمانوں کی لیڈرشپ سے جاری ہوئی ہے جو بہت کمزور رہی ہے۔ اس لئے کہ اگر قومی لیڈرشپ میسر نہیں ہوتی ہے تو اردو کا مقدمہ بھی حوالۂ جمہوریت کمزور ہوگا۔ کیا یہ درست نہیں جو براہ راست عوام کے حضور میں accountable نہیں ہیں وہ مسلمانوں کی اور اردو کی بقا کے لئے موثر ثابت ہوں گے؟ حکومت کی طرف سے یا سیاسی پارٹیوں کی طرف سے مسلمانوں کے لئے نمائندہ [illegible] کیا اردو کے کاز کے لئے المیہ نہیں ہے؟

جناب مظہر امام (دربھنگہ)

(۱) ہندی داں طبقے کی سہولت کیلئے دیوناگری رسم خط میں اردو کی اہم کتابوں کے شائع کرنے کا انتظام انجمن ترقی اردو (ہند)

اور اردو اکیڈمیوں کو کرنا چاہئے۔ پہلے بھی اس طرح کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، لیکن منظم طریقے پر یہ کام ہو تو اچھا ہے۔ (۲) اردو رسم خط ایک مستقل ہے اور اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے (۳) اردو کو گھر گھر پہنچانے کا کام بھی انجمن ترقی اردو، ترقی اردو بورڈ اور اردو اکیڈمیوں کو کرنا چاہئے، انفرادی طور پر دو چار آدمی شاید کر لیں لیکن ساری تحریک نہیں کر سکتے، باوجود عملی طور پر ان کیلئے کوشش شاید ہی ممکن ہو سکے۔ (۴) اردو کے اساتذہ اپنا معیار بلند کریں اور محض حصول زر کے پیچھے نہ دوڑیں۔

ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی)

- اردو تعلیم اردو کا خاص مسئلہ ہے۔ ہمارے بچے اردو کیوں نہیں پڑھتے اس کے اسباب پر ہمیں غور کرنا چاہئے، ان کے والدین سے ہمیں گفتگو کرنا چاہئے۔ آج کل مکاتب پر بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے جو صرف چندے اور زکوۃ پر چل رہے ہیں۔

ڈاکٹر حنیف کیفی

- اردو، اردو رسم الخط میں ہی زندہ رہ سکتی ہے دیوناگری رسم الخط میں اردو زندہ نہیں رہ سکتی۔ • دیوناگری میں اردو کی مخصوص اصوات ز، غ، ف، ق کا مسئلہ ابھرے گا، جیسا کہ ذلیل کو جلیل، غزل کو گجل اور قلعہ کو کلعہ پڑھنے کے کرشمے آئے دن نظر آتے ہیں۔ • اردو کو دیوناگری رسم الخط میں رائج کرنے سے سینکڑوں سال کی اردو روایات سے رشتہ منقطع ہو جائے گا۔ • کیا یہ ممکن ہے کہ ہزاروں کتابوں اور رسالوں کو دیوناگری خط میں منتقل کر دیا جائے، اگر یہ ممکن نہیں تو اس سرمائے تک رسائی کس طرح ممکن ہوگی۔

- اردو کو صرف ہندی کے تسلط سے روکنا مناسب نہیں ہوگا، علاقائی زبانیں بھی ذریعہ تعلیم ہونا چاہئے، بچے انگریزی اداروں میں اس لئے جاتے ہیں کہ وہاں اردو تعلیم ناقص ہے۔

جناب جمشید قیصر (رانچی)

- سوالوں کے سرتعین ماہرین تعلیم کو ہونا چاہئے اردو کے اساتذہ کو نہیں۔

ڈاکٹر محمود الحسن (فرح بخش)

- رسم الخط کے مسائل پر غور کرنے کیلئے لسانیات کے کچھ مخصوص انسٹی ٹیوٹ کھولے جائیں۔

ڈاکٹر رضی الدین احمد (ترویچی)

- اردو اداروں اور تنظیموں میں رابطہ ہونا چاہئے جب کہ دہلی والوں کو یہ خبر نہیں کہ سانگو میں کیا ہو رہا ہے اور نہ سانگو والوں کو خبر ہوتی ہے کہ دہلی یا بنگلور میں کیا ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

بہار کے علاوہ کہیں منظم طور پر اردو میں کام نہیں ہو رہا ہے۔ نصاب کی اشاعت پرائیویٹ کے ہاتھوں میں جائے تو صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔
ناگری، مراٹھی وغیرہ کے ذریعہ اردو کی بنیادی تعلیم کا کوئی کورس ہو تو ان حلقوں میں بھی کامیابی مل سکتی ہے۔ یہ کوئی خرابی کی بات نہیں ہے۔

جناب بدیاب صدیقی (پٹنہ)

اردو کے تحفظ و بقا کا مسئلہ دراصل بنیادی مسئلہ ہے، فروغ و اشاعت کا معاملہ بعد کا ہے۔ یقیناً یہ "پرچہ کار" کا مسئلہ ہے اور جب تک اردو کو تحفظ و بقا کا بنیادی طور پر پورا سامان فراہم نہیں کیا جاتا، جڑیں سوکھتی رہیں گی۔ ● آزادی کے بعد اردو دستوری لحاظ سے اردو کے تحفظ و بقا اور فروغ کے مسائل پر غور کرنے کے بعد سات مخصوص نقاط متعین کئے گئے جس کے تحت ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تینوں سطحوں کی تعلیم کو اولیت دی گئی اور انہی نقاط کے لئے کوشش سے اردو کو مؤثر ہو سکا اور زبان کی حیثیت سے جانے کا موقع ملا۔ دوسری بات یہ بھی محسوس کی گئی کہ اردو تعلیم کی جڑ کاٹی جا رہی ہے اسلئے بنیادی کاموں کی طرف توجہ دیتے ہوئے اب اردو گرلس ہائی اسکول ۱۹۷۳ء میں پٹنہ میں قائم کی گئی۔ اس سے پہلے پوری ریاست میں ایک بھی گرلس اردو اسکول نہ تھا۔ پھر نمبرہ چودہ اضلاع میں اردو تعلیم کے گرلس ہائی اسکول شروع کئے گئے۔ اسی طرح آزادی سے قبل بہار میں صرف سات اردو مڈل اسکول تھے، تحریک کے نتیجہ میں اسی اردو مڈل اسکولوں کا قیام ہوا۔ آزادی سے قبل ایک کالج میں بھی اردو اعلیٰ حیثیت کا نہ تھا، اس وقت دو درجن سے بھی اوپر ہے۔ ۱۹۸۰ء میں حکومت مجبور ہوئی اور ابتدائی اسکولوں میں ۷ سے ۱۰ فیصد تک اردو اساتذہ کی بحالی ہوئی اور ۱۹۸۲ء میں تقریباً آٹھ سو اردو پرائمری اور مڈل اسکولوں کو اعلیٰ حیثیت دلائی گئی۔ اس طور ہماری اردو تحریک کامیاب رہی ہے۔ ● اردو کے بنیادی کاموں میں جو سب سے اہم رکاوٹ بڑھتی جا رہی ہے اس میں سرکاری نہیں خود اردو والے مفروضہ نام نہاد دانشوران اور سیاسی افراد ہیں جو اردو کی باری میں کسی نہ کسی طرح سے ذمہ دار رہے اور اس صورت حال کو ختم کرنے کیلئے ریسرچ کا کام جیسی جلسے جلوسوں کے قیام کی ضرورت ہے۔ ● اردو کی تعلیم کیلئے ایک ایسی تحریک چلائی جانی چاہئے جو ہندوستان گیر سطح کی ہو۔

جناب فرخ جلالی

علوم کی اشاعت اپنی مادری زبان ہی میں کی جانی چاہئے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین (تروپتی)

اگر ہندی والے اردو الفاظ کا استعمال کرتے ہیں تو اس سے اردو کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے، اس سے کوئی توہین نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی)

دیوناگری میں اردو کی کچھ کتابیں چھپ رہی ہیں، جیسے سردار علی جعفری کا دیوان، تو یہ خالص تاجرانہ معاملہ ہے، کوئی ادبی یا لسانی مسئلہ نہیں ہے۔ اردو اپنے رسم خط کے ساتھ جمہوری ہندوستان میں زندہ رہے گی۔

جناب رشید حسن خاں

اردو کتابوں کا ناگری اسکرپٹ میں چھپنا اگر تاجرانہ نقطہ نظر سے ہے تو یہ بھی کچھ کم اہم بات نہیں، اس سے ہمارے ادب کی توسیع و ترویج تو ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر عزیز الحسن

حکومت اگر اردو کی تعلیم کا انتظام کر دیتی ہے تو کیا اردو کی تعلیم عام ہو جائے گی؟

جناب شہاب صدیقی

اردو کی تعلیم کا انتظام ہو جائے تو درست، متعلقہ طلبہ اگر نہیں تو کم از کم اوسط درجہ کے لوگ ضرور پڑھیں گے پڑھائیں گے۔

جناب شاہد رام نگری (پٹنہ)

ہمیں رسم الخط کے ساتھ اردو کو بچانے کی کوشش کرنی ہے۔ آزادی کے بعد ہندی، ہندو، ہندوستانی کا جو نعرہ تھا وہ آج اپنی معنویت کھو چکا ہے۔ ہندوستانی سماج میں اب ایسے لوگ سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اردو زبان کی توسیع کے لیے ایسے قاعدے تیار کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ غیر اردو داں حضرات تک اس زبان کی ترسیل ممکن ہو سکے۔

ڈاکٹر اخلاق اثر (بھوپال)

پچھلے بیس سالوں میں ہم جن خطوط پر چل رہے ہیں کیا اس سے ہمیں کچھ کامیابی ملی ہے؟ اگر نہیں تو ہمیں اپنے طریقہ کار پر از سر نو غور کرنا ہوگا اور بہتر ہو کہ عمل مرتب کرنا ہوگا۔ تبلیغی جماعت نے جس خاموشی انداز میں اردو کو فروغ دینے کا کام کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ ہماری زبان کو بھرپور طور پر اردو تحریک کا انعکاس ہونا چاہئے۔

جناب سید ہاشم علی (علی گڑھ)

دانشوروں کو ایک دور حاضر کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ کچھ اعتراضات ایسے تھے جو لفظی معنوں پر نہیں بلکہ شخصیات پر تھے اور ایسی محفل کے لیے موزوں نہیں تھے۔ سرسید کی انگریزی حمایت کے نظریہ کی بڑی شدت سے مخالفت ہوئی تھی لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کی فکر بالکل صحیح تھی۔ کوئی نئی بات آئے یا کوئی نئی تجویز پیش ہو تو اس پر ہمیں سوچنا چاہئے۔ حکومت کی تنقید کرکے تالی بجوانا تو آسان ہے لیکن جذباتیت سے عاری ہوکر منظم طور پر کوئی کوشش نہیں کرتے۔ ہمارا مقصد [illegible] سے تصادم نہیں۔ میں نے اپنے مضمون میں جو بھی سوال اٹھائے تھے وہ آج بھی اپنی جگہ موجود ہیں اور جن کے حل کے لیے دانشوروں کو مثبت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

جناب تقی رحیم (پٹنہ)

اردو تعلیم موجودہ رسم الخط میں ہی ہونا چاہئے ورنہ ایک اسکرپٹ کا اضافہ ہو جائے گا۔

ڈاکٹر منظر الحق انجم خان (ہگلی)

غیر اردو داں طبقہ کو اردو سے روشناس کرانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے۔ غیر اردو داں میں بھی بہت سے لوگ اردو سیکھنے کے مشتاق ہیں مگر سیکھنے کی سہولتیں دستیاب نہیں اس مقصد کیلئے دو صورتیں ہیں۔

● اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اردو اساتذہ کو فوری سہولتیں مہیا کی جائیں کہ غیر اردو داں کو اردو سکھانے کیلئے معروضی کلاسوں اور مختصر مدت والے کورسوں کا انتظام کریں۔ (۲) پہلے اپنے صوبے کے کثیر الاشاعت ہندی یا مقامی زبان کے اخبار رسال کا ایک گوشہ خواہ کتنا ہی مختصر ہو اس مقصد کیلئے مستقل طور سے مختص کر لیا جائے اور ہر ہفتہ دو چار الفاظ کے املا اور معنی کی تفہیم ان اخبارات کے قارئین کو کرائی جائے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم ہفتہ وار ضمیموں کے ذریعہ یہ کام کیا جائے۔

جناب ڈاکٹر کمال الدین (دربھنگہ)

ترقی اردو بیورو، اردو اکادمیاں، انجمن ترقی اردو ہند و صوبائی اپنے اپنے رسائل یا خبرنامے ہفتہ وار اردو کی ان تمام ہائر سیکنڈری اسکولوں اور اردو کارکنوں کو مفت بھیجیں، تاکہ اردو داں طبقہ اردو پڑھ سکے اور اردو کے مسائل سے آگاہ رہے۔ ● صحیح اردو بولنے کا چلن عام کریں، گھروں میں، باہر سڑکوں پہ، اپنی تقریروں میں خوب اردو بولیں اور اپنے گھروں میں کم از کم بچوں کا ایک اردو پرچہ ضرور منگائیں۔ یوپی اردو اکادمی کی طرح دیگر اکیڈمیاں اور ادارے اپنی مطبوعات کی قیمت اس قدر کم رکھیں کہ اردو داں آسانی سے خرید سکیں۔ سیکنڈری اسکول اکزامنیشن بورڈوں کو اردو میڈیم کیلئے الگ سیل قائم کرکے اردو میڈیم کے اسکولوں کی باگ ڈور اردو داں لوگوں کے ہاتھوں میں دی جائے۔ اردو اساتذہ کا ایک ریفریشر کورس یا شعبۂ اردو انجمن قائم کرے جس میں انہیں اپنی زبان کی اہمیت اور رسم خط کی باریکیاں اور تلفظ کو سمجھایا جائے تاکہ ان میں اردو کی محبت بیدار ہو سکے۔ ● صوبائی حکومتوں سے اردو ڈائریکٹوریٹ کے قیام کا مطالبہ کیا جائے تاکہ اس سے تمام اردو ادارے وابستہ ہوں۔

جناب جمشید قمر (رانچی)

● ابتدائی یا پرائمری سطح پر نصاب کی تشکیل میں شعبۂ اردو کے ماہر اساتذہ کو شامل نہ کیا جائے بلکہ ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کی جائیں۔ کیونکہ اعلیٰ سطح کی تعلیم یا علم کوئی ضروری نہیں کہ اس کا سابقہ ان تدریسی تجربات سے ہو جنہیں پرائمری سطح کے معلمین حاصل کرتے ہیں، علاوہ ازیں یہ ان اصولوں اور ضوابط کو بھی اپنے پیش نظر رکھنے سے قاصر رہتے ہیں جنہیں کوئی ماہر تعلیم نصاب کی تشکیل میں ملحوظ نظر رکھتا ہے۔ نصاب کی تدوین میں ابتدائی سطح پر مختلف مضامین کے مطابق (حساب، سماجی سائنس وغیرہ) میں مستعمل اصطلاحات کو ضمیمہ کی حیثیت سے کتابوں کے آخر میں شامل کیا جائے، نیز ان اصطلاحات کے انگریزی اور ہندی کے مترادف بھی دیئے جائیں تاکہ ابتدائی سطح سے ہی ان اصطلاحات سے شناسائی قائم رہے۔ یہی ابتدائی شناسائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مدارج میں، اصطلاحات کی شناسائی اور تفہیم میں معاون ہوگی۔

جناب سید فضل احمد (ریٹائرڈ آئی جی بھوپال)

اگر کوئی قوم، ملت یا زبان والے اپنی زبان کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے گھروں میں اس کو رائج رکھنا ہے اور اگر اسکولوں میں اس کا نظم نہ ہو تو اسے اپنے بچوں کو گھروں میں پڑھانا ہوگا۔ اس کی طرف وہ توجہ نہیں جو ہونی چاہئے۔ انگریزوں کے دور میں بھی عربی اور اردو گھروں اور مدرسوں کے ذریعہ ہی قائم اور زندہ رکھی گئی۔ جب سے اردو ادارے مثلاً انجمن ترقی اردو، اردو اکیڈمی وغیرہ مفید کام کر رہے ہیں سوال صرف توجہ، کوشش و لگن اور اس مسئلہ بنیاد پر رکھنے کا ہے جس کے ذریعہ پرائمری اور سکنڈری اسکولوں سے اردو کی تعلیم کا انخلا نہ ختم کیا جا رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی ایک شکل پیدا ہوئی اور بہار میں ابھر رہی ہے۔ سو لائف ممبر احباب کہ اس کی طرف ہم نظر نہیں رکھ رہے ہیں۔

● جو احباب اپنے کو محب اردو محسوس کرتے ہیں اکثر ان کے بچے اردو نہیں پڑھتے بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ دوسری زبان کا اعلان ہی صرف کافی نہیں، یہ جائزہ لینا ہے کہ اس کا بہتر کتنا فائدہ کیا ہوا ہے، ورنہ شمار تعلیم آبادی کا شعبہ موزوں ہوگا سے ممالک میں الجھ گیا ہوں۔ کمیونزم کے بعد آگیا ہوں۔

جناب تقی رحیم صاحب

اصل مسئلہ اردو تعلیم اور ابتدائی تعلیم کا ہے۔ مگر ابتدائی تعلیم کا تعلق اس لٹریسی یا عام تعلیم سے ہے جو مادری زبان میں ہی ہو سکتی ہے اور جب کہ حکومت ہی اپنا ہدف رکھ سکتی ہے۔ ہمارا آئین بھی ملک کے ہر بچہ کو اس کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دلانے کی جوابدہی حکومت پر عائد کرتا ہے لہذا ہمیں اس جمہوری حق کیلئے حکومت سے مطالبہ کرنا چاہئے اور اس کیلئے منظم ہو کر جد و جہد کی ضرورت ہے۔ (۲) دوسری ریاستوں میں بھی بہار جیسی تحریک پیدا ہوگی اس کی رہنمائی کیلئے انجمن ترقی اردو ہند کو آگے بڑھنا چاہئے مگر اس کیلئے انجمن کو عوامی ادارہ کی حیثیت دینی ہوگی اور تنظیمی کردار پیدا کرنا ہوگا۔ (۳) ہمارے ملک کی سماجی زندگی میں ہندوستانی ایک ایسی زندہ لسانی حقیقت ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا لسانی روپ وہی ہے جو اردو کا ہے اس لئے ہمیں فارسی اور اردو دونوں رسم الخط کے ساتھ ہندوستانی اسٹائل پر زور دینا چاہئے اور اس سلسلے میں ہندی والوں میں ہندوستانی کی طرف رغبت پیدا کرنے کیلئے خاص طور پر کوشش کرنی چاہئے۔ (۴) بہار کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اگر ہم منظم ہو کر بے غرضی کے ساتھ کام کیا تو ابتدائی تعلیم کی حد تک اپنے مطالبے کو منوا لینا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں کیونکہ ہمارا مطالبہ پوری ہندوستانی قوم کے مفاد میں ہے۔ ہمارے پیچھے جو کچھ مطلب ہے، جد و جہد کی ضرورت ملاحظہ ہے۔

محترمہ ریحان علی

اگرچہ پندرہ سال قبل تک ہندوؤں اور مسلمانوں کی اکثریت ان کی مادری زبان کے طور پر استعمال کرتے تھے جب ہندوستانی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اس وقت فارسی آمیز اردو مسلمانوں کی اور سنسکرت آمیز ہندی ہندوؤں کی زبان بن گئی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد اردو اور بھی زوال پذیر ہو گئی کیونکہ مسلمان خود احساس کمتری کا شکار اور اقتصادی طور پر بد حال ہو گئے۔ اور اب تو اردو مسلمانوں کی زبان بھی نہیں رہ گئی کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت خاص طور پر نئی نسل کو اردو سیکھنے کی دلچسپی نہیں۔ (۲) بہار میں اردو دوسری سرکاری زبان ہو گئی، اس پر حکومت ایک خاص رقم بھی خرچ کر رہی ہے لیکن ابھی اردو اسکولوں میں بھی طلبا و طالبات کی اکثریت ہندی میڈیم سے تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اس طرح اردو تعلیمی ادارے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ (۳) اردو کے سرکاری یا غیر سرکاری ادارے بھی اردو کو غیر مسلموں سے دور رکھ رہے ہیں، ہمارے یہاں دلچسپی رکھنے والے ہزاروں اردو داں لوگوں کو اردو سکھانے کا کوئی نظم نہیں ہے۔ (۴) اردو تعلیم کو فروغ دئے بغیر اردو یا کوئی دوسری زبان زندہ نہیں رہ سکتی۔ خواہ حکومت اس پر کتنی رقم کیوں نہ صرف کرے۔

ڈاکٹر طارق سعید

ایک زائد رسم خط کے طور پر دیوناگری کو اختیار کرنے کے نظریے کو تسلیم کرنا بہت بڑی بدقسمتی ہوگی، اردو کے ادبی سرمایہ کو دیوناگری کے ذریعہ عام کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بلکہ اردو مدرسوں میں بھی، ادب کے مدرجات میں نہ سہی، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے نافذ کردہ فاؤنڈیشن کورس میں دیوناگری کو بھی ذریعہ امتحان بنائے جانے کی سفارش کرنا چاہئے۔ ہاں اس پرچے میں ہندی سے اردو اور اردو سے ہندی کا ادراک اور رسم خط کو جاننے کی لازمی شرط قرار دی جا سکتی ہے۔ اگر مجھے اجازت ہو تو عملی طور پر میں اپنی یونیورسٹی میں کم از کم فاؤنڈیشن کورس کی سطح پر اسکو نافذ کرانے کی جدوجہد کرنے کو تیار ہوں۔ بنیادی طور پر اس سے اردو کا فائدہ ہوگا۔ (۲) ایک زائد رسم خط کے طور پر دیوناگری کو اختیار کرنے کے عملی نقطۂ نظر میں ذرا سی تبدیلی کے بعد اس کا تجربہ یونیورسٹیوں میں لاگو فاؤنڈیشن کورس میں کیا جا سکتا ہے، اس سے اردو رسم خط کو یقیناً فائدہ ہوگا۔ (۳) میں نے ایک کتاب "اردو کی بنیادی لغات" مرتب کی ہے جو دراصل دیوناگری کے ذریعہ اردو رسم خط سیکھنے اور سکھانے کی کتاب ہے، جس کو اچھی قبولیت ملی۔

جناب انوار کریم صاحب

تقسیم ملک کے بعد ذہنی، سماجی، تعلیمی، معاشی انتشار اور اپنی غفلت کے سبب نئی نسل کی اکثریت جن کی مادری زبان اردو ہے اب اردو سے بالکل نابلد ہے۔ (۲) اردو پڑھنے کی تمنا رکھنے والوں پر بھی تعلیمی اداروں میں اردو تعلیم کا دروازہ ہم پر بند ہے۔ اس کی ذمہ داری حکومت سے کہیں زیادہ اردو دشمن افسران پر ہے، کیونکہ جب بھی کوئی آواز اٹھائی جاتی ہے تو یا تو کوئی سننے والا نہیں ہے یا پھر محض سیاسی حربہ بتا کر اسے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ (۳) متوسط طبقے کی خاصی اکثریت انگلش میڈیم اسکولوں کی دلدادہ ہے، جہاں اردو کی تعلیم کا کوئی نظم نہیں۔ ان اسکولوں میں اردو زبان کے بجائے بچوں کو سنسکرت یا کوئی اور زبان پڑھنی پڑتی ہے۔ گھروں میں بھی اردو سکھانے پڑھانے کا کوئی نظم نہیں۔ (۴) اردو زندہ رہے اور پھلے پھولے تو اس کے لئے اردو کو عام کرنے کیلئے نئے نئے اسلوب، نئے نئے طریقے اردو والوں کو اپنانے ہوں گے۔ ● اردو پر جو بڑی اور مالی تعطل ہو رہے ہیں اس کا ہی تو ان اکادمیوں کی بات نہیں جو مختلف صوبائی حکومتوں نے قائم کی ہیں۔ کیونکہ ان کے ذرائع اور دائرہ عمل محدود ہیں۔ (۵) ● زیادہ تر اردو کی کتابیں، خصوصاً ابتدائی تعلیم کی کتابیں ان کی لکھائی، چھپائی اور ان کے کاغذ ناقص ترین ہیں۔ ضرورت ہے کہ اردو کی کتابیں اسی معیار کی کتابیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں چھاپی جائیں اور ہر شہر، قصبے میں دستیاب ہو سکیں۔ ● اردو پڑھنا نسبتاً آسان ہے، لکھنا مشکل، املا کا مسئلہ تو بہت پیچیدہ ہے لیکن موجودہ اردو املا کی تکنیک میں مہارت اور پختگی حاصل کرنے کیلئے ہندی، انگریزی کی طرح حروف کے خوشخطی کیلئے اچھے کاغذ اور اچھی چھپائی کی کاپیاں اور قاعدے نایاب ہیں۔ اگر پڑھائی لکھائی کے خاطر خواہ وسائل موجود نہ ہوں یا آسانی دستیاب نہ ہوں تو اپنی زبان سے محبت رکھنے والے بھی مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کی قوت ارادی کمزور ہو جاتی ہے۔ (●) اردو کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کیلئے ہر صوبہ میں اپنا ایک اچھا پریس ہو جو ہماری ضرورتوں کو مناسب قیمت پر پورا کر سکے۔ ● صوبائی حکومت پر دباؤ ڈالا جائے کہ اردو کو ایک مضمون کے طور پر سرکاری و غیر سرکاری اسکولوں میں اور مضمون ہی کی طرح لازمی قرار دیا جائے۔ اور اردو پڑھنے والے طلباء کی کم سے کم تعداد کی جو شرط اس سلسلے میں لاگو ہے اسے واپس لیا جائے۔ (●) ہر مدرسے میں اردو کی بھی تعلیم ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے شروع کی جائے اور اس کی تعلیم اعلیٰ درجے تک دی جائے۔

جناب شاہد رام نگری صاحب

زبان کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کے دوران ہم لوگ حقیقت پسندی سے کام لینے کے بجائے اکثر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اردو زبان مرے گی نہیں اس صدی کے بعد بھی زندہ رہے گی لیکن اس میں کوئی حصہ شاید ان لوگوں کا نہیں جو اردو کے جاں نثاروں میں شمار کیے جاتے ہیں یا اردو جن کو روزی روٹی فراہم کر رہی ہے۔ اردو دیوناگری رسم الخط میں زندہ رہے گی اور ہم صرف ہندی کے پرستار رہ جائیں گے، ممکن ہے دیوناگری رسم الخط میں لکھی جانے والی اردو زبان کو بعد میں ہندی یا ہندوستانی کا نام دیا جائے لیکن یہ وہی زبان ہوگی جو ہمارے گھروں اور محلوں میں بولی جاتی ہے اور جسے ہم اردو کہتے ہیں۔

● اکثریت اردو زبان کو دیوناگری رسم الخط میں لکھے جانے کے خلاف ہے، لیکن ہندی والوں نے دیدہ دلیری کے ساتھ اردو کو دیوناگری کا جامہ پہنانا شروع کر دیا ہے، جسے وہ کہیں گے "یہ تو ہماری ہی ہندی ہے"۔ زبان کے بارے میں یہ نیا رویہ اور رجحان نئی نسل کے نئے مزاج کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ کئی نوجوان بھی انہوں نے اس رجحان کے بارے میں بتایا کہ اردو الفاظ کی آمیزش سے ہماری تحریر میں روانی، خوبصورتی اور قوت پیدا ہوتی ہے اور پڑھنے والوں میں ایسی ہی زبان مقبول ہو رہی ہے اس لئے آج شدھ ہندی کے بجائے اس بات میں مقابلہ ہے کہ اردو الفاظ کا سلیقے سے زیادہ استعمال کون کرتا ہے۔ ● اس نئے رجحان کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس میں سازش اور بدنیتی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ ایک صحت مند اور حقیقت کی طرف چلنے والا رجحان ہے ہم اس میں آڑے نہیں آ سکتے لیکن اسے تقویت دیتے رہنے اور اس کا فائدہ اٹھانے کیلئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ [illegible] نے جس طرح رومن رسم الخط میں اردو لغت تیار کی ہے ویسی ہی لغت دیوناگری میں تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کئی ہندو بھی انہوں نے ایسی لغت کی ضرورت کا شدت سے اظہار کیا۔ ایسی لغت مولانا امام الدین رام نگری کی موجود بھی ہے، انہوں نے دیوناگری رسم الخط کے ذریعہ اردو سیکھنے کا ایک قاعدہ بھی مرتب کیا تھا۔

ڈاکٹر رضی الدین احمد

اردو کا المیہ ہے کہ اردو کے مختلف ادارے بجائے اجتماعی مقابلے کے منفی مقابلے کی خانہ میں مبتلا ہیں۔ فوری ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو کے مختلف اداروں میں ایک اجتماعی ربط پیدا کیا جائے۔ اردو کے لئے ایک اہم مسئلہ اردو والوں کے افتراق کو جامعیت میں بدلنے کا ہے۔

ڈاکٹر محسن مجید

● ابتدائی تعلیم کا اقتصادی میز، معروضاتی تعلیمی علاقوں میں ● تعلیم کا ناقص معیار (ان کیلئے جو اس کے متحمل ہو سکتے ہیں) ● زبان کے طریقہ تعلیم میں اساتذہ کی تربیت لسانی اصولوں پر نصابی کتابوں کی خاکہ بندی، جن کے متن دلچسپ اور پیشکش دلچسپ ہوں — اکادمیوں اور انجمن ترقی اردو کو اردو کی بنیادی تعلیم کی طرف رغبت دلانا: یہ سب کام کرنے کے ہیں۔

ڈاکٹر رضی الدین احمد، تروپتی

• اردو کانگریس میں شرکت سے، اردو کے دانشوروں سے مل کر اسلئے دلی مسرت ہوئی کہ اس طرح کی اجتماع و تفہیم کی یہ مبارک مثال اور کہیں نہیں ملتی، یہ بھی بڑی مسرت اور بڑے اطمینان کی بات ہے کہ ہندوستان میں جامعات کے علاوہ بھی بعض ایسے ادارے ہیں جو تحقیق اصول کے لیے بہت اہم علمی کام انجام دے رہے ہیں۔ ان میں اردو ریسرچ کانگریس نے ایک بہت افزا مثال قائم کی ہے اس وقت اردو کی ترقی اور ترویج کے سلسلے میں، ایک بہت بڑی کمی اردو کے اداروں میں باہمی رابطہ کی کمی ہے۔

• جامعات کے علاوہ اردو اکیڈمیاں، انجمن ترقی اردو، ترقی اردو بورڈ، ادارہ تحقیقات اردو پٹنہ، انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور ابوالکلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد میں کوئی باہمی رابطہ کا موقع نہیں ہے۔

• انجمن اساتذہ اردو، اردو اخبار اور رسائل یہ سب اردو کے بہت اہم نمائندے ہیں لیکن ان میں ابھی تک کوئی ایسا رابطہ یا اشتراک نہیں ہے کہ ایک دوسرے سے تجربے حاصل کرکے باہمی تعاون سے کوئی منصوبہ بنا سکے، کیا آپ کی یہ کانگریس اس طرف کوئی رہنمائی کر سکتی ہے؟

جناب اسلم پرویز، رانچی

۱ــ اردو گھرانے اپنے بچوں اور بچیوں کی اردو تعلیم پر خصوصی توجہ دے۔
۲ــ ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک مختلف مضامین اردو میں پڑھائے جائیں۔
۳ــ اردو کے ساتھ ساتھ دوسری علاقائی زبانوں سے بھی اردو داں طلبا واقفیت حاصل کریں۔
۴ــ کاروباری بہی کھاتہ، پوسٹ کارڈ اور لفافوں پر پتے لکھے جائیں۔
۵ــ اشتہاری بورڈ، اور دفتروں کی نشان دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی لکھی جائیں
۶ــ اردو گھرانے کم از کم ایک اخبار، ایک ادبی رسالہ ضرور خریدے۔
۷ــ اپنے گھریلو بجٹ میں کچھ رقم اردو کتابوں اور اخبارات کی خریداری کے لیے بھی مختص کریں۔
۸ــ اردو میں سائنسی، معاشی، اور سیاسی مضامین کی اشاعت کو فروغ دیا جائے۔
۹ــ اردو میڈیم اسکول کا قیام کیا جائے اور سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم پر زور دیا جائے۔
۱۰ــ اردو زبان کے معاملہ میں کسی طرح کا سمجھوتہ نہ کیا جائے۔
۱۱ــ اردو رسم الخط کو بدلنے کی کوشش نہ کی جائے

سید حامد (دہلی)

• میرا تعلق عوام سے تو اتنا زیادہ رہا ہے کہ شاید ہی اتنا کسی کا ہوگا۔ مدارس کی بات ہوئی تو میرا سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے مدارس کی کفالت کبھی کی یا کوئی قابلِ ذکر اقدام؟ ہم اس پر تنقید تو کرتے ہیں مگر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ الٰہی! یہ چلتے کیسے ہیں؟ مکاتیب و مدارس پر خصوصی توجہ کی بڑی ضرورت ہے، الحمد للہ اردو کے فروغ میں بڑی مدد کی ہے۔ لیکن کیا یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ اگر ہم نے بے فکری سے کام لیا تو یہ سرچشمہ بھی اردو کے فروغ کا سوکھ جائے گا۔ • سلیم صاحب! ہمارا تنفس اتنا کمزور ہے کہ پورے ضلع کے لیے چھ سو روپے ماہانہ کی قلیل رقم بھی فراہم نہیں کر پاتے۔ دینی مدارس کی طرف کم از کم اردو کے لیے ہمیں خصوصی توجہ صرف کرنی ہوگی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اردو کے لیے ہم اپنے گھر سے پہلے سعی کریں جو ہم ابھی تک نہیں کر رہے ہیں۔ • خلیق انجم صاحب نے جو اعلان انجمن ترقی اردو سے متعلق کیا ہے، میں صدر کی حیثیت سے اس کی تصدیق کرتا ہوں یعنی بچوں کے لیے لٹریچر کی اشاعت کے لیے جامع پروگرام کے نفاذ کی منظوری   بچوں کے ادب کے سلسلے میں جہاں جہاں بھی کام ہو رہا ہے ان میں رابطے کی ضرورت ہے۔ ہمارا ایک محاذ دیگر زبانوں کے اہلِ قلم سے رابطے کا ہے۔ جمہوریت میں کوئی فیصلہ کسی اقلیت کے حق میں خواہ مطالبہ سراسر انصاف پر مبنی ہو نہیں ہوتا جب تک یقین نہ ہو جائے کہ اکثریت اس سے ناراض نہ ہوگی، یہ اندیشہ ہے کہ اکثریت کی ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں ہے، وجہ صرف وہ خمار ہے کہ اردو ہندی کی ایک رقیبانہ حیثیت آزادی سے قبل ہو چکی ہے، اس خمار کو اتارنے کا کام اردو والوں کو کرنا ہے اور بتانا ہے کہ ہم آپ کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہیں۔ انجمن کی یہ کوشش ہے کہ اردو اداروں کو ایک جگہ جمع کر جائزہ لیا جائے کہ کہاں تکرار ہے اور کہاں کس چیز کی ضرورت ہے۔ ہندی ادیب جینیندر کمار کے انتقال پر ہماری زبان کے ایک معروف ہندی ادبی نقادوں کی جو بات کہی گئی وہ اس لیے کہ ہم خود کو ان سے علیحدہ نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ اس کا کوئی فائدہ ابھی تک نہیں ہوا لیکن اہتمام محبت کے لیے ایک پوائنٹ تو حاصل ہوا۔ اردو والوں کو بھی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہندی سے رابطے کے نتیجے میں ہمیں تقویت حاصل ہوگی جیسا کہ ہندی والے سمجھنے لگے ہیں۔

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی اردو سے بے نیاز نہیں۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کی تشہیر نہیں ہو پائی، شعبہ حال ہی میں ہندی، اردو، ہندوستانی پر شعبہ بنایا گیا ہے [illegible] اہتمام ابھی جو عالمی سطح پر ہوا۔ • اردو کے اعراب سے بے نیاز ہو کر بڑی غلطی کی ہے، اس میں لکھا جاسکتا ہے [illegible] کو نہ تو [illegible] فرق تو ہوگا دیگر زبانوں کے ملفوظ میں، مگر بڑا کام ہوگا۔

رضی الدین احمد : صرف اردو ایک ایسی زبان ہے جس کی اکادمیاں اتنی بہت ساری ریاستوں میں بنی ہیں۔ یہ فخر کسی زبان کو حاصل نہیں۔

مسعود احمد برکاتی : تحفظ و ترقی اردو کے مسائل اور ان کا حل، آئندہ اس موضوع پر جنوب ایشیائی علاقائی سمینار ہو تو اچھا ہوگا۔ تعلیم میں، عدالت میں، دفاتر میں اردو ؛ کتابت، ٹائپ، طباعت و اشاعت میں دقتیں رموز و اوقاف، اصطلاحات کے مسائل، لغت نویسی کی مشکلات وغیرہ۔

اعجاز صاحب : تعلیم کا رواج کچھ ایسا رہا کہ علمی زبان، عوامی زبان سے کٹ گئی۔

اقبال انصاری صاحب : پاکستان میں بھی، ہمارے یہاں بھی، انگریزی کیوں چھائی ہوئی ہے، اردو کو ہم علمی زبان کیوں نہیں بناتے ؟

قرۃ العین حیدر صاحبہ : اردو کے محاورے جنہیں ہندی میں استعمال کیا جانے لگا ہے، تاناشاہی جیسے ہندی میں نادر شاہی کی جگہ استعمال کیا جانے لگا۔ اب اردو والے بھی استعمال کرنے لگے (مزید مُدّا = مدعا)

نواب شروانی صاحب : قارئین کے گرتے ہوئے معیار کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔

جمال عبدالواجد صاحب : اردو کی زبان کا مسئلہ ہے کہ معیار گر رہا ہے، اردو کا المیہ یہ ہے کہ ہم سرکاری سہاروں پر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔

عبدالسلام خاں صاحب : جب تک حکومت کی زبان نہیں بنے گی اس وقت تک ہندستان میں اردو کا مستقبل روشن نہیں۔ حیدرآباد والی کتابوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اچھی کتابوں کے تراجم اس طرح نہیں ہوا کرتے۔ جامعہ ملیہ میں ترجمہ کے لیے ایک کتاب دی گئی، انہوں نے رامپور کے ایک لڑکے کو دیا، اگر اسی طرح ترجمے ہوتے رہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سید حامد صاحب : دارالترجمہ (حیدرآباد) کی بابت جناب عبدالسلام خاں صاحب نظر ثانی فرمائیں، یہ تراجم چند مستثنیات کو چھوڑ کر بڑی حد تک معیاری تھے، سارے علوم (بشمول سائنس) کی تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو میں ہوتی تھی، جناب سید ہاشم علی صاحب، وائس چانسلر علیگڑھ اور جناب واسودیون وائس چانسلر کلکتیا یونیورسٹی نے ایم۔ایس سی تک سائنس اردو میں پڑھی اور انہیں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ••

پس گفتار

یہ ۱۹۷۰ء کی ایک تحریر کی نقل ہے جو "قیادت کی تلاش" نامی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اردو مسائل میں اور خود اردو والوں میں ابھی تک کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آسکی ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے اس مجموعہ کے 'پس گفتار' کی حیثیت سے شامل کر لیا جائے۔

ـــــــو ع ـــ ر ب

بیٹھے بیٹھے ایک شعر پھر دوسرا پھر تیسرا، پوری غزل سنا دی، پھر ورق الٹ
کے ایک نظم بھی کانوں میں اتار دی، اور اب پوچھنے لگے مطلب۔ میں نے کہا مواخذہ
کا حقدار شاعر ہے میں نہیں؛ دوسرے دن اخبار یا رسالہ ہاتھ میں لیے آئے۔ اور
بآواز بلند پڑھنے لگے "نسخہ قدیم۔ یہ مخطوطہ کے متن و حواشی، ۱۲۸۵ھ کی یکم شوال
نہیں دوم رجب کو لکھے گئے۔ کاتب نقطے چھوڑ گیا ہے۔ یہ دراصل نون نہیں ث
تھا" اور معلوم کیا گیا۔ پھر خاموشی سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں ان کے خاموش تبصرہ
کو خاموشی سے پی گیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے ان سے سخت اختلاف تھا کچھ حقیقت پسند
بھی ہونا چاہیے آدمی کو:

میں نے اس وقت کچھ نہیں کہا تھا، لیکن اب عرض کرتا ہوں کہ جب
صورت حال ایسی ہو، جیسی کہ آج ہے "کہ مت کٹ کٹ جائے" تو پھر کہنے اور کرنے
کے لئے کچھ رہتا نہیں۔ اور ایسے وقت میں، یہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ یا تو لوگ
جدیدیت کے نام پر "شعر برائے خود" کہنے لگے ہیں، یا پھر تحقیق میں لگ جاتے ہیں۔ اور
ایسی بندی کی چندی کر ڈالتے ہیں کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ وہ انہیں لوگوں کے پوترے
تھے جو ایسے حالات میں گھبر کے اطمینان سے بیٹھے پچھلے ۲۷ گھنٹوں سے اس پر
بحث کر رہے تھے کہ ایک سوئی کی نوک پہ کتنے ہزار فرشتے سما سکتے ہیں اور جنہیں پہ وہ
گر سکے اٹھا تو وہ یہ بحث کر رہے تھے کہ کنوئیں میں چوہا گر جائے تو ساٹھ ڈول نکالے

جاتیں یا ایک سوسائٹی۔ اور اب کی پردہ گرا تو کوئی امریکہ کے خول میں سمٹا ہوا تھا، کوئی غالب کے خول میں اور کوئی تنہائی کے خول میں۔ اور تینوں گروہ کبھی کبھی سر نکال کے باہر دیکھ لیتے تھے اور شکر بجا لاتے تھے کہ ربِ کریم تو بڑا پرورش کرنے والا نکتہ نواز ہے، ہم بھی تیری روش پر چل کے نکتوں کو نواز رہے ہیں، مبادا یہ حرف نہ بن جائیں، حرف لفظ نہ بن جائیں، اور لفظ معنویت کے ساتھ سازش کر کے ہمارے دامن گیر نہ ہو جائیں!

۲

غالب صدی پر فراق نے جو غزل پڑھی اس میں ایک شعر میں اس نے یہ شکایت بھی کی:

پوچھو جو ہمیں مٹاؤ ہماری زبان کو — اردو سے دشمنی ہے کہ [illegible]

اسی طرح ساحر لدھیانوی نے احتجاج کیا:

اردو کے تعلق سے یہ بھید نہیں کھلتا — یہ جشن یہ ہنگامہ خدمت ہے کہ سازش ہے؟

غالب جسے کہتے ہیں اردو ہی کا شاعر تھا — اردو پہ ستم ڈھا کر غالب پہ کرم کیوں ہے؟

سرور صاحب نے سارے اردو والوں کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا:

The denial of facilities provided by the Constitution, the chief ministers' conference of 1961, the Linguistic Commission's Report adopted by Parliament, and the various policy statements made by the Centre and the States results in frustration.

ربع صدی گزرنے کو آئی اور اردو کا مسئلہ جہاں کا تہاں ہے۔ کیوں؟

خان عبدالغفار خاں خدائی خدمتگار کا جو شوشہ چھوڑ گئے تھے ہندستان کے انسان دوستوں نے اسے ایک تحریک بنا ڈالنے کیا۔ اور اگست ۷۰ء میں ایک تنظیم بنا کے باقاعدہ کام کرنا بھی طے پا گیا۔ لیکن آپ کو تعجب ہوگا کہ بادشاہ خاں کے سامنے بھی اور اب اگست کنونشن میں بھی کل وقت کا ساٹھ فی صدی حصہ اس نکتہ کو حل کرنے میں صرف کیا گیا اور اسی پر بیشتر تقاریر بھی ہوتی رہیں کہ اس کا نام خدائی خدمتگار کے بجائے کچھ اور کیوں نہ رکھا جائے۔ وجہ صاف صاف بتانے کی کسی نے ہمت نہیں کی، اور جو وجوہ بتائی گئیں وہ مضحکہ خیز زیادہ تھیں واقعی کم۔ واقعہ یہ ہے کہ وجہ صرف یہ تھی کہ یہ خالص اردو بلکہ اچھے خاصے مسلمان الفاظ تھے اور تصور یہی پیدا ہوتا تھا کہ السلام علیکم اور نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کی آوازیں آرہی ہیں۔ تقسیم کا زخمی دل ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا ہے۔ Human Situation کا ہمدردی سے مطالعہ کرنے والوں کو اس پر حیرت بھی نہیں ہوتی۔ آزادی تقسیم ہو کے ملی ہے اور طیب جی کے قول اردو دشمنی ہمیں آپ کو جا ہے کتنی ہی عجیب کیوں نہ لگے لیکن عظیم تقسیم ہی کے سلسلہ کی یہ ہولناک منطق ہے کہ ہر شے تقسیم ہو، زبان بھی!

تقسیم کے لئے آپ قطعاً ذمہ دار نہیں ہیں، مگر آپ بجا طور پر فخر نہیں کر سکتے ہیں لیکن آپ نے اب تک اس کا عملی ثبوت نہیں دیا ہے کہ آپ تقسیم کے حق میں نہیں تھے۔ مسئلہ زبان کا ہے ہی نہیں، مسئلہ تو اصلاً نہ آئیڈیا ہے اور یہ رویہ آپ اپنے عملی ثبوت ہی سے بدل سکتے ہیں۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ اردو والے جب تک اپنے کو ہندستان کی تقدیر اور تاریخ بنانے والا نہیں بتائیں گے اردو کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ ان کا مقصد اس سے دو وشا کا دباؤ تھا۔ میں اسی بات کو اس طرح کہتا ہوں کہ جب تک ہندستان اردو والوں کو واقعی اپنا تقدیر ساز نہ سمجھنے لگ جائے اپنی اچھائی اور برائی کو

اُن سے وابستہ نہ سمجھنے لگے، اس وقت تک اردو کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ اور اس کے لیے پھر عرض کردوں کہ عملی ثبوت درکار ہے۔

جب پرتاپ کا نمر بیندر یہ لکھتا ہے کہ "ایک ، آنند نرائن ملّا کی اس سے وابستگی اس کا حقیقی روپ نہیں بدل سکتی۔ اور جب آپ اردو کے سرغنوں کا روپ دیکھتے ہیں تو ہر ایک کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ان لوگوں کی زبان ہے جو دیش کی دھارا سے الگ رہنا چاہتے ہیں" تو ان مختصر الفاظ میں وہ پچھلے ۲۴ برس میں اردو کے خلاف کی جانے والی ساری سازشوں کو تہ بہ تہ کھول کے رکھ دیتا ہے: مخالفت اور عناد کی جڑ کہاں ہے!

۴

ذرا آہستہ لے چل کاروانِ کیف و مستی کو
کہ سطحِ ذہنِ انساں سخت ناہموار ہے ساقی

اسباب جو کچھ بھی ہو ——— اور کیا وہ صریح نہیں ہیں ——— واقعہ یہ ہے کہ برادرانِ وطن نے ہندو کوڈ بل میں، اس سے پہلے برہمو سماج کی تشکیل میں، اور اس سے بھی پہلے سکھ پنتھ اور بھگتی کے ذریعہ اسلام کے بنیادی اصولوں، توحید، مساوات اور عدل کو اپنانے کے بعد بھی اُسے اسلام نہیں کہا۔ بلکہ آزادی کے بعد اسلام کے لیے ہندو مذہب کے مقابلہ میں پسماندہ کا لفظ اتنی بار دوہرایا گیا کہ اب یہ لفظ اس مذہب کے نام کا جزو سا معلوم ہونے لگا ہے۔

اردو شاعری کی تعریفیں کرتے بھائی لوگوں کے گلے خشک ہونے لگتے ہیں۔ غالب کو جھوم جھوم کے پڑھتے ہیں۔ پارلیمنٹ تک میں اردو غزل کے شعر دلیل کے طور سے پڑھنے سے نہیں چوکتے۔ پرتاپ اور ملاپ اردو میں نکالتے ہیں، فلموں میں اردو سنتے ہیں (اگرچہ ہندی کے نام سے) باتیں اردو میں کرتے ہیں۔ بیٹھیے اور پدھاریے کی جگہ تشریف

رکھیئے کہہ کر اپنے اوپر فخر سا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ـــــ اردو سماج اردو کے لیے اس کا اصولی حق مانگتا ہے تو راتجی کو قتل عام ہو جاتا ہے گیا کی اردو لائبریری راکھ کا ڈھیر بنادی جاتی ہے۔ اور' ہماری سمجھ میں' نہیں آیا کہ یہ سب کیوں ہے اور یہ سب کیا ہے کہ بقول آل احمد سرور' حکومت کی طرف سے سرکلر پہ سرکلر جاری ہوں لیکن عمل صفر کا صفر رہے!

بات اکثر مسئلوں کی طرح وہیں جاکے رو کے گی کہ ہم ابھی تک ڈیماکریٹک سیکولرزم (Democratic Secularism) کو سیکولر ڈیماکریسی میں بدلنے کرنے کا عزم لے کر شعوری طور سے اور اجتماعی طور سے کمربستہ ہونے کی ہمت پیدا نہیں کر پائے ہیں جس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم واضح طور پر اسے سمجھ لیں کہ ڈیماکریٹک سیکولرزم کیا چیز ہوتی ہے؟ اور کیوں ہوتی ہے؟ اور یہ کہ سیکولر ڈیماکریسی کیا ہوتی ہے ـــــ اور کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟

۵

اردو اس ملک کی سرکاری زبان ہے جس سے ایک بار مجمل اور ایک بار مفصل جنگ ہو چکی ہے' اور' جس سے بالآخر' ایک آخری معرکہ ہونا باقی ہے۔

اردو ایک ایسے رسم الخط میں لکھی جاتی ہے جس میں اُس مذہب کی مقدس کتاب لکھی پڑھی اور چھاپی جاتی ہے جس کے نام پر برصغیر کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے' ہمیشہ کے لئے!

ـ اردو اس کمیونٹی سے غالباً ۹۰ فی صدی وابستہ ہے جو رہتی ہندستان میں ہے' عاشقی پاکستان سے کرتی ہے' سجدے سعودی عرب کی سمت کرتی ہے' جان دینے کے لئے نماز فلسطین کو چنتی ہے' اور چار چار بیویاں کرکے اور منصوبہ بندی کو رد کرکے اپنی آبادی میں افزونی کئے جاتی ہے تاکہ ایک بار

پھر اس ملک کو بانٹے !!!

(یہ سب باتیں اپنی جگہ پر کہ اسی زبان میں گیتا کے ۴۲ ایڈیشن موجود ہیں، کہ اردو ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ہے، کہ اس میں اب بھی سیکڑوں ہندو لکھتے ہیں، ہزاروں پڑھتے بھی ہیں، کہ پرتاپ ملاپ جیسے کثیرالاشاعت اخبار اور شمع و بیسویں صدی جیسے عامی دعوامی پرچے اسی زبان میں چھپتے ہیں لیکن !!!)

واقعہ تو یوں ہی ہے کہ، یہاں فراق، بیدی، کرشن، جگن ناتھ، جالمکنڈ لبھورام، بشیشور پرشاد، گوپی چند، نریندر، رام لعل، رنبیر، یا مزید دس بیس ناموں کا اضافہ کرکے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

فرق اس سے پڑتا ہے کہ رنبیر یا نارنگ کا بچہ اردو نہیں پڑھتا، لیوں علی اشرف کے بچے بھی اردو نہیں جانتے، لیکن، کہنا یہ ہے کہ ایسے ہندو اردو دوست پچھلی نسل سے یا پچھلی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اب آگے یہ نمونے پیدا ہونے بند ہو چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو سے جذباتی وابستگی صرف مسلمانوں کی ہے یا پھر پچھلی نسل کے چند سرپھرے ہندوؤں کی نہیں، با آسانی آنریری مسلمان کی مد میں گنا جا سکتا ہے۔ بسوم آنند کے بقول یہ بوڑھوں یا ادھیڑ عمر والوں تک محدود زبان ہو کے رہ گئی ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ نام کے طور سے اردو ہندوستان کی تقریباً ایک تہائی یونیورسٹیوں میں موجود ہے لیکن وہاں وہ جس طرح چل رہی ہے یا چلائی جا رہی ہے جس جس طرح اس میں داخلے کے بہلاوے پھسلاوے رکھے جاتے ہیں وہ سب پہ عیاں ہے۔ اس کے باوجود طلبا میں اکا دکا بھلے ہی کوئی قسمت کا مارا

آنریری سلام پیش جائے ورنہ نئی نسل میں یہاں داخلہ لینے والے صرف مسلمان ہی ہوتے ہیں، اور یہ بھی بالعموم وہ جنہیں کسی دوسرے مضمون نے درخور اعتنا نہیں جانا امتحان پاس کرکے جب یہ درسگاہوں سے نکلتے ہیں تو یا تو پاکستان کا رخ کرتے ہیں۔ یا جانے کی پلاننگ کرتے رہتے ہیں، یا پھر کمیونسٹ، مجلسی، جماعتی یا تبلیغی بن جاتے ہیں۔ دس پانچ فیصدی ایسے ہوتے ہیں جو جامعہ، علی گڑھ، سوویت سفارت خانہ اور آل انڈیا ریڈیو میں کھپ جاتے ہیں، اور لگتا ہے سب کا مسئلہ حل ہوگیا۔

صورت حال یہ ہے کہ مسلمان اردو اخبار و رسائل (جماعتی اخبار و دینی رسالوں کو چھوڑ کے) وہ لوگ اس گر کو جانتے ہیں کہ ع یا توانی باجماعت یا رباش، محدود گرتی پڑتی اشاعت سے آگے نہیں بڑھتے، اکثر نکل کے بند ہو جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑا رسالہ (جماعتی رسالوں کو چھوڑ کے) ہزار آٹھ سو سے آگے نہیں بڑھتا۔ بڑے سے بڑا اخبار ڈھائی تین ہزار کو اپنی معراج سمجھتا ہے۔ کوئی کتاب (جب تک کہ وہ ناول یا تبلیغ نہ ہو) سال بھر میں ڈیڑھ دو سو سے زیادہ نہیں نکلتی۔ ہزار کا ایڈیشن چھاپنا علمی کتابوں کے لیے بالعموم سادہ لوحی خیال کیا جاتا ہے۔ اردو کے ایک زمانہ میں مشہور پبلشر ایک ایک کرکے دم توڑ چکے ہیں اور جو قائم ہیں وہ کھوکھلے ہو چکے ہیں، آج کسی اچھی کتاب کو کوئی پبلشر محض اچھی کتاب ہونے کے ناتے قبول نہیں کرتا جب تک اس پر کوئی دباؤ نہ پڑے یا [illegible] نہ دی جائے۔

ترقی پسندوں کا بڑا حلقہ اردو کو تحریک کی حیثیت سے چلانے میں شامل نہیں ہے، بلکہ نہ چلائے جانے والوں کے ساتھ ہے۔ ایک حلقہ ہندی رسم الخط کا قائل ہو چکا ہے، اور بقیہ الیکشن اور ووٹ کے چکر میں پارٹی مینی فیسٹو کے طور سے خواہی نخواہی اس کو لگائے رکھے رہا ہے، اور بس۔

ہندستان میں ایک ریاست ہے جہاں کے باشندوں کی بولی کچھ اور ہے لیکن جہاں سرکاری زبان اسے مان لیا گیا ہے، اس وجہ سے اردو کو وہاں کشمیر میں کچھ نہ کچھ بڑھاوا ملتا رہتا ہے لیکن وہ ریاست جس حیثیت اور نوعیت کے ساتھ چل رہی ہے اس میں اردو مسئلہ بھی کچھ زیادہ متعین اور واضح نہیں ہے۔ پھر کشمیر میں اردو کی عوامی بنیادیں تو بہرحال ہوا ہی میں ہیں۔

ایک سلسلہ اور ہے جہاں کشمیر کے اسکولوں کی مانند اردو قائم بھی ہے پھیل بھی رہی ہے اور اس کی عوامی بنیادیں بھی ہیں۔ یہ قدیم دینی مدارس کا سلسلہ ہے جو یوں تو پورے ہندستان میں پھیلا ہوا ہے لیکن یوپی کے مشرقی اضلاع میں حال ہی میں مزید پھیلنا شروع ہوا ہے جہاں دینی تعلیمی کونسل نے دینی مدارس کا ایک جال بچھا دیا ہے۔ لیکن یہ سلسلہ تعلیم ایک خاص طبقہ کے لیے ہوتا ہے، عامل ذرائع اور ملک و قوم کا قابل لحاظ حصہ اس میں شامل نہیں ہوا کرتا، یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے۔

دوسری طرف جامعہ اردو کے امتحانات کے ذریعہ کچھ نہ کچھ لوگ اردو زبان و ادب سے وابستہ ہوتے رہتے ہیں لیکن ایک تو ظہیر الدین علوی مرحوم کے بعد سے اسکے منتظمین میں وہ مشن کا جوش و خروش نہیں رہا، دوسرے ان امتحانات کے ذریعہ محض یک رُخا اور محدود فائدہ ہونے کے سبب لوگوں کی توجہ ادھر سے کم ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے یہ منبع بھی بہت دور تک یا بہت دیر تک اردو کے لیے سرچشمہ حیات نہ بن سکے گا۔

۶

مسئلہ یہ ہے کہ ہم صورت حال جیسی کہ وہ ہے اُسے قبول کر کے آگے بڑھیں، یا ہوا میں رہ کے بات کریں ہوا میں بات کرنے کا ایک انداز وہ ہے جو مسلم مجلس جیسی

جماعتوں نے اپنایا ہے کہ الیکشن اور ووٹ۔

دوسرا انداز اردو کے پیشہ ور ادیبوں کا ہے کہ اردو کا سوال سیکولرزم کو بچانے کا سوال ہے۔ نعرہ اچھا ہے خوب صورت ہے، اپیل بھی ہے لیکن کوئی پوچھ سکتا ہے کہ میرے بھائی سیکولرزم جمہوریت میں شعبۂ اردو برانڈ چلے گا یا جمہوریت برانڈ؟ اور جمہوریت میں جمہور جو چاہیں گے وہ ہوگا یا جو اردو والے چاہیں گے وہ!

میری بات سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ ہر ایسی بات کو شکست خوردہ ذہنیت کہہ دینا آسان ہے، اس سے آدمی سوچنے سمجھنے کی ذمہ داریوں سے بچ نکل بھاگتا ہے لیکن جس کے لیے:

موت بھی ماندگی کا وقفہ ہو۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر۔ وہ زندگی کی عارضی situation سے شکست کیا کھائے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ماندگی، وقفہ اور دم لینے کی اہمیت کو پاتا ہوں اور یہ بھی کہ زقند بھرنے اور پھر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے کہ مرحلہ وار چلتے چلا جائے اور کبھی کبھی اتنا کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے؛ ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی!

٥ سرکاری زبان یا علاقائی زبان بنانے کے لیے کوئی بھی تحریک دس سال تک نہ چلائی جائے۔

٥٥ جہاں جہاں جو مراعات مل رہی ہیں انھیں Consolidate کیا جائے۔

٥٥٥ کسی مرکزی جگہ: مثلاً دہلی ہی میں، کوئی ایک ادبی تنظیم ریڈیو گورنمنٹ پبلسٹی، تعلیمی اداروں کی سہولتیں، یونی ورسٹیوں کی گرانٹ، اردو ترجمے کی گرانٹ، غالب گرانٹ اور یوپی اردو گرانٹ وغیرہ کے سلسلہ میں ایک مرکزی انفارمیشن سینٹر کی صورت اختیار کرلے۔

۰۰۰۰ ایک علمی منصوبہ بنایا جائے تاکہ اردو اور جہالت ہم معنی ہونے سے بچ جائیں

۰۰۰۰۰ اپنے طور سے اردو تعلیم کے لیے، بغیر حکومت یا برادران وطن کو اپیل کیے ہوئے، نجی سطح پر جو کچھ بھی کر سکتے ہوں کریں۔ کچھ نہیں تو کم سے کم اپنے بچوں کو ہی سکھانے کے لیے وقت نکالیں۔

آخری بات اور:

تہذیبوں پر جب پیغمبری وقت پڑے تو میرے نزدیک نقطہائے نظر کے اختلاف کو اور وسیع تر کرنے کے بجائے ان میں تال میل لانا زیادہ ضروری ہوتا ہے جو چراغ یونہی آندھیوں کی زد میں ہو اُسے آپس میں کھٹ ور ذہن انداز گفتار اختیار کر کے ایک دوسرے کی پھونکوں سے اور جلدی بجھانے کی کوشش کر کے قاتلوں میں کیوں نام لکھواتے ہو دوستو!

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اردو کے لیے ہندی رسم الخط کے حامی، رومن رسم الخط کے حامی اور فارسی رسم الخط کے حامی کچھ نہ کچھ مشترک باتوں پر اتفاق کر کے اپنے اپنے انداز فکر کے مطابق پلاننگ کے ساتھ اردو کے مستقبل کو سنوارنے میں لگ جائیں!

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے اختیار کردہ طریق کار اور اس کے مخلص نکتہ چینوں کے مجوزہ طریق کار میں تال میل ہو سکے۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اونچی سطح پر حکومت کی سرپرستی سے تراجم کا جو سلسلہ چل رہا ہے وہ بھی چلتا ہے۔ لیکن اس کو محض بے بنیاد اسکیم بننے سے بچانے کے لیے کسی ادارہ، مثلاً جامعہ ملیہ، کی نگرانی میں بچوں کے لیے نئے انداز کے لٹریچر کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے اور اس پر ایک معقول رقم صرف کی جائے؛ اسکیم سازوں سے یہ بھی کہا جائے کہ یہ دریا دلی کتابیں لکھوا سکتی ہے لیکن ان کتابوں کو پڑھنے والے تو

نہ پیدا کر سکی یہ اردو بچاؤ اسکیم یا کروڑی مل ترجمہ اسکیم اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک پیڑ
جس کی جڑ کو آپ اندر سے کھوکھلا کر چکے ہیں اس کی ٹہنیوں کو پانی دینے کے لیے آپ نے
دو چپڑاسی مقرر کر دیئے ہیں۔ یا جیسے پھانسی کی سزا تو مجرم کو سنا ہی دی ہے اب
آخری لمحے دل تو خوش کر ہی دیا جائے۔ بکری یا مرغی کو بھی حلال کرنے سے پہلے
خوب کھلا پلا دیتے ہیں۔ یہ کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے

ٹھہر ٹھہر کہ بہت دلکشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تابناکیٔ شمشیر

اور، بالآخر، مختصراً، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اردو اور ہندی رسم الخط
کے حامی ترکوں کے انداز پر اردو کا بہترین حصہ ان خطوں میں منتقل کرنے پر
لگ جائیں۔ اور باقی لوگ جو موجودہ رسم الخط کو اس کی زیست کا ضامن سمجھتے
ہیں۔ اردو زبان میں کچھ افکار و خیالات لانے کی کوشش کریں تاکہ ذہنوں میں کچھ
ہلچل تو ہو، بات محض شعر و سخن فلسفے سے کچھ آگے تو بڑھے جس سے اردو کا قد
اتنا بلند ہو جائے کہ غالب اور اقبال، فیض اور فراق کی طرح لوگ نئی اردو نثر کو بھی
اس بے تابی سے پڑھنے کے لیے بے چین ہوں۔ آزادی کے بعد اردو میں دانشوری
کی روایت سر جھاڑ منہ پہاڑ کھڑی منتظر ہے کہ اس کی تزئین و آرائش کے لیے کہیں سے
تو کوئی پیش قدمی ہو۔ اور یہاں تو ایک ہُو کا عالم ہے: اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی!

آخر مجھے اردو پر اصرار کیوں ہے کیا محض اس لیے کہ ہندی کی ضد منظور ہے؟
یا اس میں کچھ اسلام زندہ باد ہوتا ہے؟ یا علاحدگی پسندی کو مدد ملتی ہے؟ مجھے اصرار
اس لیے ہے کہ مجھے اس پورے ورثہ پہ ناز ہے جو ہند اسلامی تہذیب کہلاتا ہے جس
میں تاج محل بھی ہے۔ خیال بھی، کبیر اور نانک بھی، اردو اور علی گڑھ بھی۔ اردو

اسی ہند اسلامی تہذیب کا ایک رُخ ہے جس کی صورت میں آنے والوں نے اپنے نئے وطن کے اسّی فی صدی الفاظ لے لیے اور یہاں کے ساتھ مغربی ایشیا کی آوازوں کے اظہار کے لیے ان کا رسم الخط لے لیا اور اس طرح ایک نئی زبان بنالی ۔

یہ ہندی اسلامی کلچر بنیادی طور سے شہری کلچر تھا اس لیے اس زبان میں پوری شہریت در آئی اور ہوتے ہوتے یہ بقول فراق ماڈرن انڈیا یا نئے ہندستان کی زبان بن گئی ۔ اسی لیے اس زبان کے تحفظ پر اصرار کا مطلب ہے قدیم کے مقابلہ پر جدید کو ترجیح، اور جدید ہندستان کے لیے غیر مشروط وفاداری ۔

یہ صحیح ہے کہ میں اس کے لیے سینہ سپر اس لیے بھی ہوں کہ یہ میری جینیس کے اظہار کا وسیلہ بنی ہے ، بہتوں کے اظہار کا تنہا وسیلہ ہے ، اور اس لیے بھی جمہوریت میں اس کی بقا اس لیے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکے ، اپنے ذہنی قد کو پا سکے اور قومی تعمیر کے کاموں میں دل لگا کے شریک ہو سکے ۔

اور پھر میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں کہ یہ کشمیری پنڈتوں، کایستھوں اور مغل بلیٹ کے عیسائیوں، کی زبان رہی ہے اور غیر منقسم پنجاب کی بھی ۔ اس کی آبیاری میں پریم چند رتن ناتھ سرشار، پنڈت دیا شنکر نسیم، اور آنند رام مخلص کی چار نسلیں ابھی پچھلی ڈھائی صدیوں کے اندر گزری ہیں اور ایک نسل کرشن اور بیدی کی نسل ہمارے سامنے گزر رہی ہے ۔ ایک عظیم تہذیبی ورثہ کو، ادب کے ایک پورے ذخیرے کو، ہم گنگا کی لہروں کی نذر کیسے کر دیں جبکہ یہ ملک و قوم سے بھی غداری ہوگی ۔

تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اردو دن بدن مسلمانوں سے وابستہ ہوتی جا رہی ہے کہ کچھ دن میں سچ مچ مسلمانوں ہی کی زبان ہو کے رہ جائے گی ۔ ابھی یہ پورے ہندستان کے مسلمانوں کی تقریباً ½ تعداد کی بولی جانے والی زبان ہے لیکن بقیہ بھی جو اسے پوری طرح سمجھتے بھی نہیں بڑی تعداد میں اس زبان میں

— کسی نہ کسی درجہ میں جذباتی وابستگی محسوس کرنے لگے ہیں اور اس مفہوم میں یہ —
مسلمانوں کی آل انڈیا زبان بھی ہے۔

لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ مغل بیلٹ کے ہندو مسلمانوں کی زبان ہے جہاں آزادی کے بعد ہندوؤں نے اسے نئے رسم الخط کے ساتھ تو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے لیکن پرانے رسم الخط کے لیے ان کے دلوں میں جگہ نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اس حصۂ ملک کے مسلمانوں کے لیے وہ زبان زندہ ہی اپنے رسم الخط سے ہے۔

آزادی کے بعد اردو، اسلام اور ہند اسلامی (انڈو مسلم) کلچر تینوں ایک تقدیر میں بندھ چکے ہیں! اور تینوں Survival چاہتے ہیں۔ ہندو مسلم فسادات کا مسئلہ، علی گڑھ کا مسئلہ، اردو کا مسئلہ میرے نزدیک سب ایک ہی مسئلہ کے مختلف نام ہیں اور ایک ہی حل کے طلبگار ہیں۔ وہ حل جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا مرحلہ وار ہی ہو سکتا ہے پہلا مرحلہ یہ کہ مشکوک برادران وطن کے دلوں کو جیتا جائے اور اس طرح جمہوری سیکولرزم کو سیکولر جمہوریت میں ڈھالا جائے؛ دوسرے مرحلہ میں اس زبان کی اہمیت اور ضرورت کا احساس پیدا کیا جا سکتا ہے اور بات وہیں سے شروع کی جا سکتی ہے کہ: مشترک Edifice کی بات کرتے ہو اور اسی کو دفن کرتے جاتے ہو۔ ہم نے اردو ایسا ہی ایک Edifice بنایا تھا اسے اپنے ہاتھوں سے خود گراتے تمھیں شرم نہیں آتی۔ اردو کو مسلمانوں کی زبان نہیں کہنا چاہیئے زیادہ صحیح یہ ہے کہ مسلمان اسے ہندستان کو اپنی ایک قیمتی دین خیال کرتے ہیں جس میں وہ بھی ہیں ہندستانیت بھی اور اسی لیے وہ اس کی بقا پر اصرار کرتے ہیں۔ انہوں نے زمین پر سے اٹھا کے چارپائی پر سونا سکھایا، پتوں سے اٹھا کے قابوں میں کھلانا بتایا، گاؤں کے ساتھ ساتھ شہروں میں رہنا سکھایا اور دیہاتی بولی کو شہری شائستگی سکھائی۔ اس سارے ہند مسلم کلچر کو وہ بیک جنبش لب کالعدم کیسے قرار دے سکتے ہیں۔

●●

پس گفتار-۲

اردو مسئلہ ہندوستان کے آزاد شہری کی حیثیت سے آزادی کی ایک دین کے طور سے ہمارے ساتھ ساتھ پیدا ہوا ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ پہلے پہل تو مسئلہ چھیڑتے ہوئے سہم جاتے تھے ہم لوگ۔ فتح باالآخر جمہوریت کی ہوتی ہے، سو ہوئی۔ اور اس پہ باتیں ہونے لگیں، خوب کھل کے۔ کچھ راستے بھی کھلے، مگر نصف صدی ہونے کو آئی اور خود اپنے در دل پہ ہم نے کبھی کوئی دستک نہ دی۔ سوچا ایک بار ادھر بھی کھٹکھٹا کے دیکھیں، مل کے بیٹھیں، سر جوڑ کے کچھ سوچیں!

ایک طویل خط لکھا اردو دوستوں کو۔ آواز پر آواز دینے والوں کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ اچھی باتیں ہوئیں، سبھی طرح کی۔ کچھ نتیجہ خیز، کچھ محض جذباتی۔ یہ سب کچھ پچھلے صفحات میں آچکا۔ خدابخش اردو مسئلہ سمینار کے بعد کچھ اور تحریریں، جن میں کام کی باتیں تھیں، مثبت باتیں، جنھیں لکھنے والوں نے دل جلا کے لکھا تھا، جمنا داس، شمس کنول، ظفر ہاشمی کی تحریریں؛ ہم نے ضروری سمجھا کہ انھیں بھی اس مجموعہ میں شامل کرلیں، ان کے اور کتاب نما کے شکریہ کے ساتھ۔ تو مسئلہ آپ کے سامنے ہے اور حل بھی آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

اچھا تو اب وہ خط ملاحظہ کرلیں جو یہ سمینار برپا کرنے کے لئے اردو دوستوں کی خدمت میں لکھا گیا تھا:۔

اب تک ہم یہ رونا روتے آئے ہیں کہ حکومت کچھ نہیں کر رہی ہے۔ یہ اب تک نہیں ہوا کہ ہم سب کیجا کر پائے یا کم سے کم یہ کہ اردو والے اپنی ذمہ داریوں سے کتنا عہدہ برآ ہو سکے ہیں۔ فی الحال اپنی ذمہ داریوں میں ہم اس رخ کو لیتے ہیں جس میں سرکاری و نیم سرکاری اردو ادارے آتے ہیں یعنی حکومت سے تھوڑی یا بہت امداد پانے والے وہ سارے ادارے جن سے اردو کی ترقی کی توقع کی جاتی ہے (اردو اکادمیاں، ترقی اردو بورڈ، نیشنل بک ٹرسٹ، انجمن ترقی اردو، پبلیکیشن ڈویژن، آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن کے اردو سیکشن، لکھنؤ، پٹیالہ اور میسور کے اردو ریسرچ اینڈ

ٹریننگ سنٹر، ٹیکسٹ بک کارپوریشن، ایس سی ای آر ٹی، این سی ای آر ٹی، علیگڑھ، جامعہ اور کشمیر کی یونیورسٹیاں اور دوسرے ایسے ادارے جو اردو سے خصوصی طور سے متعلق ہیں)۔

ہر سال سرکار اردو پر مجموعی طور سے تیس کروڑ کی رقم صرف کرتی ہے تو اس سے اردو کا بنیادی کام کس حد تک ہو پاتا ہے، کس حد تک نہیں ہو پاتا؟ اردو ریسرچ کانگریس نے اردو کے مختلف دانشوروں کے واسطے محض ایک پلیٹ فارم مہیا کیا ہے تاکہ مخلص لوگ سر جوڑ کر بیٹھ سکیں اور بنیادی مسائل پر سنجیدگی سے کچھ دیر بات کر سکیں، تاکہ آنے والی نسلیں ہمیں کسی جگہ تو بخش سکیں۔ اس پر گفتگو ہوگی کہ اگر اردو کا بنیادی کام نہیں ہو پاتا ہے تو اس میں سرکار کی بدنیتی ہے؟ یا خود ہم اردو والوں کو سانس لیکر، ٹھہر کر، یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے کہ ہماری ترجیحات کیا ہیں؟ اس پر گفتگو ہوگی کہ بیتیوں پر پتھر کا ڈ کب تک؟ بوڑھیں کب تک سوکھتی رہیں گی؟ اس پر گفتگو ہوگی کہ اردو کی موجودہ تحریک اور ادب کے سربراہ، موجودہ ادارے، اداروں کے نگہبان اور موجودہ تنظیموں کے ذمہ داران ——— اور سرکار کی تیس کروڑ کی رقم (اردو کے لیے امداد) کے مستفیضان، زیادہ سے زیادہ اگلے چالیس سال اور زندہ رہیں گے، لیکن اس کے بعد!! نئی نسلوں کا ایک قافلہ بھی آئے گا! اور اس کے بعد، اردو تہذیب اور اردو زبان، اچھی اور بری جس شکل میں رہی، اس کا نام تو تاریخ کا حصّہ بنا ہی رہے گا!! لیکن کیا صرف نام؟ اور اس کے پڑھنے والے!!! اب انھیں ڈھونڈ کے چراغِ رخِ زیبا لیکر!

آنے والی تاریخ میں ہم سب، اپنے لیے انفرادی فائدہ اٹھانے کے بجائے اس مشن کو تقویت دینے کے لیے کیا کر پا رہے ہیں، جس اہم مشن کی کامیابی اور ناکامی پر ہماری زندگیوں کے بعد اردو کی تقدیر کا انحصار ہے؟ اس سے پہلے کہ ہم اس دنیا سے رخصت ہوں اور آنے والوں کے سوالوں کے جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہ رہیں، کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آج، اس وقت، آپ اور ہم اپنے سے سوال کر لیں اور آپ اپنی سکت بھر کچھ جواب تلاش کر لیں، ایسے جواب جن میں سود و زیاں کے کاروبار سے بے نیاز ہو کر اپنی تہذیب کو بچانے کا کچھ سامان کر لیا جائے وہ تہذیب جو اس ملک کا قابلِ فخر ورثہ ہے۔

یہ قومی ورثہ کیسے بچایا جائے۔ ایک وسیلہ تو یہی ادارے ہیں جن کا نام لیا گیا۔ یہ سارے ادارے اور ان میں کام کرنے والے کارکن سب کے سب غیر مخلص، بے ایمان، خود غرض اور مفاد پرست ہوں، ایسا ہرگز نہیں، اگرچہ ہمارے اردو سماج میں آئے دن نیتوں پر حملہ کر کے تقریباً ہر اردو ادارے پر روز کیچڑ اچھالی جاتی رہتی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ اردو صفوں میں یونہی کیا کم افتراق و انتشار ہے کہ اور یہ روز کا سبّ و شتم جو رہی سہی کسر ہے وہ بھی پوری کر دیتا ہے۔ وقت گالی دینے، کیچڑ اچھالنے کا نہیں، سب کو ساتھ لیکر چلنے کا ہے۔ اور یہ تو سمجھ ہی لینا چاہیے کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنی ماں کی زبان کو اپنے

سے بڑے مفاد کی خاطر تک قربان نہیں کرے گا! بات صرف اتنی ہے کہ جس تہذیبی مسئلے سے ہم دوچار ہیں اس سے نبٹنے کے لیے اطمینان سے سوچنے کا موقع ہی نہیں مل پا رہا ہے کہ یکسوئی سے صرف اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے دس آدمی بھی پوری تندہی سے لگ جائیں، ایسا نہ پچھلے چالیس سال میں ہوا، نہ مستقبل قریب میں اس کی امید ہے۔ ان گنت دوسرے مسئلے ہیں جو آپ کو، سب کو گھیرے رہتے ہیں اور اس تہذیبی مسئلے کے لیے وقت بچ ہی نہیں پاتا، پھر حل نکلے تو کس طرح! تو، بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ کوئی آدمی یا کوئی تنظیم یا کوئی ادارہ بدنیت نہیں ہے ——— صرف صحیح راستہ اور صحیح طریقِ کار کی کھوج کرنی ہے، اور مل جل کے کرنی ہے، اور بغیر الزام تراشیوں کے کرنی ہے۔ الزام تراشیاں تو بہت ہو چکیں اب کچھ دیر ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور دلسوزی سے بات کر کے بھی دیکھا جائے، شاید غلط فہمیاں ہی ہوں جو اس طرح رفع ہو جائیں۔

ساتھ بیٹھیں تو کچھ ایسی باتیں بھی ہوں کہ:

کیا ہم بچوں کو اردو سے آشنا کرا رہے ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیا اس صدی کے باقی ماندہ ۱۲ سال گزرنے کے بعد اس خوبصورت زبان کے بچنے کی کوئی امید کی جا سکتی ہے؟ اور دوسرا مسئلہ یہ کہ حکومت جو کچھ ہمیں اردو کے لیے دے رہی ہے اس سے کس حد تک ہم یہ بنیادی کام لے رہے ہیں۔

کیا اردو سنٹروں، اردو بورڈوں، اردو کی ترقی کی انجمنوں اور اردو اکادمیوں کے آئین و ضوابط میں کوئی ایسی شق تو نہیں جس کی رو سے یہ پابندی عائد ہوتی ہو کہ یہ سب اونچی سطح کا کام تو کرتے رہیں ——— مگر اردو زبان کی ترویج کے لیے کوئی بنیادی کام نہ کر سکیں، بالخصوص نئی نسل کو اردو سے روشناس کرانے کا کام! کیا ان کے آئین و ضوابط میں کوئی ایسی واضح شق بڑھائی نہیں جا سکتی کہ کم سے کم اگلے دس سال کے لیے ان سارے اداروں کو صرف یہی بنیادی کام کرنا ہے۔

یہ بات بھی کی جا سکتی ہے کہ ملک کی سب ریاستوں کے اندر، جہاں اردو اکادمیوں کے ہیڈکوارٹر ہیں، اردو آبادی کا ایک سیمپل سروے کر لیں کہ اپنے بچوں کو اردو سکھانے کے سلسلے میں ہمارے اشرافیہ (Elite) کا کیا حال ہے۔ اس کام کی ابتدا لکھنؤ، پٹنہ، بھوپال، کلکتہ، بمبئی، الہ آباد، بنگلور، میسور، حیدرآباد اور جے پور سے تو ہو ہی سکتی ہے، بعد میں کچھ دوسرے شہروں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے جو صدر مقاموں کے علاوہ ہیں، اور مندرجہ ذیل انداز کے فارم پر ایک سروے کیا جا سکتا ہے:

نام سرپرست خاندان:... شہر:... محلہ:... بچوں کے نام مع عمر:... نام اسکول/کالج/یونیورسٹی و درجہ جہاں بچہ زیرِ تعلیم ہے:... کیا وہاں آپ کے بچے کے لیے اردو پڑھانے کا انتظام ہے؟ ہاں/نہیں۔ وہاں انتظام نہیں، تو آپ نے گھر پر اردو پڑھانے کا کوئی نظم کیا ہے؟ ہاں/نہیں۔ آپ کے بچے کس زبان میں آپ سے خط و کتابت کرتے ہیں؟ اردو/انگریزی/ہندی/کوئی اور زبان۔

علوم اسلامیہ کی ایک انسائیکلوپیڈیا

(دوسری جلد)

ماہنامہ برہان کا اشاریہ

(۱۹۳۸ء — ۱۹۶۵ء)



تقدیم

تصحیح و ترتیب، متن میں ضروری اضافے

اور اشاریہ مصنفین



ڈاکٹر شائستہ خان

مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

حرفے چند

یہ ماہنامہ برہان کا اشاریہ ہے: ۱۹۳۸ء (آغاز) تا ۱۹۶۵ء، سعید احمد اکبرآبادی (م ۱۹۸۵ء) اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی (م ۱۹۸۴ء) کے برہان کا اشاریہ۔

معارف کی پیشکش کے بعد خیال آیا کہ اس کی پیشگفتار میں بار بار برہان کے اشاریہ کا ذکر آرہا تھا: اسے تلاش کرنے میں زیادہ مشکل نہیں پڑی۔ یہ سب برہان کے چند شماروں میں یکجا مل گیا۔ جابجا کچھ خلا رہ تھا کچھ تصحیح طلب چیزیں تھیں، وہ سب ٹھیک کردی گئیں۔

یہ اشاریہ برہان اپریل ۶۶ء۔ اگست ۱۹۶۶ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہوا۔ ہم نے اس میں ایک آدھ جگہ ایک فن سے دوسرے بہتر فن میں بعض اندراجات کی تبدیلی، بعض اندراجات کا اضافہ، اور دینیات میں دو چار الفبائی اندراجات کو بے جگہ سے جگہ پر لانے کے سوا ـــــ یا بعض کتابت کی غلطیوں (فاروق = فارق، بعض ناموں کی تکمیل [زیدی جعفر = زیدی جعفر رضا؛ محمد عثمان = محمد عثمان فارقلیط؛ عبادت = عبادت بریلوی] کے علاوہ اور کوئی خاص ترمیم و اضافہ نہیں کیا ہے۔ اگر کچھ بڑھایا ہے تو بس ۴۵۶ب، ۵۲۷ب، ۵۲۷ج، ۵۲۸، ۵۵۱د، ۵۵ب، ج، د، ۶۶۵ب، ۶۶۶ب۔ ایک شمارہ (۸/۳ مارچ ۱۹۴۲ء) مرتب اول کو نہیں مل سکا تھا، وہ دستیاب ہوگیا ہے اس کے مشتملات کو بھی الگ سے ہم نے شامل کردیا ہے۔

نمبر ۲ 'فنون' کو زیادہ واضح کرنے کیلئے فنون جمیلہ کردیا ہے۔ شرق اوسط کو جو پہلے ترکی کے بعد تھا اب اس پورے علاقہ پر محیط ہونے کے سبب ترکی سے پہلے لے آیا گیا ہے۔

بعض نمبر کم ہو گئے (جیسے ۱۲۷)، جن کا کسی دوسرے فن میں اندراج مناسب تھا۔ قدیم ۱۲۷ جو سائنس میں منتقل کردیا گیا اور اس کا نمبر اب ۳۵۲ب ہوگیا۔

برہان کا یہ اشاریہ ۱۹۶۵ء تک ہی محدود ہے۔ پیشگفتار جس طور سے پہلی بار برہان میں شائع ہوئی تھی اس کو علی حالہٖ قائم رکھا گیا ہے، کوئی ترمیم نہیں کی گئی ہے، حتیٰ کہ زمانہ بھی اسی طور سے لکھا رہنے دیا گیا ہے کہ برہان کی اشاعت کو لگ بھگ ۳۰ سال، اور معارف کو 'لگ بھگ نصف صدی ہو جائے گی': (یہ اسی لیے کہ یہ اشاریہ ۱۹۶۶ء کے برہان میں شائع ہو رہا تھا)

ایک اشاریۂ مصنف بھی اضافہ ہوگیا۔ اور اس طرح اب یہ پیشکش خدمت میں پیش کرنے کے لائق ہوگئی۔

شائستہ خان

فہرست

بُرہان

(۱۹۳۸ء ——— ۱۹۶۵ء)

مذاہب، ۱۱
قرآنیات، ۱۲
حدیث، ۱۵
فقہ، ۱۶
تصوف، ۱۸
فلسفہ و کلام، ۲۰
اسلام، ۲۲
متعلقاتِ اسلام، ۲۴
سیاسیات: ہندوستانی مسلمان، ۲۶
معاشیات، ۳۱
سماجیات، ۳۲
تعلیم، ۳۳
نفسیات، ۳۵
سائنس، ۳۵
طب، ۳۷
جہازرانی، تقویم، ۳۷
لسانیات، ۳۸
صحافت، ۳۸
اُردو ادب، ۳۹
شاعری، ۴۲
ابوالکلام آزاد، ۴۳
اقبال، ۴۴
فارسی ادب، ۴۵
عربی ادب، ۴۷
ترکی ادب، ۴۹
سیرتِ رسولؐ، ۴۹
تذکرہ عام، ۵۰
تذکرہ: وفیات، ۵۵
فنونِ جمیلہ، ۵۷
آثار، ۵۸
تاریخ قدیم، ۵۹
سفرنامے، ۵۹
تاریخِ اسلام، ۶۰
تاریخ ہندوستان، ۶۲
مشرق اوسط، ۶۵
ترکی، ۶۵
مصر و سوڈان، ۶۵
افریقا، ۶۶
آسٹریلیا، ۶۶
اسلامیانِ روس، ۶۶
اسلامیانِ یورپ، ۶۶
چین، ۶۷
جنوبی مشرقی ایشیا، ۶۷
کتب خانے اور کتابیں، ۶۸
مصنف اشاریہ، ۷۲



یہ معارف اور برہان کے مضامین کا اشاریہ ہے جن کی مکمل جلدیں کم ہی جگہوں پر محفوظ ہوں گی اور جو اپنی جامعیت اور تنوع کے اعتبار سے علوم اسلامیہ کی ایسی انسائیکلوپیڈیا ہے جس کے مشتملات کے بارے میں علم و اطلاع نہ ہونے کے سبب اس سے پورا استفادہ ہر ایک کے لئے ممکن نہیں رہا ہے اور مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر اسی علم و اطلاع نہ ہونے کے سبب ہی، اس اشاریہ کو میرا دیا ہوا عنوان حیرت و استعجاب یا پھر اعتراض کی نظر سے دیکھا جائے واقعہ یہ ہے کہ دونوں پرچوں نے اسلامی اور عمومی علمی موضوعات پر مستند اور ٹھوس مضامین کا اتنا بڑا ذخیرہ اُردو میں فراہم کر دیا ہے جس کی نظیر اسلامی دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ معارف کی فضیلت کے لئے تنہا یہ امکانی ہے کہ اُسے نکلتے ہوئے اب پوری نصف صدی ہو جائے گی، اور خدا اس کی عمر دراز کرے، ان پچاس سال میں تواتر اور استقلال کے ساتھ یہ ایک ہی میدان میں جما رہا ہے، اور ایک سے اعلیٰ معیار کے ساتھ!

برھان کو بھی اب تیس سال ہو جائیں گے۔ اور ان دونوں نے اب تک جو کچھ پیش کیا ہے جدید عہد میں مسلمانوں اسلامی زبانوں میں اتنے متنوع تاریخی اور علمی موضوعات پر خالص علمی انداز کے ساتھ یکجا ایسا مستند مواد کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا، اُردو کا تو ذکر ہی کیا!

مولانا سید سلیمان ندوی کی ادارت میں دار المصنفین، اعظم گڈھ سے جولائی ۱۹۱۶ء / رمضان ۱۳۳۴ھ میں معارف کا پہلا پرچہ شائع ہوا۔ جولائی ۱۹۳۸ء / جمادی [illegible] میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی ادارت میں ندوۃ المصنفین دہلی سے برہان کا پہلا پرچہ، دونوں پرچے اپنے اپنے اداروں کے آرگن تھے۔

دار المصنفین مولانا شبلی کی تخلیق تھی جس کا نقشہ ۱۴ء کے مولانا ابوالکلام کے الہلال میں انھوں نے شائع کرایا تھا۔ لیکن اس کی تشکیل اور پھر پرورش ان کے جانشین اور شاگرد رشید سید سلیمان ندوی کی زیر قیادت ندوی فاضلوں کی ایک منتخب جماعت کے ہاتھوں ہوئی۔ مسعود علی ندوی، عبدالسلام ندوی، سعید انصاری، نجیب اشرف ندوی، سید ابوظفر ندوی، عبدالباری ندوی، حاجی معین الدین ندوی، ابوالجلال ندوی، ابوالحسنات ندوی، شاہ معین الدین ندوی، محمد اویس نگرامی ندوی، مجیب اللہ ندوی، دار المصنفین کے مختلف زمانوں کے ممتاز نام ہیں، اور اخیر عہد میں ایک نام مزید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے۔

دار المصنفین نے اب تک سیرت، سیر صحابہ، سوانح بزرگانِ اسلام دائرہ علوم، تاریخ علوم و فنون،

تاریخ اسلام، تاریخ ہندوستان کلام، فلسفہ، فقہ، تفسیر اور لغت کے موضوعات پر اپنی پچاس سال کی زندگی میں سو کے قریب اعلیٰ معیاری کتابیں پیش کی ہیں۔

سید سلیمان ندوی کے بعد دار المصنفین اب شاہ معین الدین ندوی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

ندوۃ المصنفین کا خاکہ دار المصنفین کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا اور زمانے کے بیس بائیس سال آگے بڑھ جانے کے بقدر نئے تقاضوں کو بھی مدنظر رکھا گیا۔

ندوۃ المصنفین دیوبند کے فاضلوں کے ہاتھوں تشکیل پایا۔ مفتی عتیق الرحمن عثمانی، حفظ الرحمن سیوہاروی مرحوم اور سعید احمد اکبر آبادی اس کے اعیانِ ثلاثہ تھے اور یہی اس کے سب کچھ تھے۔ مولانا حفظ الرحمن کو جیل اور پھر آزادی کے بعد جمعیۃ العلماء کی مصروفیتوں سے کم ہی فرصت مل سکی، سعید احمد اکبر آبادی دہلی میں قیام کے زمانے تک اس کے سرگرم کارکن رہے لیکن پھر مدرسۂ عالیہ کلکتہ کی پرنسپلی اور اس کے بعد علی گڈھ کے شعبۂ دینیات کی صدارت نے انھیں گوناگوں مقامی اور شعبہ جاتی مصروفیات میں الجھالیا، یہ بڑی بات ہے کہ وہ اس عرصے میں کچھ دنوں کے سوا، برہان کے نظرات، پابندی کے ساتھ لکھتے رہے۔ لیکن آزادی کے بعد سے پھر وہ نقشہ نہ جم سکا جو ۴۷ء کی تباہی تک جمتا جارہا تھا۔ یعنی ندوۃ المصنفین ریسرچ اور تصنیف و تالیف کے اعلیٰ تحقیقی ادارہ کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا جس میں ریسرچ فیلو مقرر کرکے انہیں اسکالرشپ دے کر مستقل ریسرچ کرانے کی اسکیمیں بروئے کار لائی جانے والی تھیں، پھر، ع آں قدح بشکست، وآں ساقی نماند!

' آں ساقی نماند' میں نے غلط کہا۔ مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے جس بے جگری سے حالات کا مقابلہ کیا اور ادارہ کو سخت ناساعد حالات میں بھی زندہ رکھا' وہ اس بات کی ایک اچھی مثال ہے کہ بڑے کام جو تنظیمیں نہیں کرپاتیں، اکثر بڑے افراد کے ہاتھوں انجام پاجاتے ہیں اور اس دنیا کا یہ سارا کارخانہ ہر جگہ اور ہر شعبہ میں کسی نہ کسی 'مرد خدا' کے عزم محکم اور سعی پیہم کے آگے بے بس ہو کر جیسی شکل وہ دینا چاہتا رہا ہے ویسے ویسے یہ بدلتا رہا ہے۔ ادارے کی تصنیف و تالیف کا پروگرام' برہان کے لئے مقالات کا انتخاب، برہان کی کبھی کبھی باقاعدہ اور اکثر بے قاعدہ ادارت، اور پورے ادارے کا نظم و نسق، مفتی صاحب اکیلے یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور شاید وہ اکیلے ہمت چھوڑ بیٹھتے اگر مولوی محمد ظفر احمد خاں جیسا مخلص کارکن انہیں نہ مل جاتا۔ ظفر صاحب پچھلے ۲۵ سال سے ادارہ سے

وابستہ ہیں، اور اپنی صحت کو داؤں پر لگا کے ادارہ کی سلامتی کے ضامن بنے ہوئے ہیں، اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے، ایسے پیارے انتخاب کے لئے بھی کریڈٹ ان سے زیادہ خود مفتی صاحب کو پہنچتا ہے۔

اب پچھلے چند سال سے، خصوصاً مولانا حفظ الرحمٰن کے انتقال کے بعد سے قومی سیاست اور پھر گروہ بند سیاست کے جھمیلوں نے انہیں بُری طرح گھیر رکھا ہے، وہ سیاسی آدمی نہیں، اس لئے ادارہ کے کام پر ان کے انتشار کا اثر پڑ سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ سیاست کو اب ایسے آدمیوں کی بے حد ضرورت ہے جو سیاسی نہ ہوں، ورنہ قوم اور ملت دونوں کا حشر معلوم!

یہ دراز تر حکایت اس ضمن میں تھی کہ مولانا حفظ الرحمٰن اللہ کو پیارے ہوئے، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرائض منصبی میں اُلجھ گئے اور مفتی صاحب کے یہ جھمیلے: غنیمت ہے کہ برہان ابھی تک اس سے متاثر نہیں ہوا ہے اور دینی ادارہ کے اشاعتی پروگرام۔ لیکن ادارہ کے لئے ایسے وسائل بہم پہنچانا کہ وہ اپنا پچھلا علمی معیار برقرار رکھ سکے اور مقررہ تعداد میں اعلیٰ کتابیں پیش کرتا رہے، اس کے لئے یقیناً ذہنی یکسوئی اور فراغت کی ضرورت ہے۔

اب تک ندوۃ المصنفین نے تاریخ اسلام، تاریخ ہندوستان، قرآن، حدیث، تفسیر، تصوف، لغت فقہ، اور سوانح کے موضوعات پر ۲۷ سال کی مدت میں تقریباً ساٹھ معیاری کتابیں پیش کی ہیں۔

اداروں کے تعارف کے بعد اصل بات: معارف اور برہان!

سید صاحب کے بعد معارف کی زمامِ ادارت شاہ معین الدین ندوی کے ہاتھوں میں ہے، اور برہان کو شروع سے سعید احمد اکبر آبادی چلا رہے ہیں (سوائے ۴۳ء - ۴۴ء کے، جب نظرات بھی مفتی صاحب کے آنے لگے تھے اور سرورق پر مرتبہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی بھی)

سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء — ۱۹۵۳ء) کے لئے اقبال نے "علومِ اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد" کے قابلِ رشک الفاظ استعمال کئے ہیں اور شاہ معین الدین ندوی کو سید سلیمان ندوی کا صحیح جانشین نہ ماننے کا احساس معارف کے وابستگان کو تو ہوا نہیں۔ برہان کے سعید احمد اکبر آبادی (۱۹۰۸ء) 'صدیق اکبرؓ' 'فہم قرآن'، اور 'اسلام میں غلامی کی حقیقت' کے مصنف سے زیادہ علومِ اسلامیہ پر گہری نظر، 'تفقہ فی الدین' اور مسائلِ اسلامی میں انتہائی دلچسپی رکھنے والے عالم کی حیثیت سے ہندِ اسلامی میں ایک معروف شخصیت ہو چکے ہیں۔

سید صاحب، شبلی کے پروردہ تھے اور ندوہ کے فاضل؛ الندوہ جیسے اعلیٰ علمی پرچہ کی مددگاری ادارت کا تجربہ تھا، اس کے بعد مولانا ابوالکلام کے الہلال میں بھی چند مہینے کام کر چکے تھے؛ عربی، فارسی اور اُردو کے علوم و ادبیات کے ساتھ ساتھ علومِ جدیدہ سے بھی ضروری واقفیت تھی اور مغربی زبانوں سے اپنا مطلب اخذ کرنے کی صلاحیت تھی۔ علمی مذاق بھی تھا اور ادبی ذوق بھی (اور شاہ معین الدین کو یہ سب کچھ ورثہ میں ملا ہے) معارف نکلا اور نکلتے ہی چمک گیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کا ایک ایسا ٹھوس حلقہ بن گیا، لکھنے والوں کا بھی اور پڑھنے والوں کا بھی، جو مضبوط تر ہوتا گیا۔ ۱۹۴۳ء کے شذرات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ عرصے کے لئے عبدالماجد دریابادی بھی ادارت میں شامل رہے، کتنا عرصہ، یہ واضح نہیں۔

سید صاحب ۱۹۴۶ء کی جولائی سے ریاست بھوپال کے امورِ مذہبی کے افسرِ اعلیٰ ہو کر اُدھر چلے گئے۔ مگر رسالہ کی نگرانی جاری رہی۔ ان کی عدم موجودگی میں شاہ صاحب (اور ایک سال کے لئے ۱۹۴۷ء میں سید ریاست علی ندوی) ان کا کام سنبھالے رہے اور شذرات اور تبصرے بھی لکھتے رہے، ۱۹۴۹ء سے شریکِ مرتب کے طور پر شاہ معین الدین ندوی کا نام باقاعدہ طور پر آنے لگا، حالانکہ اب سراسر ترتیب انھیں کی ہوتی تھی۔ بنا بریں ۱۹۵۱ء میں سید صاحب کے پاکستان چلے جانے کے بھی سال ڈیڑھ سال بعد شاہ صاحب کا نام ایڈیٹر کی حیثیت سے آیا، اور وہی اب بھی اس منصب پر فائز ہیں۔

دوسری جنگ کے بعد یا دورانِ جنگ ہی میں ایک نمایاں فرق تو معارف میں یہ آیا کہ تازہ مطبوعات کے ذیل میں، چھوٹے چھوٹے مذہبی رسالوں اور اخباروں پر جو تبصرے نکلتے رہتے تھے وہ بند ہو گئے، ان تبصروں نے ایک تاریخ بنائی تھی، اُردو صحافت کی تاریخ، جو آج معارف ہی کے صفحات میں محفوظ ہے اور کہیں نہیں (کئی سال بعد ۱۹۴۹ء میں یہ سلسلہ پھر چھڑا مگر چلا نہیں)

برہان کے ایڈیٹر مولانا اکبر آبادی دیوبند کے فاضل بھی ہیں اور عربی کے ایم اے بھی (حال ہی میں کچھ عرصہ کیلئے کناڈا کے ادارۂ علومِ اسلامیہ میں وزٹنگ پروفیسر بھی رہ آئے ہیں) کلکتہ، دہلی، اور علی گڑھ جیسے چوٹی کے شہروں یا اداروں میں کام کرنے کا تجربہ رہا ہے۔ برہان کی ترتیب میں مذہبی نظرات میں ان سب باتوں کی جھلکیاں ضرور ملتی ہیں۔

معارف اور برہان دونوں کے شذرات اور نظرات مستقل نوعیت کی چیز ہیں اور کم ہی ایسے ہوں گے جو کسی نہ کسی طور پر اس قابل نہ ہوں کہ وہ پیشِ نظر اشاریے میں جگہ نہ پا سکے ہوں۔

دونوں رسالوں کا سائز ۲۰×۲۶/۸ رہا ہے اور جنگ کے زمانے کے چند ماہ کو چھوڑ کے معارف کے صفحات کی تعداد ۸۰ رہی اور برہان کی ۶۴۔ کاغذ ہمیشہ اچھا سفید استعمال ہوا اور ٹائٹل ہمیشہ سادہ رہا ــــــ اور بجز معارف کے دو خاص نمبروں کے (حبیب الرحمٰن شروانی اور سلیمان ندوی نمبر) دونوں نے مدت العمر کوئی خاص نمبر سالنامہ کے طور پر کبھی نہیں نکالا۔ دونوں پرچوں میں جن کتابوں پر تبصرے نکلے ہیں ان کی فہرست الگ بننی چاہیے (اس اشاریہ میں اس کی کوئی جگہ نہ تھی) اور اسی طرح اخبارات و رسائل کی بھی۔ اس سے پچھلی نصف صدی میں علمی و ادبی ترقی کا ایک بڑا حصہ سامنے آجائے گا۔ (ویسے کتابوں اور مجلّوں کی اس طرح جو فہرست بنے، ضروری ہے کہ دوسرے رسائل بھی سامنے رکھے جائیں ان کے تبصرے بھی دیکھے جائیں اور فہرست کو مکمل طور پر پیش کیا جائے)

منظومات کا حصہ دونوں کے یہاں، "منہ کا مزا بدلنے کے لئے" ہوتا ہے اس لئے غیر اہم ہے (شاید غیر مناسب بھی!) شذرات (اور نظرات) دونوں رسالوں کے اہم ہوتے ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا، اکثر اس قابل ہوتے ہیں کہ مستقل بالذات نوعیت کا مقالہ شمار کرکے حوالہ دیا جا سکے۔

اشاریہ کی ترتیب اس طرح ہے:

پہلے مضمون کا عنوان دیا گیا ہے، پھر بریکٹ میں مصنف کا نام ہے، اور اس کے بعد جلد اور شمارہ کا حوالہ ہے یعنی مثلاً ۵/۲۶ کا مطلب ہے جلد ۲۶ کا پانچواں شمارہ یا مثلاً ۱/۶۴؛ ۵-۱/۴۸؛ ۶-۳/۵۰ کا مطلب ہے جلد ۶۴ کا پہلا شمارہ، جلد ۴۸ کا شمارہ ایک تا شمارہ پانچ، اور جلد ۵۰ کا شمارہ تین تا شمارہ چھ۔ یعنی یہ مضمون اتنے پرچوں پر پھیلا ہوا ہے۔

اکثر عنوان خود توضیحی ہیں، لیکن جہاں کہیں ایسا نہیں ہے وہاں مختصراً مضمون کے موضوع کے بارے میں چند لفظوں میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

آدمی جتنی حقیقتوں کو پالے، اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ بنی نوع کے لیے انہیں عام کرنے کی کوشش کرے تاکہ علم و اطلاع کا دائرہ وسیع تر ہو جائے، اور تاکہ تحقیق یا حق کی جستجو کرنے والے ہر وادی میں بھٹکتے نہ پھریں، وقت کے قیمتی سرمایہ کو بچانا، ضرورت مند کو ضروری اطلاع بسہولت بہم پہنچا دینا، اور متعلقہ علم و فن میں حق اور صداقت کے متلاشی کی براہ راست اور بعجلت مدد کرنا، اس قسم کے اشاریوں سے میرا عمومی مقصد رہا ہے، اور یہاں یہ مقصدِ خصوصی بن گیا ہے، اگر یہ مقصد کسی حد تک بھی حاصل ہو گیا، اور علمی تحقیق کرنے والے کچھ لوگوں کو بھی ان حوالوں سے فائدہ پہنچ گیا، تو میں سمجھوں گا میری محنت اکارت نہیں گئی۔

(عابد رضا بیدار)

(۱) مذاہب

۱۔ شنتو مذہب کی کتابیں (محمد غوث) ۲۶/۵

۲۔ یوزاسف (معصومی) ۳۲/۴

—— مناظر احسن گیلانی وغیرہ کے مضامین پر

۳۔ الوہیت مریم کا مسئلہ (شبیر احمد خاں غوری) ۴۴/۴

۴۔ لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر (محمد تقی امینی) ۴۶/۱ ؛ ۴۸/۱—۵ ؛ ۵۰/۳—۶

۵۔ ہفت تماشائے مرزا قتیل (محمد عمر) ۴۸/۵، ۶ ؛ ۴۹/۱—۶ ۵۰/۱، ۲، ۴—۶

۶۔ مذہب کا تقابلی مطالعہ: کیوں اور کس طرح (ڈبلو سی اسمتھ - ترجمہ: مبارز الدین رفعت) ۴۹/۴

۷۔ مذہب اور انسانیت (یعقوب الرحمٰن عثمانی) ۱/۱

۲ قرآنیات

۸- قرآن اپنے متعلق کیا کہتا ہے (حفظ الرحمٰن) ۳/۱۷-۶ ؛ ۱۸/۱-۳

۹- اسبابِ کفر و جحود (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۱/۱۷، ۲، ۶ ؛ ۱/۱۸

—— جو قرآن مجید میں بیان ہوئے۔

۱۰- حضرت موسیٰؑ کے واقعۂ ایذارسانی (اور سورۂ احزاب کی آیت کے متعلق برأت کی تحقیق)

(داؤد اکبر اصلاحی) ۳/۱۷

۱۱- قرآن کے لفظی اور معنوی حقوق (خواجہ سید محمد علی شاہ اسحاقی رحمانی سہارنپوری) ۲۴/۱-۴

—— تلاوت، فہم، عمل

۱۲- قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر (غلام ربانی) ۶/۲۲ : ۲۳/۱-۴

۱۳- ہزار سال کے قدیم ترین تاریخی وثائق قرآن کی روشنی میں (گیلانی) ۲۳/۱، ۲

۱۴- جنّ (حکیم محمد ابوذر) ۶/۲۴ ؛ ۱/۲۵

—— مرزا غلام احمد قادیانی کی تفسیر پر بحث

۱۵- دلائل القرآن (نجم الدین اصلاحی) ۲۵/۲-۴

۱۶- —— خدا کے کلام اور رسول کے کلام کا فرق

قرآن مجید کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں (تلخیص و ترجمہ) ۲/۴

۱۷- قرآن مجید کے چند اور تراجم: مکتوب عبد الماجد دریابادی ۳/۴

۱۸- حضرت نوحؑ اور طوفانِ نوحؑ (حفظ الرحمٰن) ۲/۴، ۵

* شیخ عبد الوہاب کی قصص الانبیاء سے؛ جس کا آزاد ترجمہ ہم جلد شائع کریں گے۔

۱۹- بعض مشہور مذاہب کے صحفِ مقدسہ کی ترتیب

اور قرآن مجید کی لسانیاتی اہمیت (عبد المالک آروی) ۱/۴

۲۰- جمعِ قرآن پر ایک نظر (قاضی عبد الصمد صارم سیوہاروی) ۴/۴

۲۱- عصمتِ انبیاء (حفظ الرحمٰن) ۵/۱ ؛ ۶/۵

——— (۱) ختم المرسلین اور حضرت زینب بنت جحش (۲) حضرت سلیمان۔

۲۲- ایک علمی سوال اور اس کا جواب (حفظ الرحمٰن) ۸/۳، ۴

سوال یہ کہ قرآن نے جو سورتیں لکھنے کا چیلنج دیا تھا، ایک سورت کے بعد دس کیوں کر دی تھیں جب ایک ہی نہ لکھی گئی تھی تو پھر تو گھٹا دینی چاہیے تھیں۔

۲۳- حضرت یونسؑ کا ذکر قرآن مجید میں (ابوالقاسم محمد حفظ الرحمٰن) ۱/۴، ۵

۲۴- حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تشریح و توضیح (〃) ۱/۲، ۵، ۶

۲۵- قرآن کا معیارِ فکر و نظر (قطب الدین احمد) ۳/۳۳

۲۶- عصمتِ حضرت آدم قرآن کی روشنی میں ("ح") ۲/۲

۲۷- سورۂ فاتحہ کے بعض اہم مباحث (ضیاء الدین اصلاحی) ۴۲/۲، ۳

——— اہم مضمون ہے۔

۲۸- تحقیق معنی العالمین (محمد اجمل خاں) ۴۵/۲

۲۹- علمِ تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث (خواجہ محمد علی شاہ) ۲۰/۱، ۲

۳۰- قرآن مجید اور ترجمہ و تفسیر (خواجہ محمد علی شاہ) ۳۰/۶ ؛ ۳۱/۱، ۲، ۵

۳۱- سورۂ بقرہ کی ایک آیت کی صحیح تاویل (ضیاء الدین اصلاحی) ۳۸/۲

"وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ ......"

۳۲- فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ الآیۃ کی صحیح توجیہ (ضیاء الدین اصلاحی) ۳۸/۴

——— بقرہ و اعراف میں بنی اسرائیل کے سلسلے کی آیات

۳۳- تفسیر لفظ الرحمان (محمد اجمل خاں) ۴۲/۲ ؛ ۴۲/۴

۳۴- قرآن کے اُردو تراجم (سید محبوب رضوی) ۱۲/۱

۳۵- نظریۂ موت اور قرآن (سید ابوالنظر رضوی) ۱۲/۳-۶

۳۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کا مقدمۂ ترجمۃ القرآن (حفظ الرحمٰن) ۱۵/۴، ۵
—— ترجمہ تو چھپ گیا مقدمہ ابھی تک قلمی ہے اس کا فارسی متن مع ترجمے کے دیا ہے
تفصیلی تعارف کے ساتھ۔

۳۷۔ حضرت ابراہیمؑ اور ایک بادشاہ کا مکالمہ (سید ابوالنظر رضوی) ۱۵/۶
—— الہلال ۲۷ء میں مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں چار
قسطیں لکھیں، میں نے بھی اپنے شکوک لکھ بھیجے مگر الہلال بند ہو گیا۔ اب پھر یہ
لکھے ہیں۔

۳۸۔ حضرت ہارونؑ اور گوسالۂ طلائی (احمق النبی، علوی) ۱۶/۱
—— خروج کے ۳۲ ویں باب کی تشریح، نگار کے "مآخذ القرآن"
معنونۂ نیاز کے جواب میں

۳۹۔ حج ابراہیمی اور نمرودی مغالطہ (گیلانی) ۱۶/۵
—— ابوالنظر رضوی کے مضمون کو آگے بڑھایا ہے۔

۴۰۔ آزر (محمد ادریس میرٹھی) ۲/۴

۴۱۔ اقسام قرآن (سید صبغت اللہ البخاری) ۶/۱،۲

۴۲۔ ذوالقرنین اور سد سکندری (حفظ الرحمٰن) ۷/۱، ۲

۴۳۔ ایضاً: استدراک (") ۷/۳ — ۶
—— عبدالماجد دریابادی کے مضمون مطبوعہ صدق کے جواب میں۔

۴۴۔ قرآن مجید اور اس کی حفاظت (بدر عالم میرٹھی) ۹/۱ — ۶ ؛ ۱۰/۱ — ۴

۴۵۔ فرعون موسیٰ (محمد فرید الوحید — ترجمہ: اکبر آبادی) ۲/۶

۴۶۔ فہم قرآن (اکبر آبادی) ۱/۳ — ۶ ؛ ۲/۲، ۵، ۶

۴۷۔ عربی تنقید پر قرآن مجید کے اثرات (احتشام احمد ندوی) ۵۲/۳

(۳) حدیث

۴۸- تدوین حدیث (مناظر احسن گیلانی) ۲۰/۱-۴ ؛ ۲۱/۶ ؛ ۲۲/۲-۶ ؛ ۲۴/۲-۶ ؛ ۲۵/۱-۶ ؛ ۲۶/۱-۶ ؛ ۲۷/۱-۴

۴۹- علمِ حدیث بہار میں: ایک اجمالی خاکہ (ابومحفوظ الکریم معصومی) ۲۶/۲

۵۰- ہندوستان میں علومِ حدیث کی تالیفات (ابوسلمہ شفیع احمد بہاری) ۳۱/۲، ۳، ۴، ۶

—— خاص کر ۱۸۵۷ء کے بعد کی تالیفات

۵۱- ہندوستان میں علومِ حدیث کی تالیفات - ضمیمہ (حبیب الرحمٰن اعظمی) ۳۲/۲

۵۲- حیدرآباد کے چند کتب خانوں میں حدیث کی اردو قلمی کتابیں (نصیرالدین ہاشمی) ۳۳/۴

۵۳- دسویں صدی ہجری کا باکمال محدث: شیخ علی متقی برہان پوری (شیخ فرید برہانپوری) ۳۶/۵

—— حالات پر اہم مقالہ

۵۴- حدیثِ افتراق اور اس کی اسناد پر ایک نظر (بدرِ عالم میرٹھی) ۱۶/۵، ۶ ؛ ۱۷/۱، ۶

۵۵- ادب المفرد، امام بخاری کی ایک گرانقدر شرح (ابومحفوظ الکریم معصومی) ۲۵/۲

—— شاہ فضل اللہ کی فضل اللہ الصمد جو حیدرآباد سے چھپی ہے۔

۵۶- عظمتِ حدیث (ضیاء احمد بدایونی) ۲۵/۳

۵۶ب- ترمذی اور جامع صحیح (محمد تقی الدین ندوی مظاہری) ۵۱/۱

۵۷- امام دارقطنی (ابوسلمہ شفیع احمد بہاری) ۲۵/۵، ۶

۵۸- صحیح بخاری کی فنی خصوصیات (سلیم الدین صدیقی) $\frac{(20)}{21}$/۳-۶

۵۹- اردو میں تراجمِ حدیث (سید محبوب رضوی) ۹/۴

۶۰- طلوعِ اسلام اور پرویز پر اعتراضات (اکبرآبادی) ۹/۱

۶۱- "فیض الباری" (شبیر احمد عثمانی) ۲/۴

—— مصنفہ انور شاہ صاحب۔ ڈابھیل میں مرتب ہوئی قاہرہ میں چھپی۔

۶۲- المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری (عبدالرشید نعمانی) ۸/۲-۶

۶۳۔ معانی الآثار و مشکل الآثار للامام الطحاوی
(سید عبدالرزاق قادری جعفر) ۱۱/۳-۶ ؛ ۱۲/۱، ۲، ۵، ۶
——— سوانح پر مقالہ جلد ۹ میں ؛ یہ تصانیف پر۔

۶۴۔ امام طحاوی (سید قطب الدین) ۹/۵، ۶ ؛ ۱۰/۱-۶
۶۴ب۔ مؤطا امام مالک اور اس کی خصوصیت (تقی الدین ندوی مظاہری) ۵/۵۵
۶۵۔ امام ابوداؤد اور ان کی سنن کی خصوصیات (تقی الدین ندوی) ۶/۴۹
۶۶۔ امام مسلم اور ان کی جامع صحیح کی خصوصیات (تقی الدین ندوی) ۱/۵۴
۶۷۔ امام نسائی اور ان کی سنن کی خصوصیات (تقی الدین ندوی) ۳/۵۵
۶۸۔ ایک نادر علمی تحفہ (مختار احمد ندوی) ۴/۵۵

المزی کی تحفۃ الاشراف، جو بمبئی سے چھپی ہے۔ علم الحدیث پر نایاب اور اہم کتاب ہے، اس کی دس جلدوں میں سے پہلی جلد آئی ہے۔

(۴) فقہ

۶۹۔ فقہ اسلامی کا تدریجی ارتقاء (محمد تقی امینی) ۶/۴۲
۷۰۔ اختلافِ فقہا کے اسباب (〃) ۳/۴۳
۷۱۔ فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے چند اسباب (محمد تقی امینی) ۵/۴۳
۷۲۔ فقہ کی جدید تدوین (〃) ۳/۴۵
۷۳۔ مصارفِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں چند ضروری باتیں (نجم الدین اصلاحی) ۲/۲۷
——— "فی سبیل اللہ" کی تشریح
۷۴۔ فقہی اور فروعی اختلافات کے اسباب (شاہ ولی اللہ - ترجمہ: ضیاء الدین اصلاحی) ۵/۳۱
۷۵۔ مسئلہ تملیک فی الزکوٰۃ (مرزا محمد یوسف) ۳/۲۷-۶

——— امین احسن اصلاحی کے رد میں، جن کا مضمون ترجمان القرآن، ذی الحجہ، ۴۴ھ میں نکلا ہے۔ مضمون نگار نے عام بہبودی کے لئے استعمال کی اجازت پر بحث کی ہے۔

۷۶۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت (ظفیر الدین) ۲۸/۳ - ۶ : ۲۹/۳-۶

۷۷۔ بنی اسرائیل کی فقہی تالیفات (محمد عثمان فارقلیط) ۲۸/۴

۷۸۔ مولانا مودودی کے فتویٰ کا جائزہ (اکبر آبادی) ۲۷/۳

——"پچھلے دنوں بعض اخبارات میں مدیر ترجمان القرآن کے ایک فتویٰ کا چرچا رہا۔ اگرچہ موصوف کی علمی حیثیت اور دینی بصیرت ہمارے نزدیک ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ ان کے کسی فتویٰ یا کسی تحریر پر بربان میں کچھ لکھا جائے، لیکن چونکہ فتویٰ مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے، اس بناء پر ہم ذیل میں اس کا جائزہ صرف شرعی حیثیت سے لیتے ہیں۔"

—— فتویٰ کے نکات یہ ہیں کہ پاکستان دارالاسلام ہے ہندوستان دارالکفر ہے، دونوں میں شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہونا چاہیئے، اور یہ کہ میاں بیوی میں تفریق بھی جائز ہے۔

۷۹۔ عید کے چاند کے موقع پر گڑبڑ، اور رویت ہلال کا مسئلہ (مفتی عتیق الرحمٰن) ۱۲/۱

—— سوال اٹھایا ہے۔

۸۰۔ اسلامی روایات اور ان کا تحفظ : تعدد ازدواج (جمیل واسطی) ۱۵/۱

۸۱۔ تدوین فقہ (مناظر احسن گیلانی) ۱۴/۱—۶ : ۱۵/۱—۳

۸۲۔ اسلامی روایات اور ان کا تحفظ : خنزیر خوری (جمیل واسطی) ۱۹/۶

۸۳۔ اسلام اور نظریۂ وراثت (سید ابوالنظر رضوی) ۲۱/۴

۸۴۔ گائے کی قربانی (اکبر آبادی) ۲۵/۴

—— مداخلت فی الدین کے تحت یہ جائز چیز اب واجب ہوگئی ہے، مگر ایک لحاظ سے ممنوع بھی ہونا چاہیئے۔ پھر سوال اٹھایا ہے کہ جہاں مسلمان کمزور ہے وہیں "دل جوئی" ہوگی یا جہاں زبردست ہیں وہاں بھی ہوگی؟

۸۵۔ مسئلۂ قربانی اور مسلمان (حفظ الرحمٰن) ۲۵/۵

——اکبر آبادی کی بات بے وقت کی راگنی ہے۔ قربانی عملاً مفقود ہے؛ فتویٰ کس بات کا؟

۸۶۔ مسئلۂ قربانی اور مسلمان (اکبر آبادی) ۲۵/۶

—— حفظ الرحمٰن کے جواب میں، کہ مغربی بنگال میں ممنوع نہیں خوب قربانی ہوتی ہے۔

۸۸- اسلام اور نظریۂ تبنی (سید ابوالنظر رضوی) ۱/۴

——— علمی روزنامچہ

۸۹- ہندوستان میں قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ (سید محمد عقیل) ۲/۲-۴

۹۰- امام ابراہیم نخعی (ابو محفوظ الکریم معصومی) ۲۳/۴، ۶

۹۱- کرسچن انٹرسٹ کی فقہی حیثیت کا تنقیدی جائزہ (فضل الرحمٰن گنوری) ۴۸/۱-۳، ۵، ۶؛ ۴۹/۱-۴

۹۲- جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اسلامی و شرعی احکام کے نفاذ کا مسئلہ (اکبر آبادی) ۴۹/۵، ۶

۹۳- ہندوستان میں مسلمان کا موقف کیا ہو (اکبر آبادی) ۵۰/۱

۹۴- پاکستان میں صدر کے انتخاب کے سلسلہ میں (نظرات) ۵۲/۵؛ ۶

——— مس فاطمہ جناح کے لئے علماء کی حمایت پر تنقید۔

۹۵- موجودہ مسائل کو کس طرح حل کیا جائے (محمد تقی امینی) ۵۲/۴

۹۵ب- جدید اسلامی قانون سازی کے مسائل (جوزف شاخت- ترجمہ فضل الرحمٰن گنوری) ۵۱/۵

۹۵ج- خلفائے راشدین اور اجتہاد (خورشید احمد فاروق) ۵۵/۵، ۶

۹۵د- مسلم پرسنل لا ۵۱/۲، ۳، ۵

۹۶- احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت (محمد تقی امینی) ۵۳/۵؛ ۵۴/۳-۴، ۶؛ ۵۵/۱

۹۷- اسلام اور شرحِ سود (سید حسن الزماں- کراچی) ۵۳/۶

۹۸- اجماع اور اس کی حقیقت (محمد ہاشم) ۲۱/۱، ۲، ۳

——— مولانا گیلانی کی نگرانی میں ایم اے کا مقالہ

⑤ تصوّف

۹۹- جمال الدین احمد ہانسوی الخطیب (مسعود احمد) ۴۵/۵، ۶

۱۰۰- اقبال و رومی کا دینی و عرفانی مقام (صوفی نذیر احمد کشمیری) ۴۵/۶

۱۰۱- جوگ بششٹ (ابو ظفر ندوی) ۱۰/۳، ۴

——— دارا شکوہ کا کرایا ہوا ترجمہ- مضمون نگار نے بہت اچھا خلاصہ دیا ہے۔

۱۰۲- تصوف (سید عبدالماجد) ۴۲/۵

۱۰۳- حقیقتِ نفس (میر ولی الدین) ۴۳/۵

۱۰۴- مدارجِ سلوک (") ۴۴/۱

۱۰۵- تصفیۂ قلب (") ۴۴/۲

۱۰۶- ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے (") ۲۸/۱

۱۰۷- حقیقتِ تصوف (قطب الدین احمد) ۳۳/۱، ۲

——— فقر و احسان یا رہبانیت و خانقاہیت؟

۱۰۸- اسلامی تصوف کا نشوونما (گوپی چند نارنگ) ۳۷/۱

۱۰۹- مولانا ضیاء الدین نخشبی (خلیق احمد نظامی) ۲۷/۵

۱۱۰- حضرت خواجہ محمد ناقل (") ۳۰/۱

۱۱۱- مرزا رحیم بیگ محمد درویش عظیم آبادی شہیدؒ (مناظر احسن گیلانی) ۴۱/۲

۱۱۲- وصال (شیخ وحید احمد مسعود) ۴۷/۵

۱۱۳- مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط (ترجمہ: خلیق انجم) ۴۵/۴-۶؛ ۴۶/۱-۴

۱۱۴- توحیدِ الوہیت (میر ولی الدین) ۱۵/۳-۵

۱۱۵- عوالمِ خمسہ اور مراتبِ وجود (شاہ فتح محمد غوث - ترجمہ: خواجہ محمد علی رحمانی) ۱۹/۲

۱۱۶- حضرت شاہ فخر الدین دہلوی (خلیق احمد نظامی) ۱۸/۲

۱۱۷- حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مکتوبات کے آئینہ میں (") ۱۷/۴

۱۱۸- حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور ہندستان (خلیق نظامی) ۲۴/۱

——— ان کی تصانیف کب یہاں پہنچیں، کون کون متاثر ہوا، کیا شرحیں لکھی گئیں، کیا اعتراضات ہوئے۔

۱۱۹- انسانِ کامل (میر ولی الدین) $\frac{۴۲}{۴۱}$/۵

۱۲۰- شیخ ابو القاسم جلال الدین تبریزی (ڈاکٹر محمد سلیم، شعبۂ تاریخ و سیاسیات، علی گڑھ) ۳/(۲۰/۲۱)
۱۲۱- حضرت مخدوم شاہ نور الحق کی علویت (بدر الدین علوی) ۵/۹
۱۲۲- حضرت مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید (سید اظہر علی) ۶/۱۲
—— برہان احمد فاروقی پر تنقید۔
۱۲۳- بزم عرفان: مرید ہندی شیخ جیلی کی بارگاہ میں (قطب الدین احمد بختیار کاکی) ۴۴/۶
۱۲۳ب بزم عرفان: مئے حجازی عجمی خم میں: شیخ منیری کے ایک الہامی مکتوب کا آزادانہ ترجمہ (//) ۴۵/۱

(۶) فلسفہ و کلام

۱۲۴- عقائد جامی کی شرحیں اور تراجم (سخاوت مرزا) ۴۱/۶
۱۲۵- شہاب الدین مقتول اور فلسفۂ مشائیت (غوری) ۴۴/۶: ۴۵/۱-۳
۱۲۶- شیخ شہاب الدین مقتول اشراقی تھے: تقسیم چہارگانہ صحیح ہے۔ (فضل الرحمن صواتی) .../...
—— غوری کے مقالہ پر
۱۲۷- شہاب الدین مقتول اور فلسفۂ مشائیت (غوری) ۴۶/۲
۱۲۸- معتزلہ (میر ولی الدین) ۲۶/۱-۶
۱۲۹- علمائے ہند کی کلامی خدمات (غوری) ۳۹/۵، ۶ : ۴۰/۱
—— ابتداء میں علم کلام کا ارتقاء عرب میں تفصیل سے دکھایا ہے۔
۱۳۰- خوارج اور مسئلہ نصب امام (حافظ غلام مرتضیٰ) ۳۹/۵
۱۳۱- یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ (غوری) ۴۳/۱، ۲، ۵، ۶ : ۴۴/۱
۱۳۲- خدا کی پُر اسرار شخصیت کا تصور (محمد فاروق اعظم گڑھ) ۴۴/۵
۱۳۳- جدید سائنس قدیم فلسفہ کی نسبت اسلام سے زیادہ قریب ہے (اکبر آبادی) ۳۸/۲: ۳۸/۳
—— جدید علم کلام کی ضرورت پر

۱۳۴- لذت عرب فلاسفہ کی نظر میں (صدرالدین عظیم) ۳/۱۱

۱۳۵- فلسفۂ یورپ کا جدید رجحان، دین سے روحانیت کی طرف (امیل بورک - تلخیص) ۲/۱۲

۱۳۶- نظریۂ موت اور قرآن (سید ابوالنظر رضوی) ۱۲/۳-۲، ۱/۱۳

۱۳۷- عصری علم کلام (یعقوب الرحمٰن عثمانی) ۱۳/۲، ۶
——— کیسے مرتب کیا جائے۔

۱۳۸- عہد وسطیٰ کا ایک زبردست فلسفی: سپینوزا (طفیل عبدالرحمٰن) ۱۴/۵، ۶

۱۳۹- قرآن کا تصور غیب (سید ابوالنظر رضوی) ..../...

۱۴۰- اخلاق اور فلسفۂ اخلاق (حفظ الرحمٰن) ۵/۲، ۳
——— کتاب کا ایک باب

۱۴۱- فلسفہ کیا ہے (ڈاکٹر میر ولی الدین) ۸/۶ ؛ ۹/۱——۳

۱۴۲- وجود و ثبوت باری تعالیٰ پر ایک لمحۂ فکریہ (خواجہ سید محمد علی شاہ سہارنپوری) ۳/۱

۱۴۳- سیرۃ مومنانہ کے مرکزی نقاط: باطن کی تعمیر (صوفی نذیر احمد) ۴۸/۱، ۲

۱۴۵- الجواہر الخمسہ (محمد مسعود احمد) ۴۸/۴
——— تصنیف شیخ محمد غوث گوالیاری

۱۴۶- ہندی مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار (کے۔ پچیدانند مورتی - ترجمہ: صفی الدین صدیقی) ۵۳/۱
——— شاہ ولی اللہ سے لے کر ہمایوں کبیر تک

۱۴۷- روح کا سراغ نظام جسمانی کے سائنٹفک تجزیہ کی شعاعوں میں
(شمس نوید) ۵۴/۱

۱۴۸- عقل کی ماہیت (محمد عثمان فارقلیط) ۲۱/۴

⑦ اسلام

۱۴۹۔ اسلامی تمدن (حفظ الرحمٰن) ۹/۳؛ ۱۰/۵، ۶ ؛ ۱۱/۱، ۲

——— ادھورا مضمون لکھ کر مولانا جیل چلے گئے

۱۴۹ب۔ اسلام کا نظام عصمت وعفت (ظفیر الدین) ۲۸/۳-۶، ۲۹/۳-۶

۱۵۰۔ قومی اور جماعتی زندگی کے نفسیاتی موثرات (محمد تقی امینی) ۳۸/۳، ۴

۱۵۱۔ مسلم سلاطین اور مسیحی فرمانرواؤں کا تقابل (ابوالقاسم رفیق دلاوری) ۳۹/۱

۱۵۲۔ انبیائے کرام اسلام کی نظر میں (ظفیر الدین) ۳۹/۳، ۴

۱۵۳۔ قائدین کی تربیت اور اوصاف وخصائص (محمد تقی امینی) ۳۹/۳، ۴

۱۵۴۔ ابن قیم کی الجواب الکافی کے ایک باب کا ترجمہ (ابوالعلا محمد اسمٰعیل) ۲۸/۱، ۲

——— دنیا اور آخرت کی تمام مصیبتوں کی جڑ گناہ ہیں

۱۵۵۔ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (مناظر احسن گیلانی) ۲۸/۲، ۳، ۴، ۶ ؛ ۲۹/۳، ۴، ۶؛ ۳۰/۱

——— ایک جھگڑالوی یا نام بنام اہلِ قرآن فرقہ سے تعلق رکھنے والے صاحب کے مضمون کو پڑھ کر لکھا گیا۔

۱۵۶۔ تورات کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام (گیلانی) ۲۹/۳-۶ ؛ ۳۰/۱-۶

۱۵۷۔ مسئلۂ امامت اور شہرستانی (حکیم عبدالباقی شطاری) ۲۹/۱

۱۵۸۔ رحمتِ عالم کا پیش کردہ نظامِ حیات (ظفیر الدین) ۳۰/۱

۱۵۹۔ حکمراں طبقہ اسلام کی نظر میں (ظفیر الدین) ۳۵/۱، ۲

۱۶۰۔ اسلام کا جمہوری نظام (قطب الدین احمد) ۳۵/۳-۵

۱۶۱۔ عروج وزوال کے الٰہی قوانین (محمد تقی امینی) ۳۵/۳-۵ ؛ ۳۶/۱، ۲، ۴، ۶ ؛ ۳۷/۲-۴

۱۶۲۔ اسلام کا فلسفۂ تاریخ : حدیث مجددینِ ملت کی روشنی میں (مرزا محمد یوسف) ۳۶/۲-۴

——— اسلام کے فلسفۂ تجدید پر مضمون ہے۔

۱۶۳۔ اسلامی تمدن میں عورت کا حقیقی درجہ (زین العابدین سجاد) ۲/۳

۱۶۴- اسلام میں رواداری کی تعلیم اور آنحضرتؐ کا سلوک غیروں کے ساتھ (شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی) ۱/۱۲

—— طویل مضمون

۱۶۵- میں نے اسلام کیوں قبول کیا (خالد شیلڈرک - ترجمہ: زین العابدین سجاد) ۱/۱

۱۶۶- اسلام کا نظریۂ اجتماع : عقیدۂ توحید کا مقصد وحید (حامد الانصاری غازی) ۳/۱، ۵

۱۶۷- توحید اور اجتماعیت (ابو النظر رضوی) ۱/۲

—— غازی کے مضمون کے سلسلہ میں۔

۱۶۸- کائنات میں انسان کا مقام اسلامی نقطۂ نظر سے (محمد تقی امینی) ۲/۵۰

۱۶۹- مسلمان کے معنی (نظرات) ۶/۲۱

۱۷۰- اسلام میں رسول کا تصور (بدر عالم میرٹھی) ۵/۱۷

۱۷۱- قدرتی نظام اجتماع (ظفیر الدین) ۲/۲۳ —— ۵ ؛ ۶-۵/۲۴ ؛ ۱/۲۵

—— سلسلۂ نظام مساجد

۱۷۲- دربارِ الٰہی یعنی مساجد اسلام کی نظر میں (ظفیر الدین) ۴/۲۵

۱۷۳- پیغامِ ابراہیمؑ (حفظ الرحمٰن) ۵/۲۳

—— عید قرباں کے موضوع پر

۱۷۴- شبِ معراج (حفظ الرحمٰن) ۱/۲۳

—— ریڈیائی تقریر

۱۷۵- پیغمبرِ اسلام کا پیغامِ امن و سلام (زین العابدین سجاد میرٹھی) ۱/۲۲

۱۷۶- اشاعتِ اسلام کے اسباب ڈاکٹر لیبان کی نظر میں (محبوب رضوی) ۱/۲۰، ۲

۱۷۷- نیاز فتحپوری کے دس سوالات کے جوابات (اکبر آبادی) ۴/۵

—— علمائے کرام سے اگست ۴۰ء کے نگار میں جو سوال کئے ہیں (ان کے جواب)

(۱) قرآن کا خدا کے ساتھ وجود میں آنا۔ (۲) قرآن ان الفاظ کا نام نہیں جو چھپتے ہیں۔ (۳) خدا کا کلام۔

(۴) تخلیقِ خداوندی۔ (۵) ترتیبِ قرآن۔ (۶) لوحِ محفوظ میں محفوظ ہونا۔ (۷) ازل سے وجودِ محمدؐ۔ (۸) خدا کا خود اپنے نام سے شروع کرنا۔ بسم اللہ؛ الحمدللہ۔ (۹) اشخاص: ابولہب وغیرہ۔ (۱۰) کلام ہے تو خدا کی زبان بھی ہوگی۔

۱۷۸۔ وحیِ الٰہی (اکبرآبادی) ۵/۵،۶: ۱/۶،۵

——— نیاز کے سوالوں کے سلسلہ میں، تفصیل

۱۷۹۔ اصولِ دعوتِ اسلام (محمد طیب) ۹/۶: ۱۰/۱—۳

⑧ متعلقاتِ اسلام

۱۸۰۔ خیر اندیشی اور حسنِ سلوک (داؤد اکبر اصلاحی) ۱/۳

۱۸۱۔ ادارۂ معارفِ اسلامیہ کا تیسرا اجلاس ۲/۱

——— صدر کے خطبہ کے اقتباسات وغیرہ

۱۸۲۔ استنبول میں بعض اسلامی ہتھیاروں کا ذخیرہ

(تلخیص: المقتطف) ۵/۱

۱۸۳۔ دنیا میں مسلمانوں کی موجودہ آبادی کا صحیح نقشہ ۵/۴

——— زکی علی کی کتاب سے

۱۸۴۔ وحدتِ ملیہ اسلامیہ (قاضی زین العابدین) ۶/۴

۱۸۵۔ گوئٹے اور اسلام (عبدالستار خیری، علی گڈھ۔ ترجمہ و تلخیص: عبدالقوی دریابادی) ۴۰/۱

۱۸۶۔ دارالمصنفین کی جوبلی (نظرات) ۵۴/۲

۱۸۷۔ اسپین میں ابن حزم کی نوسوسالہ یادگار تقریب (قاضی اطہر مبارکپوری) ۵۳/۴

——— جو ۱۲ مئی ۶۳ء کو منائی گئی۔

۱۸۸۔ اسلامی علوم کے ہندی معاصر (سید محمود حسن قیصر) ۵۴/۱—۵

۱۸۹۔ تاریخی حقائق (ظفیر الدین) ۶/۳۴

——— کوئی کتاب لے کر اس کا خلاصہ پیش کر دیتے ہیں اسی طرح اس بار بھی۔

۱۹۰۔ کائنات سے استفادے کے حدود (گیلانی) ۴/۳۴، ۵

——— "کیلئے" کا تتمہ

۱۹۱۔ کیلئے (گیلانی) ۳۰/۴، ۵ : ۳۱/۱—۶ : ۳۲/۱

۱۹۲۔ ہمارا عروج و زوال (سید عبد الماجد) ۳۰/۴

۱۹۳۔ نیکی اور بدی (میر ولایت علی) ۳۲/۱

۱۹۴۔ کیا مسلمانوں کو اپنی موجودہ حالت کا کچھ علم ہے (عبد الرحمٰن، حیدرآباد) ۳۳/۴

۱۹۵۔ زبان کا اصولی و نفسیاتی شعور (وقار احمد رضوی) ۳۷/۴

۱۹۶۔ بحیرۂ مردار، دنیا کا بدترین پانی (محبوب رضوی) ۴۶/۲

۱۹۷۔ زمزم، دنیا کا بہترین پانی (محبوب رضوی) ۴۶/۳

۱۹۸۔ خیرات (منفلوطی۔ ترجمہ: قاضی زین العابدین سجاد) ۶/۳

۱۹۹۔ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی رجحانات (اکبرآبادی) ۹/۳، ۴

۲۰۰۔ ہندوستان میں تصنیفی مشکلات اور اُن کا حل (اکبرآبادی) ۱۲/۱

۲۰۱۔ قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (عبد الرحمٰن خاں) ۱۸/۵

——— عمدہ مضمون

۲۰۲۔ مغرب پر مسلمانوں کے احسان (حتّی۔ ترجمہ: حامد الدین رفعت) ۲۵/۶

۲۰۳۔ اغراض و مقاصد ندوۃ المصنفین دہلی ۱/۱ جمادی الاول ۵۷ھ/جولائی ۳۸ء

۲۰۴۔ "ملک طاؤس" (میجر خواجہ عبد الرشید) ۱۴/۶

——— شیطان کا نام جو یزیدیوں نے رکھا ہے۔

۲۰۵۔ اسلام میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت (سید محمد سیادت امروہوی) ۵۲/۱، ۲

۲۰۶۔ اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل (پروفیسر گب - ترجمہ بیگم افتخار صدیقی) ۲/۵۲
۲۰۷۔ جدید دور میں جدید رہنمائی کی ضرورت (محمد تقی امینی) ۲/۵۴
۲۰۸۔ وجوہ شرف آدم (محمد احمد صدیقی) ۲/۳۴/۱
۲۰۹۔ انسانیت اور تمدن کی تسبیح (") ۳/۳۴
۲۱۰۔ دو سنگموں کا حیرت انگیز توافق (") ۴/۳۴
—— گنگا جمنا اور حضرت موسیٰ کا مرج البحرین
۲۱۱۔ ہمارے دور کی مغربی تہذیب و ثقافت کا زوال (شمس نوید) ۲/۲۵
۲۱۲۔ امید اور خوف : زندگی پر اکسانے والے دو عظیم ترین داعیے (شمس نوید) ۲/۵۰
۲۱۳۔ علمی روزنامچہ (سید ابوالنظر رضوی) ۴/۲۱
—— حالات اور آرزوئیں

⑨ سیاسیات
ہندستانی مسلمان

۲۱۴۔ مشرقی و مغربی بنگال کے فسادات حضرت بل کے نتیجہ میں (نظرات) ۲/۵۲
—— "پاکستان میں کچھ بھی نہ ہو پھر بھی یہاں — جبل پور، علی گڈھ اور چندوسی بن سکتے ہیں"
۲۱۵۔ سیاست سے جدا ہو دیں —— مغربی بنگال کا فساد (نظرات) ۳/۵۲
۲۱۶۔ فسادات اور مسلمان (نظرات) ۵/۵۲
۲۱۶الف۔ گودھرا گورکھپور کا فساد (نظرات) ۱/۵۴
۲۱۷۔ نئی شاستری حکومت کے سامنے ہندوستان کے مسئلے (نظرات) ۱/۵۳
—— خاصکر ہندو مسلم فسادات
۲۱۸۔ مسلمانوں میں صحیح لیڈرشپ : ایک سرسید کی ضرورت (نظرات) ۲/۵۳
۲۱۹۔ لکھنؤ کا شاورتی اجتماع، اور ہماری تجاویز اس کے لئے (نظرات) ۳/۵۳
۲۲۰۔ ہندو پاک جنگ - (نظرات) ۴/۵۵

۲۲۱- جنوبی ہند میں ہندی دشمن طوفان (نظرات) ۲/۵۴

۲۲۲- مذہب کی توہین کرنے والی کتابیں (نظرات) ۴/۲۸

۲۲۳- اتر پردیش میں ذبیحۂ گاؤ ممنوع ہونے پر (//) ..../...

—— چار پانچ سطریں ہی لکھی ہیں مگر خوب لکھی ہیں۔

۲۲۴- اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا اعلان مارچ ۵۶ء میں (نظرات) ۴/۳۶

۲۲۵- مسلمانوں میں ملی شعور کا فقدان (نظرات) ۶/۳۶

—— حفظ الرحمٰن نے گاندھی جی کی پرارتھنا پر اعتراض کیا تو مسعود ن بولے اب سے پہلے اعتراض کیوں نہ کیا۔ وغیرہ۔

مسلمان اخباروں کو کم سے کم دینی حد تک تو متفق ہی ہونا چاہیے۔

۲۲۶- ہندوستان اور اسلام (نظرات) ۶/۲۳

—— لچھمی دھر صدر سنسکرت دہلی یونیورسٹی صوفی قسم کے شخص ہیں۔ ہندو مسلم سوال پر ایڈیٹر برہان سے خوب مزے کی باتیں کہ تقسیم سے ہندوؤں کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام کی اصلاحی تحریک سے کٹ گئے اور ہند میں ہر اچھی چیز سے اس لئے الگ کہ یہ اسلامی۔

—— برہان کا اہم مضمون

۲۲۷- مولانا حفظ الرحمٰن کی گرفتاری (مفتی عتیق الرحمٰن) .. ۳/۵

—— جامع مسجد میں تقریر پر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ میں

۲۲۸- بہار و بنگال کے مسلمانوں میں ہندوانہ شادی کی رسوم (نظرات) ۱/۳۱

—— لڑکے کی قیمت لگا کے شادیاں ہوتی ہیں۔

۲۲۹- اسلامی ریاست ! پاکستان کی اسلامی ریاست ؟ اور سیکولرازم کا تصور (اکبر آبادی) ۱/۴۹

—— ۱۲ صفحات پر مشتمل نظرات،

۲۳۰- "تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں" (شیخ وحید احمد مسعود) ۴/۴۸

۲۳۱- قومی یکجہتی اور مسلمان ۶/۴۷ ؛ ۱/۴۸

۲۳۲- اسلام، اسلامی حکومت اور ہند و پاک ۶/۴۸

۲۳۳- جماعتِ اسلامی اور جمعیۃ العلماء کے کل ہند کنونشن - جماعت پر تنقید ۱/۴۶

۲۳۴- جبلپور، ساگر اور پاکستان ۳/۴۶، ۵

۲۳۵- جبلپور اور حفظ الرحمٰن کی گونج ۴/۴۶

۲۳۶- معاہدۂ یہود علمی نقطۂ نظر سے (شمس العلماء عبدالرحمٰن) ۱/۴، ۲

——— حفظ الرحمٰن نے میرے مضمون متحدہ قومیت کے جواب میں جو مفصل مضمون لکھا ہے اس سلسلہ میں

۲۳۷- تصویر کا دوسرا رُخ (حفظ الرحمٰن) ۳/۴ — ۵

——— جواب الجواب

۲۳۸- جواب حفظ الرحمٰن (عبدالرحمٰن) ۵/ ۱ — ۳

۲۳۹- عدم تشدد ، گاندھی کے ایک مکتوب پر تبصرہ (حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

——— علی گڑھ کے ایک مسلمان کے خط کے جواب میں گاندھی جی نے ہریجن ۱۱ر نومبر ۳۹ء میں

لکھا اُس میں قرآن کو بھی گواہ بنایا۔ (۲) گاندھی جی کی ریسرچ غلط ہے۔ ۱/۴

۲۴۰- خاکسار تحریک پر ایک نظر (اکبرآبادی) ۵/۴

——— سخت تنقید

۲۴۱- متحدہ قومیت اور اسلام (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۳/۵

۲۴۲- لاہور میں "اسلامی جماعت" کی تشکیل، حکومتِ الٰہی کے قیام کے لئے (نظرات) ۱/۸

۲۴۳- نظرات ۱/۸ کے جواب میں منظور نعمانی نے الفرقان میں جو کچھ لکھا اس کے جواب میں (〃) ۳/۸

۲۴۴- جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس حیدرآباد کے موقع پر جمعیۃ کو مشورے (نظرات ۲/۲۶؛

جمعیۃ میں افتراق ۶/۵۵

۲۴۵- جمعیۃ کے اجلاس کے بعد (نظرات) ۵/۲۶

۲۴۶- جمعیۃ کے طریق کار پر تنقید - مسلمانوں کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ (نظرات) ۴/۲۷

۲۴۷- پاکستان گورنمنٹ کی اسلامی حیثیت اور اس میں غیر مسلموں کا درجہ و مقام (اکبرآبادی) ۴۴/۵
——— لیاقت علی خاں کے بقول ان کی حکومت اسلامی ہے دینی نہیں۔

۲۴۸- کیا ہندوستان "دارالاسلام" ہے (محمد میاں) ۴۴/۶
——— اکبرآبادی کے مضمون پر مکتوب

۲۴۹- مسلمان پر عذاب: ہندو سکھ لوٹ (اکبرآبادی) ۴۳/۲

۲۵۰- ٹنڈن جی - ہندو کلچر - مسلمان اور بھارت (اکبرآبادی) ۴۴/۶

۲۵۱- پھر وہی انداز ——— مسلمان اور پاکستان (") ۲۵/۵

۲۵۲- مسلمان ملازم کی جان بچاتے ہوئے چیمبر آف کامرس کے صدر ہلاک! (اکبرآبادی) ۴۴/۴
——— کیمرن جو نہ ہندو نہ مسلمان !!

۲۵۳- ہندوستان اور پاکستان (اکبرآبادی) ۲۵/۲

۲۵۴- ہم ہیں سجود پائے صنم پر دمِ وداع ؂ مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں (اکبرآبادی) ۴۴/۱
——— پاکستان کی طرف بھگدڑ پر

۲۵۵- ہندو مسلم سوال: پاکستان و ہندوستان آزادی کے بعد (محمد میاں) ۴۴/۳

۲۵۶- دہلی کی تباہی: فسادات (اکبرآبادی ؟) ۲۰/۱، ۲

——— برہان ستمبر تا دسمبر ۱۹۴۷ء اور جنوری ۱۹۴۸ء میں بند، فروری ۱۹۴۸ء میں نکلا۔

۲۵۷- اچاریہ کرپلانی کا بیان اور ہندو، مسلمان (نظرات) (۲۰/۲۱)/۵

۲۵۸- تقسیم، مسلمانوں کی پچھلی سیاست اور جمعیۃ العلماء (نظرات) (۲۰/۲۱)/۴

۲۵۹- زبان - ہندو مسلم کلچر - ہندوستان (") ۲۳/۱

۲۶۰- سپرو ہاؤس کا مسلم کنونشن (") ۴۷/۱

۲۶۱- ہندوستان کے مسلمان (") ۴۷/۲

۲۶۲- ایک کلچر ایک زبان کا نعرہ (") ۲۱/۳

۲۶۳- ۴۷ء کے بعد ہندوستانی مسلمان (تاثرات) ۲۱/۱

۲۶۴- فرقہ پرستی اور اقلیت (") ۲۱/۵

۲۶۵- علماء اور حکومت۔ (خواجہ عبدالرشید) ۴۷/۱

۲۶۶- جواب (اکبرآبادی) ۴۷/۲، ۳

۲۶۷- جواب الجواب (خواجہ عبدالرشید) ۴۸/۱

۲۶۸- علمائے ہند کا سیاسی موقف (اکبرآبادی) ۲۱/۲—۵

—— اہم مقالہ: ہندوستانی سیاست کی تاریخ پر

۲۶۹- علی گڑھ (اکبرآبادی) ۳۷/۶

—— "ریجیس لیڈرز" کے تعصبہ کو بنیاد بنا کر ابھی تک علی گڑھ اور مسلمانوں پر پارلیمنٹ میں کیچڑ اچھل رہی ہے۔ اس پر تیز اداریہ

۲۷۰- ہندوستان کے فسادات پر (اکبرآبادی) ۴۲/۵، ۶

۲۷۱- مسلمان کیا کریں (اکبرآبادی) ۴۳/۳

—— یہ سوال ہی غلط ہے: اصل یہ ہے کہ "کون کرے" اور "کیوں کرے"۔ اجتماعیت مفقود ہے ورنہ ہے یہ کہ ۴/۱ کروڑ کے چندے سے بڑے سے بڑا کام ہو سکتا ہے۔

۲۷۲- مسلمانانِ ہند (اکبرآبادی) ۴۴/۱

۲۷۳- علی گڑھ

—— مسلم یونیورسٹی ایکٹ کے سلسلہ میں پارلیمنٹ میں تبدیلیاں لانے پر غور (اکبرآبادی) ۲۷/۱، ۲

۲۷۴- مسلم یونیورسٹی کے خلاف ہیجان (اکبرآبادی) ۴۵/۶

۲۷۵- اسلامی جماعت ہند میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس کا سبب (اکبرآبادی) ۲۸/۵

—— جماعت اسلامی پر ؟ سراہا ہے۔

۲۷۶- لاہور میں عید کی نماز اردو میں پڑھی گئی (اکبرآبادی) ۶/۳۸
——— اعتراض کیا ہے۔
۲۷۷- مسئلہ قومیت مصنفہ ابوالاعلیٰ مودودی پر تبصرہ (اکبرآبادی) ۳/۴ ۵
۲۷۸- علمائے حق (اکبرآبادی) ۳/۲
۲۷۹- علمائے کرام سے خطاب (اکبرآبادی) ۲/۴-۶
۲۸۰- ٹنڈن جی کانگریس کے صدر (اکبرآبادی) ۳/۲۵
۲۸۱- اسلام میں ریاست کا تصور (محمد آصف سیوہاروی) ۲/۱۲
۲۸۲- اسلام میں حکومت کا تصور (") ۶/۱۵
۲۸۳- عدم تشدد اور حفاظت خود اختیاری (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۲/۱۸
۲۸۴- خطبہ جمعہ کی زبان (گیلانی) ۳/۱۸
۲۸۵- فرقہ وارانہ فسادات (اکبرآبادی) ۵/۱۷؛ ۱/۱۸
۲۸۶- موجودہ فسادات اور اسلام (اکبرآبادی) ۶/۱۸

(۱۰) معاشیات

۲۸۷- زمین داری اور جاگیرداری کا تاریخی پس منظر (تقی الدین بہاری) ۲۹/۳-۴
۲۸۸- آراضی مفتوحہ (ایضاً) ۵/۲۹
۲۸۹- بھوک سے خطرہ ہے! (شمس زید) ۰۰/۰۰۰
۲۹۰- بیمۂ زندگی: ممتاز علمائے مصر کی نظر میں (ترجمہ: فضل الرحمٰن گنوری) ۳/۴۴
——— لواء الاسلام سے ترجمہ
۲۹۱- قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج (خورشید احمد فارق) ۳۴/۵، ۶
۲۹۲- اسلام کا اقتصادی نظام (حفظ الرحمٰن) ۶/۱؛ ۲/۳، ۴؛ ۶
۲۹۳- اسلامی معاشیات (عبدالرحمٰن خان) ۳/۱۲

۲۹۴- اسلام میں دولت و افلاس کا توازن (سید نا ہد قیصر رضوی) ۲/۱۲

۲۹۵- اسلام اور نظامِ سرمایہ داری: جذبۂ اکتناز کی معترتوں پر ایک نظر (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۱۶/۲، ۳

۲۹۶- اسلام اور اشتراکیت (مشیر حسین قدوائی - ترجمہ: ملک حامد حسین) ۵/۵، ۶

۲۹۷- مسلمانوں کی مالی حالت (سید طفیل احمد منگلوری) ۶/۳

۲۹۸- علم الاخلاق اور علم المعیشت کا باہمی ربط و تعلق:

حضرت شاہ ولی اللہ کا ایک خاص نظریہ (حفظ الرحمٰن) ۶/۳

۲۹۹- "اسلام کا اقتصادی نظام" اور رسالہ ترجمان القرآن (") ۶/۴

——— 'غیر علمی' انداز پر مولانا مودودی نے تنقید کی ہے، اس کے جواب میں

۳۰۰- گائے اور ہندوستان (الہلال' مصر سے ترجمہ) ۴/۲

۳۰۱- مسلمانوں کا نظامِ مالیات: تاریخی نقطۂ نظر سے (تلخیص) ۹/۱، ۳، ۴

——— حسن ابراہیم حسن کی "النظم الاسلامیہ" کی تلخیص

۳۰۲- سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اس کے اقسام (مارل ڈیلی - ترجمہ: مغنی الدین شمسی) ۲/۱۷۱

۳۰۳- ہندوستان کا زراعتی ارتقا (ایشیاٹک ریویو سے تلخیص) ۹/۵، ۲؛ ۱۰/۱

۳۰۴- اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں (محمد نجات اللہ صدیقی) ۴۸/۶؛ ۴۹/۱

۳۰۵- سرمایہ کاری کی معاشی حقیقت: اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے معاوضہ کی وجہِ جواز

(سید معین الدین قادری) ۵۵/۳، ۴

۳۰۵ الف- بوم باورک اور اس کی کتاب "سود کے نظریاتکی تاریخ و تنقید": ایک تعارف (فضل الرحمٰن) ۵۵/۵، ۶

(۱۱) سماجیات

۳۰۶- اسلام کا نظامِ امن و امان (ظفیر الدین) ۴۰/۵، ۶؛ ۴۱/۱، ۳

۳۰۷- رفاہِ عام کے کام اسلامی دنیا میں (نظر شاہ) ۴۴/۴—۶

- بہار و بنگال کے مسلمانوں میں ہندوانہ شادیاں (تفرات) ۳۱/۱

——— لڑکے کی قیمت لگا کے شادیاں ٹھہرتی ہیں۔

۳۰۹- شادی پر سوا روپیہ صرف کرنے کی پنجابی سکھوں میں تحریک چل پڑی (اکبر آبادی) ۳۱/۴
——— مسلمانوں کو سبق لینا چاہیئے۔
——— "پنجاب کے گیانی پرتاپ سنگھ نے ایک تحریک شروع کی ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر سوا روپیہ سے زیادہ خرچ نہ کیا جائے۔ یہ تحریک پنجاب میں اور وہ بھی سکھوں میں خصوصاً بہت کامیاب ہو رہی ہے اور اب تک متعدد خاندانوں میں شادیاں اسی اصول پر ہو چکی ہیں۔ یہ خبر اگر صحیح ہے تو سب سے زیادہ عبرت مسلمانوں کو ہونی چاہیئے جن کے پیغمبر نے سب سے پہلے اپنی لخت جگر کی انتہائی سادگی کے ساتھ شادی کر کے ایک مثال قائم کی تھی اور قرآن نے نبی رسول اللہ اسوۂ حسنہ کہہ کر اس مثال کی پیروی کی دعوت دی تھی۔ ہائے: مجھے خدا گی پہ آتا ہے رونا ہے کہ اس طرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی"

⑫ تعلیم

۳۱۰- مسلم ایجوکیشنل کانفرنس: ماضی و مستقبل (محمد عتیق بی اے) ۲۸/۵
۳۱۱- ہمارا مسئلۂ تعلیم (اکبر آبادی) ۳۱/۵'۶
۳۱۲- قدیم اور جدید تعلیم کے بعض خصوصیات و امتیازات (نصیر الدین ہاشمی) ۳۲/۶
۳۱۳- مدارس عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکر (اکبر آبادی) ۳۲/۱ ؛ ۳۳/۱'۲'۳'۶ ؛ ۳۴/۱'۲
۳۱۴- علوم قدیمہ کا تحفظ (مرزا محمد یوسف) ۴۰/۶
۳۱۵- تعلیم میں غیر سکولر عنصر پر مولانا حفظ الرحمٰن کی پارلیمنٹ میں تقریر (نظرات) ۴۴/۴
۳۱۶- جمعیۃ العلماء ہند کے زیر قیادت بمبئی میں دینی تعلیمی کونشن (نظرات) ۴۴/۲
——— دینی تعلیمی بورڈ بن گیا۔
۳۱۷- بستی تعلیمی کانفرنس، جمعیۃ کانفرنس وغیرہ کی تعلیمی سرگرمیاں (نظرات) ۴۵/۱
۳۱۸- دیوبند (اکبر آبادی) ۳۵/۱
——— آئیڈیل دور، اپنا زمانہ۔ وہاں کے اہم طلبا؛ اچھے اصول وغیرہ۔
۳۱۹- جامعۂ ازہر (ترجمہ: مجیب الرحمٰن عثمانی) ۳۸/۲

۳۲۰ - قدیم اسلامی نظام تعلیم کی ایک جھلک (محبوب رضوی) ۵/۲۸
۳۲۱ - ہندستان میں قدیم تعلیمی نظام کی بربادی (") ۱/۲۹
۳۲۲ جمعیۃ العلماء کی تعلیمی کانفرنس، احمد آباد کا خطبۂ صدارت (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۵/۲۹
۳۲۳ - مدرسۂ عالیہ کلکتہ کی تاریخ (سعید احمد اکبرآبادی) ۲/۳۰
۳۲۴ - قدیم اسلامی درسگاہوں کے نصاب کی اصلاح کے متعلق چند بنیادی باتیں
(عبدالسلام خاں رام پوری) ۳/۳۰
۳۲۵ - ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس علی گڑھ (نظرات) ۳/۲۸
——— نشاۃ ثانیہ پر خوشی
۳۲۶ - واردھا اسکیم اور "ودیا مندر" اسکیم (اکبرآبادی) ۱/۲
۳۲۷ - اینگلو عربک کالج دہلی کا حال زبوں (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۳/۵
۳۲۸ - دارالعلوم دیوبند میں نصابی کمزوریاں اور انتظامی بدعنوانیاں (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۱/۱۱
۳۲۹ - یادگار شیخ الہند: متوسلین دارالعلوم دیوبند کے لئے حضرت شیخ الہند کی وصیت
(عبیداللہ سندھی) ۵/۱۱
——— "مولانا نانوتوی کی تصانیف نصاب میں داخل ہوں۔
دیوبند نہ کرے تو ہم خود دہلی میں درس دیں گے۔"
۳۳۰ - مسلم یونیورسٹی اسلام کی طرف (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۲/۱۳
۳۳۱ - امریکہ میں مشرقی علوم کی اشاعت (الہلال سے ترجمہ، حافظ رشید احمد) ۲/۱۳، ۳
۳۳۲ - دیوبند میں علم کی پہلی درسگاہ: عہد عالمگیری کے دو پروانے (سید محبوب رضوی) ۱/۱۵
۳۳۳ - عربی مدارس؛ نصاب تعلیم؛ اصلاح (نظرات) ۳/۱۸؛ ۴
۳۳۴ - بچوں کی تعلیم و تربیت (اکبرآبادی) ۶/۱۷؛ ۱/۱۸، ۲؛ ۳/۱۸
۳۳۵ - دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات (محبوب رضوی) ۱/۲۵
۳۳۶ - علی گڑھ، دیوبند، ندوۃ اور جامعہ (نظرات) ۱/۵۲

۳۳۵- جامعہ ملیہ اور اسلامیہ: اسلامیہ پر گاندھی جی کا اصرار (نظرات) ۱/۲۱
۳۳۶ج- وائس چانسلر علی یاور جنگ کی تعریف ۶/۵۴
۳۳۷- مسلم یونیورسٹی کا ہنگامہ (نظرات) ۵/۵۴
۳۳۸- مسلم یونیورسٹی کا معاملہ عوامی تحریک بننے لگا۔ (نظرات) ۱/۵۵ ؛ ۳/۵۵

⑬ نفسیات

۳۳۹- تحلیلِ نفسی کا تاریخی پس منظر (معز علی بیگ) ۱/۳۲
۳۴۰- خواب (سید عبدالماجد) ۶/۳۵ ؛ ۲/۴۴
۳۴۱- علم النفسیات کا ایک افادی پہلو: ذکر کی فضیلت اور ماہیت (خواجہ عبدالرشید) ۴/۴۵
۳۴۲- زندگی اور علم النفسیات (صفی الدین شمسی) ۱/۱۶
۳۴۳- داخلی محرکات اور علم النفس (ہدایت الرحمٰن محسنی) ۵/۱۶
۳۴۴- علم النفسیات کا ایک افادی پہلو (لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید) ۲/۱۷، ۵؛ ۴/۱۸، ۵
۳۴۵- اسلامی دنیا کا ایک ماہر نفسیات: امام غزالی اور میکڈوگل کا تقابلی مطالعہ: عبدالمالک آروی) ۵/۳، ۵
۳۴۶- علم النفسیات کا ایک افادی پہلو: ذاتی مشاہدہ (خواجہ عبدالرشید) ۵/۴۶
۳۴۷- قوتِ حافظہ (تلخیص: سید محبوب رضوی) ۴/۵
۳۴۸- بچوں کی تعلیم و تربیت، علم النفسیات کی روشنی میں (ہدایت الرحمٰن محسنی) ۴/۶
۳۴۹- نفسِ انسانی (قاضی عبدالحمید) ۵/۸
۳۵۰- سحر و صابئیت تاریخ کی روشنی میں (محمد ادریس صدیقی) ۱/۱، ۲، ۴، ۵
۳۵۱- خواب (سید عبدالماجد) .../... (۴۹/ ؟)
——— رویائے صادقہ پر بھی

⑭ سائنس

۳۵۲- ابن موسیٰ خوارزمی علم جبر کا پہلا مسلمان موجد (محمد بن عبداللہ سمان - ترجمہ: خالد کمال مبارکپوری) ۳/۴۵

۳۵۲۔ قانونِ کشش ثقل ، نیوٹن اور حکیم ناصر خسرو علوی (میر ولی اللہ رئیس آبادی) ۵/۱۵
۳۵۳۔ "ابن موسیٰ خوارزمی" والے مضمون پر انتقاد و ایزاد (شبیر احمد خاں غوری) ۵/۴۵
۳۵۴۔ موجوں کی کہانی (نصیر احمد عثمانی) ۲/۲۸
۳۵۵۔ جوہری توانائی (عبدالرحمٰن خاں) ۶/۲۷
۳۵۶۔ آواز کی کہانی (نصیر احمد عثمانی) ۱/۲۹
۳۵۷۔ روشنی کی کہانی (") ۲/۲۹
۳۵۸۔ غذا اور سائنس (محمد احسن جلیل) ۶/۳۲
۳۵۹۔ جاحظ کی کتاب الحیوان (خورشید احمد فارق) ۳۶/۵، ۶
۳۶۰۔ ارتقائے عالم (احسان اللہ خاں) ۵/۳۷
۳۶۱۔ زمین کا کرۂ ہوائی (عبدالرحمٰن خاں) ۶/۱۰
۳۶۲۔ نقشِ فطرت میں تنظیم و تربیت (ترجمہ : نصیر احمد عثمانی) ۶/۱۱
۳۶۳۔ " " ۔۔ اشعاع (") ۲/۱۲
۳۶۴۔ " " ۔۔ کائنات بحیثیتِ مجموعی (") ۳/۱۲
۳۶۵۔ " " ۔۔ زمین بحیثیتِ مرزبوم انسان (") ۵/۱۲
۳۶۶۔ عمر خیام کا کلینڈر (عمر سلیمان - ترجمہ) ۳/۱۲
۳۶۷۔ عجیب ستارے : آسمانِ دنیا کے بونے (تلخیص : مجلّہ کابل) ۱/۶
۳۶۸۔ قانونِ قدرت پر تفصیلی بحث (محمد عقیل) ۶/۴
۳۶۹۔ اسلام اور سائنس (محمد عثمان فارقلیط : ایڈیٹر اخبار زمزم) ۶؛ ۱/۵
۳۷۰۔ عذاب الٰہی اور قانونِ فطرت (محمد انوری لائلپوری) ۲/۵، ۳
۳۷۱۔ عذاب الٰہی اور قوانینِ فطرت (ابوالنظر رضوی) ۲/۵، ۶
۳۷۲۔ اسلام اور اکتشافاتِ حاضرہ (محمد عثمان فارقلیط) ۱/۶
۳۷۳۔ میڈم کوری، ریڈیم کی دریافت کنندہ ("ارمغانِ ایران" ترجمہ : محوی صدیقی) ۶/۴، ۵

۳۷۴- سائنس اور الوہیت (سید محمد عقیل) ۴/۱

۳۷۵- پہلا انسان اور قرآن (سید حسین شور) ۶،۵/۷ ؛ ۲،۱/۸

۳۷۶- قرآن حکیم اور علم الحیوانات (عبدالقیوم ندوی) ۲،۱/۸

۳۷۷- نظام کائنات (حامد الانصاری غازی) ۵/۹

۳۷۸- علم حقائق (ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری) ۱/۱۰

۳۷۹- ابو عبید الجورجانی کی تلخیص رسالہ در ارثماطیقی (غوری) ۳/۵۰
ـــــ ندوۃ العلماء میں قلمی نسخہ ہے۔

۳۸۰- جوہری بادل اور قرآن مجید کی پیشگوئی (خواجہ عبدالرشید) ۱/۲۱

۳۸۱- نباتات اور جمادات میں زندگی اور شعور (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۲/۲۱

(۱۵) طب

۳۸۲- مسلمان اور طب (خواجہ عبدالرشید) ۱/۱۱

۳۸۳- استدراک بر مقدمہ شرح حمیات قانون، تالیف حکیم شریف خاں دہلوی (سید محبوب رضوی) ۱/۱۲

(۱۶) جہاز رانی ـــ تقویم

۳۸۴- ابن ماجد، نویں صدی ہجری کا مشہور امیر البحر عرب (قدری حافظ طوقان - تلخیص) ۳/۴

۳۸۵- ہجری اور عیسوی سنین کی تطبیق کا قاعدہ (ماخوذ از الہلال، مصر) ۵/۴

: (سنہ عیسوی - ۶ر ۶۲۱) × $\frac{۱۰۰}{۹۷}$ = سنہ ہجری

مثلاً ۱۹۴۰ء = (۱۹۴۰ - ۶ر۶۲۱) × $\frac{۱۰۰}{۹۷}$ = ۴ر۱۳۱۸ × $\frac{۱۰۰}{۹۷}$

= $\frac{۱۳۱۸۴}{۹۷}$ = ۱۳۵۹ ہجری

کیونکہ (۱) سنہ ہجری کی جمعہ یکم محرم سنہ ۱ھ کو ۶۲۲ء کی ۱۶ر جولائی تھی۔

(۲) سو سال ہجری قمری ۹۷ عیسوی سال کے لگ بھگ ہوتے ہیں اس لئے "۶ر۶۲۱" اور "$\frac{۱۰۰}{۹۷}$"

⑰ لسانیات (ومتعلقات)

۳۸۶- اُردو کا مسئلہ؛ انجمن ترقی اُردو کی مہم (نظرات) ۱/۲۸

۳۸۷- ہندی؛ اُردو، انجمن ترقی اردو (ایضاً) ۶/۲۷

۳۸۸- اُردو کہاں بولی جاتی ہے (ایضاً) ۳/۳۶

—— بہت عمدہ شذرہ

۳۸۹- اُردو کی ترقی کے سلسلہ میں ایک تجویز (خواجہ احمد فاروقی) ۱/۳۷

۳۹۰- لسانی اقلیتی کمشنر کے تقرر کا اعلان (نظرات) ۲/۳۷

۳۹۱- اُردو جیت رہی ہے: کانگریس کا تاریخی رزدولیشن (نظرات) ۲/۱۴

—— مرکزی وزارت داخلہ کا ۱۴ر جولائی کا پریس نوٹ بھی دیا ہے۔

۳۹۲- اُردو پر حفظ الرحمٰن کی تقریر: پارلیمنٹ چراغ پا (نظرات) ۴/۲۳

۳۹۳- اُردو ہندوستان میں (نظرات) ۳/۲۳

۳۹۴- اُردو ہی ہندوستان کی زبان ہو سکتی ہے (حمیدہ سلطان) ۴/۲۴

۳۹۵- ہندوستانی- اور یوپی کی حکومت (عبادت بریلوی) $\frac{(۲۰)}{۲۱}$/۶

—— نظرات، عبادت بریلوی نے لکھے ہیں۔

۳۹۶- درجۂ اُردو: اُردو کی شرعی حیثیت کیا ہے (حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ) ۳/۷

—— وصل بلگرامی کے مراسلہ کے جواب میں

۳۹۷- مسئلۂ زبان اور ہندوستان —— شرعی نقطۂ نظر سے (محمد طیب مہتمم دیوبند) ۲/۷-۶

۳۹۸- علم بدیع کی تاریخ و تدوین (اشفاق علی خاں شاہجہان پوری) ۳/۴۹

⑱ صحافت

۳۹۹- ایک انگریزی روزنامے کی ملی ضرورت (اکبرآبادی) ۲/۴۳

۴۰۰- لندن سے محمد اسلم پاکستانی نے اُردو ماہنامہ سروش اسلامی تبلیغ کے لئے نکالا ہے (نظرات) ۶/۴۴

۴۰۱۔ انگریزی میسنجر پچھلے تین ماہ سے شائع ہو رہا ہے۔ (تلنگانہ) ۴/۲۸

۴۰۲۔ الہ آباد کا الانصاف اب سہ روزہ دعوت کی شکل میں دلی سے (جون ۵۴ء) ۶/۳۲

۴۰۳۔ صوفات زیر نگرانی طیح آبادی: اشتہار میں درج ہے کہ اشاعت کو ایک سال ہوا ۲/۳۷

۴۰۴۔ آجکل کشمیر نمبر پر تبصرہ ۲/۳۵

—— اگست ۵۵ء

۴۰۵۔ غدر سے پہلے کے چند اردو اخبارات (قدم علی مجن لال کی تلخیص

جامع الاخبار۔ فوائد الناظرین۔ قران السعدین۔ دہلی اردو اخبار

۴۰۶۔ ابوالحسن علی ندوی کا پندرہ روزہ تعمیر چند ماہ سے نکل رہا ہے۔ ۲/۲۲

۴۰۷۔ رسالہ تعمیر رام پور پر تبصرہ ۶/۴

—— ایڈیٹر برق زیدی۔ کچھ عرصے سے مسلسل نکل رہا ہے۔

۴۰۸۔ روزنامہ ہندوستان بمبئی (رئیس احمد جعفری ایڈیٹر) ۶/۴

—— خلافت سے منقطع ہونے کے بعد یہ نکال رہے ہیں۔

۴۰۹۔ ترجمان سرحد پشاور۔ ۳/۶

—— جنوری ۲۶ء سے باقاعدگی کے ساتھ جاری

۴۱۰۔ پریس کی ابتدا ہندوستان میں (شانتی رنجن بھٹاچاریہ) ۶/۴۹

(۱۹) اُردو ادب

۴۱۱۔ نظم و نثر کی تاریخی اور تنقیدی حیثیت (جوہر نظامی) ۱/... (۵۰ء ؟)

۴۱۲۔ غالب اور ریاض الافکار (نثار احمد فاروقی) ۱/۵۰

۴۱۳۔ خاص الفقر: ایک دکنی مثنوی (مرتبہ ابوالنصر خالدی) ۶/۵۰، ۱/۵۱، ۵-۱

—— مؤلفہ حاجی محمد رفیع فتاحی۔

۴۱۴۔ سید سلیمان ایک مکتوب نگار کی حیثیت سے (سید ذوالفقار بخاری) ۳/۵۳

۴۱۵- ہندی شاعری میں خاندانِ رسالت کی توصیف و تعریف (زیدی جعفر رضا) ۵/۵۴
مسلمان شعرا ہی ہیں۔

۴۱۶- اُردو تذکروں کی تنقیدی اہمیت (عبادت بریلوی) ۵/۱۱

۴۱۷- مرزا غالب اور یوسف علی خاں ناظم (حمیدہ سلطان)

۴۱۸- مرزا غالب کی شاعری اور ان کی شخصیت (عزیز الرحمٰن جامعی)

۴۱۹- حالی اور پیروی مغربی (اکبرآبادی) ۱/۱۷، ۲ (امتیاز علی عرشی) ۲/۱۷
—— مغربی شاعر مراد ہے یا مغربی تہذیب !!

۴۲۰- نواب الٰہی بخش معروف (حمیدہ سلطان) ۴/۸

۴۲۱- عارف اور کلامِ عارف پر ایک نظر (") ۲/۴ : ۴/۷
—— زین العابدین خاں عارف

۴۲۲- پرتھی راج راسو (بشیر الدین پنڈت) ۳/۳۲

۴۲۳- ہندی ادب کی ترقی میں مسلمانوں کا حصّہ (پنڈت لچھمی دھر کے مقالہ کے ترجمہ کی تلخیص) (اکبرآبادی) ۳/۲۵

۴۲۴- محمد اشرف خاں لکھنوی ثم دہلوی (عابد رضا بیدار) ۲/۳۵

۴۲۵- فراقی اور اس کی نایاب مثنوی (نصیر الدین ہاشمی) ۳/۳۷

۴۲۶- میر کی اخلاقی قدریں (لکشمی نرائن وششٹ تابش) ۲/۴۰

۴۲۷- خطبۂ صدارت : یومِ رسوا (خواجہ احمد فاروقی) ۵/۴۰

۴۲۸- رفتارِ ادب (نثار احمد فاروقی) ۶/۴۱
—— ریڈیائی نشریہ

۴۲۹- اسماعیل خاں ابجدی اور ان کی تصانیف (نصیر الدین ہاشمی) ۳/۴۱

۴۳۰- اُردو ادب اس سہ ماہی میں (خواجہ احمد فاروقی) ۱/۲۸ ؛ ۱/۲۹
—— ریڈیائی نشریہ

۴۳۱- شیخ علی بخش بیمار (عابد رضا بیدار) ۵/۳۰

۴۳۲- محمد حسین آزاد اور نیرنگِ خیال (لکشمی نرائن وششٹ) ۵/۳۱ ۱

۴۳۳- عہدِ مصحفی کے ادبی رجحانات (خواجہ احمد فاروقی) ۶/۳۳

۴۳۴- ذکرِ مصحفی (نثار احمد فاروقی) ۶،۵/۴۲ ؛ ۶-۱/۴۳ ؛ ۱/۴۴

۴۳۴ب- سید سلیمان ندوی بحیثیت ایک مورخ (سید ذوالفقار حسین بخاری) ۵/۵۵

۴۳۵- مولانا سید سلیمان ندوی کے علمی و تاریخی کارنامے (ابو علی اعظمی) ۶/۴۴

۴۳۶- غالب نما (نثار احمد فاروقی) ۴،۲/۴۴ ؛ ۱/۴۶

۴۳۷- حضرت غمگین شاہجہان آبادی (مسعود احمد) ۶،۵/۴۴ ؛ ۱/۴۵

۴۳۸- حضرت غمگین —— استدراک (قاضی عبدالودود) ۴/۴۵ ؛ ۵،۴/۴۶

۴۳۹- سید صاحب کی زندگی کے وہ خاص گوشے جن سے میں متاثر ہوا (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۳،۲/۳۲

—— سید سلیمان پر

۴۴۰- راجہ گووند بخش اور اُن کی شاعری (ثمینہ شوکت) ۳،۲/۴۲

۴۴۱- دیوانِ مخلص کا ایک نادر نسخہ (امتیاز علی عرشی) ۳/۲۵

—— آنندرام مخلص، فارسی دیوان پر اُردو اشعار۔ مسودۂ مصنف۔ اُردو کے ۳۲ شعر۔

۴۴۲- میر قمر الدین منت (سید اظہر علی) ۳/۱۱ حبیب الرحمٰن اعظمی ۴/۱۱ - سید حسن مثنیٰ ندوی ۴/۱۱

۴۴۳- مسدس حالی کا نادر الوجود فارسی ترجمہ (سید محبوب رضوی کٹیلا گر دیوبند) ۱/۵

—— فیروز الدین احمد کشمیری وکیل ہائی کورٹ کشمیر نے ترجمہ کیا۔

۴۴۴- نواب عالی مرحوم (حمیدہ سلطان) .../...

—— علائی کے چھوٹے صاحبزادے۔ اقبال کے قطعہ "ایں چہ بوالعجبی ست" کا جواب بھی انھوں نے دیا ہے۔

۴۴۵- ایک ادبی خطبہ (سیماب اکبرآبادی) ۵/۱۲

—— ۲۲ مارچ کو دہلی کے مشاعرہ میں۔



۴۴۶- منشی نبی بخش حقیر اور غالب (سید آفاق حسین) ۵/۱۸

۴۴۷- ابوالمظفر نواب سراج الدین احمد خاں سائل (حنیفہ الرحمٰن واصف: ۲۳/۱ — ۶ ؛ ۲۴/۱، ۲

۴۴۸- ایک گمنام شاعر: وفا رامپوری (امتیاز علی عرشی) ۲/۲۲

۴۴۹- غالب اور مومن تغزل کی روشنی میں (مظفر شاہ خاں) ۲۰/۱، ۲

۴۵۰- تاریخ ادب اُردو کی کتابیں جنگِ عظیم کے بعد (نصیرالدین ہاشمی) ۱/۹

۴۵۱- فنِ تمثیل (اشتیاق حسین قریشی) ۶/۹

۴۵۲- یادِ ایامِ صحبت فانی (تابش دہلوی) ۲/۹

۴۵۳- مرزا غالب اور نواب امین الدین احمد خاں (حمیدہ سلطان) ۳/۱۰

۴۵۴- حسرت موہانی (عابد رضا بیدار) ۱/۴۷ — ۶ ؛ ۱/۴۸ - ۵ ؛ ۳/۴۹-۶ ؛ ۱/۵۰

۴۵۵- جگر اور ڈیپ سائکالوجی (حکیم رشید احمد معتصم بریلوی) ۷/۴۴

(۲۰) شاعری

۴۵۶- غزل (سعید احمد اکبرآبادی) ۶/۳۶

——— 'حالات ہندستان کے پیشِ نظر بہت عمدہ غزل'

۴۵۶ ب- شمس نوید کی نظمیں، متفرق پرچے۔ برہان نے اس باب میں اگر کوئی واقعی کفارہ ادا کیا ہے تو صرف شمس نوید کو شائع کر کے۔ ورنہ ساڑھے تین سو رسالوں میں کم ہی چیزیں کام کی ملیں گی۔

۴۵۷- روشن صدیقی کی "خواب و بیداری" ۳/۶

۴۵۸- "اے مسلمان نوجوان" (عبدالرحمٰن خاں کی فارسی نظم) ۶/۱۲

——— ڈیڑھ صفحے کی نظم ہے اور چھ صفحے کے تاریخی نوٹ ہیں۔

۴۵۹- مسز سروجنی نائیڈو کی شاعری (حمیدہ سلطان) ۵/۲۳

۴۶۰- مسافر ابدی: گاندھی جی کی یاد میں (روشن صدیقی) ۵/۲۱

(۲۱) ابوالکلام آزاد

۴۶۱- اسلامی قانون مولانا آزاد کی نظر میں (رفیع اللہ عنایتی) ۲/۴۵

۴۶۲- آہ ابوالکلام —— ایک تاثر (خواجہ احمد فاروقی) ۴/۴۰

۴۶۳- مولانا ابوالکلام کا سفرِ عراق افسانہ ہے یا حقیقت (مہر محمد خاں شہاب) ۴/۲۶

۴۶۴- مولانا آزاد کے مذہبی عقائد (رفیع اللہ عنایتی) ۵/۴۲

۴۶۵- مولانا آزاد کی مستند سوانح عمری کا خاکہ (عابد رضا بیدار) ۱/۴۳

۴۶۶- مولانا آزاد، غبارِ خاطر اور کاروانِ خیال: حیرت انگیز اصلاحی عمل (ایضاً) ۴/۴۴

۴۶۷- آزاد —— ایک صحافی (عابد رضا بیدار) ۴/۴۳

—— صحافت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ یکجا کر دیا گیا ہے۔ الہلال کے اہم نمونے بھی ہیں۔

۴۶۸- اسلام کا اقتصادی نظام مولانا آزاد کی نظر میں (رفیع اللہ عنایتی) ۲/۴۳

۴۶۹- مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا انتساب (فضل الرحمٰن عراقی) ۶/۴۳

—— بنام دین محمد قندھاری ہے جنھیں میں خود جانتا ہوں۔

۴۷۰- ابوالکلام —— حبیب الرحمٰن شروانی تعلقات پر لطیف تبصرہ (اکبرآبادی) ۳/۲۵

۴۷۱- مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت ایک صاحب طرز انشا پرداز کے (رفیع انور) ۱۱/۵،۶

۴۷۲- مولانا آزاد کا ایک فیصلہ (سید عطاء النبی- کلکتہ) ۴/۴۶

—— مسجد نا خدا کے بارے میں ۱۹۲۰ء میں، اسی زمانہ کا شائع شدہ پمفلٹ۔

۴۷۳- مکتوباتِ سلیمانی مرتبہ عبدالماجد دریابادی پر تبصرہ (اکبرآبادی) (۵۲) ۴/۵۴...

—— خاصکر مولانا آزاد کے سلسلہ میں

۴۷۴- مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبیداللہ سندھی: افکار و شخصیات، تقابلی مطالعہ (ابو سلمان شاہجہانپوری) ۴/۵۵

⑳ اقبال

۴۷۵- اقبال اور قرآن (اکبر حسین قریشی) ۳/۴۷

۴۷۶- تلمیحاتِ اقبال (") ۶/۴۷ ؛ ۴/۴۸

۴۷۷- کلامِ اقبال میں آیاتِ قرآنی کا مفہوم (زاہد الحسینی) ۵/۴۸
——— قریشی کے مضمون پر

۴۷۸- اردو کی جدید شاعری اور اقبال (رفعت احمد خاں) ۴/۶ ؛ ۱/۵

۴۷۹- اقبال کا نظریۂ شاعری (خواجہ احمد فاروقی) ۳/۲۴

۴۸۰- اقبال کی کہانی مصنفہ ظہیر الدین احمد جامعی پر تبصرہ (اکبر آبادی) ۲/۳۰ (۳)

۴۸۱- "اقبال کی کہانی" پر تنقید (میر ولی الدین) ۴/۳۰

۴۸۲- اقبال کی کہانی" پر تبصرے سے متاثر ہو کر: ظہیر الدین احمد جامعی) ۵/۳۰

۴۸۳- اقبال کا فلسفۂ خودی اور فلسفۂ مذہب (مظفر شاہ خاں) ۴/۲۷

۴۸۴- اقبال کا پیغام عصرِ حاضر کے انسان کے نام (قاری بشیر الدین پنڈت) ۶/۲۸

۴۸۵- ایک جوئے کہستان کی موجِ رواں: اقبال کے چند غیر مرتب نوادر (عابد رضا بیدار) ۶/۴۵

۴۸۶- اقبال کا فلسفۂ خودی (میر ولی الدین) ۴/۱۲، ۵

۴۸۷- اقبال اور رومی (سید عبداللہ) ۳/۱۳

● اقبال و رومی کا دینی و عرفانی مقام (صوفی نذیر احمد کشمیری) ۶/۴۵

۴۸۸- اقبال اور آرزوئے نایافت (امتیاز علی عرشی) ۶/۱۹

۴۸۹- اقبال اور فسطائیت (حمیدہ سلطان) ۱/۱۹

۴۹۰- اقبال اور نظریۂ سعی و عمل (شیخ وحید احمد شیخوپورہ) ۳/۱۷، ۴

۴۹۱- اقبال اور فارسی شعرا (اکبر حسین قریشی) ۱/۵۰

۴۹۲- ڈاکٹر محمد اقبال کی تنقیدات و ترجیحات (حکیم فضل الرحمٰن سواتی) ۲/۵۳

۴۹۳- اقبال سے ایک ملاقات (نظرات) ۲/۵۵

۴۹۴- اقبال کا ایک شعر اور اس کا مفہوم (اکبرآبادی) ۵/۲۱

(۲۴) فارسی ادب

۴۹۵- ایران کا ایک جدید شاعر رشید یاسمی (نورالحسن انصاری) ۵/۴۲

۴۹۶- شعرائے ایران کا پیشرو رودکی (رغیب حسین) ۳/۴۴

۴۹۷- ابوعلی سینا بحیثیت ایک فارسی ادیب اور شاعر (رغیب حسین) ۳/۳۴

۴۹۸- قاآنی کا ایک قصیدہ (آفتاب اختر) ۴/۴۵

—— مزارہا - غبارہا - در مدح مرزا تقی خاں

۴۹۹- سیستان کا مشہور قصیدہ گو فرخی سیستانی (رغیب حسین) ۲/۴۵

۵۰۰- ہند پر فارسی زبان وادب کے اثرات (حفظ الرحمن سیوہاروی) ۵/۳۹

۵۰۱- طوطی ہند امیر خسرو کی زندگی پر طائرانہ نظر (اشرف حسین) ۳۳/۳/۷۳/۴

۵۰۲- مثنوی رومی میں بے جا تصرفات (محمد احمد صدیقی) ۴/۳۴

۵۰۳- شبنم شاداب — نشر کردہ کتابستان الہ آباد پر ایک نظر (محمد احمد صدیقی) ۵/۳۴

۵۰۴- ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور فارسی صحافت کا آغاز (کنور سین) ۴/۳۲

—— کنور سین مقیم دہرہ دون کی ایک کتاب کا ایک باب

۵۰۵- حکیم سنائی (خلیل اللہ خلیلی - افغانستان - ترجمہ: انعام اللہ خاں ناصر) ۳۰/۲-۶، ۳۱/۱

۵۰۶ ملک الشعرا طالب آملی: ۴۲-۱۰۴۲ کا مخطوطہ (خواجہ عبدالرشید) ۳/۳۱

۵۰۷ ملک الشعرا طالب آملی (امتیاز علی عرشی) ۶/۳۱

—— نسخے ملتے ہیں مگر بہت بعد کے۔

۵۰۸- مولائے روم (سید مبارز الدین رفعت) ۴/۳۱

۵۰۹- ملفوظات رومی اردو —— تحقیق کی روشنی میں؛ مترجمہ عبدالرشید تبسم (مہر محمد خاں شہاب) ۶/۵۰، ۲۱/۵۲

۵۱۰- مثنوی مولانا روم (خواجہ عبدالرشید) ۴/۴۹

——— مثنوی کے ابتدائی اشعار پر

۵۱۱ - سنسکرت کا فارسی ترجمہ (ابوظفر ندوی) ۲/۳۲

——— شروع سے اب تک جو ترجمے بھی ہوئے ہیں خاص کر مغل عہد میں، ان پر ایک بہت عمدہ مضمون ہے

۵۱۲ - رشید یاسمی کا فلسفۂ اخلاق (لکشمی نرائن وششٹ) ۳۳/۵، ۶

۵۱۳ - اسماعیل فرخی (شیخ فرید برہانپوری) ۳/۳۸

۵۱۴ - ایرج مرزا اور اس کی شاعری پر ایک نظر (قاضی محمد ابراہیم) ۴۱/۴

۵۱۵ - بہرام مرزا صفوی (قاضی محمد ابراہیم) ۲/۳۷

۵۱۶ - شاہ کمال الدین گرتم کنڈوی ——— اور ان کا کلام (سخاوت مرزا) ۴۷/۳، ۴

۵۱۷ - ادیب پشاوری (میر ولی اللہ) ۲/۱۹

——— طہران سے کلام چھپا - ۱۸۴۴ء کی پیدائش

۵۰۸ - محمود الحسن شیخ الہند کا قصیدہ برائے شاہ حبیب اللہ خاں والی افغانستان .../...

——— تھانہ بھون سے نقل ہو کے آیا ہے - مورخہ ۱۹۰۷ء

۵۰۹ - سلطان محمود غزنوی کی وفات پر ایک نظم (عبدالرحمٰن خاں) ۸/۴

——— وہ بیہودہ ہجو جو اصل کتاب کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہے فردوسی کی نہیں -

"راقم نے بچپن میں کچھ اشعار فارسی میں کہے تھے وہ بھی عرض ہیں"

۵۲۰ - فردوسی کے شاہنامہ میں رومانی عناصر (آفتاب اختر) ۶/۴۶

۵۲۱ - فردوسی کا عہد اور اس کی ادبی خصوصیات (") ۵/۴۸

۵۲۲ - عرفی ——— حیات و تصنیفات (اظہر - دہلی) ۵۰/۳، ۴

۵۲۳ - مرزا حسن بیگ رفیع (سید امیر حسن عابدی) ۲/۵۳

——— عہد شاہجہانی کا ایرانی شاعر

۵۲۴ - "آمدنامہ" مؤلفہ مولانا فضل امام خیرآبادی (حکیم بہاؤالدین) ۶/۲۱

——— قلمی

۵۲۵۔ گلہائے رنگا رنگ : ملفوظات رومی یا فیہ ما فیہ کا ایرانی ایڈیشن (مہر محمد خاں شہاب) ۱۵/۳
——— فروز انفر کی مرتبہ جستم کی ترجمہ کتاب پر (اس سے پہلے نمبر ۵۰۹ بھی ملاحظہ ہو)
۵۲۶۔ ذوقی رام حسرت (عابد رضا بیدار) ۵۳/۴
——— فارسی کا ایک گمنام شاعر ایرانی جس کا اعتراف کرتے تھے۔
۵۲۷۔ حکیم ابوالقاسم فردوسی (آفتاب اختر) ۵۵/۴
۵۲۸۔ سید احمد کاشفی (زیدی جعفر رضا) ۵۴/۴
——— فارسی اور ہندی کا ایک غیر معروف شاعر

۵۲۸ب۔ (سید امیر حسن عابدی) ۵۴/۶
(زیدی جعفر رضا) /۵۵
۵۲۸ج۔ داستان امیر خسرو (فضل الرحمن)
۵۲۸د۔ فارسی زبان کا ارتقاء (عبد الرحمن ناصر اصلاحی) ۵۵/۶

(۲۴) عربی ادب

۵۲۹۔ عربی علوم و فنون پر اسلام کا اثر (فضل الرحمن عثمانی) ۴۱/۴
۵۳۰۔ ہندستان کے عربی شعرا پر ایک نظر (ابو محفوظ الکریم معصومی) .../۳۲
——— معصومی کے پچھلے مضمون مطبوعہ "معارف" پر کاموں پوری نے "جمہور علی گڑھ" میں مضمون لکھا۔ اس پر :۔
۵۳۱۔ عیون الاخبار مصنفہ ابن قتیبہ الدینوری (خورشید احمد فارق) ۳۲/۴
۵۳۲۔ عربی شاعری اور خیالات کا اثر یورپ و فنسا و اطالیہ کی شاعری پر (محمد احمد صدیقی) ۳۶/۵، ۱
۵۳۳۔ شعر عربی کی مختصر تاریخ (رغیب حسین) ۳/۳۸، ۲؛ ۲۹/۱، ۲؛ ۴۴/۲
۵۳۴۔ حسان بن ثابت اور ان کی شاعری (چودھری غلام احمد) ۳۹/۶؛ ۴۰/۱

۵۳۵- قدامہ بن جعفر الکاتب (معصومی) ۴۰/۲، ۳

—— بتقریب طبع جدید "نقد الشعر"

۵۳۶- جدید عربی شاعری کے علمبردار (رشید احمد ارشد) ۴۰/۶

—— بارودی، یکن، مطران، حافظ

۵۳۷- جدید عراقی شاعری کے رہنما (رشید احمد ارشد) ۴۱/۳

—— زہاوی؛ رصافی

۵۳۸- ہندستان میں زبان عربی کی ترقی و ترویج: علمائے ہند اور عرب و عجمی مہاجرین کا مختصر تذکرہ (عبدالمالک آروی) ۸/۳ — ۵

۵۳۹- حجازی عربی کا سامی زبانوں میں مقام (مناظر احسن گیلانی) ۱۲/۵

۵۴۰- زہیر بن ابی سلمیٰ: سوانح و کلام (ڈاکٹر محمد یوسف- علی گڑھ) ۱۵/۱، ۲

۵۴۱- بطرس البستانی (رشید احمد ارشد) ۱۵/۵

۵۴۲- عبداللہ بن المعتز (") ۱۶/۲ ؛ ۱۷/۱

۵۴۳- عربی ادب کے بہاریہ مضامین (رشید احمد ارشد) ۱۸/۶

۵۴۴- حضرت خنساء عرب کی بہترین مرثیہ گو شاعرہ (رشید احمد ارشد)

۵۴۵- زبان کا ماحول اور شاعری (خورشید احمد فارق) ۲۴/۳

۵۴۶- جانوروں سے دلچسپی رکھنے والا عربی کا ایک قدیم شاعر (خورشید احمد فارق) ۲۴/۳

—— قاسم: عہد عباسیہ

۵۴۷- بیان اللسان پر تبصرہ (محبوب الرحمٰن ازہری) ۲۵/۳

—— عربی اردو ڈکشنری مرتبہ قاضی زین العابدین سجاد

۵۴۸- عربی زبان کی ترویج و اشاعت (اکبر آبادی) ۴/۶

۵۴۹- عربی زبان کی تعلیم یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں میں (تلخیص) ۵/۶

۵۵۰- امریکہ میں عربی زبان کے چند مثالی ادیب (المستمع العربی) ۳/۷
——— (تلخیص وترجمہ)

۵۵۱- امام ابن الانباری کی کتاب الاضداد فی اللغۃ (قاضی اطہر) ۴/۴۶
——— حکومت کویت کی شائع کردہ

۵۵۲- سمط اللآلی پرتنقید کا جواب (عبدالعزیز میمنی) ۶/۱ ؛ ۲/ ۱-۴
——— مولانا سورتی کی معارف میں تنقید کے جواب میں

۵۵۳- 'تو تو' میں میں (سید اعزاز علی) ۶/۲
——— 'سورتی' میمن قضیہ کے سلسلہ میں

۵۵۴- سوویٹ روس میں عربی زبان وادب کی تعلیم (تلخیص: المستمع العربی) ۱/۱۱
——— مصنفہ مینورسکی۔

۵۵۵- حکیم عبدالرحمٰن سہارنپوری: ہندستان کا ایک پُرگو عربی شاعر (حامد علی خاں رام پوری) ۵۳/۲

۵۵۶- عبدالقاہر جرجانی کا تنقیدی نظریہ (احتشام احمد ندوی) ۵۵/۴

۵۵۷- عربی تنقید پر قرآن مجید کے اثرات (") ۳/۵۴
——— اعجاز القرآن پر

۵۵۷ب- ابوالحیات توحیدی کے تنقیدی افکار (سید احتشام احمد ندوی) ۶/۵۵
۵۵۷ج- ادب کیا ہے؟ (وقار احمد رضوی) ۶/۵۴
۵۵۷د- جمیل الزہاوی عراق کا نامور شاعر (محمود الحسن ندوی) ۶،۳/۵۱
● علم بدیع کی تاریخ وتدوین (اشفاق علی شاہجہانپوری) ۳/۴۹

(۲۵) ترکی ادب

۵۵۸- جدید ترکی ادب میں معاشرتی موضوعات (محمود الحسن) ۶/۴۷ ؛ ۱/۴۸-۳

(۲۶) سیرت پاک

۵۵۹- تکثر ازدواج النبیؐ (المنفز نگری) ۶/۲۸

۵۶۰- حضرت علیؓ کا نکاح ثانی اور آنحضرتؐ کی ناراضگی (اکبرآبادی) ۱/۳۰
——— ایک سوال کا سرسری سا جواب

۵۶۱- مکتوب نبویؐ اور قیصر روم کا اعتراف (محبوب رضوی) ۲/۳۶

۵۶۲- انک لعلی خلق عظیم (حفظ الرحمٰن) ۵/۲

۵۶۳- ابوالمنذر ابن الکلبی کی ایک روایت پر تنقید (حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماءؒ) ۳/۲۲
——— کلبی کی کتاب الاصنام کا ترجمہ کر دیا ہے اسی سلسلہ میں۔

۵۶۴- واقعات سیرت نبویؐ میں توقیتی تضاد اور اُس کا حل (اسحٰق النبی علوی) ۵۲/۵، ۶ : ۵۳/۱—۶
——— برہان کے اہم ترین مضامین میں سے ایک : تقریباً سوا دو سو صفحات میں ختم ہوا ہے۔
گمشدہ اسلامی کلنڈر یا عربی کلنڈر کی کھوج لگائی ہے اور اس طرح اس تضاد کو دور کیا ہے جو موجودہ دور تک چلا آ رہا تھا کہ مورخوں کے بیان کردہ تاریخوں، دنوں اور مہینوں میں مطابقت نہیں ملتی تھی!

۵۶۵- ولادت خیرالانامؐ: یعنی پیغمبر اسلامؐ کی تاریخ ولادت، نظریۂ علوی کی روشنی میں
(حبیب الرحمٰن خاں صابری - مرشد آباد) ۴۴/۴
——— اسحٰق النبی علوی کی دریافت کی بنیاد پر تحقیقات کو آگے بڑھا کے تاریخ ولادت کے تعین کی کوشش کی ہے۔

(۲۷) تذکرہ

۵۶۶- نگار فتنہ جو (اکبرآبادی: نظرات) ۲/۵
——— نیاز نے جون ۶۴ء میں 'بکواس' لکھی ہے اس پر

۵۶۷- شاخت اور حقیؔ (اکبرآبادی) ۵/۵۰

۵۶۸- امیر شکیب ارسلان (سید احتشام احمد ندوی) ۵/۵۰

۵۶۹- امیر شریعت محمد محی الدین قادری پھلواروی (عون احمد) ۵/۱۸

۵۷۰- شاہ ولی اللہ اور ان کی بعض علمی خصوصیات (ابوالنظر رضوی امروہوی) ۱/۱۱، ۲

۵۷۱ - شمس العلما مولوی عبدالرحمٰن (اکبرآبادی) ۶/۳۶

—— جون ۱۹۴۷ء تک رام پور میں رہے۔ اہم مضمون ہے۔

۵۷۲ - مجموعۂ مکاتیب حضرت سید احمد بریلوی قلمی، سالار جنگ میں (نثار احمد فاروقی) ۳/۴۶

۵۷۳ - سعید احمد اکبرآبادی برہان کی ادارت سے سبکدوش (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۵/۱۱

—— سینٹ اسٹیفنس کالج میں ملازمت کے سبب۔

نظرات اس سے پہلے بھی مفتی صاحب لکھنے لگے تھے۔

۵۷۴ - مولانا نانوتویؒ کی تصانیف کی کلامی اہمیت اور ان کی بے قدری

—— نظرات (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۵/۱۱

۵۷۵ - مجذوب سندھی کی چند الہامی باتیں (اکبرآبادی) ۴/۲۴

—— عبیداللہ کی سیاسیاتِ عالم پر گہری نظر تھی۔

۵۷۶ - عبیداللہ سندھی اور دینِ الٰہی (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۴/۱۰

—— سندھی کا ایک خط جس میں معذرت کی ہے۔

۵۷۷ - مولانا عبیداللہ سندھی: ایک تبصرہ پر تبصرہ (اکبرآبادی) ۱۳/۴ — ۶ ؛ ۱۴/۱ — ۴

—— مسعود عالم ندوی کے تبصرے پر

۵۷۸ - مولانا عبیداللہ سندھی (حسین احمد مدنی) ۴/۱۴

۵۷۹ - شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک — استدراک (عبیداللہ سندھی) ۵/۱۰

۵۸۰ - ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ ۳۲ سالہ سائنس داں کو طبیعیات کے سلسلے میں اس سال نوبل پرائز ملا ہے اس سے پہلے ٹیگور اور رمن کو یہ انعام مل چکے ہیں۔ (نظرات) ۴/۵

۵۸۱ - مولانا مدنی اور مولانا سندھی (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی : نظرات) ۴/۱۴

۵۸۲ - ابومحفوظ معروف بن فیروز الکرخی (اکبرآبادی) ۵/۴

۵۸۳ - حضرت عبداللہ بن مبارک (اکبرآبادی) ۴/۴

—— ماخوذ از " غلامانِ اسلام" جو عبدہ شائع ہوگی۔ [1]

۵۸۴- میں —— پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ (اکبرآبادی) ۲۲/۲

—— برہان کے کرتا دھرتا پہلے سے مفتی صاحب ہیں اب نگرانی خواجہ احمد فاروقی اور سنبھالی کرتے رہیں گے۔"

۵۸۵- مولوی محمد - م ۱۹۰۱ء (مفتی عبدالقدیر) ۲۵/۵

—— اصل نام بہادر سنگھ

۵۸۶- مفتی عتیق الرحمٰن کا ذکر شبیر احمد عثمانی پر تعزیتی نوٹ کے سلسلہ میں (اکبرآبادی) ۴۴/۱

۵۸۷- مولانا نانوتوی سرسید کی نظر میں (محبوب رضوی) ۱۷/۲

—— وفات پر گزٹ میں سرسید نے جو مضمون لکھا وہ نقل کیا ہے۔

۵۸۸- مفتی صاحب خیر سگالی مشن میں حج کے لئے حجازِ مقدس کو (نظرات ستمبر ۶۴۹) ۲۳/۴

۵۸۹- سراپا اخلاص و عمل شخصیت کا تعارف —— نظرات (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۱۱/۴

—— تبلیغی جماعت پر۔ اصل جماعت یہی ہے، خاکسار، جماعت اسلامی وغیرہ فضول۔

۵۹۰- افادات امام عبدالوہاب الشعرانی (ابویحییٰ امام خاں نوشہروی) ۲۰/۱، ۲

۵۹۱- وزیر مامون احمد بن یوسف (فارق) ۲۴/۶ ؛ ۲۵/۱، ۲

۵۹۲- البیرونی اور اصفہبد جیلیان مرزبان بن رستم (معصومی) ۴۴/۳، ۳، ۴

۵۹۳- امیر البحر خیر الدین باربروسہ (خواجہ عبدالرشید) ۴۱/۲

۵۹۴- ابن الحنفیہؒ (فارق) ۴۴/۴-۶

—— حضرت علیؓ کے صاحبزادے۔

۵۹۵- یحییٰ بن یحییٰ اندلسی (یعقوب الرحمٰن عثمانی) ۲/۵

۵۹۶- امام دارقطنی (ابوسلمہ شفیع احمد بہاری) ۲۶/۱

---

[1] اب عرصہ ہوا کتابی شائع ہو چکی ہے۔

۵۹۷- علامہ ابن جوزی (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۱/۲، ۳، ۵، ۶

——— صید الخاطر کا تعارف : اقتباسات

۵۹۸- محقق دوانی (غلام مرتضیٰ) ۳۸/۵

۵۹۹- قاضی شریح (فارق) ۳۰/۵، ۶

۶۰۰- حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۳۸/۵، ۶ ؛ ۳۹/۱-۵ : ۴۰/۲

۶۰۱- حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۳۵/۱-۶ ؛ ۳۶/۱-۴ ؛ ۳۷/۲-۶ ؛ ۳۸/۱، ۵، ۶

۶۰۲- صدیق اکبرؓ سے حضرت علیؓ کی بیعت (اکبرآبادی) ۳۶/۲

——— دو بیعتیں ہوئیں، یوں مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

۶۰۳- مالک بن نویرہ اور حضرت خالد بن الولید (اکبرآبادی) ۳۷/۱

——— حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کا ارتداد کا واقعہ کو قتل کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے مقتول کی بیوی سے نکاح کرلیا۔

۶۰۴- مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا کارنامہ : برہان اور ندوۃ المصنفین (اکبرآبادی : نظرات) ۳۱/۴

۶۰۵- سعید احمد اکبرآبادی (نظرات) ۴۳/۱

——— میں کلکتہ سے دس برس چند ماہ کی سروس کے بعد علی گڑھ آگیا ہوں: ۱۹۵۹ء

۶۰۶- میر عبدالجلیل بلگرامی (عبدالمالک آروی) ۱/۶

۶۰۷- علامہ سید جمال الدین افغانی (ترجمہ : شناء اللہ، عمرآباد) ۴۲/۶

——— قاہرہ کے المنار میں ۱۸۹۷ء میں شائع شدہ ایک مضمون کا ترجمہ

۶۰۸- استاد کرد علی (شیخ نذیر حسین) ۳۹/۲

۶۰۹- "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" پر تبصرہ (اکبرآبادی) ۲۶/۳

۶۱۰- ابن خلدون اور اس کا مقدمہ (محمد احمد صدیقی) ۵/۳۸ ؛ ۴-۲/۳۹

۶۱۱- بلاذری کی کتاب الانساب (فارق) ۴/۳۸

——— پوری تفصیل دی ہے کہ کتاب کے کس باب میں کیا ہے۔

۶۱۲- ابن الجوزی اور تاریخ نویسی (عبدالرحمٰن خاں) ۳/۲۷ (۲)

۶۱۳- حضرت شیخ الہند کے سفرِ حجاز سے متعلق (حکیم سید محمود الحسن) ۶/۲۱

۶۱۴- مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کا سیاسی فکر و عمل (محمد اشفاق شاہجہانپوری) ۱/۲۱

۶۱۵- شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی سے متعلق چند غلط روایات (محمد عضدالدین خاں) ۵/۵۳

۶۱۶- شاہ عبدالعزیز دہلوی کی محفلِ شعر و ادب (محمد عضدالدین خاں) ۳/۵۵

۶۱۷- ایک علمبردارِ حدیث کے کارنامے اور بے لوث خدمات (عزیز الرحمٰن رونق اعظمی) ۵، ۴/۵۲

——— حکیم فضل الرحمٰن صواتی " متعنا اللہ بطول بقائہ " پر

۶۱۸- آہ لعلِ شب چراغِ ہند (نظرات) ۶/۵۴

——— جواہر لال نہرو پر



(۲۸) وفیات

۶۱۹- آزاد سبحانی ۲/۳۹

۶۲۰- ابوالکلام آزاد ۳/۴۰

۶۲۱- آصف علی ۵/۳۰

۶۲۲- سید ابوالنظر رضوی ۵/۳۶

۶۲۳- ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری ۶/۵

۶۲۴- ابن سعود ۶/۳۱

۶۲۵- ڈاکٹر ابرار حسین والد سعید احمد اکبرآبادی ۲/۲۹

۶۲۶- احسن مارہروی ۴/۵

۶۲۷- احمد سعید دہلوی ۶/۳

۶۲۸- اسد ملتانی ۶/۴۳

۶۲۹- اسلم جیراجپوری ۱/۳۶

۶۳۰- اشرف علی تھانوی ۲/۱۱

۶۳۱- اعزاز علی ۴/۳۴

۶۳۲- اقبال ۱/۱

۶۳۳- اقبال سہیل ۶/۳۵

۶۳۴- اکبر شاہ خاں ۱/۱

۶۳۵- الیاس کاندھلوی ۵/۱۸

۶۳۶- امجد حیدرآبادی ۵/۴۶

۶۳۶ب- بدر عالم میرٹھی (در مدینہ) ۶/۵۵

۶۳۷- بشیرالدین، اٹاوہ ۱/۳۷

۶۳۸- تاجور نجیب آبادی ۲/۲۶

۶۳۹- جگر مرادآبادی ۴/۴۵

۶۴۰- جناح ۴/۲۱

۶۴۱- حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۳/۲۵

۶۴۲- حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۳/۳۷

۶۴۳- ڈپٹی حبیب اللہ ۴/۴۶

۶۴۴- حسرت ۶/۲۶

۶۴۵- حسن نظامی ۳/۳۵

۶۴۶- حسین احمد مدنی ۶/۳۹

۶۴۷- حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۲/۲۹

۶۴۸- نواب حمید اللہ خاں ۳/۴۴

۶۴۹- دل شاہجہانپوری ۳/۴۴

۶۵۰- سر ڈینی سن راس ۴/۵

۶۵۱- رام بابو سکسینہ ۱/۴۰

۶۵۲- رفیع احمد قدوائی ۵/۳۳

۶۵۲ب- پنڈت تربھون ناتھ زار زتشی ۵/۵۵

۶۵۳- محی الدین زور ۶/۵۰

۶۵۴- سالک ۴/۴۳

۶۵۵- سید سلیمان ندوی ۶/۳۱

۶۵۶- سر شاہ سلیمان ۴/۶

۶۵۷- سعید انصاری ۶/۵

۶۵۸- سیماب ۲/۲۶

۶۵۹ - شانتی سروپ بھٹناگر ۲/۳۴
۶۶۰ - شبیر احمد عثمانی ۱/۲۴
۶۶۱ - شعیب قریشی ۴/۴۸
۶۶۲ - محمد شفیع (پنجاب) ۶/۵۰
۶۶۳ - شفیق جونپوری ۶/۵۰
۶۶۴ - شفیق الرحمٰن قدوائی ۶/۳۰
۶۶۵ - صبغۃ اللہ شہید فرنگی محلی ۴/۵۴
۶۶۵ب - سید صدیق حسن ۴/۵۱ (۶ ر ستمبر
۶۶۶ - ضیاء الدین احمد (ندائے حرم) ۵/۲۸
۶۶۶ب - سیدنا طاہر سیف الدین ۶/۵۵
۶۶۷ - طنطاوی جوہری ۳/۴
۶۶۸ - طفیل احمد منگلوری ۵/۱۶
۶۶۹ - ظفر علی خاں ۶/۳۷
۶۷۰ - خلیفہ عبدالحکیم ۲/۴۲
۶۷۱ - مولوی عبدالحق ۳/۴۷
۶۷۲ - افضل العلماء عبدالحق ۴/۴۰
۶۷۳ - عبدالحق مدنی ۲/۳۵
۶۷۴ - خواجہ عبدالحی فاروقی ۳/۵۴
۶۷۵ - عبدالرحمٰن ۳/۳۳
۶۷۶ - عبدالرحمٰن خاں ۴/۴۹
۶۷۷ - خواجہ عبدالرؤف عشرت ۴/۵
۶۷۸ - عبدالسلام ندوی ۳/۳۷
۶۷۸ب - ڈاکٹر عبدالعلی ۶/۴۶
۶۷۹ - قاضی عبدالغفار ۲/۳۶
۶۸۰ - شاہ عبدالقادر رائے پوری ۳/۴۹
۶۸۱ - عبداللہ یوسف علی ۱/۳۲
۶۸۲ - مفتی عبداللطیف (سہارنپور) ۳/۳۳
۶۸۳ - مفتی عبداللطیف (علی گڑھ) ۱/۴۴
۶۸۴ - عبدالمجید خواجہ ۱/۵۰
۶۸۵ - عبیداللہ سندھی ۳/۱۳
۶۸۶ - شاہ حلیم عطا ۵/۳۵
۶۸۷ - عطاء اللہ شاہ بخاری ۳/۳۷
۶۸۸ - فرحت اللہ بیگ ۵/۱۸
۶۸۹ - محمد احمد کاظمی ۶/۴۳
۶۹۰ - کشن پرشاد کول ۲/۳۴
۶۹۱ - مفتی کفایت اللہ ۱/۴۰
۶۹۲ - پنڈت کیفی ۵/۳۵
۶۹۳ - گاندھی جی ۳/۲۰
۶۹۴ - لیاقت علی خاں ۵/۲۷
۶۹۵ - محمد علی ردولوی ۴/۴۳
۶۹۶ - محمد میاں منصور ۵/۱۶
۶۹۷ - امیر شریعت محمد محی الدین قادری پھلواری ۱/۱۸
۶۹۸ - محمود شیرانی ۵/۱۶

۶۹۹ - مصطفٰے کمال ۶/۱
۷۰۰ - مطلوب الرحمٰن عثمانی ۲/۴۵
۷۰۱ - معین الدین اجمیری ۳/۴
۷۰۲ - ملیح آبادی ۱/۴۳
۷۰۳ - مناظر احسن گیلانی ۱/۳۷
۷۰۴ - ظہور الحسن ناظم سیوہاروی ۳/۴۴
۷۰۵ - نہال سیوہاروی ۱/۲۸
۷۰۶ - نکلسن ۵/۱۵
(آربری - اظہر علی)
۷۰۷ - ہادی حسن ۶/۵۰
۷۰۸ - یعقوب الرحمٰن عثمانی ۳/۲۸
۷۰۹ - محمد یوسف (امیر جماعت تبلیغی) ۴/۵۴

(۲۹) فنون جمیلہ
(تعمیر، مصوری، موسیقی وغیرہ)

۷۱۰ - عراق و عجم پر ہندوستانی فن کا اثر ("ایشرن آرٹ" - ترجمہ: عبداللہ چغتائی، ۱/۳

۷۱۱ - عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کا فنِ تعمیر (یوسف کمال بخاری) ۳۷/۴ - ۶

۷۱۲ - اسلامی صنائع لطیفہ، اور یوروپی صنائع لطیفہ پر ان کا اثر (اے ایچ؛ قرسی
ترجمہ: مبارز الدین رفعت) ۴۰/۲-۵
——— "درثۂ اسلام" میں شائع شدہ مضمون کا ترجمہ

۷۱۳ - مغربی فن تعمیر پر اسلامی فنِ تعمیر کے اثرات (مارٹن ایس برگس - ترجمہ: رفعت) ۱/۲۸

۷۱۴ - تمدنی، ثقافتی جغرافیائی مذہبی اثرات :
جنھوں نے ہندی اسلامی فن تعمیر کے ارتقا میں حصّہ لیا (عبداللہ چغتائی) ۱/۳۲

۷۱۵ - تاج محل (عبداللہ چغتائی) ۶/۳۲
——— تاج محل روضۂ ممتاز محل کا بگاڑ ہے۔

۷۱۶ - جامع قرطبہ (محمد ظفیر الدین) ۱/۲۶
'تاریخ مساجد' کا ایک باب۔

۷۱۷ - جامع اموی دمشق (محمد ظفیر الدین) ۶/۲۷
——— تاریخ مساجد کا ایک باب۔

۷۱۸ - دیوبند کی چند تاریخی مسجدیں (سید محبوب رضوی) ۶/۲۶

۷۱۹ - احمد آباد کی شیدی سعید کی مسجد (ابو ظفر ندوی) ۴/۳۳

۷۲۰ - اصفہدان (صغیر حسن معصومی) ۲/۳۵ اس سے قبل ملاحظہ ہو: ۵۹۲ (۴۱۳/۳۴)

۷۲۱ - "حالاتِ ہنروراں" (کے بعد "تاریخ الملوک") (خواجہ عبدالرشید) ۳/۲۶ (؟)

——— عبداللہ چغتائی کے موضوع "حالاتِ ہنروراں" یعنی حالاتِ خوشنویساں پر یہ مخطوطہ ملا ہے اس کا تعارف -

۷۲۲ - مستشرقینِ یورپ اور اسلام میں مصوری کے احکام (سید جمال حسن شیرازی) ۲/۱۱ - ۵

۷۲۳ - نصر اخیضر (تلخیص: المقتطف) ۳/۵

۷۲۴ - موسیقی اور روحانیت (حکیم سید ابو النظر رضوی) ۲/۱

——— علمی روزنامچہ

۷۲۵ - جامع مسجد ہرات (تلخیص و ترجمہ) ۶/۱۲

۷۲۶ - ہندستان میں اسلامی طرزِ تعمیر (عبداللہ چغتائی - ترجمہ: جمال حسن شیرازی) --/۰۰

۷۲۷ - قبۃ الصخرۃ: پہلی صدی ہجری کی سب سے زیادہ خوبصورت عمارت (کروزویل۔ ترجمہ: اکبر آبادی) ۲/۵

(۳۰) آثار

۷۲۸ - حدود العالم من المشرق الی المغرب: افغانستانِ قدیم کے ایک جغرافیہ نگار کا کارنامہ (تلخیص) ۶/۳

۷۲۹ - عراقی کردستان میں کھدائی کا کام (لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید) ۲۷/۵

——— قبل از تاریخ کا تہذیب و تمدن

۷۳۰ - کتبہ مارگلہ (خواجہ عبدالرشید) ۴/۳۶؛ ضمیمہ (زبید احمد) - درنظرات) ۳۶/۵

——— راولپنڈی اور ٹیکسلا کے درمیان ہے -

۷۳۱ - کابل میں دو صحابہ کی قبریں: حضرت تمیم و جبیرؓ (تلخیص آریانا کابل) از گیا اعتمادی) -/۷

۷۳۲- یمن کا قدیم تمدّن : تین ہزار سالہ پرانی تہذیب (سید زاہد الرضوی قیصر) ۴/۱۱

۷۳۳- ہرات کے آثارِ قدیمہ (مترجمہ عظمت اللہ) ۶/۴ — ۶

۷۳۴- 'ماندیؤ' عرب جہاز رانوں کی قدیم بستی (") ۲/۱۶

۷۳۵- ہلال خصیب (FERTILE CRESCENT) اور وادیٔ سندھ (عبدالرشید) ۵/۱۴

۷۳۶- لاہور کی ایک وجہ تسمیہ (خواجہ عبدالرشید) ۳/۱۴

۷۳۷- اُجڑ (میر جہانگیر علی خاں) ۶/۱۴

——خواجہ عبدالرشید کی تائید میں -

(۳۱) تاریخِ قدیم

۷۳۸- تاریخ کے دورِ آغاز میں مختلف آرین قومیں (خواجہ عبدالرشید) ۳/۱۵

۷۳۹- تہذیب و تمدن آشور (لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید) ۱/۱۷

۷۴۰- دنیا کے تین بڑے جاہل تمدن (ابو صالح عظمی) ۲/۱۹ ؛ ۲۰/۱-۲ -

۷۴۱- علم فقل الکلمہ (METATHESIS) (خواجہ عبدالرشید) ۲/۱۵

(۳۲) سفرنامے

۷۴۲- دیارِ غرب کے ملک کے مشاہدات و تاثرات (سعید احمد اکبر آبادی) ۵۱/۲، ۶ ؛ ۵۲/۴، ۶ ؛ ۵۳/۳ — ۵
۵۴/۱ — ۲

۷۴۳- قاہرہ میں پہلی اسلامی کانگریس (اکبر آبادی) ۴/۵۲

——نظرات اور مقالہ

۷۴۵- انڈونیشیا کی افرو ایشیائی اسلامی کانفرنس (اکبر آبادی) ۴/۵۴

——نظرات اور مقالہ

۷۴۷۔ مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی دوسری سالانہ کانفرنس (اکبرآبادی) ۲/۵۵

۷۴۸۔ پندرہ روزہ دورۂ روس کی روئداد (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۴/۵۱، ۵/۴، ۳/۵۲

——— بسلسلۂ اشاعت نمبر ۶۶۳

(۳۳) تاریخ اسلام (مسلمانان)

۷۴۹۔ اسلامی روایات اور ان کا تحفظ (سید جمیل واسطی) ۶/۱۲ ؛ ۶/۱۳

——— مسلمانوں کے عروج و زوال پر بحث

۷۵۰۔ اندلس میں اسلامی تہذیب (ترجمہ: خالد کمال مبارکپوری) ۴/۴۶

۷۵۱۔ تمدنِ جدید پر عربی تہذیب کی فضیلت (اسٹانلے لین پول۔ معرب المقتطف۔ تلخیص) ۴/۵، ۶

۷۵۲۔ جنگِ قادسیہ کا ایک باب : سفراء اسلام کی جرأتِ حق (حفظ الرحمن) ۶/۵، ۶

۷۵۳۔ عربوں کی قومی تحریک اور جنگ (علیم اللہ صدیقی۔ ترجمہ) ۱/۸، ۲

——— "راؤنڈ ٹیبل" سے ترجمہ

۷۵۴۔ بیت المقدس (منشی عبدالقدیر) ۲/۱۶، ۳

——— مسلسل

۷۵۵۔ مسلمانوں کے تعلقات غیر قوموں کے ساتھ، قرونِ اولیٰ میں (اکبرآبادی) ۲/۱، ۳

۷۵۶۔ حضرت بلالؓ کا نام و نسب (عبداللہ چغتائی) ۴/۹

۷۵۷۔ عہدِ ماموُنی کے چند نامور (شہزادہ احمد علی خاں درّانی۔ کابل) ۱/۸

۷۵۸۔ امیر المومنین عبدالرحمن الناصر لدین اللہ (سید انوار الحق حقی) ۴/۲۲ - ۶

۷۵۹۔ مسلمانوں کے دنیوی مصائب کے دینی اسباب (گیلانی) ۱/۲۲

۷۶۰۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں سماج میں عورت کا مقام (نصیر الدین ہاشمی) ۴/۵۰

۷۶۱۔ عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث (محمود الحسن) ۳/۵۴، ۴

——— پہلی صدی ہجری کا اہم شخص

۷۶۲- اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں؛ مقدسی کی احسن التقاسیم کی رو سے (فارق) ۵/۳۲، ۶ ؛ ۱/۳۳، ۳، ۶

۷۶۳- اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں (خورشید احمد فارق) ۲/۳۴، ۳

۷۶۴- اعثم کوفی کی تاریخ فتوح (") ۵/۳۳

۷۶۵- واقعہ بیعتِ یزید" کی تحقیقِ مزید (قاضی زین العابدین سجاد) ۲/۲۶

۷۶۶- افغانوں میں اشاعتِ اسلام کی ابتدا اور اس کے اسباب (مرحوم عبدالرزاق کانپوری) ۳/۳۲

—— دہی قدیم خالد اور قیس عبدالرشید کی داستان

۷۶۷- دنیائے اسلام اور مدیر لائف انٹرنیشنل نیویارک (ترجمہ: نظام الدین ایس گورکیر) ۲/۴۱، ۳

۷۶۸- تاریخ الردّہ (خورشید احمد فارق) ۱/۴۳-۴، ۶ ؛ ۱/۴۴ ؛ ۱/۴۵-۵، ۱/۴۶، ۳

—— ایک قلمی کتاب مصنفہ بلنسی سے، جو قاہرہ میں ہے۔

۷۶۹- مختار بن ابو عبید الثقفی (خورشید احمد فارق) ۳/۲۶-۶ ؛ ۱/۲۷-۴

۷۷۰- سلطان محمود غزنوی کی تصویر کا حقیقی رخ (محبوب رضوی) ۲/۳۳

۷۷۱- خالد بن سنان العبسی (محمد خالدی) ۴/۳۲، ۵

—— عرب میں عیسیٰ اور محمدؐ کے درمیان کے نبی

۷۷۲- علیؓ صرف تاریخ کی روشنی میں (طٰہٰ حسین۔ ترجمہ عبدالحمید نعمانی) ۵/۴۱، ۶ ؛ ۱/۴۲

۷۷۳- عثمانؓ صرف تاریخ کی روشنی میں (" – ") ۱/۳۳-۶ ؛ ۲/۳۵، ۵ ؛ ۱/۳۴، ۴

۷۷۴- قریش کی تصویر قرآن کے آئینہ میں (عبدالحمید) ۲/۴۲

۷۷۵- تاریخی حقائق (ظفیر الدین) ۱/۲۷، ۲ ؛ ۲/۳۲-۴ ؛ ۵/۳۳، ۶ ؛ ۵/۳۵، ۶ ؛ ۱/۴۰

—— بعض سلاطینِ اندلس و بغداد کے شخصی حالاتِ زندگی؛ تاریخِ ملت؛ وغیرہ

۷۷۶- جزیرہ قوصرہ (حسن حسنی عبدالوہاب پاشا۔ ترجمہ: معصومی) ۵/۳۱

—— صقلیہ اور تونس کے درمیان اسلامی نشانات

۷۷۷- حضرت عمرؓ کی زندگی کے چند واقعات (فارق) ۱/۳۴

۷۷۸۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۱/۴۶؛ ۱/۴۷ ۲/۴۷، ۵؛ ۳/۴۸؛ ۲/۴۹، ۶؛ ۵۰/۴

۷۷۹۔ عثمان غنی پر اعتراضات اور اُن کا جائزہ (فارق) ۴/۵۲ – ۶

(۳۴) تاریخِ ہندستان

۷۸۰۔ حیدر آباد کے اعیان تقسیم کے بعد (اکبر آبادی) ۳/۴۱
——— ایک سفر کا تاثر

۷۸۱۔ امیر الامرا نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ اور جنگ پانی پت (انتظام اللہ شہابی)
۱/۲۶، ۲؛ ۲/۲۷ – ۹
——— اپریل ۵۰، کا منقطع سلسلہ

۷۸۲۔ مقتل غوری (خواجہ عبدالرشید) ۱/۳۶

۷۸۳۔ سلطان محمود غزنوی کی ادب نوازی اور چوتھی صدی ہجری کی سیاست (سید شبیر فاطمہ) ۲/۳۷

۷۸۴۔ محمود غزنوی پر ایک سرسری نظر (بشیر الدین پنڈت) ۲/۳۸

۷۸۵۔ شاہانِ مغلیہ کا شراب سے اجتناب (قاضی محمد ابراہیم) ۴/۳۸
——— کتنا اجتناب تھا۔

۷۸۶۔ سلاطینِ مغلیہ کی حیاتِ معاشقہ (قاضی محمد ابراہیم) ۶/۳۴
——— بابر تا جہانگیر

۷۸۷۔ سندھ کی تسخیر اور اس پر اسلامی فرمانروائی کی پہلی دو صدیاں (ابو القاسم رفیق دلاوری) ۱/۴۲

۷۸۸۔ نظام چشتیہ اور سلاطین دہلی (شیخ وحید احمد) ۴/۴۲

۷۸۹۔ سومنات کا مندر اسلامی تاریخوں میں (نصر اللہ فلسفی۔ ترجمہ: مبارز الدین رفعت) ۹/۳۸

۷۹۰۔ عربی کی ایک قلمی کتاب سے تاریخ ہند پر نئی روشنی (خورشید احمد فارق) ۱/۴۱–۶؛ ۱/۴۲
——— تغلق کے ہمعصر فضل اللہ العمری کی "مسالک الابصار"

۷۹۱۔ اسلام اِن موڈرن ہسٹری کے ایک باب کا ترجمہ (اسمتھ۔ ترجمہ: ضیاء الحسن فاروقی)
۱/۴۱، ۹؛ ۱/۴۲

۷۹۲۔ تزکِ بابری کا ترجمہ (محمد رحیم دہلوی) ۳/۳۵ – ۶؛ ۱/۳۶ – ۴؛
۳/۳۷، ۴؛ ۳/۳۸ – ۶؛ ۴/۳۹

۷۹۳۔ اسبابِ عروج و زوالِ امت (اکبرآبادی) ۸/۱ — ۶

۷۹۴۔ بہادر شاہ ظفر کی عید (خواجہ عبدالمجید دہلوی) ۶/۱

۷۹۵۔ بانیِ سلطنتِ بہمنیہ کا نام و نسب (محمد عبداللہ چغتائی) ۶/۷

۷۹۶۔ امیرالامرا نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ (شہابی) ۲۳/۳ — ۶ ؛ ۲۴/۱ — ۴

۷۹۷۔ ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی (//) ۲۲/۴ — ۶

۷۹۸۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے مذہبی رجحانات (خلیق احمد نظامی) ۲۰/۵، ۲۱/۶

۷۹۹۔ مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں (حامد الانصاری غازی) ۱/۱

۸۰۰۔ میر کا سیاسی ماحول (نعمر ؛ ۹/۵۰ ؛ ۱/۵۱-۶ ؛ ۲/۵۲ — ۱ ؛ ۴-۶ ؛ ۱/۵۳، ۲ ؛ ۶/۵۴ ؛ ۱/۵۵-۴

——— میر کی آڑ لے کے اس عہد کی تاریخ بیان کی ہے : ۱۹ قسطیں

۸۰۱ - خلاصۃ التواریخ اور اس کا مصنف (نوراحسن انصاری) ۴/۴۶ ۵

——— سبحان رائے پر

۸۰۲ - ترکوں کی فتح کے اسباب (جمال محمد صدیقی) ۵/۵۰

——— ہندوستان میں

۸۰۳ - اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے (بشیرالدین پنڈت) ۲،۱/۵۵

——— ٹیپو سلطان پر

۸۰۴- ہندو مسلمانوں کے کلچرل تعلقات (خواجہ احمد فاروقی) ۳/۲۱

۸۰۵- مرزا مغل اور جنگِ آزادی (مفتی انتظام اللہ شہابی) ۶/۲۱

۸۰۶- سلاطینِ مغلیہ کی حیاتِ معاشقہ (قاضی ابراہیم ڈار) ۶/۳۴

——— بابر تا جہانگیر

۸۰۷- ——— کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا (مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی) ۶/۱۴

۸۰۸- سلیمان شکوہ (عبداللہ چغتائی) ۱/۱۴

۸۰۹- فتح مانڈو (عبداللہ چغتائی) ۶/۱۱

۸۱۰- ۱۸۵۷ء کے پہلے کی دلی (خلیق احمد نظامی) ۶/۱۸ ؛ ۱/۱۹

۸۱۱- دو ہندے نامہ (مرتبہ خلیق احمد نظامی) ۵/۳۳

——— فارسی عوامی نظم مصنفہ حاجی محمد مہدی قصبہ موئی ضلع بریلی۔

۸۱۲- ہندستان کے متعلق جاحظ کے اجمالی معلومات کا تفصیلی مطالعہ (ابوالنصر خالدی) ۴۷/۱-۶

۸۱۳- ہندستان عہد عتیق کی تاریخ میں (سید محمود حسن قیصر) ۴۹/۲ — ۵

——— قدیم ہندستان، عربی مآخذ کی روشنی میں

۸۱۴- پدمنی اور سلطان علاؤالدین خلجی (مشتاق احمد زاہدی) ۴/۳

——— طویل مضمون ہے جس میں بتایا ہے کہ الزام بے بنیاد ہے، اصل مآخذ "پدماوت" ہے جس کا افسانہ بن گیا واقعتہً کسی پدمنی کا وجود ہی نہ تھا۔

۸۱۵- مغلوں کا تعلق گجرات سے (ہدایت الرحمٰن محسنی) ۵/۳ — ۵

۸۱۶- مسلمانانِ ہند کے زوال کے داخلی اسباب (سید عبداللہ) ۳/۶

۸۱۷- دیوبند: وجہ تسمیہ اور قدامت (سید محبوب رضوی) ۶/۶

۸۱۸- دلی کا مغل تاجدار بہادر شاہ جدید تاریخی روشنی میں (ہدایت محسنی) ۷/۲ — ۶

۸۱۹- ہندستان کے پہاڑی علاقے، 'مینی تال کمایوں' میں ایک جاپانی راجدھانی (گیلانی) ۱۶/۴

——— عنوان مغالطہ آمیز ہے۔ یار محمد کی "انشاءِ قلندر، قلمی" سے کمایوں کا بیان دیا گیا ہے عہدِ محمد شاہ میں جہاں دو رواج تھے، ایک عورتوں کا قحبہ بننا شرافت کی نشانی تھی دوسرے شاہ پرستی۔

۸۲۰- سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات (خلیق احمد نظامی) ۳/۱۶

۸۲۱- مستی بیگم، ایسٹ انڈیا کمپنی کی محسنۂ خاص (پریم ناتھ بجلا۔ ترجمہ: اکبرآبادی) ۴/۱۶

۸۲۲- شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے لکھے ہوئے قرآن کریم (عبداللہ چغتائی) ۱/۱۹۰

٨٢٣- نانلماؤ پیشوا ۔ (انتظام اللہ شہابی) ١/٢٢

٨٢٤- ابوالنصر معین الدین اکبرشاہ ثانی (شہابی) ٢/٢٢، ٣

٣٥ شرقِ اوسط

٨٢٩- ایران کا پس منظر ٨/٥، ٦

——— "راؤنڈ ٹیبل" کے مضمون سے۔

٨٣٠- مڈل ایسٹ کمانڈ (اسرار احمد آزاد) ١/٢٨

——— "حالاتِ حاضرہ" کے ذیل میں

٨٣١- ٹیونس اور فرانس (اسرار احمد آزاد) ٢/٢٨

——— "حالاتِ حاضرہ"

٨٣٢- مشرقِ وسطیٰ کی انقلابی جدوجہد کا پس منظر (اسرار احمد آزاد) ٢/٢٩

٨٣٣- مسلمان حکمرانوں کی موجودہ زبوں حالی (مارس ہنڈس: نگار لکھنؤ سے مقتبس) ٢/٣٠، ٣

٣٦ ترکی

٨٢٧- ترکوں میں مذہبی احساسات کی بیداری (اے، زیڈ- ترجمہ: کیپٹن قطب الدین احمد) ١/٣٤

٨٢- ترکی کا اسلامی انقلاب (اکبرآبادی) ٣/٢٦

٨٢- ٹرکی ۱۹۴۰ء سے (تلخیص بلٹین اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز) ١/٢، ٣، ٥، ٦

٨٢- موجودہ ٹرکی کی ایک جھلک (اکبرآبادی) ٢/٥٠

٣٧ مصر و سودان

٨٣٤- محمد علی جدید مصر کا بانی (محمود الحسن ندوی) ٣/٤٤

٨٣٥- کچھ قاہرہ کے بارے میں (فارق) ٦/٣٩ ؛ ١/٤٠

——— سفرنامہ

٨٣٦- مصری انقلاب کی کہانی کرنل انورالسادات کی زبانی (عابد رضا بیدار) ٤/٤٠

۸۳۷- مصر ۹۹-۱۸۹۸ء میں: عبدالرحمٰن امرتسری کا سفرنامہ (عابد رضا بیدار) ۴/۱۱
۸۳۸- مصر ۱۹۰۰ء میں: محبوب عالم کا سفرنامہ (عابد رضا بیدار) ۵/۴۱
۸۳۹- سیاسیاتِ مصر (اسرار احمد آزاد) ۲/۲۹
۸۴۰- مصر کا سیاسی پس منظر (مظفر شاہ خاں) $\frac{15}{17}$، ۶/
۸۴۱- سوڈان کے عرب (تلخیص) ۵/۱۱، ۶

(۳۸) افریقا

۸۴۲- مشرقی افریقہ کا علاقہ کینیا اور ماؤ ماؤ تحریک (ابرار حسین فاروقی) ۴/۳۱
۸۴۳- حبشہ کے مسلمان (تلخیص، المستمع العربی) ۴/۱۰

(۳۹) آسٹریلیا

۸۴۴- آسٹریلیا میں اسلام (ترجمہ: مجیب الرحمٰن عثمانی) ۵/۳۸

(۴۰) اسلامیانِ روس

۸۴۵- قازان کے مسلمان (تلخیص) (سید محمد زاہد قیصر رضوی) ۴/۱۳
۸۴۶- کاکیشیا کے مسلمان: ایک سیاح کے تاثرات
(تلخیص: المستمع العربی) ۴/۸
۸۴۷- علاقۂ قفقاز (عبدالقدیر دہلوی) ۲/۹

(۴۱) اسلامیانِ یورپ

۸۴۸- جنگ کے اٹھارہ (۱۸) مہینے (ہندستان ٹائمز۔ ترجمہ: جمال حسن شیرازی) ۶/۵، ۲
۸۴۹- پولینڈ کے مسلمان (تلخیص) از المستمع العربی- ۶/۷
۸۵۰- موجودہ جنگ کے دو اہم جزیرے: مالٹا، مڈغاسکر (عبدالقدیر دہلوی) ۶/۸
۸۵۱- مشرق و مغرب (حامد الانصاری غازی) ۶/۱
۸۵۲- کناڈا کے مسلمان (اکبر آبادی) ۲/۵۰، ۳، ۴

(۴۲) اسلامیانِ چین

۸۵۳- تاریخِ چین کا ایک ورق (مناظر احسن گیلانی) ۲/۲۹

——— خاتمہ "روضۃ الصفا" میں اس سفارت کی ڈائری مکمل نقل کر دی گئی ہے جو تیمور کے بیٹے مرزا شاہ رخ نے چین کو بھیجی تھی۔ یہ مضمون اس پر مشتمل ہے۔

۸۵۴- چین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی تاریخ (اسرار احمد آزاد) ۶/۳۸

۸۵۵- چین کے مسلمان تلخیص : (المستمع العربی) ۲/۱۱

۸۵۶- چین کے مسلمان (یوسف شحنت کے عربی مضمون سے) ۳/۲۴

(۴۳) جنوبی مشرقی ایشیا

۸۵۷- برما (مظفر شاہ خان یوسفی) ۴/ $\frac{(۲۱)}{۲۰}$

۸۵۸- انڈونیشیا میں سیاسی کشمکش (مظفر شاہ خان) ۱/۱۹

۸۵۹- انڈونیشیا اور اسلام (محمد فیاض) ۲'۱/۵۰



(۴۴) کتابخانے اور کتابیں

۸۶۰- جامع المجددین، مؤلفہ عبدالباری ندوی پر تبصرہ (اکبرآبادی) ۲۸/۱-۶

۸۶۱- مکاتیب شیخ الاسلام مدنی، حصہ اول پر تبصرہ (اکبرآبادی) ۲۹/۵

۸۶۲- مختصر سیرت قرآنیہ سید نا محمدؐ، مصنفہ محمد اجمل خاں: تبصرہ (اکبرآبادی) ۳۰/۶؛ ۳۱/۱-۴

۸۶۳- بزم مملوکیہ، مصنفہ صباح الدین عبدالرحمٰن - تبصرہ (مصری) ۳۵/۱، ۲

۸۶۴- انٹروڈکشن ٹو اسلام (انگریزی) مصنفہ حمید اللہ - تبصرہ (اکبرآبادی) ۴۱/۳

۸۶۵- ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل از حسین فیضی بدرالدین طیب جی - تبصرہ (اکبرآبادی) ۳۰/۵

——— اچھے مشورے دیے ہیں۔

۸۶۶- تصانیف اشعری (حافظ غلام مرتضیٰ) ۳۷/۶؛ ۳۸/۱

——— معارف میں عابد رضا بیدار کے مقالہ پر۔ میکارتھی اور بیدار کے رد میں

۸۶۷- کتاب "نفسیات جمال" پر تبصرہ (سید ابوالنظر رضوی امروہوی) ۱۸/۵

۸۶۸- الیڈ کا عربی ترجمہ جو سلیمان بستانی نے کیا ہے (ملخص) ۱۲/۱

۸۶۹- دستور الفصاحت، مرتبہ عرشی: اس کی ترتیب اور حواشی پر تنقید (آمنہ خاتون) ۱۸/۴

۸۷۰- آمدنامہ، مصنفہ فضل امام خیرآبادی، مرتبہ حکیم محمد بہاؤالدین صدیقی، ۲۲/۱

——— فارسی میں۔

۸۷۱- اسیران اسلام۔ انگریزی، مصنفہ میجر خواجہ عبدالرشید، پر تنقید (صغیر احمد بی ایس سی علیگ) ۴۶/۶

۸۷۲- ایک علمی استفسار (خواجہ عبدالرشید) ۵۵/۲

——— تاریخ کلام الملوک قلمی، مصنفہ یوسف لاہجی کے بارے میں۔

۸۷۳- تنسیق العلوم: ڈیوی ڈسمل کلاسیفیکیشن کے اردو ترجمہ کا تعارف (امتیاز علی عرشی) ۵۲/۱

——— سید محمود حسن قیصر کے ترجمہ کا تعارف۔

۸۷۴- مکتوباتِ سلیمانی، مرتبہ عبدالماجد دریابادی (اکبرآبادی) ۵۴-۵۳/

——— تفصیلی تبصرہ -

۸۷۵- ہندوستان کے عربی فارسی کتابخانے (امتیاز علی عرشی) ۵/۱۸

۸۷۶- قاہرہ کا اسلامی میوزیم (خالد کمال مبارک پوری) ۶/۴۶

——— جو ستر ہزار شاہکاروں پر مشتمل ہے -

۸۷۷- کتب خانۂ آصفیہ اور کتب خانۂ سالار جنگ میں شعرائے اورنگ آباد کی اُردو قلمی کتابیں (نصیرالدین ہاشمی) ۶/۳۴

۸۷۸- عہدِ سلاطین میں کتب خانوں کی تنظیم (ترجمہ: خالد کمال مبارک پوری) ۵/۴۵

۸۷۹- سیرۃ النبی کی ایک اہم اُردو کتاب (نصیرالدین ہاشمی) ۴/۴۵

——— فوائدِ بدریہ مؤلفہ قاضی صاحب م ۱۲۸۰ھ

۸۸۰- تقسیمِ علوم: تاریخ الکیمیا: فلسفہ (خواجہ عبدالرشید) ۲/۲۹

۸۸۱- کتب خانۂ مشکر نوان، بہار (ابوسلمہ شفیع احمد بہاری) ۱/۳۸

۸۸۲- اسلامیات کے متعلق کتب خانۂ سالار جنگ کے اردو مخطوطات (نصیرالدین ہاشمی) ۳/۴۲، ۴

۸۸۳- کتب خانۂ سالار جنگ میں ۱۸۵۷ء سے پہلے کی اُردو مطبوعات (ایضاً) ۳/۴۴

۸۸۴- "خلافتِ معاویہ و یزید": ایک جائزہ (مجاہد الاسلام قاسمی) ۶/۴۳

——— محمود احمد عباسی کی کتاب پر تبصرہ -

۸۸۵- "خلافتِ معاویہ و یزید" پر (اکبرآبادی) ۵/۴۳

۸۸۶- سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ (معصری) ۳/۴۳-۱

۸۸۷- ایضاً (اکبرآبادی) ۳/۴۲

——— اطہر مبارکپوری کی کتاب پر

۸۸۸- قرآن اور علمِ جدید (صغیر احمد بی ایڈ بی ایس سی علیگ) ۳/۴۵

——— ڈاکٹر رفیع الدین کی کتاب پر تبصرہ

۸۸۹- مسئلۂ تعددِ ازدواج (اکبرآبادی) ۴/۴۵
——— جعفر پھلواری کی کتاب پر تبصرہ -
۸۹۰- مولانا گیلانی کی "تدوینِ حدیث" پر تبصرہ (اکبرآبادی) ۴/۳۸———
۸۹۱- فارسی اور اُردو کی چند کمیاب کتابیں (نثار احمد فاروقی) ۴۱/۳—۵ ؛ ۴۲/۲—۴
——— آئینۂ حیرت ؛ سفرنامۂ خسرو -
۸۹۲- مفتاح الصلوٰۃ فارسی قلمی، مصنفہ شاہ محمد بن شاہ حسینی جند اللہ برہانپوری (شیخ فرید) ۲/۳۸
۸۹۳- دیوان "بیدل" کا نسخہ بے بدل حبیب گنج میں (شروانی) ۱/۳۳
——— یہ نسخہ اننددرام مخلص کے خط میں ہے اور بیدل نے اسے دیکھا ہے -
۸۹۴- گیلانی کی نظام تعلیم و تربیت پر سید سلیمان کے تبصرے کے جواب میں (مفتی صاحب، نظرات) ۲/۱۴
۸۹۵- مخطوطاتِ عجائب خانۂ بیجاپور کی ایک مختصر فہرست (عبداللہ چغتائی) ۷/۳،۴
۸۹۶- مخطوطات کتب خانۂ دارالعلوم دیوبند (محبوب رضوی) ۴/۵—۶
——— کل کتابیں ۱۹۶۹۲ ہیں؛ اُن میں بہت سے مخطوطات ہیں -
۸۹۷- تاریخ طبری کے مآخذ (جواد علی - ترجمہ؛ نثار احمد فاروقی) ۵۴/۲—۵

۳/۸ مارچ ۱۹۴۲ء کا ایک شمارہ مرتب اول کو نہ مل سکا تھا، اب ہمیں مل گیا مگر اس وقت تک جب متن میں جو کچھ گھٹانا بڑھانا تھا وہ ہو چکا، اور ان سب کا اشاریہ بھی بن گیا۔ اب اسے بیچ بیچ میں موضوعاتی لحاظ سے داخل کرنا ایک مسئلہ تھا اور پھر ابجدی ترتیب میں اپنی اپنی جگہ رکھنا دوسرا مرحلہ تھا۔ اس لیے ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ اس شمارہ کے مشتملات الگ سے دے دیے جائیں کہ اس طور پر کم سے کم اتنا تو ہوگا کہ تشنگی نہ رہے گی کہ برہان کا کوئی شمارہ کم ہے۔ اگلے ایڈیشن میں اس کا باضابطہ انضمام ہو جائے گا۔ متعلقہ شمارہ کی تفصیل درج ہیں۔ ——— شائستہ خان

- نظرات (سعید احمد اکبرآبادی) ۳/۸

  — جماعت اسلامی پر تبصرہ۔

- اسباب عروج و زوال امت (سعید احمد اکبرآبادی) ۳/۸

  — تیسری قسط

- المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری (عبدالرشید نعمانی) ۳/۸

  — دوسری قسط

- ہندوستان میں زبان عربی کی ترقی و ترویج } عبدالمالک آروی) ۳/۸
  علمائے ہند اور عرب و عجمی مہاجرین کا مختصر تذکرہ }
- ایک علمی سوال اور اس کا جواب (محمد حفظ الرحمن سیوہاروی) ۳/۸
- مصر کی صنعتی ترقی۔ محمد علی پاشا سے شاہ فاروق تک (ع۔ ص) ۳/۸

  — تلخیص و ترجمہ

- ادبیات: رمز و اسرار شہادت (نظم) سیماب اکبرآبادی ۳/۸
- تبصرے (م۔ ح) ۳/۸

مصنف اشاریہ



آزاد، اسرار حسین، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۹، ۸۵۴

آصف سیوہاروی، ۲۸۱، ۲۸۲

آفاق حسین، سید، ۴۴۶

آفتاب اختر، ۴۹۸، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۷

آمنہ خاتون، ۸۶۹

ابرار حسین فاروقی، ۸۴۲

ابراہیم ڈار، قاضی، ۸۰۶

ابراہیم، قاضی محمد، ۵۱۴، ۵۱۵، ۷۸۵، ۷۸۶

ابوذر، حکیم محمد، ۱۴

ابوسلمان شاہجہانپوری، ۴۷۴

ابوصالح اعظمی، ۴۰۷

ابوظفر ندوی، ۸۰۱، ۵۱۱، ۷۱۹

ابوعلی اعظمی، ۴۳۵

ابوالنصر خالدی، ۴۱۳، ۸۱۲

ابوالنظر رضوی، سید، ۳۵۰، ۴۷۲،

۸۳، ۸۸، ۱۳۶، ۱۳۹، ۱۶۷، ۲۱۳، ۳۷۱، ۵۷۰، ۷۲۴، ۸۶۷

اجمل خاں، محمد، ۲۸، ۳۲

احتشام احمد ندوی، ۴۷، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۶۸

احسان اللہ خاں، ۳۶۰

احسن جلیل، محمد، ۳۵۸

احمد صدیقی، محمد، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۳۲، ۶۱۰

احمد علی خاں درّانی، شہزادہ، ۷۵۷

ادریس صدیقی، محمد، ۳۵۰

ادریس میرٹھی، محمد، ۴۰

ارشد، رشید احمد، ۵۳۶، ۵۴۷، ۵۴۱-۵۴۴

اسٹانلے لین پول، ۷۵۱

اسحاق النبی علوی، ۳۸۶، ۵۹۳

اسمتھ، ۷۹۱

اسمتھ، ڈبلیو سی، ۶

اسمٰعیل، ابوالعلا محمد، ۱۵۴

اسمٰعیل پانی پتی، شیخ محمد، ۱۶۴

اشتیاق حسین قریشی، ۴۵۱

اشرف حسین، ۵۰۱

اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ، ۳۹۱

اشفاق شاہجہانپوری، محمد، ۶۱۴

اشفاق علی خاں شاہجہانپوری، ۳۹۸، ۵۵۷

اطہر، قاضی، ۱۸۷، ۵۵۱

اطہر، ۵۲۲

اطہر علی، سید، ۱۲۲، ۲۴۴

اعزاز علی، سید، ۵۵۳

اکبرآبادی، سعید احمد (مقالات) ۴۵، ۴۶، ۶۰، ۷۸، ۸۴، ۸۶، ۹۲، ۹۳، ۱۲۳، ۱۷۷،

۱۷۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۲۹، ۲۴۰، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۶۶، ۲۶۸–۲۸۰، ۲۸۵، ۲۸۶، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۲۳، ۳۲۶، ۳۳۳، ۳۹۹، ۴۲۳، ۴۵۶، ۴۷۰، ۴۷۳، ۴۹۰، ۴۹۴، ۵۴۸، ۵۶۰، ۵۶۳، ۵۶۷، ۵۷۱، ۵۷۵، ۵۷۷، ۵۸۲–۵۸۴، ۵۸۶، ۶۰۲–۶۰۴، ۶۰۹، ۷۲۷، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۵، ۷۴۷، ۷۵۵، ۷۸۰، ۷۹۳، ۸۲۱، ۸۲۶، ۸۲۸، ۸۵۲، ۸۶۰–۸۶۲، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۷۴، ۸۸۵، ۸۸۷، ۸۸۹، ۸۹۰۔

اکبرآبادی، سعید احمد (نظرات)
۹۴، ۱۶۹، ۱۸۶، ۲۱۴–۲۲۶، ۲۲۸، ۲۴۲–۲۴۹، ۲۵۷–۲۶۴، ۳۱۵–۳۱۷، ۳۲۵، ۳۳۳، ۳۳۶–۳۳۸، ۳۶۱–۳۸۸، ۳۹۰–۳۹۳، ۴۰۰، ۴۹۳، ۵۸۰، ۶۰۵، ۶۱۸، ۸۹۴

اکبر حسین قریشی، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۹۱

الم مظفر نگری، ۵۵۹

امام خاں نوشہروی = نوشہروی،

امیر حسن عابدی، سید، ۵۲۳، ۵۲۸ (ب)

امینی = تقی امینی

انشر شاہ، ۳۰۷

انوار الحق حقی بسمیؔ، ۷۵۸

انوری لائلپوری، محمد، ۳۷۰

اے۔ زیڈ، ۸۲۵

بدر الدین علوی، ۱۲۱

بدر عالم میرٹھی، ۴۴، ۵۴، ۱۷۰

بشیر الدین پنڈت، ۴۲۲، ۴۸۴، ۷۸۴، ۸۰۳

بہار الدین حکیم، ۵۲۴

بہار الدین صدیقی، ۸۷۰

بیدار، عابد رضا بیدار، ۴۲۴، ۴۳۱، ۴۴۰، ۴۵۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۷۴، ۴۸۵، ۵۲۶، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸

بیگم انتظار حسین، ۲۰۶

پاشا، حسن حسنی عبدالوہاب، ۷۷۶

تابش دہلوی، ۴۵۲

تابش، لکشمی نرائن وششٹ، ۴۲۶، ۴۳۲، ۵۱۲

تقی امینی، محمد، ۴، ۶۹–۷۲، ۹۵، ۹۶، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۸، ۲۰۷

تقی الدین بہاری، ۲۸۷، ۲۸۸

تقی الدین ندوی مظاہری، ۵۶ب، ۶۴ب، ۶۵–۶۷

ٹریٹن، اے۔ ایس، ۷۱۲

ثمینہ شوکت، ۴۴

ثناء اللہ، ۶۰۷

جاذب، عزیز الرحمٰن، ۴۱۸

جامعی، ظہیر الدین احمد = ظہیر الدین احمد

جعفر، عبدالرزاق قادری، ۶۳

جمال حسن شیرازی، سید، ۷۲۲، ۷۲۶، ۷۴۸

جمال محمد صدیقی، ۸۰۲

جمیل واسطی، ۸۰، ۸۲، ۷۴۹

جواد علی، ۸۹۷

جوزف شاخت، ۹۵ب

جوہر نظامی، ۴۱۱

جہانگیر علی خاں، میر، ۲۷۷
چغتائی = عبداللہ چغتائی
ح ، ۲۶
حامد حسن، ملک، ۲۹۶
حامد علی خاں رام پوری ۵۵۵
حبیب الرحمن اعظمی ، ۵۱، ۴۲۲
حسن الزماں، سید، ۹۷
حسن مثنی ندوی، سید، ۴۴۲
حسین احمد مدنی، ۵۷۸
حفظ الرحمن ، ۸، ۱۸، ۲۱، ۲۲،
۲۳، ۲۴، ۳۶، ۴۲، ۴۳،
۸۵، ۱۴۰، ۱۴۹، ۱۷۳،
۱۷۴، ۲۲۷، ۲۹۲، ۲۹۸،
۲۹۹، ۵۶۲، ۷۵۲
حفظ الرحمن سیوہاروی، ۲۳۹، ۵۰۰
حقی = انوار الحق
حمیدہ سلطان، ۳۹۴، ۴۱۷، ۴۲۰،
۴۲۱، ۴۴۴، ۴۵۳، ۴۵۹،
۴۸۹-
خالد کمال مبارک پوری، ۳۵۲،
۷۵۰، ۷۷۶، ۷۷۸-
خالدی = ابونصر خالدی
خالدی، محمد، ۷۷۱
خلیق احمد نظامی، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۶،
۱۱۷، ۱۱۸، ۷۹۸، ۸۱۰،
۸۱۱، ۸۲۰
خلیق انجم، ۱۱۳
خواجہ احمد فاروقی، ۳۸۹، ۴۲۷،
۴۳۰، ۴۳۳، ۴۶۲، ۴۷۹،
خورشید احمد فاروقی = فاروقی ۸۰۲
داؤد اکبر اصلاحی، ۱۰، ۱۸۰
ڈار = ابراہیم ڈار
ذوالفقار بخاری، سید، ۴۱۴، ۴۴۳ ب
رحیم دہلوی، محمد، ۷۹۲
رشید احمد حافظ، ۳۳۱
رشید احمد = ارشد
رضا، زیدی جعفر، ۴۱۵، ۵۲۸
رغیب حسین، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۹،
۵۳۳-
رفعت احمد خاں، ۴۷۸
رفعت، مبارز الدین، ۶، ۲۰۲،
۵۰۸، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۸۹
رفیع انور، ۴۷۱
رفیق دلاوری، ابوالقاسم،
۱۵۱، ۷۸۷
رونق اعظمی، عزیز الرحمن، ۶۱۷
رئیس احمد جعفری، ۴۰۸
زاہد الحسینی، ۴۷۷
زاہد = قیصر رضوی، سید محمد زاہد
زاہدی، مشتاق احمد، ۸۱۴
زبید احمد، ۷۳۰
سجاد، زین الدین، ۱۶۳
سجاد میرٹھی، زین العابدین،
۱۶۵، ۱۷۵، ۱۸۴،
۱۹۸، ۷۶۵
سچیدانند مورتی، کے، ۱۴۶
سخاوت مرزا، ۱۳۴، ۵۱۲
سعید احمد اکبر آبادی = اکبر آبادی
سلیم الدین صدیقی، ۵۸
سلیم، شاکر محمد، ۱۲۰
سیادت امروہوی، سید محمد، ۲۰۵
سید عبداللہ = عبداللہ
سیماب اکبر آبادی، ۴۴۵
شانت = جوزف
شانتی رنجن بھٹاچاریہ، ۴۱۰
شبیر احمد عثمانی ۶۱۰
شبیر فاطمہ، سید، ۷۸۳
شروانی، ۸۹۳
شطاری، حکیم عبدالباقی، ۱۵۷
شفیع احمد بہاری، ابوسلمہ، ۵۰،
۵۷، ۵۹۶، ۸۸۱
شمس تبریز، ۱۴۷، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۸۹
شور، سید حسین، ۳۷۵
شہاب، مہر محمد خاں، ۴۶۳، ۵۰۹،
۵۲۵

شہابی، انتظام اللہ، ۱۵۷، ۷۹۶
۷۹۷، ۸۰۵، ۸۲۳، ۸۲۴
صابری، حبیب الرحمن خاں، ۵۶۵
صارم سیوہاروی، قاضی عبدالصمد، ۲۰
صبغت اللہ البخاری، سید، ۴۱
صغیر احمد، بی۔ایس سی (علیگ)
۸۷۱، ۸۸۸
صفی الدین صدیقی، ۱۳۶
ضیا احمد بدایونی، ۵۶
ضیاء الحسن فاروقی، ۷۹۱
ضیاء الدین اصلاحی، ۲۷، ۳۱،
۳۲، ۷۴
طفیل احمد منگلوری، ۲۹۷
طفیل عبدالرحمن، ۱۳۸
طوفان، قدرتی حافظ، ۳۸۴
طیب، محمد، ۱۷۹، ۲۹۷
ظفیر الدین، ۷۶، ۴۹ اب،
۱۵۲، ۱۵۸، ۱۵۹،
۱۷۱، ۱۷۲، ۱۸۹،
۳۰۶، ۷۷۵
ظفیر الدین، محمد، ۷۱۶، ۷۱۷
ظہیر الدین احمد جامی، ۴۸۲

عابدی = امیر حسن عابدی
عبادت بریلوی، ۳۹۵، ۴۱۶
عبدالحمید، قاضی، ۳۴۹
عبدالحمید نعمانی، ۷۷۲، ۷۷۳،
۷۷۴
عبدالرحمن، ۱۹۴، ۲۳۸
عبدالرحمن خاں، ۲۰۱، ۲۹۳،
۳۵۵، ۳۶۱، ۴۵۸،
۵۱۹، ۶۱۲
عبدالرحمن، شمس العلما، ۲۳۶
عبدالرزاق کانپوری، ۶۶۷
عبدالرشید نعمانی، ۶۲
عبدالرشید، خواجہ، ۲۰۴، ۲۶۵،
۲۶۷، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۶،
۳۸۰، ۳۸۲، ۵۰۶، ۵۱۰،
۵۹۳، ۷۱۲، ۷۲۹، ۷۳۰،
۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۸،
۷۳۹، ۷۴۱، ۷۸۲،
۸۷۲، ۸۸۰
عبدالرؤف داناپوری، ابوالبرکات
۴۷۸
عبدالستار خیری، ۱۸۵
عبدالسلام خاں رامپوری، ۲۴۴
عبدالعزیز میمنی، ۵۵۲
عبدالقدیر دہلوی، ۸۴۷، ۸۵۰

عبدالقدیر منشی، ۵۸۵، ۷۵۴
عبدالقوی دریابادی، ۱۸۵
عبدالقیوم ندوی، ۳۷۶
عبداللہ چغتائی، ۷۱۰، ۷۱۴،
۷۱۵، ۷۲۶، ۷۵۹،
۷۹۵، ۸۰۸، ۸۰۹،
۸۲۲، ۸۹۵
عبداللہ، سید، ۴۸۷، ۸۱۶
عبدالماجد، سید، ۱۰۲، ۱۹۲،
۳۴۰، ۳۵۱
عبدالمالک آروی، ۱۹، ۲۴۵،
۵۳۸، ۶۰۶
عبدالمجید دہلوی، خواجہ، ۷۹۴
عبدالودود، قاضی، ۴۲۸
عبیداللہ سندھی، ۳۲۹، ۵۷۹
عتیق، بی۔اے، محمد، ۳۱۰
عتیق الرحمن عثمانی، مفتی، ۷۹،
۲۲۷، ۲۴۱، ۳۲۲،
۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۰،
۴۳۹، ۵۷۳، ۵۷۴،
۵۷۶، ۵۸۱، ۵۸۹،
۵۹۷، ۶۴۸، ۸۰۷۔
عثمان فارقلیط، محمد، ۷۷، ۱۴۸،
۳۶۹، ۳۷۲

عرشی، امتیاز علی، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۴، ۴۴۸، ۴۸۸، ۵۰۷، ۸۷۳، ۸۷۵
عزیز الرحمٰن = جامی
عضد الدین خاں، محمد، ۶۱۵، ۶۱۶
عطار البنی، سید، ۷۲۴
عظمت اللہ، ۳۳۷، ۳۴۴
عظیم، صدر الدین، ۱۳۴
عقیل، سید محمد، ۸۹، ۳۶۸، ۳۷۴۔
علوی = اسحٰق النبی
علیم اللہ صدیقی، ۵۳۷
علی رحمانی، خواجہ محمد، ۱۱۵
علی شاہ اسحاق رحمانی سہارنپوری، محمد، ۱۱، ۱۴۲
علی شاہ، خواجہ محمد، ۲۹، ۳۰
عمر سلیمانی، ۳۲۶
عمر، محمد، ۵، ۸۰۰
عنایتی، رفیع اللہ، ۳۶۱، ۳۶۴، ۳۶۸،
عون احمد، ۵۶۹
غازی، حامد الانصاری، ۱۶۶، ۳۷۷، ۷۹۹، ۸۵۱
غلام احمد چودھری، ۵۳۳
غلام ربانی، ۱۲
غلام مرتضیٰ، ۱۳۰، ۵۹۸، ۸۶۶
غوث، شاہ فتح محمد، ۱۱۵
غوث، محمد، ۱
غوری، بشیر احمد خاں، ۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۱، ۲۵۳، ۳۷۹۔
فارق، خورشید احمد، ۱۵(ج)، ۲۹۱، ۳۵۹، ۵۳۱، ۵۳۵، ۵۴۶، ۵۹۱، ۵۹۴، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۱۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۹۰، ۸۳۵
فاروق، محمد، ۱۳۲
فرید برہانپوری، شیخ، ۵۳، ۸۱۳، ۸۹۲
فضل الرحمٰن، ۳۰۵ ب، ۵۲۸ ج
فضل الرحمٰن سواتی، ۱۲۶، ۴۶۹، ۴۹۲۔
فضل الرحمٰن عثمانی، ۵۲۹
فضل الرحمٰن گنوری، ۹۱، ۹۵ ب، ۳۹۰
فلسفی، نصر اللہ، ۷۸۹
فیاض، محمد، ۸۵۹
قاسم علی سجن لال، ۵۰۴
قدوائی، بشیر حسین، ۲۹۶
قطب الدین احمد، ۲۵، ۱۰۷، ۱۶۰، ۸۲۵
قطب الدین احمد بختیار کاکی، ۱۲۳
قطب الدین، سید، ۶۴
قیصر رضوی، سید محمد زاہد، ۶۱۱، ۷۳۲، ۸۴۵
قیصر، سید محمود حسن، ۱۸۸، ۸۱۳
کروزویل، ۷۲۷
کنور سین، ۵۰۴
گب، پروفیسر، ۲۰۶
گوریکر، نظام الدین، ایس، ۷۶۷
گویا اعتمادی، ۷۳۱
گیلانی، مناظر احسن، ۱۳، ۳۹، ۴۸، ۸۱، ۱۱۱، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۸۴، ۵۳۹، ۷۵۹، ۷۱۹، ۸۵۴۔
لین پول = اسٹانلے
مارٹن، ایس برکس، ۷۱۳
مارس ہنڈس، ۸۳۳،
مجاہد الاسلام قاسمی، ۸۸۲

مجیب الرحمٰن عثمانی، ۳۱۹، ۸۴۴
محبوب الرحمٰن ازہری، ۵۴۷
محبوب رضوی، ۳۴، ۵۹، ۱۷۶، ۱
۱۹۶، ۱۹۷، ۳۲۰، ۳۲۱،
۳۳۲، ۳۳۵، ۳۴۷،
۳۸۳، ۴۴۳، ۵۶۱،
۵۸۷، ۷۱۸، ۷۷۰، ۷۷
۸۱۷، ۸۹۶، ۸۱۵، ۸۸
محسنی، ہدایت الرحمٰن، ۳۴۳، ۳۴۸
محمد احمد صدیقی = احمد صدیقی، محمد
محمد بن عبداللہ سمان، ۳۵۲
محمد علی رحمانی، خواجہ = علی رحمانی، خواجہ محمد
محمد علی شاہ، خواجہ = علی شاہ، خواجہ محمد
محمد میاں، ۲۴۸، ۲۵۵
محمود الحسن، ۵۵۸، ۷۶۱
محمود الحسن، حکیم سید، ۶۱۳
محمود الحسن ندوی، ۵۵۷، ۸۲۴
محوی صدیقی، ۳۷۳
مختار احمد ندوی، ۶۸
مسعود احمد، محمد، ۹۹، ۱۴۵، ۲۷۴
مسعود = وحید احمد مسعود۔
معز علی بیگ، ۳۲۹
معصومی، ابومحفوظ الکریم، ۲۲،
۴۹، ۵۵، ۹۰، ۵۳۰،
۵۳۵، ۵۹۲، ۷۷۶،
۸۶۳، ۸۸۶

معصومی، صغیر حسن، ۲۰۷
معین الدین قادری، سید، ۳۰۵
مغنی الدین شمسی، ۳۰۲، ۳۴۲
مظفر شاہ خاں، ۴۴۹، ۴۸۲،
۴۸۰۔
معتصم بریلوی، حکیم رشید احمد، ۴۵۵
مناظر احسن = گیلانی، مناظر احسن
مہر محمد = شہاب
نارنگ، گوپی چند، ۱۰۸
ناصر اصلاحی، عبدالرحمٰن، ۵۲۸ د
ناصر، انعام اللہ خاں، ۵۰۵
نثار احمد فاروقی، ۱۲۴، ۲۸۴،
۴۳۴، ۴۳۶، ۵۷۲،
۸۹۱، ۸۹۸
نجات اللہ صدیقی، محمد، ۳۰۳
نجم الدین اصلاحی، ۱۵، ۷۳
نذیر احمد صوفی، ۱۴۳
نذیر احمد کشمیری، ۱۰۰
نذیر حسین، الشیخ، ۶۰۸
نصیر احمد عثمانی، ۳۵۴، ۳۵۶،
۳۵۷، ۳۶۳ - ۳۶۵
نصیر الدین ہاشمی، ۵۲، ۳۱۴،
۴۲۵، ۴۲۹، ۴۵۰،

۷۶۰، ۸۷۷، ۸۷۹،
۸۸۲، ۸۸۳
نور الحسن انصاری، ۴۹۵، ۸۰۱
نوشہروی، ابو یحییٰ امام خاں، ۵۹۰
واصف، حفیظ الرحمٰن، ۲۷۴
وحید احمد مسعود (شیخوپورہ)، ۱۱۲، ۱۱۱،
۲۳۰، ۴۹۰، ۷۹۸
وقار احمد رضوی، ۱۹۵، ۵۵۷ ج
ولایت علی میر، ۱۹۳
ولی الدین، میر، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵،
۱۰۶، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۸، ۱۴۱،
۴۸۱، ۴۸۶، ۵۱۷
ولی اللہ ایبٹ آبادی، میر، ۹،
۲۸۳، ۲۹۵، ۳۸۱،
۳۵۲ ب۔
ہاشم، محمد، ۹۸
ہدایت الرحمٰن = محسنی، ہدایت الرحمٰن
یعقوب الرحمٰن عثمانی، ۷، ۱۳۷،
۵۹۵
یوسف، ڈاکٹر محمد، ۵۴۰
یوسف کمال بخاری، ۱۱۷
یوسف، مرزا محمد، ۷۵، ۱۴۳، ۳۱۴
یوسفی، مظفر شاہ خاں، ۸۵۷، ۸۵۸۔

ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کی اردو تحریریں شمال پیمائی

رسالہ جامعہ سے

○ قومیت کی تعمیر میں سائنس کی اہمیت

——● ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی

○ مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری

——● ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی

حرفے چند

گورنر بہار ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی جو قبلاً یونین پبلک سروس کمیشن کے چیرمین تھے، اور اس سے قبل علیگڑھ میں سائنس (کمسٹری) کے نامور پروفیسر۔ مگر اس سے بھی قبل؛ ۱۹۳۸ء میں 'اخلاق الرحمٰن صاحب متعلم جامعہ' اور ۱۹۴۲ء میں' اخلاق الرحمٰن صاحب قدوائی بی اے جامعہ' تھے۔

یہ تحریریں اسی زمانے کی یادگار ہیں جب وہ ڈاکٹر سلیم الزماں سے سائنس پڑھتے تھے اور ادب اور سائنس دونوں سے یکساں شغف رکھتے تھے!

— ع۔ر۔ب

قومیت کی تعمیر میں سائنس کی اہمیت

سائنس نام ہے کائنات کی باضابطہ مطالعہ اور قدرت کی تمام چیزوں کو باقاعدہ علم کا چنانچہ سائنس کی مختلف شاخیں عالم وجود کی مختلف اشیاء کا مطالعہ کرتی ہیں۔ اگر طبیعیات میں مختلف قسم کے طبعی تغیرات اور قوتوں کا مطالعہ کرکے مختلف اصول قایم کئے جاتے ہیں اور انکی مدد سے مشینیں تیار کی جاتی ہیں تو کیمیا میں مختلف مادوں کی خاصیتوں کا مطالعہ۔ عناصر اور انکے مرکبات کا تجزیہ اور ان کے باہمی تعامل کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور نئے نئے مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علم نباتات کا کام عالم نباتات کا مطالعہ اور علم الاجسام کا مقصد مختلف اجسام اور انکی ساخت سے بحث کرنا ہے۔ غرضیکہ سائنس عالم فطرت کے ہر علم پر حاوی اور قدرت رکھتی ہے اور اس کا مقصد ان تمام چیزوں کی جو کائنات میں موجود ہیں ماہیت معلوم کرنا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہے۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی انسان قدرت کے پوشیدہ خزانوں سے ناواقف تھا اور دنیا کی مختلف چیزوں کی ماہیت یا دوسرے الفاظ میں سائنس نہ جاننے کی وجہ سے مفلس، بیکار اور غیر متمدن تھا لیکن جوں جوں لوگوں کا علم بڑھتا گیا۔ اسی طرح وہ زیادہ مرفہ الحال اور مہذب ہوتے گئے حتیٰ کہ آج دنیا میں سائنس کا دور دورہ ہے اور انسان قدرت کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ترقی کی اس منزل تک پہنچنے میں زمانہ مختلف دوروں سے گذرا اور ہر دور میں جو زمانہ کے مطابق ہوتی وہی دنیا کی سب سے افضل۔ ترقی یافتہ اور مہذب قوم ہوتی تھی۔ اور انکی سیادت دنیا پر تسلیم کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک زمانہ تھا جب قوت اور طاقت کی تمام عالم پر فرمانروائی تھی۔ وہ دنیا کی سب سے مہذب اور ترقی یافتہ قومیں تھیں جو جسمانی اور آلات کی قوت کی مالک تھیں۔ لیکن زمانہ نے کروٹ بدلی اور ترقی کا معیار قوت سے بدل کر علم و ہنر اور دماغی صلاحیت ہو گیا۔ چنانچہ اس عہد میں وہ قومیں صاحب اقتدار تھیں جو مختلف فنون اور علوم کی مالک تھیں انھیں کے ہاتھ

دنیا کی زمام قیادت تھی اور وہ قومیں جو طاقتور تھیں۔ انکی مطیع اور انکے اقتدار کا ذریعہ بن گئیں۔

زمانہ صرف اسی حالت پر قائم نہ رہا بلکہ اس نے تہذیب کا معیار پھر بدلا اور اس مرتبہ عنان قیادت ان قوموں کے ہاتھ میں آئی جو فطرت کے مطالعہ اور قدرت کے علم سے واقف تھیں یعنی جن کی قومیت کی بنیاد علم سائنس پر تھی وہ دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ قومیں مانی گئیں۔ اور وہ قومیں جنکا سرمایہ صرف طاقت یا ادب تھا انکی غلام اور مطیع ہو گئیں۔

زمانہ کے اس آخری انقلاب نے ایشیا کی قیادت اور تہذیب و تمدن کو ختم کرکے یورپ کو اقتدار بخشا اور مشرق جو کہ ابتک تہذیب و تمدن کا مرکز اور علوم کا علم بردار تھا۔ مغرب کے آگے جھک گیا۔ ایشیاء اپنے قدرتی وسائل دولت یعنی اپنی زرخیزی کی وجہ سے مرفہ الحال تھا۔ اسی لئے تہذیب کا مرکز بھی تھا۔ اور یورپ اس حیثیت سے غریب تھا اور قدرتی وسائل دولت کی کمی کی وجہ سے مفلس اور غیر متمدن تھا۔ لیکن جب اہل یورپ نے سوچنا اور سمجھنا شروع کیا یعنی سائنس کو انھوں نے اپنی ترقی کا ذریعہ بنایا تو انکی ویران اور بنجر زمینیں کیمیاوی کھادوں کی مدد سے سرسبز اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ خوفناک اور تاریک جنگلات جو کل تک بالکل بے مصرف تھے۔ دنیا کی نعمتیں پیدا کرنے لگے انکا ہر تنہ اور شاخ بیش بہا دولت میں تبدیل ہو گیا۔ اونچائی سے گرنے والے پانی کے دھارے جو کل تک سیلاب اور مصیبت کا باعث تھے آج قدرت کی بہترین نعمت یعنی بجلی جیسی قوت محرکہ پیدا کرنے لگے۔ کوئلے اور لوہے کی کانیں جو کل تک بیکار تھیں ان سے آج دیو قامت مشینیں اور سونے کے مول بکنے والے اوزار بننے لگے۔ غرضکہ یورپ جو ایشیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ غریب اور بیکار تھا۔ سائنس کی ترقیوں کی بدولت نہ صرف انتہائی زرخیز اور دولت و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ بلکہ طاقت اور علوم بھی انہیں کے قبضہ میں آگئے اور اہل ایشیا جو اب تک تہذیب اور دولت کے مرکز اور علوم کے قرن تھے اور جو اپنے قدرتی وسایل دولت پر قانع ہونیکی وجہ سے سائنس سے زیادہ فایدہ نہ اٹھا سکے تھے۔ یورپ کے نہ صرف مطیع اور غلام ہو گئے بلکہ انھوں نے اپنے وسایل دولت کو بھی انکی ترقی کا ذریعہ بنا دیا اور خود بالکل مفلس اور غلام ہو کر رہ گئے۔

کم وبیش یہی حالت ہمارے ہندوستان کی ہے۔ جس نے اپنے قدرتی وسایل دولت پر قناعت کی تھی اور علوم جدیدہ سے زیادہ فایدہ نہ اٹھایا تھا ایک ترقی یافتہ اور علوم جدیدہ سے فیضیاب ہونے والی قوم کا غلام ہوگیا۔ آپ یقین مانئے کہ اگر تہذیب وتمدن اور ترقی کا معیار وہی رہتا جو کبھی سائنس کی ترقی سے قبل تھا اور انگلستان وہندوستان کی تجارت پر سخت پابندیاں عاید نہ ہوتیں اور اٹھارویں صدی کے آخر میں سائنس کی ایجادیں وجود میں نہ آتیں تو یقیناً آج انگلستان، ہندوستان کا کم از کم معاشی حیثیت سے ضرور غلام ہوتا۔ لیکن اٹھارویں صدی کے آخر کی ایجادوں یعنی James Hargreaves کے Spining-jenny اور Arkwright کی کاتنے کی مشین اسکے علاوہ Samuel Cromton کی ایجاد Mule اور Power-loom وغیرہ ایجادوں نے صورت ہی بدل دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جتنا مال ہندوستان سے بنکر انگلستان جاتا تھا اس سے کہیں زیادہ انگلستان سے بن کر ہندوستان آنے لگا۔ آخر ہندوستان کی ٹھپ ہوئی غیر سائنٹفک صنعت انگلستان کی کثیر پیداوار (Mass Production) اور سائنٹفک صنعت کے سامنے کس طرح چل سکتی تھی۔ بالآخر ہندوستان کو انگلستان کی ایجادوں کی وجہ سے غلام بننا پڑا۔ اس کے بعد جیمس واٹ کے دخانی انجن نے تو زمانہ ہی بدل دیا جس کی وجہ سے انگلستان دنیا کا سب سے زیادہ دولتمند ملک اور تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا۔ دنیا کا ایک بڑا حصہ خصوصاً ہندوستان اور امریکہ اس کی صنعت کے لئے خام پیداوار مہیا کرنے لگے و خود مفلس ہوگئے۔ ہندوستان کی تمام صنعت ایک قلیل مدت میں بالکل فنا ہوگئی۔ اور ہندوستان وامریکہ خام پیداوار کوڑیوں کے مول انگلستان جاتی اور مصنوعہ شکل میں آکر سونے کے مول بکنے لگیں۔ لیکن امریکہ نے زمانہ کے گُر کو سمجھ لیا اور اس نے اپنی قومیت کی بنیاد سائنس پر رکھ کر انگلستان سے آزادی حاصل کی اور آج وہ دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ، مہذب ملک ہے اور معاشی لحاظ سے تمام دنیا پر چھایا ہوا ہے۔

کیا ہندوستان امریکہ کی طرح عروج اور ترقی حاصل نہیں کرسکتا ہے؟ یقیناً کرسکتا ہے مانئے کہ اس کے معاشی حالات امریکہ سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ہندوستان خام اشیاء اور بہت کچھ

پیمانے سے ترقی کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر سائنس کے مستحکم بنیادوں پر رکھی جائے اور اسکو اصل اصول بناکر قدرتی دولت کو خاطر خواہ استعمال کیا جائے اور قدرت کے عملیات کی صحیح معنوں میں قدر کی جائے ۔ یہ کام کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ ہم لوگوں میں ولولہ اور جوش ہو ۔ آزادی کے لئے سچی تڑپ اور ترقی کی امنگ ہو ۔ ہمارے سامنے نہ صرف امریکہ بلکہ جاپان کی مثال بھی ہے ۔ جس نے سائنس کو اپنا نصب العین بناکر انتہائی عروج حاصل کیا ہے ۔ جاپان ۱۸۶۸ء سے قبل صرف ایک زراعتی ملک تھا لیکن جاپانیوں نے ترقی کے راز کو سمجھا اور ۱۸۶۸ء سے انہوں نے جدوجہد شروع کی ابتدار میں انہوں نے کپڑے کی صرف چار ملیں سائنٹفک اصولوں پر قائم کیں ۔ اور لوگوں نے علوم سائنس کی طرف توجہ کی ۔ حکومت نے غیر ممالک میں طلبا ربھیجے جنہوں نے اپنی انتہائی کوشش سے نہ صرف سائنس کو سیکھا بلکہ مختلف ممالک کے تجارتی راز بھی معلوم کئے اور انکی ایجادوں کو سمجھ کر اپنے ملک میں انھیں چیزوں کو تیار کیا اور اپنے حالات کے مطابق بہت سی نئی نئی چیزیں تیار کیں ، سامان تیار کرنے کے سستے طریقے نکالے ۔ اور ایک قلیل مدت میں انہوں نے ایسی ترقی حاصل کی کہ اسکا شمار آج صف اول کی قوموں میں ہوتا ہے ۔ اسی طرح اگر ہندوستان ورٹمبرگ کی مثال کو شمع راہ بنائے اور اس سے سبق حاصل کرے تو اس کے لئے ترقی کی راہیں کھلی اور عروج کی منزل یقینی ہے ۔ جرمنی کے اس چھوٹے سے خطے نے جو ہندوستان کی طرح صرف زراعتی ملک تھا ۔ ایک ہی نسل کی کوششوں سے اور سائنس کی ایجادوں کی مدد سے ایک بہترین صنعتی ملک میں تبدیل ہوگیا ۔ حالانکہ آج سے پچاس برس قبل اس کے لئے اپنی دیہی آبادی کے لئے خوراک اور روزگار مہیا کرنا بھی مشکل تھا آج وہ اس وقت سے کہیں زیادہ آبادی کا کفیل اور دولت و تہذیب کا مرکز ہے ۔

آج جبکہ سائنس کی ایجادوں نے ہر فرد اور ہر قوم کے لئے ترقی کی راہیں کھول دی ہیں ۔ کیا ہندوستان اس وقت بھی ان سے محروم رہیگا ۔ آج جبکہ سائنس کی بدولت بنجر علاقے سرسبز باغات بن گئے ہیں ۔ دنیا کے ذرے ذرے نے دولت اگلنا شروع کر دی ہے صفحہ ہستی پر ذلیل سے ذلیل اور بدترین چیزیں اگر سائنس کی مدد سے سونے میں تبدیل نہیں ہو جاتیں تو چاندی اور سونے

کے مول فروخت ضرور ہوتی ہیں۔ اگر تار کول جیسی بدصورت اور ذلیل شے سے تین سو سے زیادہ مفید مصنوعات۔ رنگ اور خوشبوؤں کی صورت میں نکالی جا سکتی ہیں تو کیا ہندوستان کے قدرتی وسائل دولت کو منظم کر کے کھویا ہوا اقتدار اور عروج حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستانی قومیت کی ترقی کے لئے اس وقت اہل امریکہ جیسے بلند ارادوں اور اہل جاپان کے سے ولولوں اور حوصلوں کی ضرورت ہے۔ آج بھی اگر ہم کو اپنی پستی اور کمزوری کا احساس ہو جائے تو ہم نہایت ہی قلیل مدت میں دوسری قوموں کی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ہندوستان کی خام پیداوار خود اس قدر زیادہ ہے کہ ابتدا میں تمام پیداوار کا صحیح مصرف نکالنا بھی مشکل ہوگا۔ اسی طرح قوت محرکہ اتنی زیادہ ہندوستان میں پیدا کی جا سکتی ہے جو نہ صرف کافی بلکہ ضرورت سے زیادہ ہوگی۔ غرضکہ اگر آج بھی ہم صحیح معنوں میں ترقی کرنے کا مصمم ارادہ کرلیں اور اپنی ترقی کا ذریعہ سائنس کو بنا کر اپنے قدرتی وسائل دولت کو ضائع نہ جانے دیں اور نہ کوڑیوں اور دمڑیوں کے مول ہندوستانی دولت باہر بھیجیں بلکہ خود ہندوستان اس سے فایدہ اٹھائے اور اپنی ملکی دولت کو ترقی دے تو یقیناً ہم دیکھیں گے کہ ایک قلیل مدت میں ہندوستان بھی امریکہ اور جاپان کی طرح تہذیب و تمدن کا مرکز۔ علوم کا مخزن اور دور جدید کے انتہائی ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہونے لگیگا۔ اور آج ہندوستان کو شب و روز کے جن مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کل نہ صرف مٹ جائیں گی بلکہ ہماری ترقی کا ذریعہ اور رحمت بن جائیں گی۔ آج جو سیلاب اور طوفان ہمارے لئے قہر ثابت ہو رہے ہیں کل ہماری بنجر زمینوں کو زندہ کرنے اور قوت محرکہ پیدا کرنے کا مرکز بن جائیں گے۔ گرد و غبار اور گرمیوں میں اڑنے والی ریت سے ایسے مسالے تیار ہو سکتے ہیں جو آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں تعمیر کر سکتے ہیں۔ ہمالیہ اور کشمیر کے خوفناک اور تاریک جنگلات ہماری تحقیق اور کوششوں کے بعد صنعت و حرفت کا مرکز بن سکتے ہیں۔ اور انکی سڑنے اور گلنے والی لکڑیوں پھلوں اور پھولوں سے قیمتی اشیاء پیدا کی جا سکتی ہیں۔ ہمارا سرسبز و شاداب زمینیں جن کی قوت پیداوار روز بروز گھٹ رہی ہے۔ اور عنقریب بنجر ہونیوالی ہیں

سائنس کی کوششوں سے پھر سونا اگلنے لگیں گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں بہت کم ممالک بلکہ شاید صرف امریکہ ایسا ملک ہے جو ہندوستان سے قدرتی وسایل دولت میں مقابلہ کر سکتا ہے اس لئے اگر ہندوستان سائنس کی مدد سے اپنے تمام زراعتی اور صنعتی وسایل دولت سے خاطر خواہ فایدہ اُٹھائے تو اسکی دولت کا شمار محال اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا اندازہ مشکل ہوگا۔

یوں تو دنیا کی کوئی صنعت ہندوستان کے لئے ناممکن نہیں۔ کیونکہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں دنیا کی تقریباً ہر چیز کم وبیش پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ان سب کے ذکر کی گنجائش اس تھوڑے سے وقت میں نظر نہیں آتی اس لئے مندرجہ ذیل سطور میں صرف اہم صنعتوں کا جو سائنس کی توجہ اور مدد کی محتاج ہیں نہایت ہی مختصر الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ سوتی کپڑے کی صنعت:۔ یوں تو آج بھی ہندوستان میں کافی ملیں موجود ہیں لیکن اس صنعت کو سائنٹفک طور پر اور اعلیٰ پیمانے پر چلانے کے لئے۔ بہترین روئی پیدا کرنے۔ کپڑے رنگنے اور ملوں کے اندر جہاں تاگا کاتا جاتا ہے۔ مرطوب فضا اور مناسب حالات پیدا کرنے کے لئے سائنس کی تحقیقات کی سخت ضرورت ہے۔

۲۔ اونی کپڑے کی صنعت:۔ ہندوستان میں اون کی صنعت اس قدر ترقی یافتہ نہیں جس قدر ہونا چاہئے۔ اس کے لئے رنگ کاٹنے اور رنگنے کے اچھے مرکبات درکار ہیں جن کو معمولی تجربات کے بعد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ ریشم کی صنعت:۔ ریشم کی صنعت ہندوستان میں بالکل ابتدائی اور پست حالت میں ہے۔ اس کے علاوہ مصنوعی سلک کا ہندوستان میں بالکل رواج نہیں حالانکہ ... بہت مختلف قسم کے محلل ... ہندوستان میں بکثرت تیار کئے جاسکتے اور مصنوعی ریشم سازی کو بہت کافی ترقی دی جاسکتی ہے۔

۴۔ کاغذ کی صنعت:۔ ہندوستان میں کاغذ سازی کی صنعت کو ترقی دینے کے بہت زیادہ مواقع حاصل ہیں۔ جنگلات سے بہترین قسم کی لکڑی۔ بانس۔ گھاس اور بھوسا وغیرہ بکثرت اور

بہت کم قیمت میں حاصل کر کے مختلف کیمیاوی طریقوں سے کاغذ کی بہت اچھی لُبدی تیار کی جا سکتی ہے۔ لیکن آجکل صرف معمولی کاغذ کے لئے لُبدی ہندوستان میں تیار کی جاتی ہے اور اچھا کاغذ یورپ کے لُبدی سے بنتا ہے۔ حالانکہ تھوڑی سی محنت تحقیق اور تجربات کے بعد بہت اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

۵۔ رنگ اور رنگ سازی:۔ ہندوستان میں نیل۔ اور بہت سے رنگ کثیر مقدار میں پیدا ہونے کے باوجود بھی ہر سال کروروں روپے کے رنگ باہر سے آتے ہیں۔ اور ہندوستان کے رنگ بالکل ضائع جاتے ہیں۔ چمڑا رنگنے کے لئے مختلف قسم کی وارنشیں اور روغن ہندوستان میں بہت ہی اچھے اور سستے تیار کئے جا سکتے ہیں۔

۶۔ سائنس کی معلومات کی کمی اور بے توجہی کی وجہ سے روزانہ لاکھوں جانوروں کے کھر، سینگ، ہڈیاں اور خون بیکار بہتے ہیں۔ حالانکہ انھیں اشیا کی مصنوعات یورپ سے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے منگائی جاتی ہیں۔ ان چیزوں کی صنعت بہت ہی آسان اور نفع بخش ہونیکی وجہ سے بہت آسانی سے رائج کی جا سکتی ہے۔

۷۔ تیل اور مختلف قسم کی چربیاں ہندوستان میں غیر محدود مقدار میں پیدا ہوتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ پیدا کی جا سکتی ہیں لیکن ان سے خاطر خواہ فایدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ حالانکہ تیل کی بنی ہوئی چیزیں ہر سال کروروں روپے کی یورپ سے آتی ہیں۔ صابن۔ موم بتی اور پیرافین وغیرہ کی صنعت کے لئے بیحد مواقع حاصل ہیں۔

۸۔ ہندوستان میں بہترین قسم کی شکر تیار کی جا سکتی ہے۔ اور گذشتہ چند سالوں سے اس صنعت کی طرف کافی توجہ کی جا رہی ہے۔ لیکن اس صنعت کو ترقی دینے کے لئے سائنس کا تحقیقات کی سخت ضرورت ہے۔ گنے کے رس سے صرف ۵۰ فی صدی شکر حاصل کی جاتی ہے اور باقی شکر شیرے کی صورت میں بالکل ضائع جاتی ہے جس کا کوئی مصرف نہیں۔ حالانکہ اس فضول اور بیکار چیز سے نہایت ہی سستا الکحل تیار کیا جا سکتا ہے جو موٹر اور دوسری مشینوں کا

امریکہ اور انگلستان کی کمپنیوں کے قیمتی پٹرول کی بجائے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اس طرح سے ہندوستان میں پٹرول کی تلافی۔ نہایت ہی سستے الکحل سے کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ فیاض حکومت اپنے اغراض و مقاصد کی خاطر اسے تیار کرنے کی اجازت نہ دے۔

۹۔ ہر سال کروروں روپے کی ادویات ہندوستان میں یورپ اور امریکہ سے آتی ہیں حالانکہ قیمتی دوائیں خود ہمارے ملک میں تیار کی جا سکتی ہیں۔ اس لئے کہ اُن پودوں میں جن سے یہ دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔ بہت کم ایسے ہیں جو ہندوستان میں پیدا نہیں ہوتے یا پیدا نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک کے طبیب آج بھی قدیم زمانہ کی طرح دواؤں میں جڑی بوٹیاں، لکڑیاں اور پتے استعمال کرتے ہیں حالانکہ ترقی اور تہذیب و تمدن کے اس دور میں سائنس کی مدد سے دواؤں کے مفید اجزاء نکال کر استعمال کئے جا سکتے ہیں جو بوٹیوں اور پتیوں سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ اور اس سے نہ صرف ملکی صنعت کو ترقی ہوگی بلکہ یونانی اور ویدک طب کے دن بھی پھر جائیں گے اور ڈاکٹری کے مقابلے میں وہ مٹنے کی بجائے پھر ترقی کرنے لگیں گے۔

۱۰۔ معدنی پیداوار:۔ ہندوستان معدنی پیداوار کے لحاظ سے بھی کسی دوسرے ملک سے کم نہیں۔ مختلف دھاتیں اور انکے اورس کثیر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ سوڈیم اور پوٹیشیم کے مرکبات۔ نمک، تانبا، لوہا، سیسہ، اسٹرانشیم، کیلشیم، شورہ، نمک گریفائٹ۔ گندھک، عنبر، ٹین ہیرا جادنکا، سونا اور کوئلہ وغیرہ ہندوستان میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ مینگنیز اور ابرق غالباً دنیا میں سب سے زیادہ ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی یہ تمام معدنی پیداوار یا تو ضایع ہو جاتی ہے یا باہر جاتی ہے۔ جس سے فایدہ اہل یورپ اٹھاتے ہیں۔ اور انھیں اشیا کے مرکبات جو کہ ہندوستان کے معملوں میں بآسانی تیار کئے جا سکتے ہیں۔ یورپ سے بن کر ہندوستان آتے اور سونے کے مول بکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یورانیم اور ریڈیم کی کچھ دھاتیں بکثرت پائی جاتی ہیں جو انگلستان اور یورپ کم قیمت میں جاتے ہیں اور وہاں ان سے یورانیم اور ریڈیم جیسی قیمتی اشیاء تیار کر کے بڑی قیمتوں میں فروخت کی جاتی ہیں۔

۱۱۔ اسلحہ اور گولہ بارود:۔ ہندوستان میں گندھک، شورہ، پکرک ایسڈ، گلیسرین اور نائٹرک ایسڈ وغیرہ بہت کافی پیدا ہوتے ہیں جن کی مدد سے ہندوستان کی صنعت اسلحہ سازی کو ترقی دی جاسکتی ہے۔ بہترین قسم کے کارتوس، گولیاں، بم، توپیں اور دوسری پھٹنے والی چیزیں تیار کی جاسکتی ہیں۔ جن کے بغیر ہندوستان نہ کبھی ترقی کرسکتا ہے اور نہ اس خود غرض دنیا میں اپنے ملک اور اپنے حقوق کی حفاظت کرسکتا ہے۔

۱۲۔ جنگلات کی پیداوار:۔ ہندوستان کی بیش بہا دولت ہمالیہ اور کشمیر کے جنگلوں میں ضائع جارہی ہے۔ حالانکہ ان خوفناک اور تاریک جنگلات کے ہر ذرے اور ہر تنکے سے بہترین نعمتیں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ بہترین لکڑی جو نہ صرف صنعت میں کام آسکتی ہیں بلکہ اسکو کشید کرکے میتھول الکوحل۔ Acetone اور Acetic Acid وغیرہ جیسے مفید محلل Salvents تیار کئے جاسکتے ہیں جنکی کہ موجودہ صنعت میں بہت ضرورت ہوتی ہے۔ لاکھوں قسم کے پھل بہتر پیدا ہوتے ہیں اور انھیں جنگلات میں سڑگل جاتے ہیں حالانکہ ان کو آسانی سے محفوظ کیا جاسکتا ہے اور ان سے مختلف قسم کے وہ تیزاب حاصل کئے جاسکتے ہیں جو لاکھوں روپیہ خرچ کرکے یورپ سے منگائے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کتنے پھول روزانہ کھلتے اور بیکار جاتے ہیں ان کی ساری خوشبو اور تمام رنگ خاک میں مل جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جنگلات کی پیداوار سے گوند، پیرافین اور لاکھ وغیرہ بھی کثیر مقدار میں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

۱۳۔ زراعت:۔ ہندوستانی زراعت غالباً سب سے زیادہ سائنس کی مدد کی محتاج ہے اسکی سرسبز کھیتیوں اور سونا اگلنے والی زمینوں کی قوت پیداوار روز بروز گھٹتی جارہی ہے اور اگر یہ رفتار تنزل کی رہی تو ممکن ہے کچھ عرصہ کے بعد شمالی ہند کی سرسبز وادیاں ہمارے غلط استعمال اور علوم سائنس کی کمی کی وجہ سے بنجر اور ویران علاقوں میں تبدیل ہو جائیں۔ ان زمینوں کی خاطر اگر تحقیق و جستجو کی جائے تو مختلف کیمیاوی کھادوں کے ذریعہ انکی قوت پیداوار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ زراعت کے سلسلہ میں جو ضمنی اشیاء حاصل ہوتی ہیں انکا بہترین استعمال

جاسکتا ہے ۔ اور ہندوستان کے حالات اور زمینوں کے مطابق زراعت کے نئے نئے طریقے دریافت کئے جاسکتے ہیں جن سے ہمارے کھیتوں کی پیداوار امریکہ اور روس کی طرح کئی گنی بڑھ سکتی ہے ۔ اور زراعت میں بہت سی سہولتیں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں ۔

۱۴۔ بجلی کی قوت :۔ ہندوستان میں قوت محرکہ کے پیدا کرنے کے لئے لکڑی اور کوئلے کی کوئی کمی نہیں اس کے علاوہ سینکڑوں آبشار ہیں جن سے ۹۴ ، لاکھ اسپی طاقت سے بھی زیادہ بجلی حاصل کی جاسکتی ہے ۔ لیکن ان سے صرف ایک لاکھ اسپی طاقت کی بجلی حاصل کی جاتی ہے اور قدرت کی یہ نعمت بالکل بیکار اور ضائع جارہی ہے ۔

۱۵۔ ہر سال ہندوستان کے لاکھوں غریب اور مفلس کسان ۔ دریاؤں کے سیلاب ' لو ' دھوپ دوا ندھیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ انکی گاڑھی کمائی اور جان سے زیادہ عزیز کھیتیاں موسم کی بے اعتدالیوں کا شکار ہو جاتی ہیں ۔ حالانکہ طوفان اور سیلاب کی ان آفتوں سے سائنس کی مختلف تجربہ گاہیں اور موسم وغیرہ کا مطالعہ کرنے والے شعبے قایم کرکے پہلے سے بچنے کی تدابیر اور ان سے تحفظ کا مناسب انتظام کیا جاسکتا ہے جیسا کہ آج امریکہ اور دوسرے ممالک سائنس کی ان خدمات سے فائدہ اٹھا کر اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں ۔

مذکورہ بالا صنعتوں کا حال آپ لوگوں نے سنا اور سننے سے زیادہ اسکی ابتری کا مشاہدہ بھی کیا ہوگا ۔ اس صنعتی پستی اور علوم سائنس سے فایدہ نہ اٹھانے کی ذمہ داری تمام تر گورنمنٹ پر ہے ۔ لیکن غیروں سے شکوہ کیا ۔ ہم کو اپنوں سے شکایت کرنا چاہیئے جنھوں نے سائنس کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اب تک اس کو ناقابل التفات سمجھتے رہے ۔ لیکن جن لوگوں نے سائنس کی تعلیم حاصل کی ان سے اور بھی زیادہ شکایت ہے اس لئے کہ انھوں نے ایک مفید علم حاصل کرنے کے باوجود اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ۔ انھوں نے سائنس کی تعلیم کو محض تفریح اور ڈگری حاصل کرنے کا مقصد بنا یا ایسے قابل قدر علم سے جس کے مطالعے اور جس کے تجربات میں انھوں نے اپنا بہترین وقت صرف کیا ۔ صرف اتنا فایدہ اٹھایا کہ آج سرکاری دفاتر میں کلرک اور محرروں کے اعلیٰ اور قابل قدر فرائض انجام

دے رہے ہیں! انکے علاوہ ہندوستانی کے نام نہاد شاہی ریسرچ انسٹیٹوٹ سب سے زیادہ قابل مذمت ہیں جو ہندوستان کی کوئی قابل قدر خدمت انجام نہیں دے رہے ہیں اور جنکے اخراجات ہندوستان کے لئے گراں اور جن کا وجود مضر ثابت ہو رہا ہے۔

غرضکہ ہندوستان کی قدرتی پیداوار اور اسکی ناقدری کی داستان بہت طویل ہے جس کے ذکر کے لئے دفاتر درکار ہیں۔ اب انکا رونا رونے اور افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس وقت اس امر کی ضرورت ہے کہ اپنے ترقی کے جذبے اور قوت عمل سے کام لیں اور دنیا پر اپنی حیثیت اور اہمیت جتا دیں۔ ہمکو چاہئے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر کو علوم سائنس کی مستحکم بنیادوں پر اٹھائیں اور جس طرح دنیا کی دوسری قوموں نے ان سے فائدہ اٹھا کر عروج حاصل کیا ہے انہیں کی طرح ہم بھی ترقی کی راہ میں گامزن ہو جائیں۔ اور اپنے مقصد کے حصول میں ہر ممکن کوشش صرف کریں ۔

(جامعہ، اگست ۱۹۳۸ء)

(اخلاق الرحمٰن صاحب قدوائی، بی۔ اے۔ جامعہ

مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری

"اخلاق الرحمٰن صاحب قدوائی نے ایک طویل مقالہ اردو ادب میں تنقید نگاری اور مولانا عبدالحق کے عنوان سے ترتیب دیا تھا۔ یہ مضمون اسی طویل مقالے کا دوسرا جزو ہے" (مدیر)

مولانا عبدالحق جس مستعدی، انہماک اور خلوص سے اُردو زبان وادب کی خدمت کر رہے ہیں اس کی مثال ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا پہلے شخص ہیں جنہوں نے اُردو زبان وادب کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا ہے۔ اردو کی خدمت کا جذبہ ان کے دل ودماغ میں اس قدر رچ گیا ہے کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اسی کی خدمت کے لئے زندہ ہیں اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ورنہ اس پیری کے زمانے میں جبکہ لوگ صرف عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں کوئی وجہ نہ تھی وہ سراپا جوش اور قوت عمل کا مجسمہ ہوتے۔ سچ تو یہ ہے کہ جوں جوں ان کی عمر بڑھتی جاتی ہے اسی طرح ان کو اپنے اس معشوق مجازی (اردو) سے بھی محبت بڑھتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ ان کی علمی وعملی سرگرمیوں میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مولانا اگر ایک طرف زبان وادب میں اصلاح اور اس کے ذخیرے میں اضافہ کر رہے اور اپنی تنقیدی وتحقیقی تحریروں سے اس کی خدمت کر رہے ہیں تو دوسری طرف مخالفین اردو سے بھی نبرد آزما ہیں جو اردو کی جگہ ہندی کو ہندوستان کی مشترکہ زبان بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں اردو کی بقا وتحفظ کے لئے مخالفین کو منہ توڑ جواب دے رہے ہیں وہاں اردو کے تمام خدمت گاروں کی فوج منظم کرنے کے لئے ہندوستان جیسے وسیع ملک کے چپہ چپہ کی خاک چھان رہے ہیں اور اپنی مسلسل اور انتھک کوششوں سے تمام ملک کو اردو زبان کے مسئلہ میں متحد اور ہم آواز کرنے میں مشغول ہیں۔ چنانچہ ان کی تگ ودو اور سرگرمی کو دیکھ کر سروجنی نائیڈو نے کہا تھا:-

"مولوی عبدالحق کی کوشش ہے کہ تمام دنیا کی زبان اردو ہو جائے"

بظاہر یہ مبالغہ ہے لیکن ہندوستان کی حد تک اس میں حقیقت کی جھلک ضرور موجود ہے اور شاید اسی لئے یہ مشہور قول ہے کہ "اردو اور عبدالحق مترادف الفاظ ہیں"

جہاں اردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے مولانا کے یہ علمی و عملی کارنامے ہماری تاریخ ادب میں غیر فانی قدر و منزلت کے مستحق ہیں وہاں مولانا کی وہ ادبی خدمات بھی جو انہوں نے اس کے معیار ادب کو بلند کرنے اور اسے زمانے کی دستبرد سے بچانے کے لئے انجام دیں ہمیشہ ہمیشہ یاد رہیں گی۔

مولانا عبدالحق نے اقلیم تنقید نگاری میں اس لئے قدم نہیں رکھا تھا کہ وہ ایک دن اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے بلکہ ان کی دور بیں نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس وقت اردو زبان کو سب سے زیادہ تنقید کی ضرورت ہے۔ حالی و شبلی نے جس کی داغ بیل ڈالی تھی اسے تکمیل تک پہونچانے کی ضرورت تھی۔ انھوں نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس بار گراں اور مشکل ترین فرض کو اپنے ذمہ لیا۔ مولانا کی حساس طبیعت نے جب محسوس کیا کہ ہماری زبان و ادب کے موجودہ دور ارتقا میں گرد و پیش کے رجحانات اور زبان کے تخلیقی امکانات سے متاثر ہو کر اہل قلم اظہار خیال کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔ اور ادب اردو کو طرح طرح کے افکار و خیالات۔ سے مالا مال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو انھوں نے ضروری سمجھا کہ ایسی حالت میں رطب و یابس حسن و قبح، اصل و نقل میں امتیاز کرنے کے لئے سنجیدہ اور ذمہ دارانہ تنقید کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے ادیب اس دشوار گذار منزل میں صحیح راہ چھوڑ کر غلط راہ نہ اختیار کر لیں اور سطحی چیزوں کو قابل قدر چیزوں پر ترجیح نہ دینے لگیں۔ مولٰنا نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس وقت جبکہ زبان و ادب کی ترقی کے لئے تمام قوموں اور ملتوں اور تمام صوبوں کی متحدہ کوشش اور ان کے اتحاد و یگانگت کی ضرورت ہے کہیں بے جا اختلافات نہ پیدا ہو جائیں اور ہمارے ادب کی ترقی کا یہ بہترین موقع ان کے بھینٹ نہ چڑھ جائے۔ انھوں نے سمجھا اور بالکل صحیح سمجھا کہ سرِدست اعلیٰ تنقید نگاری ہی اردو ادب کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے چنانچہ مولانا نے اپنی جولانیٔ طبع کو اسی میدان کے لئے مخصوص کر لیا۔ ہمارے اس خیال کی تائید بالواسطہ طور پر مولانا عبدالحق خود اپنے انڈین اورنٹیل کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں اس طرح کرتے ہیں۔

تنقید کی ابتدا مولوی حالی نے کی اور اب اس فن پر متعدد لکھنے والے پیدا ہو گئے ہیں...... حال کے انقلابات اور تغیرات سے ہمارا ادب بھی متاثر ہوا ہے اور اس میں طرح طرح کی جدتیں پیدا ہو رہی ہیں ان کے جانچنے کے لئے پرانے اصول کام نہیں آسکتے۔ ان نئی چیزوں کے پرکھنے کے لئے ہمیں نئے اصولوں سے کام لینا پڑے گا۔"

(خطبات عبدالحق صفحہ ۱۴)

حق تو یہ ہے کہ اس دور تغیر و تبدل اور ادب اردو کی ترقی کے اس نازک وقت میں مولانا کی تنقیدوں نے ان تمام خطرات کے مقابلہ میں سپر کا کام دیا اور ہماری زبان کو دست برد سے بچا کر ترقی کی صحیح راہ پر گامزن کر دیا۔ علاوہ ازیں مولانا کی تنقیدوں نے جہاں ہمارے ادبی معیار کو بلند کرنے میں مدد دی وہاں وہ مولانا جیسی قابل شخصیت اور پختہ کار صاحب قلم کے ہاتھ میں آکر تنقید ہمارے ادب کی جان اور اس کی ایک اعلیٰ صنف ہو گئی اور مولانا عبدالحق اس اقلیم کے بلا شرکت غیرے شہنشاہ ہو گئے۔ ایسے نازک وقت میں یہ رہبری ضرور تاریخی حیثیت اختیار کرلے گی۔

مولانا کی ادبی اور تنقیدی زندگی کی ابتدا | مولانا عبدالحق علی گڈھ کالج کے اُن ہونہار فرزندوں میں سے ہیں جن پر یہ ادارہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اگرچہ بی۔ اے میں آپ کے مضامین میں فلسفہ اور تاریخ تھے لیکن اردو زبان وادب سے آپ کو ابتدا ہی کا ذوق تھا چنانچہ آپ چھٹیوں میں گھر جانے کے بجائے سر سید کے ساتھ علمی اور ادبی مشاغل میں مصروف رہتے تھے جب مولانا حالی علی گڈھ تشریف لائے تو ان سے بھی پوری طرح استفادہ حاصل کیا اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کے دل میں اردو زبان و ادب کی خدمت کا شوق سر سید نے پیدا کیا اور تحقیق و تجسس اور تنقید نگاری کا وہ جذبہ جس نے مولانا کو اس عروج و کمال تک پہونچایا حالی کی مخلص کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس بیان کی تائید مولانا حالی کے خط سے ہوتی ہے۔ جس میں انھوں نے مولانا عبدالحق کے اس ارادے پر مسرت ظاہر کی تھی جب انھوں نے ایک خط میں اس امر کا ذکر کیا تھا کہ وہ جدید اردو لٹریچر کے ناموران پر تنقید لکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا حالی لکھتے ہیں

"اس پر ضرور لکھئے کہ اردو لٹریچر میں درحقیقت اب تک کوئی نمونہ یوروپین کریٹیزم کا موجود نہیں۔"
(مکاتیب حالی صفحہ ۴۴)

اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں حالی اور سرسید کی خدمات اردو کے سلسلے میں اس عظیم الشان کارنامے کو بھی شامل کرنا پڑے گا کہ انھوں نے مولانا عبدالحق جیسا اردو کا محسن ادیب اور نقاد پیدا کیا۔

ہمارا یہ خیال محض قیاس آرائی پر نہیں بلکہ واقعات پر مبنی ہے چنانچہ دوران تعلیم میں مولانا کے جذبۂ خدمت میں ڈوبے ہوئے مضامین اردو زبان و ادب کی ترقی کے متعلق "تہذیب الاخلاق" اور "علیگڈھ میگزین" میں شائع ہوتے رہے۔ پھر ۱۸۹۵ء میں جبکہ آپ ابھی طالب علم ہی تھے صرف پن چکی کے کتبخانہ کی تلاش میں علی گڈھ سے اورنگ آباد تک کا سفر کیا۔ علاوہ ازیں مولانا کا مذاق۔ ان کے خیالات اور اسلوب بیان پر مولانا حالی کا اثر اور حالی سے ان کی غیر معمولی عقیدت و نیازمندی جو ان کے تمام مضامین میں نمایاں اور ممتاز ہے۔ ہمارے خیال کے بین ثبوت واضح شواہد ہیں۔

۱۸۹۶ء میں جب مولانا نے بی۔ اے کی سند حاصل کی تو اورنگ آباد میں انسپکٹر آف اسکولز مقرر ہوئے۔ ایک تو آپ کا ذوق علمی اور پھر حیدر آباد کی پرسکون اور علمی فضا۔ ان دونوں نے آپ کو اپنے ان ارادوں اور منصوبوں کو جن کا اظہار طالب علمی کے زمانہ میں کرتے تھے اور جن کا عہد و پیمان حالی اور سرسید کے اثر سے کیا تھا اب عملی جامہ پہنانے کا موقع ملا۔ مولانا نے ملازمت کے دو سال بعد ہی ۱۸۹۸ء میں رسالہ "افسر" جاری کیا۔ اسی سے آپ کی تنقید نگاری کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس رسالے کے جہاں اور بہت سے ادبی مقاصد تھے اور ان پر ملک کے بلند پایہ ادیب خامہ فرسائی کرتے تھے۔ وہاں اس کا ایک اہم مقصد تنقید نگاری بھی تھا جسے خود مولانا لکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ چاند مرحوم لکھتے ہیں:۔

"اردو چونکہ اس وقت قصہ کہانیوں کی سرحد سے نکل کر علمی میدان میں قدم رکھ رہی تھی اس لئے اس کی دیکھ بھال اور رہنمائی کے لئے تنقید بھی رسالہ (افسر) کا مقصد قرار دیا گیا اور غالباً یہ پہلا اردو رسالہ ہے جس نے کتابوں پر تنقید کرنے کو اپنا فرض قرار دیا"

(رسالہ نورس "عبدالحق نمبر)

سو پانچ سال تک اردو زبان و ادب کی خدمت اور تنقیدی کام انجام دیتا رہا اور اس کے بعد بند ہو گیا ۔مولوی صاحب صرف شوق علمی اور مطالعہ کتب کے لئے زندہ ہیں اور بس" اس لئے آپ نے

افسر کے بند ہونے کے بعد بھی علمی اور ادبی مشاغل کو جاری رکھا۔ اس زمانے میں اردو زبان کے بہت سے نایاب نسخے جمع کئے۔ اردو ادب کے قدیم ترین ماخذوں کی تلاش و جستجو میں معروف ہوگئے۔ انھیں نہایت ہی محنت اور جانکاہی سے جمع کرتے اسی کے ساتھ مقدمے بھی لکھتے تھے جن میں سے بعض نہایت ہی مبسوط اور طویل ہیں۔ مقدمے درحقیقت کتاب اور مصنف پر بہترین تنقید ہوتے تھے۔ مولانا کے مقدموں کی اہمیت اسی وجہ سے زیادہ ہے ورنہ اردو زبان میں مقدمہ نگاری قدیم اور عام ہے۔ کبھی کبھی کتاب کے آخر میں قدیم الفاظ کی فرہنگ بھی تیار کرکے شامل کرتے تھے۔ غرضیکہ آپ کے یہ ادبی کارنامے جو ایک طرف بہت ہی تحقیقی اور علمی ہوتے تھے تو دوسری طرف آپ کی تنقیدیں انھیں چار چاند لگا دیتی تھیں جس سے نہ صرف ان کی قدر و منزلت بڑھ جاتی تھی بلکہ ادب کا معیار بھی ان تنقیدوں کی بدولت بلند ہو رہا تھا۔

اس وقت جبکہ ہمارے ادیب بلا کسی منزل مقصود کے بھٹک رہے تھے اور بلا کسی مقصد و منہاج کے اپنی تحقیقی قوتوں کو بیکار اور کھوکھلی شاعری۔ بے ربط اور بے مقصد نثر نگاری میں ضائع کر رہے تھے۔ ان کی توجہ مولانا کے اچھوتے اور بلند پایہ کام کی طرف ہوئی اور رہنمایان قوم نے ۱۹۱۲ء میں آپ کی تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں میں اپنی زبان اور ادب کی صحیح ترقی کا راز مضمر سمجھ کر انجمن ترقی اردو کو جو کہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک معمولی شعبہ تھی مولانا کے سپرد کر دیا۔ اس کے متعلق شیخ چاند مرحوم لکھتے ہیں:۔ مولوی صاحب کا۔

"فراغ تعلیم سے لے کر ۱۹۱۲ء تک جو زمانہ گذرا ہے اس میں آپ نے نہایت بلند پایہ مضامین لکھے۔ اعلی درجہ کی کتابوں پر نہایت ناقدانہ اور مبصرانہ مضامین لکھے۔ اردو ادب میں مغربی طرز کا تنقیدی عنصر داخل کرنے کی کوشش کی اور چند ہی دنوں میں اپنی خصوصہ تنقیدی قابلیت، ادبی ذوق اور علمی شغف سے قدیم و جدید طرز کے عالموں، ادیبوں اور انشاپردازوں کو قائل کر دیا اور بہت جلد شہرت اور ناموری حاصل کر لی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو کے اعزازی معتمد منتخب ہو گئے۔"

(رسالہ اردو۔ عبدالحق نمبر)

حق تو یہ ہے کہ مولانا عبدالحق کی ادبی زندگی کا مطالعہ۔ زبان وادب کی ترقی اور نقادکی اہمیت اور اس کی قدر ومنزلت کا ایک بین ثبوت اور روشن دلیل ہے۔ نقاد کی حیثیت سے آپ نے اپنی شخصیت اور مرتبہ کو جس طرح دوسروں کی نظروں میں بلند کیا۔ زبان میں جس طرح ترقی کی اور اس کے ادب میں جو اضافہ کیا اور اس کے معیار کو جتنا اعلیٰ کیا۔ یہ سب ایسی کامیابیاں ہیں جو ایک ناقد کو ادیب سے ممتاز کرتی ہیں۔ انھیں صلاحیتوں کی بنا پر زبان وادب کو ترقی دینے کا عظیم الشان بیڑا آپ نے اٹھایا۔ اگر ایک طرف انجمن ترقی اردو کے ذریعہ اردو زبان کو منظم طریقے پر ترقی دینے کی کوشش کی تو دوسری طرف دارالترجمہ حیدرآباد کے ناظم کی حیثیت سے یہ بھی ثابت کردیا کہ نقاد زبان کی استعداد اور ادب کی وسعت اور جدید خیالات پھیلانے کی خدمت بھی کس طرح انجام دے سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اردو زبان کی ترقی میں مولانا عبدالحق اور انجمن ترقی اردو نے جو کوششیں کیں انھیں جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے تمام کام مولوی صاحب کی سرگرمی کا نتیجہ ہیں اور اس کی موجودہ ترقی ان کی مسلسل اور انتھک کوششوں کی رہین منت ہے۔

اردو زبان کے تنقیدی کارناموں میں انجمن ترقی اردو کے ترجمان رسالہ "اردو" کو بھی مولانا کی طرح غیر فانی شہرت حاصل ہے۔ مولوی صاحب نے جب دیکھا کہ صرف نئی کتابیں اور ان کے ساتھ مقدمے شائع کردینے سے تنقید نگاری کا پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ بلکہ ہماری زبان میں جس قدر بھی کتابیں شائع ہوں ان کو بھی ادب کا معیار بلند کرنے کے لئے تنقید کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ اور زبان کی اصلاح اور معیار مقرر کرنے کے لئے ایک ایسے ادبی رسالہ کی ضرورت ہے جو صرف اردو ادب کے متعلق ہو اور جس کا مقصد "تنقید یعنی زبان وادب کی خوبیوں کا معیار قائم کرنا اور اس معیار پر پرانے اور نئے لکھنے والوں کی کتابوں کو پرکھنا" ہو چنانچہ "اردو" کے پہلے پرچے جنوری ۱۹۲۱ء میں آغاز کے عنوان کے تحت مولانا لکھتے ہیں :-

"تنقید جو ادب کی جان اور ذوق سلیم کی روح رواں ہے ابھی ہمارے یہاں ابتدائی مرحلے میں ہے اسے صحیح رنگ میں دکھانا بہت بڑا فرض ہے اس کے بغیر ادب کی

خدمت ادا ہونی ممکن نہیں۔"

مولانا نے "اردو" کے ذریعہ اب اپنے میدان تنقید کو بہت وسیع کر لیا ہے اور اقلیم اردو پر چھا گئے ہیں۔ اس رسالہ میں مولوی صاحب نے اردو زبان کی جدید مطبوعات پر تبصرے لکھنا شروع کئے جس سے اردو کتابوں کا معیار بہت بلند ہو گیا۔ اور صنف تنقید کو بھی صحیح رنگ میں دکھا کر کمال عروج تک پہونچا دیا۔ چنانچہ شیخ چاند مرحوم رسالہ اردو کی تنقید نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"افسر" کے مقاصد میں تنقید بھی ایک مقصد تھا۔ مولوی صاحب کا وہ قدیم خیال اور پختہ ہو گیا اور "اردو" میں اس کے لئے ایک حصہ وقف کر دیا ہے۔ اس سے قبل اردو زبان میں تنقید کا عنصر اس قدر کمزور تھا کہ وہ کسی شمار اور کسی لحاظ کے لائق نہیں۔ "اردو" نے اس خصوص میں بڑی قابل قدر خدمتیں انجام دی ہیں آئندہ تنقیدی ترقی اس کی ممنون رہے گی۔" (نورس، عبدالحق نمبر صفحہ ۱۴۳)

یہاں اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ "رسالہ اردو" کی تنقیدیں زیادہ تر مولانا عبدالحق صاحب کے قلم کا نتیجہ ہوتی تھیں اس لئے مذکورہ بالا بیان میں "اردو" کی تنقید نگاری کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ فی الحقیقت مولوی صاحب کی تنقیدوں کے متعلق ہے۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب فرماتے ہیں:۔

"رسالہ "اردو" کے تنقیدی مضامین اس قدر متین ہیں کہ اردو زبان کیا دنیا کی کسی زبان میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ان مضامین کے علاوہ رسالے نے تنقید و تبصرہ کا ایک مستقل باب کھولا ہے جس میں نئی کتابوں اور رسالوں پر اور کبھی کبھی علمی انجمنوں کے جلسوں اور علمی اداروں پر فاضلانہ اور محققانہ تنقید کی جاتی ہے۔ نو سال کے عرصے میں اکثر تبصرے ایسے نکلے ہیں جو بجائے خود ادبی نکات اور معلومات کے مخزن ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر عبدالحق صاحب اور کچھ دوسرے نقادوں کے لکھے ہوئے ہیں مولوی صاحب کا کمال یہ ہے کہ تنقید کے اعلیٰ اور پاکیزہ معیار کو بھی قائم رکھتے ہیں

---

[1] یہ مضمون ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔

اور بتدیوں اور نوشتوں کی ہمت افزائی میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ موصوف کی تبصرہ نگاری پر تبصرہ کرنے کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ ان کی تنقید وں نے ملک میں یہ مقبولیت اور وقعت حاصل کی ہے کہ لوگ انھیں ملوا فسانوں کی طرح شوق سے پڑھتے ہیں اور شرعی عدالت کے فیصلہ کی طرح ادب سے تسلیم کرتے ہیں"

(نورس عبدالحق نمبر صفحہ ۱۴۵)

اگرچہ اب اردو زبان وادب کی ترقی کے سلسلے میں مولانا کے عملی مشاغل میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور ان کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے لیکن اب بھی مولانا تنقید کو ادب کی جان اور ذوق سلیم کی روح رواں سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر تنقید کو صحیح رنگ میں نہ دکھایا گیا تو بے راہروی سے بچنا مشکل ہوگا۔ اس لئے اگر ایک طرف وہ اردو کی بقا و قیام کے لئے ہندی کے دعویداروں سے دست و گریبان ہیں اور اس کو ملک کے طول و عرض میں پھیلانے کے لئے شب و روز مسافرت میں رہتے ہیں تو دوسری طرف اس کے باوجود اب بھی آپ کی زندگی کا اہم ترین مقصد تنقید نگاری ہے جس کے ذریعہ آپ اردو زبان کی استعداد اور خیالات میں وسعت پیدا کر رہے ہیں اور اس کے معیار کو روز بروز بلند تر کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ تنقید نگاری آپ کی زندگی کا جزو اور ایمان ہو گئی ہے جس سے آپ کبھی جدا نہیں ہو سکتے۔

مولانا عبدالحق کے تنقیدی کارنامے | قبل اس کے کہ مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری کی خوبیوں سے بحث کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کارناموں کا ایک مختصر سا جائزہ لے لیا جائے تاکہ ان کی تنقیدات کی نوعیت اور ان کی قسموں سے واقفیت ہو جائے۔

مولانا عبدالحق کے ادبی مشاغل کا ہر لمحہ تحقیق و تجسس اور تنقید نگاری میں گذرتا ہے۔ اسی لئے آپ کی تقریباً تمام ادبی خدمات تاریخ و تنقید اور نقد و نظر پر مشتمل ہیں۔ یہ آپ کا بہت بڑا کمال ہے کہ ابتدا میں جن فرائض کو اپنے ذمے لیا تھا ان کے علاوہ کسی دوسری چیز کے لئے قلم نہیں اٹھایا۔ اس سے جہاں آپ کو اپنے مقرر کردہ مقصد سے سچا لگاؤ اور جذبہ خدمت میں خلوص ثابت ہوتا ہے

وہاں اولوالعزمی، ولولہ اور پختگی ارادہ کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی چالیس سالہ ادبی وعلمی زندگی میں منکر، ادیب اور صاحب قلم ہوتے ہوئے بھی ان تمام ارادوں، حوصلوں اور محرکات کو جو انسانی طبیعت کو شاعر، ڈرامہ نویس، افسانہ نگار اور مصنف بننے کے لئے اکساتے ہیں دل و دماغ میں بالکل جگہ نہ دی یہ ایسا ہی مشکل کام ہے جیسے نفس کشی جو ہر شخص کے لئے ممکن نہیں نفس کشی صرف وہی شخصیتیں کر سکتی ہیں جو کسی سچے نصب العین کے لئے اپنی زندگی کو تج دیں اور ان کا رہنا، سہنا اور مرنا، جینا سب اسی بلند مقصد کے لئے ہو چنانچہ مولوی صاحب کے ادبی کارناموں کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو علمی کارناموں اور تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملتا ہے جس کا ہر صفحہ اور ہر ورق اپنے مقرر کردہ جادۂ راہ سے الگ نہیں۔ اس کا ہر لفظ و ہر جملہ تحقیق و تفتیش اور صحیح تنقید کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

مولانا کے ادبی کارناموں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ تصانیف، مضامین اور مقالے خطبات تنقیدات اور مقدموں پر مشتمل نظر آئیں گے۔ جن میں سے ہر ایک کا مفصل ذکر حسب ذیل ہے۔

(۱) تصانیف: "صرف و نحو اردو" اور "قواعد اردو"، مولانا عبدالحق کی دو اہم تصانیف ہیں جن کا بظاہر مولانا کی تنقید نگاری سے کوئی تعلق نہیں لیکن اگر ان کی نوعیت پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان تصانیف کے پیش نظر بھی اصول تنقید تھے اور مولانا نے وسیع النظر ادیب اور بلند پایہ نقاد کی حیثیت سے ان تصانیف میں کمال پیدا کر دیا ہے۔ صرف و نحو اور قواعد زبان کے مسائل پر یہ کتابیں مسلم الثبوت ہیں۔ مولانا نے ایک نقاد کی حیثیت سے ضروری سمجھا کہ جس زبان کی اصلاح کی جائے اور جس پر تنقید کی جائے اس کے متعلق مسلمہ اصول بھی ہونے چاہئیں اسی لئے آپ نے بڑی محنت اور جانکاہی سے ان کتابوں کی تصنیف کے فرائض انجام دئے۔

(۲) ۲۔ مضامین: مولانا کی تصانیف کو چھوڑ کر ان کے تمام مضامین خواہ وہ سیرت سے متعلق ہوں یا تاریخ سے وہ کسی حد تک تنقیدی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس لئے مولانا کے علمی اور ادبی مضامین کو ان کے تنقیدی کارناموں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان تنقیدوں

کا تعلق اگرچہ کسی کتاب سے نہیں ہوتا مگر وہ لوگوں کی سیرت ان کے کلام اور ان کے کارناموں پر ایک ناقدانہ بحث ہوتی ہے۔ آپ کے بہترین مضامین کا مجموعہ "چند ہمعصر" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں زیادہ تر ان شاعروں، ادیبوں اور قومی لیڈروں کے حالات ہیں جو آپ کے ہمعصر تھے۔ اور ان میں سے اکثر سے آپ کا قلبی اور جگری تعلق تھا۔ اس کے مطالعہ سے مولانا کی صناعی اور قدرت بیان پورا پورا ثبوت ملتا ہے اور چرچل کی مشہور کتاب (my contemporaries) یاد آ جاتی ہے۔ اس کتاب (چند ہمعصر) میں مضامین کی تعداد کل چوبیس ہے جن میں سے خاص خاص مولوی چراغ علی، مولوی محمد عزیز مرزا، سید علی بلگرامی، محسن الملک، مولانا محمد علی، اور مولانا حالی ہیں اور ان سب میں گدڑی کا لعل نورخاں ہے جو کہ خوبی زبان اور جوہر قلم کے اعتبار سے بہت ہی لاجواب ہے۔ بعینہ تمام مضامین جہاں ان بزرگ ہستیوں کا صحیح ترین خاکہ ہیں وہاں ان میں ان کے ادبی کارناموں، کلام اور زبان پر بھی تنقید کی گئی ہے اور اس لحاظ سے آپ کے مضامین دوسری سیرتوں سے جو کہ ان بزرگ ہستیوں کے متعلق لکھے گئے ہیں بہت ہی بلند پایہ اور مسلم الثبوت ہیں۔

(ب) مقالے :- آپ کے علمی مقالے بھی مستقل تصنیفات ہیں جو کہ تحقیقی اور تنقیدی لحاظ سے مسلم الثبوت ہیں اس حیثیت سے یہ مقالے اردو ادب میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان مقالوں میں آپ نے جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ انتہائی صحیح اور مسلم ہیں۔

"اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" لکھ کر آپ نے ہماری تاریخ ادب کی ایک گمشدہ کڑی کا پتہ چلایا ہے۔ دوسرا اہم مقالہ جو تحقیق و تنقید کے لحاظ سے بہت اہم ہے، "مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر" کے نام سے شائع ہوا ہے یہ وسعت نظر اور عالمانہ تنقید کا بہترین نمونہ ہے۔

"مرحوم دہلی کالج" بھی آپ کا نہایت ہی معرکۃ آرا مقالہ ہے جس میں مولانا نے اس کالج کی اردو زبان و ادب کی ترقی میں اہمیت اور اس کی کوششوں کو خوب سراہا ہے اور اس کے کارناموں پر تنقیدی بحث کی ہے۔ ان مقالوں کے علاوہ آپ نے دکنی مصنفین، شعرا اور ان کی تصنیفات کے متعلق بہت ہی اہم اور معرکۃ آرا مقدمے لکھے ہیں جن میں سے قدیم اردو اور دوسرے مقالے بہت ہی

قابل قدر ہیں اور ان کی وجہ سے دکن کے اکثر ادیبوں کو قدیم دکنی ادب سے دلچسپی ہو گئی ہے
اور ان پر کام کیا۔

(۳) خطبات :- مولانا عبدالحق کے ادبی کارناموں میں خطبات کو بھی کافی اہمیت حاصل ہے۔ یہ نہ صرف اس لئے قابل قدر ہیں کہ علمی اور ادبی جلسوں میں پڑھ کر مقبول ہوئے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ زبان و ادب کی خوبیوں سے مملو ہیں۔ اگرچہ یہ خطبات تنقیدی رنگ سے الگ ہٹ کر لکھے گئے ہیں اور انھیں ایسا ہونا بھی چاہیئے لیکن اس قسم کے خطبات کو بھی ماہر فن اور مسلمہ نقاد کی تنقید نگاری کا جزو سمجھنا چاہیئے اس لئے کہ نقاد کے کلام و بیان میں بھی ناقدانہ شان پائی جاتی ہے۔ ان میں وہ جہاں زبان و ادب کی خامیوں اور خوبیوں کا محاکمہ کرتا ہے وہاں اصلاحی اور عملی تجاویز بھی سامعین کے سامنے رکھتا ہے جو کہ نقاد کا فرض ہے۔ اس لئے کسی نقاد کا اس مرتبہ پر پہونچ جانا کہ وہ مسلم الثبوت ہو جائے اور بڑی بڑی محفلوں اور مجلسوں میں صدارت اور صلاح و مشورہ کے لئے طلب کیا جائے اس کے کمال تنقید کی دلیل سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ مولانا کی تنقیدوں نے جس وقت سے اردو داں حلقہ میں بہت مقبولیت حاصل کی ہے اور نقاد کی حیثیت سے ان کی صلاحیتوں کو ملک میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اس وقت سے مختلف زبان و ادب کے جلسوں میں مولانا عبدالحق مسند صدارت کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں چنانچہ آپ کے دس خطبات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے جس میں سے ہر خطبہ پڑھنے کے قابل ہے اور یہ تمام خطبات مولوی صاحب کی عام مقبولیت کی دلیل ہیں ان خطبات میں انجمن حمایت اسلام، انجمن ترقی پسند مصنفین، بہار اردو کانفرنس، ہندوستانی اکیڈمی اور انڈین اورنٹیل کانفرنس کے خطبات بہت ہی پر مغز ہیں۔

(۴) تنقیدات :- یہی تنقیدات مولوی صاحب کے ادبی کارناموں کا بہت ہی اہم جزو ہیں کتابوں کے تبصروں میں مصنف اور کتاب کے ہر پہلو پر مفصل بحث ہوتی ہے جس کی بنیاد انصاف پر ہوتی ہے ان میں تحقیق کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ مولانا کی تنقیدیں تحقیقی واقعات اور کبھی کبھی ظرافت آمیز جملوں سے مملو ہوتی ہیں۔ تنقید کیا ہوتی ہے کتاب کا نچوڑ ہوتا ہے۔ جس میں اصل کتاب کے پڑھنے سے زیادہ

لطف آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سادگی زبان اور زور بیان سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوتی ہیں۔ اس لئے لوگ انھیں صرف ادبی معلومات کے لئے ہی نہیں بلکہ دلچسپی اور زبان کی چاشنی کے لئے بھی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ سالوں میں آپ کی تنقیدات کے دو مختصر مجموعے، تنقیدات عبدالحق، کے نام سے شائع ہو کر مقبول عام ہوئے ہیں آپ کی مشہور تنقیدوں میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

،سرگذشت الفاظ، بہت ہی پرلطف تنقید ہے جس میں الفاظ کی تاریخی سرگذشت اور ان کی شکل و معانی کی تبدیلی پر مولانا نے جہاں مصنف کی کوششوں کی داد دی ہے۔ وہاں چند الفاظ کی مضحکہ خیز تشریح کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور خامیوں کی خود تصحیح کی ہے۔

،مکاتیب امیر مینائی، پر نہایت منصفانہ اور بے لاگ تبصرہ ہے۔ مشہور شاعر کے محاسن و معائب کو بلا روک ٹوک بیان کیا گیا ہے۔

،اصلاح سخن، پر مولانا کی تنقید دوسری تنقیدوں سے مختلف نوعیت کی ہے۔ جہاں مصنف کی شوخی کی داد دی گئی ہے وہاں ان کی اضافی غلطی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ انداز بہت ہی ظرافت آمیز اور دلچسپ ہے۔

،فیضان شوق، کا تبصرہ بھی بہت ہی باکمال ہے۔ حضرت شوق جیسے مستند زبان داں اور مسلم الثبوت استاد کی شاعری کی خامیاں دکھانے کے ساتھ ساتھ زبان دانی کی غلطیاں بھی پیش کی گئی ہیں۔ ان کے کلام کا مختصر انتخاب اور ان کی شاعری پر تبصرہ بھی ہے۔

،اردو لٹریچر، پر تبصرہ بھی انتہائی دلچسپ ہے۔ اس کا انداز تنقید بھی جدا ہے۔ مولانا کی وسعت نظر اور تاریخ و زبان پر عبور اور واقفیت کا بہترین نمونہ ہے۔ نہایت ہی دلچسپ غلطیاں شائع کی گئی ہیں۔ اگرچہ فاش غلطیوں کی فہرست بہت لمبی چوڑی ہے جس کی کہ کتاب یقیناً مستحق تھی لیکن پھر بھی لب ولہجہ میں کسی قسم کی سختی کا شائبہ نہیں پایا جاتا ہے اور ان خامیوں کے باوجود آخر میں مصنف کی کوششوں کو سراہا گیا ہے۔

غرضکہ مولانا کے مختلف تبصرے انداز تنقید کے لحاظ سے مختلف اور بہت ہی دلچسپ ہیں جنکے

پڑھنے سے صرف صحیح تنقید نگاری کا رنگ ہی سامنے نہیں آتا بلکہ زبان کا لطف بھی حاصل ہوتا ہے اور ادبی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مولانا کی تنقیدوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انھیں پڑھ کر کتاب کا بالکل صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے اور کتاب کا نچوڑ سامنے آ جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا کی تنقیدوں کے دونوں مجموعے مختصر اور ناکافی ہیں اس لئے تمام تنقیدات کو ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ مقدمات: مولوی عبدالحق صاحب، مقدمہ باز مشہور ہیں اور ہونا بھی چاہئے۔ مگر باز میں ذم کا پہلو حذف کرنے کے بعد۔ کیونکہ مولانا جیسا مفکر اور ادیب جس کی زندگی کا مقصد ہی عالمانہ اور تنقیدی مقدمے لکھنا ہو اور جن کے تحقیقی و تنقیدی مقدمے علمیت، زبان اور اعلیٰ معیار کی وجہ سے جوار و دیار میں مشہور ہیں۔ اگر وہ مقدمہ باز کہلائیں گے تو کون؟ مقدمہ نگاری تنقید نگاری ہی کی ایک شکل ہے لیکن اس سے بلند تر۔ اس کا لکھنا اُس سے زیادہ مشکل اور کٹھن ہے۔ مقدمہ نگاری کے لئے زیادہ علمیت اور صلاحیت کی ضرورت ہے۔ تنقید صرف معیار پرکھنے کی کسوٹی ہے لیکن مقدمہ کتاب کی حد سے نکل کر موضوع بحث مصنف اور خود کتاب پر تنقید ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحق کے مقدمے نہایت ہی محققانہ اور مبصرانہ ہوتے ہیں اور ان میں تحقیقی رنگ بھی شامل ہوتا ہے۔ اپنی نوعیت اور معیار کے اعتبار سے مولانا کے مقدمے دنیا کی انتہائی ترقی یافتہ زبانوں کے بہتر سے بہتر مقدموں کے مقابلے میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مولانا کا تبحر علمی اور ان کی وسعت نظر جہاں ان کے مقدموں کو زیور علم سے آراستہ و پیراستہ کرتی ہے وہاں ان کی قدرت زبان اور اسلوب بیان زیورات علم کو جلا دیتے ہیں۔ اسی لئے ان مقدمات کو پڑھنے سے اگر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے تو طبیعت کو سرور بھی حاصل ہوتا ہے۔ مولانا کے مقدمے اکثر و بیشتر صورتوں میں اصل کتاب سے بڑھ چڑھ کر رہتے ہیں اور جس کتاب کے ساتھ شائع ہوتے ہیں اسے چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مولانا کے مقدمات کتاب کے پڑھنے میں بہت ہی مفید ثابت ہوتے ہیں اور کتاب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے اور موضوع کتاب کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ مولانا کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر موضوع پر مقدمے لکھ سکتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ سب بلند پایہ ہوتے ہیں لیکن زبان و ادب کے مسائل میں ان کی رائے قطعی اور ان کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔

مذہب، سائنس، فلسفہ، تاریخ، زبان وادب اور سماجی مسائل کے متعلق کتابوں پر ان کے مقدمات بہت بلند پایہ ہیں۔ مقدمات کی تعداد پینتیس سے اوپر ہے جن میں سے چند کا مختصر ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے تاکہ ان کے مقدموں کی نوعیت اور طرز مقدمہ نگاری کا ایک خاکہ ذہن میں قائم ہو جائے۔

مقدمہ معرکۂ مذہب و سائنس، ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب مذہب و سائنس، پر نہایت ہی عالمانہ مقدمہ ہے بلکہ اس کتاب کے مقابلہ میں اس مقدمے کو ایک مستقل تصنیف سمجھنا چاہئے جس میں مذہب کی حقیقت اس کی اہمیت اور سائنس پر نہایت ہی فلسفیانہ اور منطقی بحثیں کی گئی ہیں۔ نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ وجود باری تعالیٰ اور مذہب کی ضرورت کو ثابت کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ آپ کے دوسرے مقدموں سے اس حیثیت سے مختلف ہے کہ اس میں تمام تر علمی بحث ہے جو کہ زبان اور خیالات کی خوبیوں کی وجہ سے بہت ہی دلچسپ پیرا اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

مقدمہ حیات النذیر، دوسرے مقدموں سے مختلف نہیں بلکہ آپ کے خاص رنگ میں ہے جس میں مولانا نذیر احمد کے حالات زندگی پر بہت اچھی و صحیح بحث کی گئی ہے۔ ابتدائے مقدمہ میں آپ نے ان لوگوں کا جو کہ تاریخی شخصیتوں کی سیرت لکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے دور کی شخصیتوں کے حالات زندگی لکھتے ہیں۔ دونوں کے فرائض اور مشکلات کا محاکمہ کیا ہے۔ اس کے بعد مولانا نذیر احمد کی زندگی کو جس سبق آموز انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی قابلیت اور علمی صلاحیتوں کو جس قدر سراہا ہے۔ اس کی توقع بہت کم لوگوں سے کی جا سکتی ہے۔ آخر میں اعادۃ الامہ کے مسئلہ پر بلا خوف وخطر پوری وضاحت اور زور بیان کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

مقدمہ، تمدن ہند، میں سید علی بلگرامی کے حالات زندگی بہت خوش اسلوبی کے ساتھ قلمبند کئے ہیں۔ اس کے بعد تمدن ہند پر نہایت ہی فاضلانہ طور پر تنقید کی ہے اس میں جہاں ایک ادیب اور عالم کی حیثیت سے بے لاگ تنقید کی ہے وہاں اپنی تاریخ دانی کے جوہر بھی خوب دکھائے ہیں۔
مقدمہ، ذکر میر، میں قدر بہتر طریقہ پر اور جتنے صحیح حالات موجود ہیں کہیں دوسری جگہ نہیں مل سکتے میر صاحب کے متعلق تمام غلط فہمیوں کا بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔ میر صاحب اور خان آرزو

کا رشتہ اور ان کے باہم تعلقات پر اپنی تحقیقات کے نتائج پیش کئے ہیں۔

مقدمہ، انتخاب کلام میر عبدالحق صاحب کے معرکہ آرا مقدموں میں سے ایک ہے اس میں جہاں میر کے مفصل حالات بیان کئے گئے ہیں وہاں ان کے کلام پر بہت ہی بلند پایہ اور دقیق تبصرہ بھی ہے اگرچہ تشنۂ تکمیل ہے۔

مقدمہ، خطوط عطیہ بیگم، اپنی نوعیت کا بالکل جدا مقدمہ ہے کیا بہ اعتبار طرز بیان اور کیا بہ اعتبار مقدمہ نگاری۔ اس میں اصل رنگ کو چھوڑ کر طنز آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ مولانا شبلی کے وہ خطوط جو انھوں نے عطیہ بیگم کو لکھے تھے ان کے ذریعہ ان کی زبان کی خوبیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے کیرکٹر کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ اگرچہ دلچسپ ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں مولانا اپنے انصاف اور سنجیدگی کو قائم نہ رکھ سکے۔

مولانا کے جس قدر بھی مقدمے ہیں سب کسی نہ کسی حیثیت سے اہم اور معرکہ آرا ہیں۔ اس لئے یہ مشکل ہے کہ کس کو کس پر ترجیح دی جائے۔ ابھی ابھی ہم صرف چند مختلف النوع مقدموں کا ذکر ان کی مقدمہ نگاری کے انداز کو سمجھنے کے لئے کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مقدمہ، باغ و بہار، مقدمہ سب رس، مقدمہ مثنوی خواب و خیال، نصرتی، اور مقدمہ دریائے لطافت بہت ہی بلند پایہ اور قابل قدر ہیں۔

(باقی آئندہ)

'جامعہ' دسمبر ۱۹۴۰ء

شیعہ سنی

نادر شاہ نے شیعہ اور سنیوں کو باہم متحد کرنے کی جو کوشش کی تھی، اس کا مختصر تذکرہ معارف اپریل ۱۹۲۲ء کے مضمون خلافت میں آج سے پندرہ سال پہلے گذر چکا ہے، اب مسلمان (کلکتہ) کے گذشتہ عید نمبر میں ایک مفصل مضمون حوالۂ قلم ہوا ہے، اس کوشش میں علامہ عبداللہ سویدی کی خدمت بھی بہت نمایاں تھی، اور موصوف نے اس پر ایک رسالہ الحجج القاطعہ تحریر فرمایا تھا جس کے بعض حصے اس مضمون میں نقل کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کن اسباب کی بنا پر یہ کوشش ناتمام رہی، اب آج تمام مسلمانوں کے لئے یہ قابل غور مسئلہ ہے، کہ اب جب اسلام کے سیاسی حالات میں عظیم الشان تغیر پیدا ہو چکا ہے، اور سنیت اور شیعیت ترکی اور ایرانی سلطنتوں کے تعمیری اجزا باقی نہیں رہے، ان ہی مقررہ اصول کے طرز پر فریقین کے درمیان کیا اب صلح کی دفعات مرتب نہیں ہو سکتیں؟ خصوصاً اس حالت میں کہ سلطان ابن سعود نے حرم محترم سے چار مصلوں کی بدعت بھی مٹا دی ہے"

"متعدد فتوحات کے بعد جب ۱۱۳۶ھ میں نادر شاہ وادی مغان میں داخل ہوا تو اعیان سلطنت نے ایران کا تاج اس کے سامنے پیش کیا، لیکن اس نے تاج کے قبول کرنے سے اس وقت تک کے لئے انکار کر دیا جب تک شیعہ اور اہل سنت کا اختلاف دور نہ ہو جائے۔ تاریخ جہاں کشا میں ہے کہ اس مجمعے

ایرانی سرداروں سے حسب ذیل گفتگو کی :-

نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد آپ کے چار صحابہؓ خلافت پر مامور ہوئے۔ اس واقعہ کو ہندوستان روم (ترکی) ترکستان اور دوسرے ملک نے تسلیم کر لیا ہے، قدیم زمانہ میں ایران کا بھی یہی عقیدہ تھا، پھر شاہ اسمٰعیل صفوی نے ملکی اسباب کی بنا پر اُسے ترک کر دیا، اگر اہل ایران چاہتے ہیں کہ میں بادشاہی قبول کروں، اور وہ خود اپنی اصلاح کے بھی خواہشمند ہیں، تو ضروری ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اختیار کر لیں، جو ہمارے آبا واجداد کا مسلک تھا، چونکہ امام جعفر صادق کو جو ہمارے نبی کی اولاد میں ہیں، تمام مسلمان امام تسلیم کرتے ہیں، نیز چونکہ اہل ایران انکے مسلک سے واقف ہیں، لہٰذا انہیں چاہئے کہ امام موصوف کے مسلک کو اپنا مذہب بنا لیں،

لوگوں نے یہ شرط منظور کی، اور ایک محضر تیار کر کے اس پر اپنی مہریں ثبت کر دیں، اس کے بعد نادرشاہ نے تاج قبول کر لیا، اور اس واقعہ کی اطلاع امیرالمومنین سلطان ترکی کی خدمت میں بھیجی، تاکہ دولت عثمانیہ اور حکومت ایران کے اختلافات دور ہو جائیں۔ اور دوستانہ تعلقات پھر قائم ہو جائیں

نادرشاہ نے در بارۂ خلافت میں جو مراسلہ بھیجا، اس میں مندرجہ ذیل امور کی درخواست بھی کی :-

۱- چونکہ اہل ایران ان عقائد سے تائب ہو گئے ہیں، جو اب تک بنا ء مخالفت تھے، اس لئے امید ہے کہ امیرالمومنین اور علماء دولت عثمانیہ جعفری مذہب کو اسلام کا پانچواں مذہب تسلیم کریں گے،

۲- حرم کعبہ میں چار مصلوں کے علاوہ ایک پانچویں مصلے یعنی جعفری مُصلّے کا اضافہ کر دیا جائے تاکہ ہمارے آدمی اپنے امام کے پیچھے نماز ادا کر سکیں،

۳- ایرانی زائرین کو ایک ایرانی میرحج کی قافلہ سالاری میں کہ معظمہ جانے کی اجازت دیجائے اور عثمانی عمال اس قافلے کے لئے ویسی ہی سہولتیں بہم پہنچائیں جیسی مصر اور شام وغیرہ کے قافلوں

کو پہونچائی جاتی ہیں،

۴- جنگ کے قیدیوں کو جو دونوں حکومتوں میں ہیں، آزاد سمجھا جائے، اور انھیں غلام نہ بنایا جائے،

۵- دونوں حکومتیں اپنے مستقل سفیر ایک دوسرے کے دارالسلطنت میں متعین رکھیں، تاکہ باہمی معاملات بہ حسن وخوبی طے ہوتے رہیں،

چونکہ بابِ عالی میں مذکورۂ بالا معروضات بے اثر رہے، اسلئے جب ۱۱۵۹ھ ہجری میں نادر شاہ نجف گیا، تو اُس نے سُلطان سے ان مطالبات کی منظوری حاصل کرنے کی ایک بار اور کوشش کی، اس نے اپنی سلطنت کے تمام بڑے بڑے علماء اور سربرآوردہ اشخاص کو دعوت دی، کہ ایک مجلس منعقد کرکے معاہدۂ مغان کی تجدید وتصدیق کریں، چنانچہ احمد پاشا والی بغداد کو بھی لکھا گیا کہ وہ ایک ایسا عالم روانہ کرے، جو دنیات کا فاضل ہو، تاکہ ثالث کی حیثیت سے فریقین کے اختلافات دور کرکے اون کو باہم ملا سکے، احمد پاشا نے اس خدمت کے لئے علامہ عبداللہ سویدی کو منتخب کیا، جو اپنے وقت میں بغداد کے سب سے بڑے فاضل تھے،

یہ مجلس کامیاب ہوئی، معاہدۂ مغان از سرِ نو مستحکم کیا گیا، نادر شاہ نے مرزا محمد علی نائب وزیر کو ایران کے تمام حصّوں میں مجلس کے فیصلہ کا اعلان کرنے اور خلفاے اربعہؓ کے نام تمام ایران میں جمعہ کے خطبے میں داخل کرانے کے لئے روانہ کیا، اس نے مجلس کی روئداد دربارِ خلافت میں قسطنطنیہ بھیجی، اور اپنے مطالبات کی منظوری کے لئے پھر استدعا کی، ترکی شیخ الاسلام اور سلطان محمود خان پہلے دو مطالبات پر راضی نہیں ہوئے، یعنی جعفری مذہب کو تسلیم کرنا، اور کعبہ میں ایک پانچوان مصلیٰ قائم کرنا، نادر شاہ نے بھی معاملہ کی دشواری دیکھکر زیادہ زور نہیں دیا، اور بقیہ تین مطالبات کی منظوری پر قناعت کرلی، ۱۱۶۰ھ ہجری میں بالآخر سلطنتِ عثمانیہ اور حکومتِ ایران کے درمیان ایک صلحنامہ مرتب ہوگیا،

علامہ عبداللہ سویدی نے ایک رسالہ الحجج القاطعہ فی اتفاق الامم الاسلامیہ کے عنوان سے لکھا ہے جس میں انھوں نے بغداد سے نجف تک کے سفر اور اس مجلس کے حالات بیان کئے ہیں اس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

"میں دوران سفر میں فریقین کے امکانی دلائل کے سوچنے اور مرتب کرنے نیز جو اعتراضات پیش کئے جا سکتے تھے، ان کے جوابات تیار کرنے میں تمام تر منہمک رہا، یہ انہماک اور اعتراضات کے جوابات معلوم کرنے اور شبہات کے دور کرنے کی کوشش اس وقت تک جاری رہی، جب تک میں نے اپنے ذہن میں سو سے زیادہ امکانی سوالات اور ہر سوال کے ایک، دو یا تین جواب اس شبہہ کی مناسبت سے جو اس کے متعلق پیدا ہو سکتا تھا، مرتب نہ کر لیا، ان باتوں کا اثر مجھ پر اتنا پڑا کہ میں بیمار ہو گیا"

اس کے بعد علامہ موصوف نادر شاہ کی ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں:۔

"میں نے اپنے سامنے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جیسا کہ اسکی نشست سے اندازہ ہو سکتا تھا اس کے سر پر قلنسوہ کے مثل جو اہل ایران پہنتے ہیں، ایک بلند چوکور ٹوپی تھی، اس پر ایک عمامہ تھا جو موتیوں، لعل، ہیرے اور دوسرے قیمتی جواہرات سے آراستہ تھا، گلے میں موتیوں اور لعل کا ایک ہار تھا، بازوؤں پر بازو بند تھے جن پر موتی ہیرے اور لعل ٹکے ہوئے تھے، اس کے چہرے سے بوڑھاپے کی علامتیں ظاہر تھیں، سامنے کے دانت گر گئے تھے، عمر تقریباً اسی سال تھی، داڑھی میں نیل کا خضاب تھا، بھنویں مثل دو کمانوں کے تھیں، آنکھیں کسی قدر بھوری لیکن خوبصورت تھیں، چہرہ بحیثیت مجموعی خوشنما تھا، جوں ہی میری نظر اس پر پڑی، میرے دل سے تمام ہول زائل ہو گیا، اور اسکی طرف سے جو خوف تھا، وہ سب جاتا رہا، اور پہلے کی طرح مجھ سے ترکمانی زبان میں مخاطب ہوا، اور پوچھا کہ احمد خان کیسا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ بخیریت ہے، پھر اس نے پوچھا کیا تم جانتے ہو

کہ میں نے تمکو کیوں بلایا ہے؟ میں نے کہا نہیں، تب اُس نے کہا، میری مملکت میں دو گروہ ہیں یعنی ترکستان اور افغانستان کے لوگ جو ایرانیوں کو کافر کہتے ہیں، اور مذہب میں کفر میرے نزدیک ایک نفرت انگیز چیز ہے،

ایسا نہ ہونا چاہئے، کہ میری حکومت کے اندر بعض جماعتیں بعض دوسری جماعتوں کو کافر کہیں، اب میں تمہیں اپنا وکیل مقرر کرتا ہوں، اور تم سے کہتا ہوں کہ تمام زندقہ کا استیصال کر دو، اور ان تینوں گروہوں کے درمیان جو معاہدہ ہو، میری طرف سے اس کے گواہ رہو، جو کچھ تم سنو اور دیکھو، اسکی اطلاع مجھے دو، نیز احمد خاں کو بھی اس سے مطلع کرو، پھر اوس نے مجھے رخصت ہونے کی اجازت دی، اور حکم دیا کہ میرا قیام اعتماد الدولہ کے مکان پر ہو، اور بعد نماز ظہر میں ملا باشی سے ملاقات کروں۔ میں حضور شاہ سے بڑی خوشی اور مسرت کی حالت میں نکلا، کیونکہ ایسی کی خدمت مجھے عطا کی گئی تھی،

جب میں ملاباشی کی خدمت میں پہنچا تو وہ نکل کر میرے استقبال کے لئے آیا، وہ ایک چھوٹے قد کا آدمی ہے، گندمی رنگ، جلنے سے جو نشان کنپٹی پر پڑ گیا ہے، وہ سر کے درمیان تک پہنچا ہے۔ میں گھوڑے سے اتر پڑا، اس نے مجھے تعظیم دی، اور تخت پر بٹھایا، اور خود ایک شاگرد کی طرح میرے سامنے بیٹھا، پھر ہمارے درمیان گفتگو شروع ہوئی، (اوس کے بعد مذہبی مباحثہ کی تفصیلات ہیں)

"شاہ کو اس بحث کی اطلاع بالکل صحیح صحیح دے دی گئی، اوس نے علماے ایران علماے افغانستان اور علماے ماوراء النہر کو حکم دیا، کہ جمع ہو کر بدعت و زندقہ کے ختم کرنے کا فیصلہ کریں، مجھ سے کہا کہ تم میرے نمایندہ کی حیثیت سے انکو دیکھتے رہو، اور زیر بحث مسائل پر جو اقرار نامہ ان کے درمیان مرتب ہو، اسکے گواہ رہو۔

جلسہ کے روز مجمع بہت تھا حضرت علیؑ کے روضہ کے پیچھے ایران کے ستر علماء مجتمع ہوئے ان میں مفتی اردلان کے سوا اور کوئی سُنّی نہ تھا، میں نے کاغذ اور قلم دوات منگوائی، اور جو لوگ ان میں سے زیادہ اہم تھے، ان کے نام لکھ لئے.......... اس کے بعد افغان علماء آئے، میں نے ان کے نام بھی لکھ لئے.......... تھوڑی دیر کے بعد علمائے ماوراء النہر آئے جن کی تعداد سات تھی..........میں نے ان کے نام بھی لکھ لئے، جب مجلس باقاعدہ طور پر بیٹھ گئی، تو ملا باشی نے بحر العلم (یہ لقب علامہ ہادی خواجہ کا تھا، جو علمائے ماوراء النہر میں سب سے زیادہ ممتاز تھے) کو مخاطب کر کے پوچھا: "کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں"؟ یعنی مجھے، انھوں نے جواب دیا، کہ نہیں، تب ملا باشی نے کہا: "یہ شیخ عبداللہ آفندی ہیں، جو سُنّی فرقہ کے اکابر علماء میں ہیں، انھیں وزیر احمد پاشا نے شاہ کی دعوت پر بھیجا ہے تاکہ اس جلسہ میں ثالث کی حیثیت سے موجود رہیں، یہ شاہ کے وکیل ہیں، لہٰذا اگر ہمارے درمیان کسی بات پر اتفاق ہوگا، تو وہ ہم سب کی طرف سے اوس کے گواہ ہوں گے، اب بتائیے آپ کن باتوں کی وجہ سے ہم پر کفر کا الزام رکھتے ہیں؛ تاکہ ہم شیخ عبداللہ کی موجودگی میں ان سے باز آجائیں، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ ابو حنیفہ کے مسلک کی رو سے بھی ہم کافر نہیں ہیں، وہ اپنی کتاب جامع الاصول میں کہتے ہیں، کہ اسلام پانچ فرقوں کو تسلیم کرتا ہے، اور انھوں نے امامیہ فرقہ کے پانچویں مذہب ہونے کا اقرار کیا ہے، صاحب المواقف بھی امامیہ فرقہ کو اسلامی فرقوں میں شمار کرتے ہیں، ابو حنیفہ اپنی فقہ الاکبر میں کہتے ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو اور وہ سید جس کا نام میں اسوقت بھول رہا ہوں، انھوں نے ہدایۃ الفقہ الحنفی کی شرح میں لکھا ہے، کہ یہ صحیح ہے کہ امامیہ فرقہ اسلامی فرقوں میں سے ایک ہے، لیکن جب آپ کے علمائے متاخرین آئے، تو انھوں نے ہمکو کافر کہنا شروع کیا، اور اسی طرح ہمارے علمائے متاخرین آپ لوگوں کو کافر کہنے لگے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ نہ آپ کافر ہیں نہ ہم، بہر حال وہ باتیں بتائیے، جو آپ کے علمائے متاخرین

نے بیان کی ہیں، اور جن کی بنا پر آپ لوگوں نے ہمیں کافر کہا ہے، تاکہ ہم انہیں ترک کردیں"،

بادی خواجہ بحر العلم:- آپ کافر ہیں اسلئے کہ شیخین رض پر تبرا کہتے ہیں،

ملا باشی:- ہم شیخین پر تبرا کہنا چھوڑ تے ہیں،

بحر العلم:- آپ کافر ہیں اسلئے کہ صحابہ کو گمراہ اور کافر بتاتے ہیں،

ملا باشی:- تمام صحابہ رض عادل تھے۔

بحر العلم:- آپ حضرات ابو بکر و عمر رض پر حضرت علی رض کو فضیلت دیتے ہیں، آپ کہتے ہیں رسول اللہ صلعم کے بعد خلافت حضرت علی رض کو ملنی چاہئے تھی،

ملا باشی:- رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے بہتر ابو بکر رض تھے، ان کے بعد عمر رض، تب عثمان، پھر علی رض بن ابی طالب، اور ان کا منصب خلافت پر مامور ہونا اُن کی فضیلت کی ترتیب کے مطابق تھا،

بحر العلم:- جب صورتِ حال یہ ہے تو آپ مسلمان ہیں، ہمارا نفع نقصان آپ کا نفع نقصان ہے،

سب لوگوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملائے، اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی،

تینوں گروہوں نے جلسہ کی کارروائی اور اپنے فیصلہ کی مجھ سے تصدیق کرائی ۲۴ شوال چہارشنبہ کے روز قریب مغرب جلسہ برخاست ہوا"

دوسرے روز نادر شاہ کے حکم سے یہ مجلس پھر منعقد ہوئی، اور شاہی مفتی آقا حسین نے نادر شاہ کا فرمان پڑھ کر سنایا، وہ فرمان یہ تھا:-

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے نبیوں کو بھیجنا مقرر فرمایا، وہ یکے بعد دیگرے نبیوں کو بھیجتا رہا، یہاں تک کہ سب سے آخر ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ جب آپکا انتقال ہوا، تو چونکہ آپ نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری تھے، اسلئے آپ کے صحابہ رض نے

آپ کی جانشینی کے لئے اپنے میں سے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دانشمند شخص ابو بکر صدیقؓ بن ابی قحافہ
کو منتخب کیا، انھوں نے جمع ہو کر بالاتفاق حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا فیصلہ کیا، اور سب نے مل کر
اُن کی اطاعت اور وفاداری کا حلف لیا، ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، انھوں نے بھی بہ رضا
و رغبت اور بغیر کسی جبر یا دباؤ کے یہ حلف لیا۔ اس طرح بیعت اور خلافت کی تصدیق ہوئی اور
صحابہ کا اتفاق آرا اس واقعہ کا قطعی ثبوت تھا، کیونکہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ان کی تعریف فرمائی
ہے، کہ "بے شک اللہ مومنوں سے خوش ہوا جب کہ انھوں نے درخت کے نیچے تمہاری اطاعت کا
حلف لیا" یہ صحابہ تعداد میں سات سو تھے، اور حضرت صدیقؓ کی بیعت کے وقت سب موجود تھے، نبی
کریم صلعم نے فرمایا کہ "میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت
پاؤ گے"، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کیلئے اپنا جانشین حضرت عمر بن الخطابؓ کو نامزد کیا، اور تمام صحابہ نے
ان کے سامنے بیعت کی جس میں حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے، اس طرح حضرت عمرؓ کی
بیعت صحابہ کے متفق علیہ فیصلہ کے مطابق بھی تھی، اور خود خلیفہ کی ہدایت کے مطابق بھی، حضرت عمرؓ نے
خلافت کا مسئلہ چھ آدمیوں کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا، جس میں ایک حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی
تھے مجلس نے حضرت عثمانؓ بن عفان پر اتفاق کیا، جب وہ اپنے گھر میں شہید کئے گئے، اور اپنا
جانشین نامزد نہ کر سکے، تو خلافت کا عہدہ معطل رہا، پھر صحابہ نے اس روز سہ پہر کو حضرت علیؓ بن ابی
طالب کی خلافت پر اتفاق کیا، یہ چاروں حضرات بہ ایک ساتھ ایک مقام پر اور ایک وقت میں تھے، لیکن
ان کے درمیان کبھی کوئی لڑائی جھگڑا یا تکرار نہیں ہوئی، بر خلاف اس کے وہ ایک دوسرے کا اسقدر احترام
اور مدح سرائی کرتے تھے کہ جب حضرت علیؓ سے شیخینؓ کے متعلق سوال کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا کہ "وہ دونوں
راستباز اور عادل رہنما تھے، وہ حق پر زندہ رہے، اور حق پر مرے"، اسی طرح جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے
تو انھوں نے فرمایا "کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو جب کہ علیؓ تمہارے درمیان ہیں؟"

اہلِ ایران تم کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ ان حضرات کی فضیلت اور جانشینی کی ترتیب وہی تھی، جو بیان کی گئی، اب اگر تم میں سے کوئی شخص ان پر تبرا کہے گا، یا ان کی عیب جوئی کرے گا، تو اس کی دولت اُس کے بال بچے، اس کے اعزہ و اقربا اور اس کا خون شاہ کے لئے جائز ہو جائے گا، اور ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ اُس کے فرشتوں، اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی. جب تم نے ۱۱۴۸ھ میں داوری مغاں میں میری وفاداری کا حلف لیا تھا، تو میں نے یہ شرط تم پر پہلے ہی عائد کر دی تھی، کہ تبرا یک قلم موقوف کر دیا جائے گا، چنانچہ اب میں اسکو بند کرتا ہوں، آئندہ اگر کوئی صحابہ پر تبرا کہے گا تو میں اُسے قتل کر دوں گا، اس کے بال بچوں کو قید اور اسکی جائداد کو ضبط کر لونگا، زمانہ قدیم میں مملکتِ ایران یا ان ممالک میں جو ایرانی علاقوں کے اطراف میں تھے، ان شرمناک بدزبانیوں کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی، ان کا رواج بذات شاہ اسمٰعیل صفوی کے عہد میں ہوا، اور اُس کے جانشین اُسی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، یہاں تک کہ تبرا ترقی کرتا گیا، بدعت و زندقہ ہر طرف پھیل گیا، اور رخنے وسیع ہو گئے، یہ ۹۰۵ھ ہجری میں ہوا، ان نفرت انگیز باتوں کو شائع ہوئے تین برس گذر چکے ہیں،......"

شاہی فرمان کے نیچے اسی کاغذ پر ایک اقرار نامہ اہلِ ایران کی طرف سے درج تھا، وہ یہ تھا۔ "ہم لوگوں کو قبول ہے کہ صحابہ پر تبرا کہنا بالکل موقوف کر دیا جائے، ہم ان کی فضیلت اور ترتیبِ خلافت کو جیسا کہ اس دستاویز میں مذکور ہے تسلیم کرتے ہیں، ہم میں سے جو شخص تبرا کہے یا ان معاہدوں کے خلاف کچھ زبان سے نکالے اُس پر خدا کی لعنت، اسکے فرشتوں کی لعنت اور تمام نوعِ انسانی کی لعنت ہو، اور ہم لوگوں پر نادر شاہ کا غضب نازل ہو اور ہماری جائداد، خون اور بال بچے اس کے لئے جائز ہو جائیں"

ایرانیوں نے اس اقرار نامہ پر اپنی مہریں لگائیں، اس کے نیچے نجف، کربلا، حلات اور

خوارزم کے لوگوں کی طرف سے بھی ایک اقرار نامہ تھا، اس کا مضمون بھی وہی تھا، جو اہل ایران کے اقرار نامہ کا، پھر اسکے نیچے افغانوں کی طرف سے حسب ذیل اقرار نامہ تھا:۔

"جب تک اہل ایران معاہدہ کے پابند رہیں گے، اور اس کی خلاف ورزی نہ کریں گے اس وقت تک وہ اسلامی فرقوں میں شمار ہوں گے، اور ان کا نفع نقصان مسلمانوں کا نفع نقصان سمجھا جائے گا"

ان لوگوں نے بھی اپنے اقرار نامہ پر اپنی مہریں ثبت کیں، اس کے علاوہ علمائے ماوراالنہر کی طرف سے ایک اقرار نامہ تھی، جس کا مضمون افغانوں کے اقرار نامہ کے مثل تھی۔ انھوں نے بھی اپنی مہریں لگائیں: تب میں نے دستاویز کے سرے پر اپنی یہ شہادت درج کی:۔

"میں اس معاہدہ کی تصدیق کرتا ہوں جس پر تینوں جماعتوں نے اتفاق کیا ہے، اور اس پر پابند رہنے کا وعدہ کیا ہے، نیز اس امر کی کہ انھوں نے اپنے اس اقرار نامہ کا مجھے گواہ بنایا ہے"

نادرشاہ نے علامہ سویدی کو بلا کر ان کا شکریہ ادا کیا، اور مجلس کی کامیابی پر نہایت مسرت ظاہر کی، دوسرے روز جمعہ کو اسکے حکم سے کوفہ کی مسجد میں خلفا ئے اربعہ کے نام خطبہ میں بالترتیب پڑھے گئے، اور سلطان محمود خاں عثمانی اور اس کے بعد نادرشاہ کے لئے دعا کی گئی، نماز جعفری طریقہ کے مطابق ادا ہوئی، پھر علامۂ موصوف کو بغداد واپس جانے کی اجازت ملی، اور ان کے ساتھ معاہدہ مذکور اور اس خطبہ کی ایک نقل بھی روانہ کی گئی،

"ترجمہ"

برصغیر

کے

علمائے معقولات اور ان کی تصنیفات

عبدالسلام خاں

مقدمہ

مسلمانوں کے علوم کی ابتدائی چار صدیاں

مسلمان اور یونانی فکر

مسلمانوں کے اپنے اصلی علوم و فنون تو قرآن و حدیث اور زیادہ سے زیادہ ان کے مبادی و متعلقات تک محدود تھے۔ اموی عہد میں رومی فتوحات اور پھر نومسلموں سے تعلقات نے انہیں یونانی فکر سے آشنا کیا۔ یونانی فکر سے ان کا یہ تعارف پہلے پہل براہ راست نہ تھا کیوں کہ ابھی یونانی کتابوں کے تراجم شروع نہیں ہوئے تھے بلکہ ایسے لوگوں سے جو یونانی فلسفے سے تراجم کے ذریعے یا براہ راست واقف تھے میل جول اور ان سے علمی گفتگوؤں کا نتیجہ تھا۔ اس عہد میں ہمیں اموی خاندان کا شہزادہ خالد بن یزید (متوفی ۸۵ھ) نظر آتا ہے جس نے موریئے نوس (Morienus) رومی کی شاگردی اختیار کی اور خاص طور سے علم کیمیا میں مہارت پیدا کی۔ یہ موریئے نوس مدرسۂ اسکندریہ سے تعلق رکھتا تھا جو اس زمانے میں یونانی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ عرب دنیا پہلی بار اسی کے واسطے سے یونانی طب، کیمیا اور نجوم سے واقف ہوئی۔ اواخر اموی عہد میں یونانی فکر کے اثرات اسلامی عقائد پر بحث و تمحیص اور تشریح و تفسیر میں ظاہر ہونے لگے تھے۔

عربی میں یونانی سے تراجم

عباسی خلافت میں تراجم کا دور شروع ہوا اور عرب براہ راست یونانی فکر سے آشنا ہوئے۔ ابھی خلافت عباسیہ کی ابتدا ہی تھی کہ خلیفہ منصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) کے زمانے میں اس کے حکم سے ارسطو کے متعدد رسائل کا ترجمہ اصل یونانی سے ہو چکا تھا۔ ان جزوی مساعی سے قطع نظر تراجم کا حقیقی زمانہ مشہور علم دوست عباسی خلیفہ المامون (۱۹۸ - ۲۱۸ھ) کے عہد خلافت میں شروع ہوا۔ تھوڑے ہی عرصے میں عربی میں ارسطو کی کتابوں کے بڑے حصے کے ترجمے ہو گئے۔ ارسطو کے نوفلاطونی شارحین کی اہم شرحوں کے ترجمے بھی عربی میں آ گئے۔ افلاطون کے بعض مکالموں کے ترجمے کیے جا چکے تھے۔ ان تراجم کی ہی بدولت مسلمانوں میں یونانی فلسفہ کی بنیاد پڑی اور مسلم فلاسفہ کے سلسلے کا آغاز ہوا۔

مسلمانوں میں یونانی فلسفہ کا آغاز

اس سلسلے کا پہلا اہم اور عربی النسل فلسفی یعقوب بن اسحاق کندی (متوفی قریب ۲۶۰ھ) تھا۔ ابو نصر محمد بن طرخان فارابی (متوفی ۳۳۹ھ) اس کے بعد ابو علی حسین بن عبداللہ ابن سینا (متوفی ۴۲۸ھ) ابن سینا کے بعد سے اس کے شاگردوں اور شاگردوں کے تلامذہ کا دور شروع ہوا

تا ہے ۔ یہی سلسلہ ہے جو مسلمانوں کی یونانی خصوصاً ارسطاطالیسی اور نوافلاطونی فکر کا ممنون رہا ۔ ان
سلم فلاسفہ کی بدولت یونانی عقلیت نے مسلم فکر کو ہمہ گیر انداز میں متاثر کیا ۔ عقاید وکلام ، تفسیر ،
صول فقہ اور فقہ وغیرہ وہ علوم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے جو بنیادی طور پر خالص اسلامی تھے حتی
۔ صرف و نحو تک بھی اس تاثر سے نہیں بچیں ۔ علوم کے مناہج یونان کے فکری مناہج میں مدغم
و گئے ۔ یونانی فکر منطق و فلسفہ ، الہیات ، ریاضیات اور طبیعیات تک محدود نہیں رہی اور علوم عقلیہ
دائرہ خاص طور سے عقائد وکلام بلکہ اصول فقہ تک پھیل گیا ۔

اعتزالی کلام تو شروع سے ہی یونانی فکر کا مرہون منت تھا ۔ محقق طوسی (نصیر الدین محمد بن
مدالطوسی متوفی ۶۷۲ھ) نے علم کلام کی اپنی مشہور کتاب تجرید الکلام میں علم کلام کو فلسفے سے مخلوط
یا ۔ بیضاوی (ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفیٰ ۶۸۵ھ) نے اصول فقہ میں فلسفیانہ فکر شامل کی ۔

برصغیر ہندو پاک میں خالص منطق و فلسفہ کے علاوہ کلام و عقائد اسی مخلوط صورت میں آئے ۔
س طرح کہ ان کے مسائل ، مباحث اور مناہج نقد و تحقیق خالص نقلی نہ رہے ۔ چنانچہ ان کو بھی
لسفے اور عقلی علوم میں ہی شمار کرنا چاہیے ۔ خصوصاً کلام کو جس کی بنیاد ہی مسلمانوں میں فلسفہ یونان
ی درآمد سے پڑی لیکن ان سب پر تفصیلی گفتگو کرنا ، ان کا تجزیہ کرکے ان کے عقلی اور فلسفیانہ
ناصر اور مناہج کی نشاندہی کرنا اور تبصرہ کرنا اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں پھر مقالے کے حدود
موضوع سے بھی خارج ہے ۔ یہ صرف برصغیر کے علمائے عقلیین کی گویا فہرست ہے اور اس میں بھی
استقصا نہیں ، ساتھ ساتھ اگر دریافت ہوسکی ہیں تو علوم عقلیہ میں ان کی تصنیفات بھی ذکر کردی
ئی ہیں ، لیکن ان سب کی موجودگی کا پتہ چلانا بہت دشوار ہے ۔

چوتھی صدی

برصغیر میں فلسفۂ یونان کا داخلہ

برصغیر میں فلسفہ کب آیا ، یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ، تاہم اس قیاس
ی معقول وجہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں یہاں فلسفہ داخل ہوچکا تھا ۔ چوتھی صدی میں یہاں
ترمطی تحریک پہنچ چکی تھی اور یہ معلوم ہے کہ اس کی تعلیمات میں یونانی فلسفے کی بنیادی اہمیت ہے
اس لیے یہ کہنا غیر معقول نہیں کہ قرمطی تعلیمات کے ضمن میں یا اس کی پشت پر فلسفے کی تعلیم کا آغاز
چوتھی صدی سے ہی ہو چکا تھا لیکن چونکہ یہ تحریک اپنی جگہ خفیہ تھی اس لیے اس کے متبعین میں

فلسفے کی درس و تدریس بھی اگر تھی تو ظاہر نہ تھی چنانچہ اس عہد میں فلسفے کی کتابیں لکھی گئی ہوں گی اور یقیناً لکھی گئی ہوں گی تو غالباً مذہبی رنگ میں ہوں گی اور بہت رازدارانہ ہوں گی ۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ہماری علمی تاریخ ان کے ذکر سے خالی ہے ۔ ہاں اس کے شواہد ہیں کہ پانچویں صدی میں برصغیر مسلمانوں کے یونانی فلسفے سے آشنا ہو چکا تھا ۔

پانچویں صدی

یونانی منطق و فلسفہ کا پہلا فاضل جس سے ہم برصغیر میں روشناس ہوتے ہیں ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی (المتوفی ۴۴۰ ھ) ہے ۔ بیرونی ہیئت نجوم اور علم ہندسہ میں فضل و کمال کا حامل تھا ہی لیکن یونانی حکمت و فلسفہ میں خصوصی مہارت رکھتا تھا ۔ شیخ بو علی سینا سے اس کے سوالات اور شیخ کے جوابات فلسفیانہ قدر و قیمت رکھتے ہیں ۔

۱ ۔ بیرونی غالباً پہلا فاضل تھا جس نے ایک طرف ہندو علما کو یونانی فکر اور اس کے اسالیب سے روشناس کیا، اور دوسری طرف ہندوؤں کے علوم و فنون، ان کی معاشرت اور ان کے انداز فکر سے اپنی گراں بہار تصانیف کے ذریعے مسلمان علما کو آشنا کیا۔

چھٹی صدی ہجری

۲ ۔ جمال فلاسفہ یوسف بن محمد دربندی چھٹی صدی کا مشہور فاضل ہے ۔ یہ شاہان غزنویہ کا درباری امیر تھا اور منطق و فلسفہ میں مہارت اور ان سے شغف کی بنا پر جمال فلاسفہ کہلاتا تھا ۔

ساتویں صدی

۳ ۔ نجم الدین عبدالعزیز بن محمد دمشقی ساتویں صدی کے ہندوستان اہم علما میں شمار ہوتے تھے ، امام رازی (فخرالدین محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ ھ) کے شاگرد تھے ، علوم حکمیہ میں اپنے عہد کے نامور عالم تھے ، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۴ ـ ۶۸۶) ہر ہفتے نماز جمعہ کے بعد ان کے یہاں حاضر ہوتا اور ان کی صحبت سے مستفید ہوتا تھا اور دہلی میں ان کے وجود کو غنیمت جانتا تھا ۔

ہندستان میں علوم عقلیہ کے چرچے کی ابتدا

برصغیر میں علوم حکمی کے ان خال خال نوآباد علما اور ان کے مخصوص تلامذہ سے قطع نظر ابھی تک عقلی اور حکمی علوم کا عام چرچا نہیں شروع ہوا تھا صحیح معنی میں عقلی علوم کا دور مشہور ایرانی فاضل قطب الدین محمد بن محمد رازی شارح شمسیہ (متوفی ۷۶۶ ھ) کے شاگردوں اور ان کے تلامذہ سے شروع ہوتا ہے ۔ قطب الدین رازی سے انتساب رکھنے والوں کے سلسلے کی ابتدا

برِصغیر میں آٹھویں صدی سے ہو جاتی ہے۔

آٹھویں صدی

۴۔ جلال الدین رومی آٹھویں صدی کے مشاہیر ہیں اور قطب الدین رازی کے براہ راست شاگرد ہیں۔ فیروز شاہ تغلق (۵۶ ۔ ۹۹۷) نے دِلّی میں اپنے مدرسے فیروزیہ کو انہیں کے سپرد کیا تھا۔ وہ یہاں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس تو دیتے ہی تھے ساتھ ساتھ دوسرے علوم وفنون کا درس بھی ان سے متعلق تھا۔ قطب الدین رازی سے تلمذ کی بنا پر ان دیگر علوم میں علوم حکمیہ کو یقیناً شامل سمجھنا چاہیے۔

۵۔ سعدالدین منطقی دہلوی۔ اسی عہد کے فضلا میں سے تھے اور منطق سے خاص تعلق کی وجہ سے منطقی کہلاتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے مقربین میں تھے اور اس کی طرف سے صاحب علَم و نقارہ تھے فیروز شاہ کے بعد اس کے پوتے غیاث الدین تغلق (۲۱ ۔ ۷۲۵) کے دربار میں انہیں تقرّب حاصل رہا۔ اس کے بیٹے محمد شاہ تغلق (۲۵ ۔ ۷۵۲) سے تو ان کے علمی مذاکرے ہی رہتے تھے۔

۶۔ صدر الشریف منجم سمرقندی۔ اسی عہد کے اہم علمائے حکمت و فلسفہ میں سے تھے اور علم نجوم سے خصوصی شغف کی بنا پر منجم گویا ان کے نام کا جزء ہوگیا تھا۔

۷۔ عبدالعزیز دہلوی۔ اسی زمانے کے مشہور فاضل تھے اور علوم حکمیہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، فیروز شاہ کے حکم سے انہوں نے علم نجوم کی ایک سنسکرت کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ ترجمہ علی گڑھ کے حبیب گنج ذخیرے میں محفوظ ہے۔

۸۔ عضدالدین دہلوی بھی آٹھویں صدی کے مشہور فضلاء میں تھے، منطق و فلسفہ میں کامل مہارت تھی۔ محمد شاہ بن غیاث الدین تغلق انکا شاگرد تھا۔

۹۔ حکیم علیم الدین شیرازی بھی اس عہد کے مشہور فضلاء میں تھے علوم حکمیہ کے ماہرین اور دہلی کے اصحاب درس میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ محمد شاہ تغلق ان سے علمی مذاکرے کرتا تھا۔

۱۰۔ معین الدین عمرانی۔ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی کے مدرسے میں ان کے درس کی شہرت تھی، اس وقت کے علما میں کون تھا جو ان کے حلقۂ تلمذ سے باہر تھا، فقہ، اصول اور معانی و بیان میں مہارت کے ساتھ ساتھ منطق وکلام بھی ان کے خصوصی مضمون تھے۔

۱۱۔ حکیم نصیر الدین شیرازی۔ اس صدی کے مشہور فاضل اور حکمت و منطق میں ماہر تھے علاء الدین حسن بہمنی (۴۸ ۔ ۷۵۹) کے عہد میں ان کے درس کی شہرت تھی۔

نویں صدی

۱۲ ۔ حکیم شفاء الدین بن قطب ملتانی ۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ سے جرجان میں منطق و حکمت اور دوسرے فنون حاصل کیے ۔ علوم حکمیہ میں ان کا فضل و کمال مسلم تھا ۔ ملتان میں رہے اور درس و تعلیم مشغلہ رہا ۔

۱۳ ۔ محمد بن علی ہمدانی (متوفی ۸۰۹) ۔ اپنے زمانے کے مشہور فاضل تھے ، منطق میں شمسیہ کی شرح اور ایک رسالہ جو علوم کشفیہ اور فنون حکمیہ دونوں پر مشتمل ہے ، ان کی تصنیف ہیں ۔

۱۴ ۔ حکیم حسن بن علی گیلانی ۔ متوفی ۸۰۹ ھ ۔ منطق و حکمت اور دوسرے علوم عقلیہ میں کمال حاصل تھا ۔ سلطان فیروز شاہ بن داؤد بہمنی (۸۱۰ ۔ ۸۲۵) کے مصاحب تھے ۔ سلطان کے حکم سے دوسرے علمائے ہیئت کی مدد سے بالاگھاٹ میں رصدگاہ کی تعمیر شروع کی تھی لیکن ان کی موت نے جلدی کی اور رصدگاہ کی تعمیر مکمل نہ ہو سکی ۔

۱۵ ۔ فتح اللہ ملتانی ۔ شفاء الدین ملتانی اور موسی جعبری شاگرد سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ کے شاگرد ہیں ۔ دہلی میں تحصیل کی اور جعبری سے اجازت حاصل کی ۔

۱۶ ۔ فضل اللہ بن فیض اللہ شیرازی ۔ علاء الدین حسن بہمنی کے امرا میں تھے ، علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے ۔ ہیئت ، ہندسہ اور دوسرے فنون حکمت میں خصوصی پایہ رکھتے تھے ۔ نویں صدی کی تیسری دہائی میں وفات پائی ۔

۱۷ ۔ حکیم الحکماء فضل اللہ منڈوی ۔ تمام فنون حکمیہ میں امتیازی درجہ رکھتے تھے ۔ محمود شاہ خلجی (۸۳۹ ۔ ۸۷۳) نے منڈو کے سرکاری شفاخانے کا افسر اعلیٰ بنا کر حکیم الحکماء کا خطاب دیا ۔

۱۸ ۔ فیروز شاہ بہمنی سلطان دکن ۔ علوم حکمیہ میں اپنے دور کے تمام علما سے فائق تھا ۔ سلطنت کی مصروفیت کے باوجود ہفتے میں تین دن درس کے لیے مخصوص تھے ۔ اگر دن میں فرصت نہ ملتی تو رات کو پڑھاتا ۔ فنون کی بڑی اور اہم کتابیں زیر درس رہتی ۔ ۸۲۵ ھ میں انتقال ہوا اور ۲۵ سال سات مہینے حکومت کی ۔

۱۹ ۔ لطف اللہ سبزواری ۔ منطق و حکمت میں امتیازی درجہ تھا فیروز شاہ بہمنی نے امیر تیمور (۷۷۱ ۔ ۸۰۷) کے دربار میں ان کو وکیل السلطنت کی حیثیت سے بھیجا تھا ۔

دسویں صدی

برصغیر میں علوم عقلیہ کی عام تحصیل و ترویج

دسویں صدی علم عقلیہ کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں منطق میں صرف شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف عام درس کے نصاب میں شامل تھیں۔ منطق و فلسفہ اور کلام کی اعلیٰ اور دقیق کتابیں عمومی نصاب درس میں اسی صدی سے شامل ہونا شروع ہوئیں محقق دوانی متوفی ۹۱۸ھ، مرزا جان متوفی ۹۹۴ھ، عبداللہ یزدی متوفی ۹۸۱ھ وغیرہ متأخرین علمائے ایران کی کتابیں اسی عہد میں ہندوستان پہنچیں اور عام درسیات اور عام کتب مطالعہ میں داخل ہوئیں اور آہستہ آہستہ خود ہندوستان علم عقلیہ کا مستقل اور منفرد مرکز بن گیا۔ اب ہندی علما ایرانی علما کے براہ راست تلمذ کے محتاج نہ رہے۔ یہی وہ صدی ہے جہاں سے ہندوستان میں عبداللہ یزدی، مرزا جان محقق دوانی وغیرہ ایرانی علما کے تلامذہ، تلامذہ کے شاگردوں اور ان سے انتساب رکھنے والوں کا دور شروع ہوجاتا ہے، چنانچہ ہندوستان کے علوم عقلیہ کے اساتذہ کا ان ہی سے سلسلہ متأخرین علمائے ایران تک خصوصاً محقق دوانی تک پہنچتا ہے۔ اسی صدی سے علوم عقلیہ میں دقیق بحثیں اور موشگافیاں شروع ہوئی ہیں اور علوم عقلیہ کا مرکز ثقل پورب کی طرف منتقل ہونے لگتا ہے

۲۰۔ ابوالفتح مسیح الدین بن عبدالرزاق گیلانی۔ علوم حکمیہ میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ اصلی وطن گیلان تھا وہیں نشو نما پائی اور اپنے والد اور دوسرے علما سے تحصیل علوم کی۔ طہماسپ شاہ صفوی (۹۳۰۔ ۹۸۴) کے عہد ۹۸۳ھ میں ہندوستان آئے اور اکبر (۹۶۳۔ ۱۰۱۴ھ) کے دربار میں مقربین میں شامل ہوگئے۔ اکبر کے گمراہ ہونے میں ان کو بھی خاصا دخل تھا۔ ۹۹۷ھ میں حسن ابدال میں انتقال ہوا۔

۲۱۔ ابوالفضل استرآبادی۔ قاضی جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی مشہور بہ ملا جلال و محقق دوانی کے شاگرد تھے اور علوم حکمیہ میں اپنی جگہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، ہندوستان آکر گجرات میں اقامت اختیار کی۔ ان کا درس اس عہد کا مشہور اور مستند درس تھا۔ چنانچہ ان کے درس سے کثیر علما نے فیض حاصل کیا۔

۲۲۔ احمد بن نصر اللہ سندھی۔ مشہور ایرانی فاضل، حبیب اللہ بن عبداللہ معروف بہ مرزا جان شیرازی کے شاگرد تھے، فلاسفہ کے مختلف مذاہب و مسالک پر نظر تھی، چنانچہ انہوں نے فلاسفہ کا تذکرہ بھی لکھا تھا جس میں انکے مذاہب پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

۲۳۔ اسماعیل عرب دہلوی۔ دہلی کے مشہور اصحاب درس میں شمار کیے جاتے تھے، شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور بعد کے اکثر مشاہیر علما انہیں کے حلقہ درس کے خوشہ چیں رہے تمام فنون حکمیہ،

پٹنہ، ہندسہ، طب وغیرہ میں ان کے درس کی شہرت تھی، دہلی کے مدرسہ ہمایونی میں جس کو شہنشاہ ہمایون (۹۳۷ - ۹۶۳) نے قائم کیا تھا - درس دیتے تھے اور کثیر الدرس شمار ہوتے تھے - دہلی میں اپنے گھر میں چوروں کے ہاتھوں شہید ہوئے -

۲۴ - الہ داد بن احمد سلطان - درس منطق فلسفہ کے نامور اساتذہ میں تھے - پردادا کمال الدین نے براہ راست میر سید شریف سے تحصیل علوم کی تھی -

۲۵ - سید جلال الدین حسینی - علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ میں بھی مہارت رکھتے تھے - منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے دہلی میں منطق و فلسفہ کے مشہور استاذ عبداللہ تلبنی ملتانی کے درس میں شامل ہو کر علوم حکمیہ کی تکمیل کی وہاں سے آگرہ آئے اور شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی مشہور محدث کی خدمت میں رہ کر ان کے حدیث کے درس میں شریک ہوئے اور فراغت کے بعد اپنے وطن بدایوں میں اپنا سلسلہ درس جاری کیا جو تا حیات قائم رہا - بعد کے اکثر مقامی اور غیر مقامی اکابر نے ان کے حلقہ درس سے فیض اٹھایا ہے -

۲۶ - جمال الدین شیرازی - اپنے وطن ایران میں علامہ دوانی کی شاگردی اختیار کی - اسماعیل صفوی (۹۰۷ - ۹۳۰) کے ایران پر تسلط پانے کے بعد جہاں اور بہت سے علما نے ہجرت کی یہ بھی ہندستان آگئے شیخ رفیع الدین شیرازی محدث کی صحبت میں رہے پھر گجرات چلے گئے - وہاں سے آگرہ آئے اور یہیں رہ پڑے - علامہ دوانی کے حاشیہ قدیمہ پر ان کا بھی حاشیہ ہے - دسویں صدی کی آخری دہائی میں انتقال ہوا -

۲۷ - رفیع الدین بن مرشد الدین حسینی صفوی شیرازی - علامہ دوانی کے شاگردوں میں تھے، علوم عقلیہ کی علامہ دوانی سے تکمیل کرنے کے بعد حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا، علامہ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ سے حدیث پڑھی اور ان کی خدمت میں بہت دنوں رہے، سلطان سکندر لودی (۸۹۴ - ۹۲۳) کے زمانے میں ہندستان آئے اور آگرہ میں سکونت اختیار کی - ہندستان کے اکابر علم اور ممتاز علما میں گنے جاتے تھے - سلطان سکندر لودی بہت عزت کرتا تھا اور حضرت علیا سے مخاطب کرتا تھا - علم حدیث کی تصنیف اور اس کے درس کی وجہ سے محدث گویا نام کا جز بن گیا - ۹۵۴ھ میں آگرہ میں ہی وفات پائی -

۲۸ - سلطان شاہی بیگ بن ذوالنون ارغون قندھاری - صاحب علم و قلم اور اپنے عہد میں علوم

عقلیہ اور نقلیہ کے فاضل تھے ۔ والد کے بعد قندھار کے تخت پر بیٹھے اور ایک زمانے تک مستقل حکومت کی ۔ بابر نے قندھار پر قبضہ کیا تو سندھ آکر اس پر قابض ہوکے سلطنت کی۔ سلطنت کی مصروفیتوں کے باوجود تصنیف و تالیف سے بھی غافل نہیں رہے منطق میں شرح مطالع پر حاشیہ لکھا نحو میں ابن حاجب متوفی ۶۴۶ ھ کے کافیہ کی شرح کی ۔ فرائض میں میر سید شریف کی شرح سراجی پر اور دوسرے مختلف فنون کی کتابوں پر حواشی لکھے ۳ شعبان ۹۲۸ ھ میں وفات پائی ۔ بیکر میں دفن ہوئے پھر تابوت مکہ معظمہ لے جایا گیا اور جنت معلیٰ میں دفن کیا گیا ۔

۲۹ ۔ شمس الدین احمد سلطان پوری ۔ شیخ الہ داد سلطان پوری کے بھائی ہیں ۔ اور بھائی کی طرح منطق و فلسفہ میں بڑا پایہ رکھتے تھے اور علوم عقلیہ کے مشہور استاذ تھے ۔

۳۰ ۔ حکیم الملک شمس الدین ۔ شاہ محمد شاہ آبادی وغیرہ مشہور علما سے تحصیل علوم کی ، فقہ واصول نحو کی مہارت کے ساتھ منطق اور دوسرے فنون حکمیہ میں اپنے معاصرین میں ان جیسا کوئی نہ تھا، مختلف علوم وفنون کا درس دیتے تھے اور اوقات درس کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ کہیں آتے جاتے نہ تھے کہ درس ناغہ نہ ہوجائے ۔ نہایت شریف الطبع تھے ۔ کرم و سخا گویا فطرت تھی ۔ طلبا کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے ۔ تنہا کبھی نہیں کھاتے تھے ۔ دہلی آئے تو بڑی عزت اور احترام سے دیکھے گئے حتی کہ اکبر (۹۶۳ - ۱۰۱۴) نے اپنے مصاحبین میں شامل کرلیا ۔ بادشاہ اور دیگر علما میں ان کی بات کا وزن تھا اور یہ بھی حاجت مندوں کی حاجت روائی اور سفارش میں بخل نہیں کرتے تھے ۔ شاہی مصاحبت میں علماء سوآگئے اور اکبران سے متاثر ہونے لگا اور اپنی موعظت اور بحث کا اثر نہیں دیکھا تو شاہی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور ۹۸۸-۹۸۹ ھ میں حجاز ہجرت کرگئے اور وفات پائی ۔

۳۱ ۔ طاہر بن رضی اسماعیل عبیدی ہمدانی ۔ عراق عجم کی مشیخت خاندانی تھی جب طاہر اس خاندانی منصب پر فائز ہوا تو معتقدین کی بہت بڑی جماعت اپنے گرد جمع کرلی ۔ شاہ ایران اسماعیل بن حیدر صفوی کو ان کے گرد معتقدین کی اتنی بڑی جماعت دیکھ کر بدظنی ہوئی ۔ تو انہوں نے اس مشیخت سے علحدگی اختیار کرلی اور شاہ کی خدمت میں پہنچ گئے ۔ کچھ دنوں ان کے پاس رہے پھر کاشان میں تدریسی خدمت سپرد ہوئی کچھ مدت وہاں رہے اور وہاں بھی اچھے خاصے معتقدین پیدا کرلیے ۔ ساتھ ساتھ پرانے معتقدین بھی تبع ہونے لگے اسماعیل کو اس اجتماع سے پھر وحشت ہونے لگی ۔ ادھر کچھ لوگوں نے الحاد کا الزام لگانا شروع کردیا ۔ چنانچہ اسماعیل نے ان کے قتل کا حکم دے دیا یہ گرفتاری سے

چلے ہی ہندستان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور بیجاپور میں اقامت اختیار کرلی۔ بادشاہ کو ان کے علم و فضل کی اطلاع ہوئی تو احمد نگر بلالیا اور بیٹنے میں دو دن قلعے میں ان کے درس مقرر کردئے۔ ان کے درس میں وہاں کے علما و فضلا بیٹھنے لگے کبھی کبھی خود بادشاہ بھی حاضری دیتے۔ اس اثنا میں برہان نظام شاہ (۹۱۴ - ۹۶۱) والی احمد نگر وکا لڑکا عبدالقادر سخت بیمار ہوا زیست کی امید جاتی رہی۔ طاہر نے اس سے یہ عہد لے کر کہ لڑکا بیماری سے شفایاب ہوجائے تو وہ جمعوں اور عیدین کے خطبوں میں ائمہ اثنا عشری کے ناموں کا اضافہ کرادیگا اور شیعی مسلک کی اپنے مقبوضات میں ترویج کریگا۔ بادشاہ نے یہ عہد کرلیا لڑکا شفایاب ہوگیا تو طاہر نے اسے شیعیت کی، اس کے تولّا اور تبرا کی تلقین کی۔ چنانچہ نظام نے مع اپنے خاندان اور خدمت گاروں کے شیعیت اختیار کرلی۔ ۹۵۶ھ میں احمد نگر میں انتقال ہوا۔ اور احمد نگر میں دفن ہوئے اور بعد کو ان کا تابوت کربلا لے جایا گیا اور دفن کردیا گیا علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ علوم غریبہ، جفر رمل وغیرہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے کلام وعقاید فقہ وغیرہ فنون میں ان کی تصانیف ہیں کلام میں باب حادی عشر، فقہ امامیہ میں جعفریہ کی شرحیں تفسیر بیضاوی، اشارات ومحاکمات، شفا، مجسطی، مطول اور گلشن راز پر حواشی لکھے۔ تحفہ شاہی کی شرح کی پالکی نام کا رسالہ رستے میں پالکی میں بیٹھے بیٹھے لکھا ان سب پر شاعری مستزاد تھی۔

۳۲۔ میرک عبدالباقی بن محمود سبزواری سندھی۔ علوم حکمیہ منطق وفلسفہ، ہیئت وہندسہ وغیرہ علوم میں غیر معمولی دستگاہ تھی۔ اقلیدسی شکلوں کے علاوہ ہندسی شکلیں اختراع کی تھیں۔ اپنے زمانے کے کثیر الدرس اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ۹۸۳ھ میں وفات پائی۔

۳۳۔ عبدالخالق گیلانی علوم حکمیہ میں درجہ کمال حاصل تھا۔ فاضل مرزا جان اور امیر فتح اللہ شیرازی کے پائے کے فاضل تھے قاضی محمود اور اس عہد کے بڑے لوگ ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ مشہور فاضل عبداللہ یزدی کے شاگرد تھے قندھار سے ۹۶۲ھ میں سندھ میں بھکر میں آئے وہاں سے ٹھٹھ میں آکر سکونت اختیار کرلی اور درس میں معروف ہوگئے آخر میں دکن آگئے تھے۔

۳۴۔ قاضی عبدالسمیع اندجانی۔ صاحب ہدایہ، برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ کی اولاد میں اور احمد جند کے شاگردوں میں تھے۔ اکبر کے عہد میں ہندستان آئے، اکبر نے انہیں قاضی بنادیا۔ شرح مواقف اور شرح مطالع اور ان کے حواشی کا درس بہت مشہور تھا۔ اور ضرب المثل کے طور پر حوالہ دیا جاتا تھا۔

۳۵ - وزیر کبیر، مسند عالی، آصف خان ابوالقاسم عبدالعزیز بن محمد گیلانی - علوم شرعیہ میں بہت بڑا درجہ رکھنے کے ساتھ منطق وفلسفہ میں بڑا پایہ تھا اور ان علوم میں سید الفاضل استرآبادی سے تلمذ تھا جو محقق دوانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ گجراتی (۹۳۲ - ۱۰۴۳) کے وزیر اعظم تھے - امارت کے لباس میں درویش مرتاض تھے ۹۶۱ھ میں شہید ہوئے -

۳۶ - شیخ عبدالقدوس بن اسماعیل ردولوی گنگوہی ہندستان کے مشہور مشائخ میں ہیں - تصوف و کلام میں تصنیفات ہیں شرح صحائف جو کلام میں ہندستان کی درسی کتاب تھی اس پر ان کے حواشی تھے، تصوف میں عوارف المعارف کی بہت مفصل شرح لکھی ہے - ان کے علاوہ تصوف میں متعدد کتابیں ہیں -جمادی الاخریٰ ۹۴۳ھ میں گنگوہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے -

۳۷ - ملک العلماء عبداللہ بن الہ داد تلمبنی ملتانی دہلوی - ہندستان کے مشہور اصحاب درس اساتذہ میں شمار تھا - علمائے ہند کا سلسلہ اساتذہ ان تک پہنچتا ہے - منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے عراق عجم میں عبداللہ یزدی کی شاگردی اختیار کی اور مدت تک ان کی صحبت میں رہے اور ان کے اکابر تلامذہ میں گنے جاتے تھے - ہندستان میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایران کے متاخرین علوم عقلیہ کی کتابوں کو ملک میں رواج دیا اور بہت تدقیق و تحقیق سے اُن کا درس دیا - سلطان سکندر لودھی (۸۹۴ - ۹۲۳) خاص طور سے ان کی بہت عزت اور ان کا احترام کرتا تھا - ملاقات کے لیے خود آتا تھا ملک العلماء کا خطاب اسی نے دیا تھا - ۹۳۲ھ میں وفات پائی -

۳۸ - عضدالملک امیر فتح اللہ بن شکراللہ شیعی شیرازی - ایران کے علوم عقلیہ کے مشہور فضلاء جمال الدین محمود، کمال الدین شروانی، میر غیاث الدین منصور متوفی ۹۴۸ھ سے تلمذ ہے اور ایک زمانے تک ان اساتذہ کی صحبتوں سے مستفید ہوئے، غیر معمولی شہرت حاصل کی علوم عقلیہ میں اپنے زمانے کی واحد شخصیت شمار ہوتے تھے - ہندستان میں علی عادل شاہ (۶۵ - ۹۸۸) کی طلب پر آئے اور بڑی عزت و منزلت سے رہے - علی عادل شاہ کے قتل کے بعد آگرہ آگئے - اکبر نے بھی بڑے اعزاز سے رکھا پہلے صدر بنایا پھر دیوانی وزارت میں تقرر کیا - پہلے امیرالملک پھر معتضدالدولہ اور آخر میں عضدالملک کے خطابوں سے نوازا - علوم عقلیہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ علوم غریبہ، نیرنجات و طلاسم میں بھی ان کی نظیر نہ تھی - محقق دوانی صدرالدین شیرازی متوفی ۹۰۲ھ غیاث الدین منصور، فاضل مرزاجان وغیرہ متاخرین حکما مسلمین کی کتابوں سے اہل ہند کو روشناس کیا اور درسیات

میں ان کو مقبول بنایا۔ اکثر مسلم فلاسفہ ہند کا سلسلہ تلمذ ان کے توسط سے ہی متاخرین اہل ایمان تک پہنچتا ہے۔ ان کی تصنیفات میں فارسی میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ علامہ دوانی کی شرح تہذیب کا تکملہ بھی لکھا اور اس پر حاشیہ لکھا۔ ۹۹۳ھ میں وفات پائی۔ کشمیر کے رستے میں کوہ سلیمان پر دفن کیا گیا۔

۳۹۔ کریم الدین ٹھٹھوی، سندھی۔ لغت نحو، فقہ، اصول فقہ اور منطق وفلسفہ کے نامور علما میں شمار تھا۔ درس و افادہ میں اوقات صرف ہوتے تھے۔

۴۰۔ محمد بن حسن علی احمد نگری۔ علمائے منطق وفلسفہ میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ قاضی میر حسین بن معین الدین یبذی متوفی ۸۹۰ھ کی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر سلطان حسین نظام شاہ (۹۶۱۔ ۹۷۳) کے عہد میں حاشیہ لکھا تھا۔

۴۱۔ علاء الدین محمد بن کمال الدین حسین لاری سنبھلی۔ عراق اصلی وطن تھا۔ علامہ دوانی کے شاگرد ہیں۔ منطق و حکمت خاص مضمون تھے۔ علی قلی شیبانی مقتول ۹۷۴ھ کے استاذ تھے۔ کچھ دنوں بجنور میں رہے پھر آگرہ آگئے یہاں مدرسے کی بنیاد ڈالی چوں کہ مدرسے کی عمارت گھاس پھوس کے چھپروں پر قائم تھی لوگوں نے "مدرسہ خس" سے اس کی تاریخ نکالی ہے۔ مغل بادشاہ اکبر نے سنبھل میں جاگیر میں زمین دی تھی چنانچہ سنبھل میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے

۴۲۔ جمال الدین محمد بن زین الدین عرفی۔ شیراز اصلی وطن تھا، وہیں کے اساتذہ سے علوم فنون کی تحصیل کی۔ اس کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ علوم حکمیہ میں خاص دستگاہ تھی، ہندستان آکر ابوالفیض مبارک ناگوری متوفی ۱۰۰۴ھ کی مصاحبت میں کچھ مدت تک رہا پھر ابوالفتح بن عبدالرزاق گیلانی متوفی ۹۹۷ھ کے مقربین میں شامل ہوگیا۔ ابوالفتح کی سفارش سے جان جاناں عبدالرحیم خاں بن بیرم خاں متوفی ۱۰۳۶ھ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ ۹۹۹ھ میں لاہور میں وفات پائی اور نجف اشرف میں اس کی ہڈیاں دفن کردی گئیں۔ نفس ناطقہ کی بحث پر اس کا بہت عمدہ رسالہ ہے۔

۴۳۔ عمادالدین محمد بن محمود الطارمی۔ خراسان کے گاؤں طارم میں پیدا ہوئے علامہ دوانی اور دیگر علما سے تحصیل علم کی۔ ہندستان میں آکر گجرات میں سکونت اختیار کی۔ نہروالہ اپنے مسکن پر ہی درس وتدریس شروع کردی۔ گجرات کے بڑے بڑے علمانے ان کے دامن تلمذ میں تربیت پائی۔ چنانچہ اپنے عہد میں گجرات کی علمی ریاست کے تنہا مسند نشیں سمجھے جاتے تھے، بہادر شاہ گجراتی (۳۲ - ۹۴۳)

کے عہد میں ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔

۴۴ ۔ سید کمال الدین محمد بن ہبۃ اللہ شیرازی گجراتی ۔ علوم حکمیہ میں اپنے زمانے کے نمایاں حکما میں شمار تھا۔ اپنے والد سے علوم فنون کی تحصیل کی اور اپنے زمانے کے یکتا گنے جاتے تھے، پوری زندگی درس تدریس میں گذار دی، اُن کے دامن تلمذ میں بڑے بڑے علمانے تربیت پائی۔

۴۵ ۔ قاضی محمد یزدی جونپوری ۔ منطق و حکمت میں اپنے وقت کے نامور فاضل تھے۔ ایرانی علماسے تحصیل علم کی ۔ مرزا جان شیرازی کے شاگردوں میں تھے، اکبر کے دربار میں بہت دنوں بار یاب رہے۔ پھر جون پور کے قاضی بنا دیے گئے نہایت متعصب شیعہ تھے۔۹۹۸ھ میں اکبر کے خلاف باغیوں کی موافقت کے الزام میں قید و بند کے ساتھ اکبر نے گرفتار کرا کے دلی طلب کیا ۔ رستے میں دریائے جمنا میں کشتی ڈوب گئی یا ڈبو دی گئی اور اس حادثہ میں ہلاک ہوئے۔

۴۶ ۔ محمد سعید ترکستانی ۔ منطق و فلسفہ میں وحید العصر تھے، کچھ کتابیں احمد جند سے پڑھیں اور کچھ محمد سرخ سے، کچھ دنوں عصام الدین ابراھیم بن محمد بن عرب شاہ اسفرائینی متوفی ۹۴۵ھ کی شاگردی اختیار کی ۔ ۹۶۰ھ میں ہندستان آئے اکبر کی قدر دانیوں نے پھر یہاں سے جانے نہ دیا ۔ طلبہ جوق در جوق ان کے درس میں جانے لگے اور درس وافادہ میں عمر بھر مصروف رہ کر ۹۷۰ھ میں وفات پائی ۔

۴۷ ۔ سید مرتضی شریفی ۔ میر سید شریف جرجانی کے پوتوں میں اور مذہباً شیعہ تھے منطق و حکمت وریاضی میں ید طولی حاصل تھا چنانچہ ان میں نوادر عصر میں شمار کیے جاتے تھے اور ان میں ان کے درس کی شہرت تھی ۔ ۹۷۲ھ میں دلی میں وفات پائی ۔

۴۸ ۔ مصلح الدین لاری ۔ فنون حکمیہ میں یکتائے عصر تھے درس وتدریس میں ایک مدت گذاردی سندھ کا سلطان، مرزا شاہ حسین (۹۲۸ - ۹۶۲) انکا شاگرد تھا۔۹۶۰ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے ان کی تصنیفات میں تفسیر بیضاوی پر حواشی اور شمائل ترمذی پر بسیط شرح کے ساتھ فارسی میں منطق پر بھی رسالہ ہے۔

۴۹ ۔ نجم الدین تستری ۔ علوم حکمیہ کے نامور فضلا میں شمار تھا ۔ ہندستان میں آنے پر احمد نگر میں سکونت اختیار کی اور وہاں کے سلاطین وامرا کی بخششوں اور انعاموں سے فیضیاب ہوتے رہے اور آرام وراحت سے زندگی بسر کی ۔ ۹۹۷ھ میں قتل ہوئے۔

۵۰ ۔ نصیر الدین کشمیری نابینا ۔ پیدائشی نابینا تھے منطق و فلسفہ اور کلام میں یگانہ عصر تھے ۔ کشمیر

میں صدر ریاست ان پر ختم تھی ۔ پوری زندگی درس وافادہ میں گزار دی ۔ بڑے بڑے فضلا ان کے درس سے نکلے ۔ ۹۴۶ھ میں وفات پائی ۔ شیعیت کی طرف میلان تھا ۔

۵۱ ۔ نور الدین بن سلطان ہروی، سفیدونی ۔ فنون ریاضیہ میں مہارت کے ساتھ منطق وحکمت میں ید طولی تھا۔ خراسان کے جام نامی قصبہ میں پیدا ہوئے ۔ مشہد میں نشو نما ہوا ۔ ہمایوں کے عہد میں ہندستان آئے ہمایوں نے قدر دانی کی اور اس کے مصاحبین میں شامل ہوگئے ۔ ہمایون نے ان سے بعض فنون میں استفادہ کیا، علم اصطرلاب انھوں نے ہمایون سے حاصل کیا ۔ دریائے جمنا سے کرنال تک اور وہاں سے دوسرے شہروں میں ایک نہر تقریباً سو میل کے رقبے میں نکالی تھی ۔ جس سے لوگوں نے ایک زمانے تک فائدہ اٹھایا ۔ سرہند سے متعلق علاقے میں سفیدون گاؤں ان کے تحت تھا، جس کی وجہ سے سفیدونی کہلائے ۔ اکبر کے عہد میں ۹۹۴ھ میں وفات پائی ۔

۵۲ ۔ وجیہ الدین بن نصراللہ علوی گجراتی ۔ ہندستان کے سب سے بڑے اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے ۔ معاصرین میں کثرت تصانیف اور قوت درس میں ان کی نظیر نہ تھی ۔ اپنے زمانے کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور آخر میں عمادالدین محمد طارمی کی شاگردی اختیار کی اور منطق و حکمت کے علاوہ دوسرے علوم آلیہ وعالیہ کی ان سے تکمیل کی اور پوری توجہ صرف کی چنانچہ اپنے اساتذہ کی زندگی میں ہی اکابر علما میں شمار ہونے لگا ۔ موٹا جھوٹا پہنا اور عوامی انداز میں زندگی گزاردی ۔ امرا اور اہل دولت سے ہمیشہ اجتناب رہا ۔ عمر میں ایک دو مرتبہ ایسے لوگوں کے یہاں کبھی جانے کا اتفاق بھی ہوا تو جبریہ ۔ نذرانوں وغیرہ سے جو حاصل ہوتا وہ بھی طلبہ پر خرچ ہوتا ۔ درس و تعلیم اور تصنیف و تالیف میں عمر بسر کردی ۔ نحو، فقہ، اصول حدیث وغیرہ کے علاوہ فنون عقلیہ میں محقق طوسی متوفی ۶۷۲ھ کی تجرید کی ۔ اصفہانی (شمس الدین محمود بن عبدالرحمان اصفہانی متوفی ۷۴۶ھ) کی شرح پر حاشیہ ۔ توضیح شرح تنقیح الاصول از صدرالشریعہ عبداللہ بن مسعود محبوبی متوفی ۷۴۶ھ کے حاشیہ تلویح از علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی پر حاشیہ؛ اصول البزدوی از فخرالاسلام علی بن محمد بزدوی متوفی ۴۸۲ھ پر حاشیہ؛ عقائد نسفی از نجم الدین ابو حفص عمر بن نسفی متوفی ۵۳۷ھ کی تفتازانی کی شرح پر حاشیہ، قاضی عضدالدین عبدالرحمان بن احمد ایجی متوفی ۷۵۶ھ کی عقائد عضدیہ پر حاشیہ، دوانی کے حاشیہ قدیمہ پر حاشیہ ۔ ایجی کی مواقف الکلام کی میر سید شریف کی شرح پر حاشیہ، مقاصد الطالبین فی علم اصول الدین از تفتازانی کی مصنف کی اپنی شرح پر حاشیہ، حکمۃ العین از نجم

الدین ابوالحسن علی بن محمد کاتبی متوفی ۶۷۵ھ کی شمس الدین محمد بن مبارک شاہ کی شرح پر حاشیہ، کاتبی کی شمسیہ کی قطب الدین محمد رازی تحتانی متوفی ۷۶۶ھ کی شرح، تحریر القواعد المنطقیہ پر حاشیہ ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ ۹۹۸ھ وفات پائی۔

۵۳۔ ہبۃ اللہ بن عطاء اللہ، شاہ میر شیرازی گجراتی۔ اپنے عہد کے بڑے علما میں تھے۔ اور میر صدرالدین محمد شیرازی متوفی در حدود ۹۳۰ھ صاحب اسفار اربعہ متوفی ۱۰۵۹ھ نے ہی غالباً ساتھیوں میں تھے اور انہیں کے اساتذہ سے ان کے ساتھ ہی تعلیم حاصل کی۔ ۸۹۸ھ میں گجرات آئے اور وہیں سکونت اختیار کی اور درس کا سلسلہ شروع کردیا، دور دور سے طلبہ پہنچنے لگے۔ ہیئت وحدیث کے علاوہ فنون عقلیہ میں مواقف کی شرح، لوامع البرهان فی قدم القرآن، تفتازانی کی تہذیب المنطق والکلام کی شرح اور شمسیہ کی شرحوں (غالباً قطبی وسعدیہ) پر محاکمہ ان کی تصنیفات ہیں۔

۵۴۔ یونس بن ابی یونس سمرقندی، سندھی۔ علوم حکمیہ کے نامور علما میں شمار ہوتے تھے۔ ۹۵۱ھ میں وفات پائی۔

گیارہویں صدی

ہندستان میں علوم عقلیہ کی گرم بازاری کی ابتدا تو ہو ہی چکی تھی، متاخرین حکمائے ایران کی کتابیں آچکی تھیں اور ہندستان درسگاہوں میں متداول تھیں۔ لیکن تحقیق وتدقیق سے فکر کی عربیت واصالت کی ابتدا گیارہویں صدی میں ہوئی، عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ اسی عہد کے ہیں۔

۵۵۔ ابوالفتح ملتانی۔ فقہ واصول اور عربیت کے نامور اور فنون حکمیہ کے معروف علما میں شمار ہوتے تھے اور ان میں ان کی مہارت مسلمہ تھی۔ شاہ جہاں کے عہد کے اصحاب درس میں ان کا شمار تھا۔

۵۶۔ ابوالفضل بن مبارک ناگوری۔ ذہانت وفطانت میں یکتائے روزگار تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں متعارف علوم سے فراغت حاصل کرلی تھی اور اب پوری توجہ علوم حکمیہ پر تھی چنانچہ ان میں بھی مہارت حاصل کرلی۔ تقریباً دس سال درس وتعلیم میں گذارے۔ ان کی شہرت سن کر اکبر نے ان کو طلب کیا اور اپنے مقربین میں ان کو شامل کرلیا اور آخر وزارت عظمیٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔ اکبر کے الحاد میں ان کو خاص دخل تھا۔ ۱۰۱۱ھ میں دکن سے لوٹتے میں جہانگیر (۱۰۱۴۔ ۱۰۳۶) کے حکم سے اکبر

کے عہد میں قتل کردیے گئے۔

۵۷۔ احمد بن سلیمان گجراتی ۔ اصلاً کرد تھے والد ہندوستان آئے اور گجرات میں سکونت اختیار کرلی۔ عام درسیات قاضی محمد شریف گجراتی سے حاصل کیے اور فنون عقلیہ کی تکمیل مولوی ولی گجراتی سے کی فنون حکمیہ کی اشاعت ان سے ہی ہوئی۔ درس وافادہ میں ساری عمر صرف کردی۔ مختلف فنون میں تصنیفات ہیں۔ ۱۰۹۲ھ میں وفات پائی۔ فیض القدس کے نام سے علم کلام میں ان کی مفید کتاب ہے۔

۵۸۔ قاضی الہ داد صدیقی بلگرامی ۔ اپنے زمانے کے معروف فضلا میں تھے۔ مولد وطن بلگرام تھا لاہرپور کے عبدالرحمان بن علاء الدین عباسی متوفی ۹۷۶ھ کے پاس رہ کر درسیات کی تکمیل کی اور بلگرام میں اپنا درس جاری کیا۔ کچھ دن بلگرام کے قاضی بھی رہے۔ تہذیب المنطق پر ان کے حواشی تھے۔

۵۹۔ عبدالباقی بن غوث الاسلام صدیقی جونپوری ۔ منطق وفلسفہ کے مشہور اساتذہ میں تھے۔ ملا محمود جونپوری کے شاگرد تھے۔ استاد کی وفات کے بعد مسند درس سنبھالی۔ عالمگیر (۱۰۶۸ - ۱۱۱۸) نے آٹھ نو سو کی سالانہ آمدنی کا ایک گاؤں عطا کیا۔ فن مناظرہ میں شریفیہ کی شرح الآداب الباقیہ لکھی۔ پھر استاذ کے حکم سے ایک دوسری شرح الابحاث الباقیہ لکھی جو رشیدیہ پر بحثیں ہیں۔ ۱۲ جلوس مطابق ۱۰۸۲ھ میں وفات پائی۔

۶۰۔ شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی ۔ ہندوستان کے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ملک میں علم حدیث کو رواج دیا اور درس و تصنیفات سے اس کی اشاعت کی۔ نہایت کم سنی میں اپنے والد متوفی ۹۹۰ھ اور دہلی کے دیگر اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی پھر مکہ معظمہ جاکر حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور حرمین کے شیوخ حدیث سے کتب حدیث پڑھیں اور عام و خاص اجازتیں حاصل کیں۔ پھر ہندوستان آکر خدمت حدیث میں مصروف ہوئے۔ مختلف علوم وفنون میں کثرت سے تصنیفات ہیں۔ منطق میں شمسیہ کا اختصار کیا شمسیہ کی شرح بھی لکھی لیکن مکمل نہیں ہوئی۔ الہیات میں رسالہ فی مبحث الوجود لکھا۔ ۱۰۵۲ھ میں وفات پائی۔

۶۱۔ عبدالحکیم بن شمس الدین سیالکوٹی ۔ ہندوستان کے نہایت مشہور اور نامور فضلا میں ہیں، ذکاوت، استحضار، دقتِ نظر اور نقد و تحقیق میں بے نظیر تھے۔ شاہ جہاں (۳۶ - ۱۰۶۸) نے انھیں دو

پھر چاندی میں تُلوایا اور کئی گاؤں جاگیر میں دیے چنانچہ خوش عیشی کے ساتھ تصنیف وتالیف اور درس و تدریس میں عمر بسر کی۔ شیخ کمال الدین بن موسیٰ کشمیری سے درسیات کی تکمیل کی۔ قریب قریب ساٹھ سال تک درس دیا۔ چنانچہ کثرت درس میں ان کے عہد میں ان کا [illegible] شاہجہاں ان کے فضل وکمال کا گرویدہ تھا اور ہر معاملے میں ان سے مشورہ کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ حق گوئی میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ کو وفات پائی اور سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔ تفسیر میں بیضاوی پر، اصول فقہ میں تلویح کے مقدمات اربع پر، معانی وبیان میں تفتازانی کی مطول پر، علم کلام میں میر سید شریف کی شرح مواقف پر، تفتازانی اور دوانی کی عقائد عضدیہ کی شرحوں پر اور شرح عقائد تفتازانی کے شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۶۰ھ کے حاشیہ پر، منطق میں قطبی اور اس کے حاشیہ میر سید شریف پر اور شرح مطالع پر، حکمت و فلسفہ میں شرح حکمۃ العین اور میبذی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر، نحو میں ابن حاجب متوفی ۶۴۶ھ کے کافیہ کی عبدالرحمان جامی متوفی ۸۹۸ھ کی شرح فوائد ضیائیہ پر اور عبدالغفور لاری متوفی ۹۱۲ھ کے حاشیہ پر حواشی لکھے۔ صرف میں احمد بن علی کی مراح الارواح پر حاشیہ لکھا۔ ان کے علاوہ ان کے دوسرے حواشی اور رسائل ہیں۔ علم واجب تعالیٰ پر الدرر الثمینہ فی اثبات علم الواجب ان کا مشہور رسالہ ہے۔

۶۲۔ عبدالرحمان بن ابوالفضل ناگوری علوم حکمیہ میں نامور فضلا میں تھے علوم حکمیہ میں اپنے باپ ابوالفضل بن مبارک ناگوری کے شاگرد ہیں عمر بھر حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر رہے جہانگیر نے افضل خاں کا خطاب دیا، صوبہ بہار کا حاکم بنایا اور گورکھپور جاگیر میں دیا۔ ۱۰۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

۶۳۔ قاضی عبدالرحیم بن عبدالرشید، بہاری، مرادآبادی۔ اپنے زمانے کے مشہور علما میں ہیں۔ عبدالحکیم سیالکوٹی سے قریب قریب نوسال ان کی خدمت میں رہ کر تحصیل علوم کی مرادآباد کے قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے اور ایک زمانے تک وہیں درس دیا۔

۶۴۔ عبدالرزاق کشمیری منطق وفلسفہ اور کلام کے سربرآوردہ علما میں تھے، شاہجہاں کے عہد میں ہندوستان آئے، شاہجہاں نے انہیں کابل میں درس دینے کی خدمت سپرد کی، چنانچہ بہت زمانے تک درس دیتے رہے قطب الدین رازی کی محاکمات کی تردید لکھ رہے تھے، کئی راتیں مسلسل جاگے، اس سے دماغ مختل ہوگیا۔ اس دماغی اختلال میں حلقوم پر چھری پھیرلی، شاگردوں نے یہ حال دیکھا تو فوراً کس کر باندھ دیا اور علاج شروع کردیا، خدا نے شفادی، انہوں نے خدمت درس سے استعفاء دیدیا

اور کشمیر چلے آئے اور سکونت اختیار کرلی شرح تجرید پر حواشی لکھے تھے۔

۶۵۔ مفتی عبدالسلام بن ابو سعید کرمانی دیوی اپنے زمانے کے غیر معمولی ذہین لوگوں میں شمار تھا اور علوم نقلیہ وعقلیہ دونوں میں فضل وکمال رکھتے تھے۔ قصبہ دیوہ مولد ومنشا تھا، شہر کے اساتذہ سے تعلیم پوری کرلی تو لاہور جاکر مفتی عبدالسلام لاہوری کی صحبت میں ان سے علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کی اور وہیں ایک مدت تک درس دیا۔ پھر شاہ جہاں کے لشکر کے مفتی مقرر ہوگئے ایک زمانے تک یہ خدمت انجام دی، پھر اس سے سبکدوش ہوکر لاہور کی سکونت لے لی۔ حاشیہ خیالی، شرح صحائف پر، تفسیر بیضاوی پر، ہدایہ وغیرہ پر حواشی لکھے اور تہذیب المنطق کی شرح لکھی۔ ۱۰۴۷ھ تک زندہ تھے۔

۶۶۔ مفتی عبدالسلام لاہوری۔ اپنے زمانے کے اکابر علما میں سے تھے۔ فنون حکمیہ فتح اللہ شیرازی سے حاصل کیے اور لاہور میں تقریباً پچاس سال تک درس دیا، بڑے بڑے علما ان کے درس سے نکلے۔ ایک زمانے تک لشکر کے مفتی بھی رہے پھر اس خدمت سے سبکدوش ہوکر درس و افادہ میں زندگی گذاردی۔ ۱۰۳۷ھ میں ۹۰ یا ۸۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا، تفسیر بیضاوی پر ان کا حاشیہ ہے۔

۶۷۔ عبدالعزیز بن عبدالرشید اکبرآبادی۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی پھر درس وافادہ میں معروف ہوگئے بختاور خاں عالمگیری متوفی ۱۰۹۶ھ نے ۱۰۸۰ھ میں عالمگیر اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کیا۔ چنانچہ اس نے انہیں منصب عطا کیا، علم کلام میں ان کا فارسی رسالہ کشف الغطا ہے۔ ۱۰۸۸ میں انتقال ہوا۔

۶۸۔ علی بن حسین نقشی دہلوی۔ مہر کے نگینے کھودنے میں ماہر تھے، ان کے نگینے عراق خراسان وغیرہ مختلف ممالک میں جاتے تھے۔ اسی لیے نقشی کے لقب سے مشہور تھے نقش کنی تو ان کا پیشہ تھا جس نے ان کے علمی کمالات کو چھپا لیا ورنہ وہ اپنے زمانے کے فضلا میں تھے۔ حکمت طبعی اور ہیئت میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۱۰۱۹ھ میں وفات پائی۔

۶۹۔ محب اللہ بن مبارز العمری الہ آبادی۔ اکابر مشائخ چشتیہ میں تھے۔ مفتی عبدالسلام لاہوری سے تحصیل علم کی۔ محمد میر بن قاضی سائیں متوفی ۱۰۴۵ اور سعداللہ خاں لاہوری مشہور وزیر متوفی ۱۰۶۶ھ ان کے ہم سبق تھے۔ سعداللہ خاں وزارت پر فائز ہوئے تو انہوں نے اپنے دونو ساتھیوں کو بلایا۔ میاں میر نے تو اپنے زہد کی وجہ سے آنے سے انکار کردیا، محب اللہ چلے گئے۔ ان کو سعداللہ خاں

نے ناظم بنا کر الہ آباد روانہ کر دیا۔ پھر ان پر بھی زہد کا غلبہ ہوا تو یہ سب چھوڑ کر گنگوہ میں شیخ ابو سعید گنگوہی متوفی ۱۰۴۹ھ کے چشتی سلسلے میں مرید ہو گئے اور ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ خود بھی شیخ سلسلہ ہو گئے۔ الہ آباد میں جمنا کے کنارے سکونت اختیار کر لی، بہت دن فقر وفاقہ میں گزارے، آہستہ آہستہ قبول عام ہوا۔ تقریباً بیس سال رشد وہدایت میں مشغول رہ کر ۱۰۸۵ھ میں وفات پائی، ان کے معاصرین میں لوگ مختلف الرائے رہے۔ کسی نے زندیقی کا الزام لگایا کسی نے واصل باللہ کہا، بہر حال وہ وحدت الوجود کے سخت حامیوں میں تھے اور ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ کے کلام کی تعبیر اپنے موقف سے کرتے تھے مصنفات میں فصوص الحکم کی شرح، الکتاب المبین، تسویہ اور اس کی شرح وغیرہ رسائل وکتب ہیں۔

۷۰۔ قاضی محمد اسلم ہروی۔ منطق وحکمت میں نمایاں حیثیت تھی، محمد فاضل لاہوری اور بہلول لاہوری کے شاگرد تھے۔ جہانگیر نے پہلے کابل کا قاضی پھر قاضی لشکر بنایا۔ شاہجہاں کی امامت پر مقرر ہوئے اور ایک ہزاری منصب عطا کیا۔ کئی مرتبہ چاندی سے تولے گئے۔ ۱۰۶۱ھ میں وفات پائی۔

۷۱۔ محمود بن محمد، عمری جونپوری۔ ہندوستان کے نامور اور مشہور فضلا میں تھے، ان کے معاصرین میں علوم حکمیہ اور فنون ادبیہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ اپنے دادا شاہ محمد کی آغوش تربیت میں پرورش پائی اور انہیں سے درسیات کی تحصیل کی اور پھر استاذ الکل محمد افضل بن محمد حمزہ عثمانی جونپوری متوفی ۱۰۶۲ھ سے تکمیل کی اور ان کی صحبت اختیار کر لی۔ منطق وحکمت اپنا خصوصی مضمون قرار دیا، ابھی سترہ سال کی عمر تھی کہ ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل کر لیا۔ ذکاوت، فطانت ذہن کی روانی اور حفظ واستحضار میں اپنے تمام معاصرین میں بڑھ گئے ان کے تذکرہ نگاروں کا یہ فیصلہ تھا کہ ہندوستان بھر میں فنون حکمیہ اور ادبیہ میں ان جیسا پیدا نہیں ہوا۔ ہندوستان میں رصد گاہ بنانے کا منصوبہ لے کر اکبرآباد گئے کہ شاہجہاں کو اس کی تعمیر پر آمادہ کریں لیکن وزارت نے بادشاہ کو کثرت مصارف کی بنا پر تیار نہ ہونے دیا۔ ۱۰۶۲ھ میں استاذ کی زندگی میں انتقال ہو گیا استاذ کو ان کی موت کا اتنا قلق ہوا کہ چالیس دن تک چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی، یہاں تک کہ اسی قلق میں انتقال ہو گیا۔ الشمس البازغہ ان کی حکمت میں بہت مشہور کتاب ہے جس کی تکمیل کی موت نے مہلت نہ دی۔ میرے عہد طالب علمی تک حکمت کے اعلیٰ درس میں شامل تھی۔ قاضی عضدالدین ایجی کی معانی وبیان میں مشہور کتاب الفوائد الغیاثیہ کی فرائد کے نام سے شرح کی جو

بعض مدارس کی درسیات میں شامل ہے۔ اسی شرح پر ان کے حواشی بھی ہیں۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی کی کتاب تسویہ، کی تردید میں عرزالایمان کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے رسائل بھی ہیں۔

۷۱۔ شہید ثالث قاضی نوراللہ بن شریف تستری۔ مشہور شیعہ عالم ہیں، ایران کا شہر تستر مولد و منشاء ہے۔ مشہد میں تعلیم حاصل کی ہندوستان آکر ابوالفتح بن عبدالرزاق گیلانی متوفی ۹۹۷ھ کی سفارش سے اکبر نے لاہور کی قضا کا عہدہ دیا جس پر جہانگیر کے عہد تک فائز رہے۔ جہاں تقیے کی زندگی گذار رہے تھے اور معاملات کے فیصلے شیعی مذہب کے موافق کرتے تھے اور بہانہ یہ تھا کہ ائمہ اربعہ کی رائے پر قوت دلیل کی بنا پر بغیر کسی خاص امام کے مسلک کی پابندی کے فیصلے کرتے ہیں۔ عقیدہ اہل السنۃ والجماعت کی تردید و تشنیع میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے۔ بعض علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کو کسی نہ کسی طرح ان کی مجالس المومنین ہاتھ آگئی اور انہوں نے اس کو جہانگیر کے سامنے پیش کردیا۔ جہانگیر اسے دیکھ کر غصے میں بھر گیا اور حکم دیا کہ خار دار درے لگائے جائیں درے لگتے ہی موت ہوگئی۔ یہ ۱۰۱۹ھ کا واقعہ ہے۔ علوم عقلیہ میں شرح تجرید کی الہیات پر، دوانی کے قدیمہ اور شرح تہذیب الکلام پر دو حاشیے تفسیر بیضاوی پر، قطبی، یزدی اور محمود چغمینی متوفی ۶۱۸ کی ملخص فی الہیئۃ کی قاضی زادہ موسیٰ بن محمد متوفی ۸۴۰ھ کی شرح پر حواشی ہیں۔

۷۲۔ ملا وجیہ الدین بن عیسیٰ گوپاموی، گوپامؤ مولد و منشاء ہے اپنے دادا جعفر بن نظام الدین عثمانی متوفی ۱۰۴۵ اور دوسرے علما سے درسیات کی تکمیل کی۔ فتاوی عالمگیری کی تصنیف میں بھی شریک رہے۔ اپنے عہد کے کثیر الدرس علما میں شمار تھا۔ خیالی اور معقول پر ان کے حواشی ہیں ۱۰۸۳ھ میں وفات پائی۔

۷۳۔ حافظ ولی محمد گجراتی۔ منطق و حکمت کے نامور اساتذہ میں سے تھے، گجرات میں ان کے درس کی شہرت تھی۔

۷۵۔ یعقوب بن حسن کشمیری۔ اپنے عہد کے بڑے اساتذہ میں شمار تھا، نصیرالدین امی متوفی ۹۴۶ سے درسیات کی تکمیل کی، سمرقند، بغداد اور حرمین کے شیوخ و محدثین سے استفادہ کیا، کشمیر آکر درس و افادہ میں مصروف ہوگئے۔ تصنیفات میں تلویح پر حاشیہ ہے۔ ۱۰۰۳ھ میں وفات پائی۔

۷۶۔ ملا یوسف یعقوب بنانی لاہوری۔ لاہور مولد و منشاء ہے، فقہ، حدیث اور فنون حکمیہ میں یدِ

طوق تھا شاہجہاں کے لشکر میں میر عدل تھے ۔ مدرسہ شاہجہانی میں استاد تھے ۔ تہذیب الکلام کی شرح ، بیضاوی وغیرہ پر حواشی لکھے ۔ عالمگیر نے عدالتوں کا ناظر مقرر کر دیا تھا ۔ ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی ۔

بارہویں صدی

بارہویں صدی، گیارہویں صدی کا ہی تسلسل ہے محب اللہ بہاری، میر زاہد اور قاضی مبارک اسی عہد کے مشاہیر ہیں جن کا عہد گیارہویں اور بارہویں صدی پر محیط ہے ۔

۷۷۔ ملا احمد ولایتی رامپوری ۔ سرحد پار سے لاہور آئے اور وہاں سے تکمیل درس کے لیے مولینا برکت اللہ الہ آبادی اور ملا محمد اعلم سندیلی کے شاگرد ہوئے ۔ درسیات کی تکمیل کے بعد کچھ دنوں غوث گوھا اور مستقلاً رامپور گئے ۔ منطق و فلسفہ کے نامی استاذ تھے ۔ علمائے رامپور کا سلسلہ عموماً انہیں پر منتہی ہوتا ہے بارہویں صدی کے اواخر میں وفات ہوئی ۔ ان کے اخلاف میں مولوی اسحاق النبی خاں متوفی ۱۹۸۸ء صاحب رفع التضاد عن ہدی خیر العباد بن اشفاق النبی خاں اور جمیل النبی خاں بن اشفاق النبی خاں اور ان کی بہنیں عالیہ بیگم مرحومہ وہاجرہ بیگم، زوجہ امتیاز علی خاں عرشی مرحوم اور میری بیوی سارا بیگم ہیں ۔

۷۸۔ افضل بن امین راجندروی ۔ مشہور مشائخ میں سے تھے ، ارکاٹ کا قصبہ راجندری مولد و منشاء تھا ۔ مولانا روم متوفی ۶۷۲ھ کی مثنوی معنوی ، ابن عربی کی فصوص الحکم ، عراقی متوفی ۶۸۸ھ کی لمعات اور جامی کی لوائح کا درس دیتے رہے ، انکی تصنیفات میں عقائد وکلام کی امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کی طرف منسوب کتاب فقہ اکبر کی شرح اور مبحث وجود پر رسالہ ہے ۔ ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی ۔

۷۹۔ امان اللہ بن نوراللہ بنارسی ۔ اصول وکلام کے مشہور فضلا میں تھے ، بنارس میں پیدا ہوئے اور نشو نما پائی ، قرآن مجید حفظ کیا ، درسیات کی تحصیل کے لیے سفر کیا اور شیخ محمد ماہ دیوگامی متوفی ۱۰۹۵ھ اور مولانا قطب الدین شمس آبادی متوفی ۱۱۲۱ھ وغیرہ علماسے درسیات کی تکمیل کی ۔ عہد عالمگیر میں لکھنؤ کی صدارت سپرد ہوئی ملا محب اللہ بہاری اسی زمانے میں لکھنؤ کے قاضی تھے چنانچہ دونوں میں کافی بحثیں چلیں ، تصنیفات میں اصول میں مفسر اور اسی کی شرح محکم ، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ ، تلویح پر حواشی ، دوانی کے مقدمہ پر اور ان کی شرح عقائد پر ، شرح مواقف پر ، محمد رشید بن محمد مصطفیٰ عثمانی متوفی ۱۰۸۳ھ کے مناظرۃ الرشیدیہ پر حواشی ، حدوث دہری کے باب میں میر محمد

باقر داماد متوفی ۱۰۴۱ھ اور ملا محمود جونپوری کے مابین محاکمہ اور تسویہ کی شرح وغیرہ ہیں۔ ۱۱۳۳ھ میں بنارس میں وفات ہوئی۔

۸۰۔ اللہ بخش رسا صدیقی دہلوی۔ متعدد فنون میں شہرت تھی۔ شیخ عبدالعزیز بن عبدالرشید اکبر آبادی سے درسیات کی تحصیل کی، محمد اعظم بن عالمگیر متوفی ۱۱۱۹ھ سے تقرب حاصل ہوا تو اس نے اپنے دیوان انشاء میں منشی مقرر کردیا، وہاں سے عالمگیر کے دیوان میں بھی خدمت سپرد ہوگئی۔ عالمگیر کی وفات کے بعد پھر محمد اعظم کے یہاں پہنچ گئے اور عظیم الشان بن عالمگیر متوفی ۱۱۲۴ھ سے جنگ میں اعظم کے ساتھ رہے۔ اعظم کے قتل کے بعد گوشہ نشین ہوگئے جب فرخ سیر بن عظیم الشان (۱۱۲۴ - ۱۱۳۱ھ) تخت نشین ہوا تو اس نے طلب کرکے اتنی سخت سزائیں دیں کہ موت واقع ہوگئی۔ ۱۱۲۴ھ سن وفات ہے۔ اپنے استاذ شیخ عبدالعزیز کی کشف الغطاء پر فارسی میں شرح لکھی تھی۔

۸۱۔ جاراللہ الہ آبادی اپنے عہد کے مشہور اساتذہ میں شمار تھا، درس وتدریس مشغلہ تھا۔ مصنفات میں تفسیر بیضاوی پر ضخیم حاشیہ ہے، منطق میں مستقل رسالہ ہے، مغالطہ عامۃ الورود پر ایک دوسرا رسالہ ہے۔

۸۲۔ جمال الدین بن رکن الدین عمری گجراتی۔ چشتی شیخ ہیں، والد متوفی ۱۱۱۵ھ سے درسیات پڑھے اور انہیں سے خلافت پائی۔ درس وتصنیف رشد وہدایت مشغلہ رہا، عقلیات میں قطبی پر تفتازانی کی شرح عقائد پر خیالی پر، تلویح اور بیضاوی پر حواشی ہیں، ۱۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

۸۳۔ حبیب اللہ قنوجی مشہور مشائخ میں سے تھے، قنوج مولد ومنشاء ہے۔ تحصیل علم کے لیے سندیلہ گئے۔ کچھ کتابیں وہاں کے اساتذہ سے پڑھیں۔ وہاں سے جونپور پہنچے اور عبدالباقی بن غوث الاسلام صدیقی متوفی تقریباً ۱۰۸۲ھ سے پڑھا۔ الہ آباد جاکر شیخ عبدالجلیل بن صدرالدین الہ آبادی متوفی ۱۱۱۳ھ کے مرید ہوئے اور ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے اور خلافت پائی۔ الہ آباد آکر رشد وہدایت میں عمر بسر کی۔ ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ سلوک وتصوف میں متعدد کتابیں لکھیں اور منطق میں بھی ایک رسالہ لکھا۔

۸۴۔ حقانی اٹھنوی مانڈوی۔ اٹھنی مولد ومنشاء تھا۔ پہلے وطن میں تعلیم حاصل کی۔ پھر لکھنؤ جاکر نظام الدین سہالوی سے تکمیل کی۔ منطق وفلسفہ پر پوری توجہ کی اور ان میں مہارت پیدا کرلی چنانچہ امام فن مانے گئے۔ ساری عمر تدریس وافادہ میں گزاردی۔ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

۸۵ - حمد اللہ بن شکر اللہ صدیقی سندیلوی - سندیلہ مولد و منشا ہے [illegible] مسلک اختیار کرلیا تھا۔ کمال الدین فتحپوری اور نظام الدین سہالوی سے درسیات کی تکمیل کی - منطق و فلسفہ کے مشہور اساتذہ میں سے تھے اور ان علوم میں ان کی ریاست مسلمہ تھی - صاحب اودھ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نے (۱۱۶۷-۱۱۵۱ھ) کی سفارش پر احمد شاہ متوفی ۱۱۷۴ھ نے فضل اللہ کا خطاب دیا اور کئی گاؤں جاگیر کے طور پر عنایت کئے چنانچہ سندیلہ میں ایک بڑا مدرسہ تعمیر کیا، شمس بازغہ پر حواشی، صدرالدین محمد بن ابراہیم شیرازی معروف بہ ملا صدرا متوفی ۱۰۱۹ھ کی شرح ھدایۃ الحکمہ پر حواشی، محب اللہ بہاری کی سلم العلوم کی شرح اور اصول میں بہاء الدین محمد بن حسین عاملی متوفی ۱۰۳۱ھ کی زبدۃ الاصول کی شرح ان کی تصنیفات ہیں - ۱۱۶۰ھ میں دہلی میں وفات پائی -

۸۶ - رفیع الدین بن نیم کراد (نیک مراد یا نیک مرد؟) دہلوی - فنون حکمیہ کے اپنے عہد کے مشہور اور نامور فضلاء میں تھے - شیخ محمد شفیع بن محمد عظیم لاہوری ثم الدہلوی متوفی ۱۱۰۹ھ سے تکمیل علوم کی تقریباً بارہ سال درس و افادہ میں گذارے ان کی مصنفات میں ابونصر محمد بن فارابی کی فصوص کی شرح کشف الفصوص، شیخ الاشراق شہاب الدین ابوالفتح یحیی بن حبش مقتول ۵۸۷ھ کی الواح کی شرح اور ہرمس الہرامسہ کی طرف منسوب ینبوع الحیاۃ پر فارسی سے عربی ترجمے کے بعد حواشی ہیں -

۸۷ - عبدالعلی بن علی عظیم جونپوری - جونپور مولد منشاء ہے مسلکا شیعہ تھے سید محمد عسکری متوفی ۱۱۹۰ھ سے تحصیل علوم کی اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہ کر منطق و فلسفہ میں کمال حاصل کیا - ۱۱۹۰ھ میں انتقال ہوا -

۸۸ - عبدالغنی بن ملتی درویش محمد عثمانی بدایونی - علوم حکمیہ کے مشہور فضلاء میں تھے، بدایوں مولد منشا تھا - درس و افادہ میں زندگی گذاری - قطبیہ کے حاشیہ میرزاہد پر اور دوانی کے شرح تہذیب کے حاشیہ میرزاہد پر حواشی لکھے -

۸۹ - غلام یحیی بن نجم الدین بارہوی بہاری - منطق و فلسفہ میں اہل کمال علماء میں شمار تھا، سندیلے میں مدرسہ منصوریہ میں باب اللہ جونپوری سے درسیات کی تکمیل کی لکھنو میں کچھ زمانے تک درس و افادہ میں مشغول رہے پھر سب چھوڑ کر دہلی جاکر مرزا مظہر جان جاناں متوفی شہیداً ۱۱۹۵ھ کے مرید ہوگئے اور پانچ سال تک ان کی صحبت میں رہے اور خلافت پاکر لکھنو میں رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے - میرزاہد رسالہ پر لواء الہدا کے نام سے مہلت وقیق حاشیہ لکھا - اس کے علاوہ ان کی

تصنیفات میں حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ ہے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ کے رسالہ محاکمہ کی تردید میں کلمۃ الحق لکھا ۔ ۱۱۸۰ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے ۔

۹۰ ۔ قاضی فتح اللہ قنوجی ۔ قنوج کے قاضی تھے ۔ درسیات شیخ علی اصغر متوفی ۱۱۴۰ھ سے پڑھیں۔ معقولات میں میرزاہد کی دوانی کی شرح تہذیب کے حاشیہ پر حاشیہ ہے۔ بارہویں صدی کے حدود میں انتقال ہوا ۔

۹۱ ۔ فرخ شاہ بن محمد سعید، مجددی سرہندی ۔ اپنے والد محمد سعید بن شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۷۰ھ سے درسیات کی تکمیل کی علوم متداولہ میں کمال حاصل تھا، خصوصاً فقہ، حدیث اور تصوف میں، قوی الحافظہ اور زود فہم اور ذہین تھے ۔ درس وافادہ طلاب میں زندگی گذاری خیالی کے حاشیہ پر عبدالحکیم کے حواشی پر حواشی لکھے ۔ ۱۱۲۲ھ میں انتقال ہوا ۔

۹۲ ۔ قطب الدین بن عبدالحکیم انصاری سہالوی ۔ معقولات و منقولات میں نمایاں حیثیت تھی ۔ لکھنؤ کے سہالی قصبہ میں پیدا ہوئے اور نشو نما پائی ۔ ملادانیال چوراسی اور عبدالقادر لکھنوی متوفی ۱۰۷۶ھ وغیرہ علماء سے درسیات کی تکمیل کی، درس وافادہ مشغلہ تھا صرف منگل اور جمعہ مستثنیٰ تھے اور تصنیف و تالیف کے لیے مخصوص تھے، نہایت عابد و مرتاض تھے، صائم الدہر اور قائم اللیل، روزانہ تہجد میں ایک ختم قرآن کر لیتے، تصنیفات میں شرح مواقف امور عامہ پر حاشیہ، تلویح پر، شرح حکمۃ العین پر، شرح عقائد عضدیہ پر مطول پر حواشی تھے۔ جن کا بڑا حصہ ان کی شہادت کے موقع پر ضائع ہوگیا۔ امور عامہ کے حاشیہ کا کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ ۱۱۰۳ھ میں زمین کے جھگڑے میں ان کا گھر بار لٹ گیا اور افراد خانہ ان سمیت قتل ہوئے ۔ معاملہ ٹھنڈا ہوا تو محمد سعید ان کے صاحبزادے دکن میں عالمگیر سے ملے اور واقعہ بیان کیا چنانچہ عالمگیر نے لکھنؤ میں ایک مغربی تاجر کا محل جو اپنے ملک جا چکا تھا عنایت کر دیا اور پورا خاندان اس میں بس گیا اور فرنگی محل کہلایا۔

۹۳ ۔ قاضی قیام الدین مارہروی ۔ علوم حکمیہ میں مشہور تھے، مارہرے میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی درسیات کی تکمیل قطب الدین شمس آبادی متوفی ۱۱۲۱ھ وغیرہ علماء سے کی، مارہرے کی قضا ان کے سپرد ہوئی ۔ محب اللہ بہاری کی سلم العلوم کی مفصل شرح لکھی ۔

۹۴۔ کمال الدین بن دولت فتحپوری۔ قطب الدین سہالوی کے عم زادوں میں تھے فتحپور مولد

طلب ہے۔ ملا نظام الدین سہالوی سے درسیات کی تکمیل کی اور ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہے اور ملا نظام الدین کے تمام شاگردوں میں ان کے علمی مرتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکا۔ استاذ کی زندگی میں ہی مسند درس پر بیٹھ گئے۔ اور اکابر علما میں شمار کئے گئے۔ کلام اور دیگر فنون حکمیہ ان کے خاص مضمون تھے۔ نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ مصنفات میں، کبریت احمر، (غالباً عبدالوہاب بن احمد شعرانی متوفی ۹۷۳ھ کی الکبریت الاحمر فی علوم الشیخ الاکبر۔ فتوحات مکیہ کے انتخاب (لواقح الانوار القدسیہ کا اختصار) کی شرح اور العروۃ الوثقیٰ وغیرہ حواشی ہیں۔ ۱۱۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

۹۵۔ قاضی مبارک بن محمد دائم گوپاموی۔ اپنی ذہانت و فطانت میں مشہور تھے۔ طبیعت نکتہ رس تھی۔ دقتِ نظر میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ گوپامؤ میں نشو نما پائی۔ ابتدائی تعلیم قاضی بدرالدین گوپاموی سے حاصل کی اور شیخ صفۃ اللہ خیرآبادی متوفی ۱۱۷۵ھ سے تکمیل کی دہلی جاکر بحث و تحقیق اور علمی انہماک جاری رہا یہاں تک کہ اپنے زمانے کے یکتا مانے گئے دہلی میں درس و افادہ کی مجلس قائم کی اور طویل مدت تک وہیں درس دیتے رہے۔ تصنیفات میں سلم العلوم کی شرح اور زواہد ثلثہ (میرزاہد رسالہ، میرزاہد ملا جلال اور میرزاہد امور عامہ شرح مواقف) پر حواشی ہیں۔ ۱۱۶۲۔ میں اپنے وطن گوپامؤ میں وفات پائی اور وہیں دادا کے مدرسے میں مدفون ہوئے۔

۹۶۔ قاضی محب اللہ بن عبدالشکور بہاری۔ ذکاوت و فطانت میں شہرہ آفاق تھے۔ بہار کے قصبے کڑا میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو نما پائی۔ ملک خاندان سے تعلق تھا۔ کچھ درسیات قطب الدین سہالوی سے پڑھے اور زیادہ تر کی تکمیل قطب الدین شمس آبادی متوفی ۱۱۲۱ھ سے کی دکن شاہی لشکر میں پہنچے تو عالمگیر نے لکھنؤ کی قضا کے لیے نامزد کر دیا، پھر حیدرآباد بلا کر قضا سے سبکدوش کر کے اپنے پوتے رفیع الدین بن شاہ عالم متوفی ۱۱۴۲ھ کا معلم مقرر کر دیا۔ شاہ عالم کابل کا حاکم ہوا تو اپنے لڑکے رفیع القدر کے ساتھ انہیں بھی کابل لے گیا۔ اور جب بادشاہ ہوا تو انہیں صدارت عظمیٰ کے عہدے پر مقرر کیا اور فاضل خاں کے خطاب سے نوازا۔ سلم العلوم، منطق میں، مسلم الثبوت، اصول فقہ میں، الجواہر الفرد فی بحث الجزء الذی لا یتجزیٰ، فلسفے میں ان کی مشہور اور متداول تصنیفات میں سے ہیں، رسالہ فی المغالطات العامۃ الورود اور ایک دوسرا رسالہ اس بیان میں کہ حنفی مسلک شافعی مسلک کی نسبت سے رائے و قیاس سے زیادہ بعید ہے، ان کی تصنیف ہے۔ ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی۔

۹۷۔ محمد اعلم بن محمد شاکر سندیلوی۔ منطق و فلسفہ میں اپنے عہد کے نمایاں ترین فضلا میں تھے۔

سندیلہ مولد و منشا تھا۔ کمال الدین فتحپوری سے تلمذ تھا میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ محمد اعلم کے توسط سے ان کا سلسلہ تلمذ بحرالعلوم مولانا عبد العلی تک پہنچتا ہے۔ یہ روایت جو ان کو اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے اس کے غلط ہونے کی وجہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ملا اعلم سندیلی نے کمال الدین کے ساتھ ساتھ بحرالعلوم سے بھی فیض اٹھایا ہو۔ ملا محمد اعلم نے درس سے فراغت اور مطالعہ کتب اور بحث و تحقیق وتدقیق سے منطق وفلسفہ کی تکمیل کے بعد تحصیل معاش کے لیے دہلی کا سفر کیا اور کافی جدوجہد کی لیکن مایوس ہوکر واپس آگئے اور خدا پر توکل کرکے خیرآباد میں درس شروع کردیا اور ایک زمانے تک وہاں رہے اور پھر سندیلہ آگئے اور گھر میں یکسو ہوکر بیٹھ گئے اور سلسلہ درس شروع کردیا اور اسی میں عمر گذار دی۔ ان کے مشہور اور صاحب درس شاگردوں میں ان کے بھانجے مفتی عبدالواجد خیرآبادی متوفی ۱۲۱۶ھ ہیں۔ ملا محمد اعلم نے آخر عمر میں اپنی بہت سی تصنیفات کو خود تلف کردیا اور صرف وہی رہ گئیں جو لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھیں۔ مثلاً صدرا کی شرح ہدایۃ الحکمۃ کا حاشیہ، شمس الدین محمد بن محمد سیاسی کے دائرۃ الاصول کا حاشیہ یا مبحث تشکیک پر رسالہ اور رسالہ قسط اللبیب و حظ الحبیب۔ ۱۱۹۸ھ میں سندیلہ میں وفات پائی۔

۹۸۔ مفتی محمد اکبر بن محمد شریف دہلوی۔ علوم حکمیہ میں اپنے زمانے کے نمایاں حکما میں تھے۔ احمدآباد گجرات میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے۔ اور افتا کی مصروفیتوں کے باوجود درس و افادہ بھی جاری تھا۔ میرزاہد حاشیہ شرح مواقف پر حاشیہ ان کی تصنیف ہے۔

۹۹۔ محمد امین کشمیری کشمیر کے اکابر علما میں شمار ہوتے تھے۔ قاضی ابوالقاسم کشمیری اور ان کے والد جمال الدین کشمیری سے درسیات کی تکمیل کی اور پھر مسند درس پر بیٹھ گئے اور درس و افادہ میں زندگی گذار دی درسیات پر حواشی لکھے۔ ۱۱۰۹ھ میں کشمیر میں وفات پائی۔

۱۰۰۔ محمد باقر بن محمد علی بیجاپوری۔ مسلکاً شیعہ تھے۔ دادا مدینہ منورہ سے بیجاپور آئے اور یہیں رہ پڑے تحصیل علم کے بعد عالمگیر کے حضور میں پہنچ گئے اور ایک بڑے منصب پر فائز ہوئے اور ایک مدت تک خدمات جلیلہ انجام دیتے رہے اور پھر سب چھوڑ کر اورنگ آباد میں گوشہ نشیں ہوگئے۔ علم کلام میں شیعی اصول پنجگانہ پر تلخیص المرام یا روضۃ الانوار کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ ۱۱۲۸ھ میں اورنگ آباد میں وفات پائی۔

۱۰۱۔ محمد برکت بن عبدالرحمان الہ آبادی۔ بڑے پائے کے علما میں شمار ہے۔ کمال الدین فتحپوری

سے درسیات کی تکمیل کی فنون حکمیہ میں اپنے زمانے میں یکتا سمجھے جاتے تھے خصوصاً ریاضی میں۔ درس و افادہ طلبہ میں ساری زندگی گزاردی اور بڑے بڑے علما ان کے فیض درس سے نکلے۔ دوانی کی شرح عقائد عضدیہ پر حاشیہ لکھا۔ میرزاہد رسالہ اور میرزاہد امور عامہ پر بھی حواشی ہیں۔

۱۰۲ قاضی محمد پناہ جونپوری۔ اپنے عہد کے اکابر علما میں سے تھے۔ جونپور مولد و منشا ہے۔ پہلے مقامی علما سے پڑھا اور دہلی جاکر تاج محمود دہلوی متوفی ۱۱۵۵ھ سے تکمیل کی منقول و معقول میں معاصرین میں بڑے پائے کے علماء میں تھے۔ علما بحث اور مناظرہ میں انہیں ہی آگے رکھتے تھے نادرشاہ (۱۱۴۹-۱۱۵۹ھ) نے انہیں مستعدخاں کے خطاب سے نوازا اور محمدشاہ (۱۱۳۱-۱۱۶۱ا) نے جونپور کی قضا کا عہدہ عنایت کیا۔ چنانچہ جونپور آکر تاحیات اس عہدے پر فائز رہے۔ حمل مرکب واسطہ کی تحقیق میں ان کا رسالہ ہے۔

۱۰۳۔ محمد حسن بن غلام مصطفیٰ انصاری سہالوی رامپوری۔ ذکاوت، حفظ نکتہ رسی اور استحضار میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ کا فرنگی محل مولد منشا تھا۔ کچھ درسیات اپنے ماموں کمال الدین فتحپوری سے اور زیادہ تر اپنے والد کے چچا نظام الدین سہالوی سے پڑھے اور تکمیل کی اور فرنگی محل میں درس شروع کردیا جو بیس سال جاری رہا۔ شیعہ سنی فتنے میں لکھنؤ چھوڑنا پڑا شاہجہاں پور گئے وار وہاں سے نواب ضابطہ خاں بن نجیب الدولہ متوفی ۱۲۰۰ھ کے پاس پہنچ گئے اور ان کے مدرسے میں درسی خدمات انجام دینے لگے۔ نواب ضابطہ خاں کی حکومت کے زوال کے بعد مستقل طور پر رامپور میں سکونت اختیار کرلی۔ نواب فیض اللہ خاں (۱۱۸۸-۱۲۰۸ا) نے بڑی قدرومنزلت سے اپنے مدرسے (بعد کا مدرسہ عالیہ) کی تدریسی خدمات سپرد کردیں۔ ان کی تصنیفات میں سلم العلوم کی شرح خاص طور پر مشہور ہے اور درسی کتب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ قاضی محب اللہ کی مسلم الثبوت کی مبادی الاحکام تک شرح لکھی ملاصدرا کی ہدایۃ الحکمہ پر، شمس بازغہ پر اور زواہد ثلثہ پر حواشی لکھے۔ معارج العلوم کے نام سے منطق میں رسالہ لکھا۔ اور طبیعیات کے مبحث، مالیم الاجسام پر غایۃ العلوم کے نام سے رسالہ لکھا۔ ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی اور رامپور میں محلہ مدرسہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی رامپوری بیوی کے بطن سے ان کے اخلاف رامپور میں موجود ہیں لیکن ان کا علم سے کوئی تعلق نہیں

۱۰۴۔ محمد حسین بن خلیل اللہ بیجاپوری۔ بیجاپور کے اکابر علما میں سے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ شیخ محمد زبیدی بیجاپوری متوفی ۱۰۸۸ھ سے تحصیل علم کی۔ گلبرگہ گئے تو عالمگیر نے بیدر میں محمود گاواں

شہید ۸۸۶ھ کے مدرسے میں تدریس سپرد کردی، چنانچہ ساری عمر وہیں درس دیا۔ علوم عقلیہ سے متعلق ان کی تصنیفات سے تلخیص الفنون الریاضیہ اور شرح مواقف، شرح مقاصد، دوانی کی شرح عقائد عضدیہ اور تفتازانی کی شرح عقائد نسفی کے قصات ہیں۔ وحدۃ الوجود پر بھی ایک رسالہ ہے۔ ۱۱۸۸ھ میں مدرسے کی مسجد میں تراویح پڑھ رہے تھے کہ بجلی گرنے سے انتقال ہوا۔

۱۰۵۔ قاضی محمد زاہد بن قاضی محمد اسلم ہراتی معروف بہ میرزاہد۔ ہندستان کے مشاہیر فضلا میں اور ذکاوت و فطانت میں یکتائے روزگار تھے۔ ہندستان مولد و منشا تھا۔ اپنے والد قاضی محمد اسلم متوفی ۱۰۶۱ھ اور مرزا محمد فاضل بدخشی متوفی ۱۰۵۰ھ سے تحصیل علوم کی تیرہ سال کی عمر تھی کہ تدریس و افتا کی اہلیت پیدا کرلی۔ زود فہمی، قوت حفظ اور سرعت ادراک میں ان کی نظیر نہ تھی۔ منطق وفلسفہ ان کے خصوصی مضمون تھے جن میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ شاہجہاں نے انھیں کابل کی سوانح نگاری کا عہدہ دیا اور ایک زمانے تک سوانح نگاری کی خدمت انجام دیتے رہے۔ عالمگیر نے اپنے لشکر کا محتسب مقرر کردیا اور یہ اکبرآباد آگئے اور اپنے عہدے کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ درس کا سلسلہ بھی جاری کردیا۔ کچھ زمانے کے بعد سبکدوش ہوگئے اور کابل کی صدارت کے لیے نامزد کردیئے گئے۔ اور کابل آگئے۔ یہاں بھی صدارت کی ذمہ داریوں کے ساتھ درس وافادہ جاری رہا۔ تصنیفات میں قطب الدین رازی کے رسالہ قطبیہ، دوانی کی شرح تہذیب اور میر سید شریف کی شرح مواقف پر حواشی ہیں۔ جنھیں ہمارے اساتذہ زواہد ثلثہ کہتے تھے اور نصاب درس میں شامل تھے۔ شرح تجرید اور شیخ شہاب الدین مقتول ۵۸۷ھ کی ہیاکل النور کی دوانی کی شرح پر بھی حواشی ہیں۔ ۱۱۰۱ھ میں کابل میں وفات ہوئی۔

۱۰۶۔ محمد شاکر بن عصمۃ اللہ عمری لکھنوی۔ مشاہیر علما میں سے تھے اپنے والد قاضی عصمۃ اللہ متوفی ۱۱۱۳ھ اور دادا عبدالقادر متوفی ۱۰۷۳ھ اور مفتی وجیہ الدین گوپاموی اور پیر محمد لکھنوی سے تحصیل علوم کی اور انیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے اور درس وافادہ کے لیے بیٹھ گئے۔ منطق میں تہذیب المنطق کی شرح لکھی۔ ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی۔

۱۰۷۔ محمد شجاع بن معزالدین جنگالی۔ محمد برکت اللہ الہ آبادی اور قاضی محمد پناہ جونپوری کے شاگرد تھے۔ علم کلام میں ان کا ایک رسالہ ہے جو ۱۱۸۱ھ کا بخط مصنف مکتوبہ ہے۔

۱۰۸۔ محمد صالح بنگالی فقہ واصول اور منطق وحکمت اور کلام میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ درسیات

قاضی شہاب الدین گوپاموی متوفی چھترے لعد ۱۱۱۲ھ سے پڑھیں اور پھر زاہد کی شاگردی اختیار کرلی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے اور پھر درس و افادہ میں زندگی گزاردی۔

۱۰۹۔ محمد صالح خیرآبادی ۔ خیرآباد مولد منشا تھا ۔ اپنے زمانے کے اکابر علما میں شمار تھا ۔ قاضی عبدالرحیم مرادآبادی سے تکمیل کی اوردرس و افادہ میں مشغول ہوگئے ۔ ان کی تصنیفات میں تہذیب الکلام کی شرح ہے ۔ ۱۱۴۷ھ میں دہلی میں وفات پائی اور اپنے وطن خیرآباد میں دفن ہوئے ۔

۱۱۰۔ محمد طاہر بن محمد یحیٰ عباسی الہ آبادی ۔ مفتی جاراللہ الہ آبادی سے تکمیل درسیات کی اور پھر درس افادہ میں معروف ہوگئے ۔ حفظ و استحضاراور ذہانت میں جوہر روزگار تھے ۔ تصنیفات میں بیضاوی پر حواشی ہیں ۔ ابن عربی کی فصوص کی شرح اور متعدد کتابیں ہیں ۔ ۱۱۴۲ھ میں تیھتیس سال کی عمر میں وفات پائی ۔

۱۱۱۔ محمد عظیم بن کفایت اللہ فاروقی گوپاموی ، ملانوی ۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا ۔ گوپامئو مولد و منشا تھا ۔ منطق وفلسفہ میں قطب الدین گوپاموی متوفی ۱۱۶۰ھ اور محمد عوض خیرآبادی کے شاگرد تھے ۔ درس وافادہ شغل تھا ۔ اپنے پیچھے بہت سی تصانیف چھوڑیں جن میں سے سلم العلوم کی شرح ، ملاصدرا کی شرح ہدایۃ الحکمہ پر حواشی اورزواہد ثلثہ پر حواشی ہیں ۔

۱۱۲۔ محمد علی جونپوری ڈھاکہ مولد و منشا تھا۔ ابتدائی تعلیم وہیں کے اساتذہ سے حاصل کی پھر دہلی میں وہاں کے اساتذہ سے تکمیل کی اور درس و افادہ میں مشغول ہوگئے ۔ منطق میں کئی کتابیں لکھیں جن میں مشہور ترین سلم العوم کی شرح معراج المفہوم ہے ۔

۱۱۳۔ محمد عوض خیرآبادی منطق وحکمت کے نمایاں علما میں تھے ۔ خیرآباد میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی ۔ گوپامئو میں وہاں کے اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی اور وہیں سکونت اختیار کرکے درس وتدریس میں معروف ہوگئے ۔ متعدد درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں ۔

۱۱۴۔ محمد قائم بن شاہ امیرالہ آبادی ۔ منطق وفلسفہ کے مشہور اساتذہ میں سے تھے ۔ قطب الدین رازی کی شرح شمسیہ کے تخلطات کی تشریح پر رسالہ ہے ۔ اس رسالہ کے خاتمہ میں مصنف نے اپنی دوسری تصنیفات کو بیان کیا ہے جن میں تہذیب کے ضابطے کی شرح ہے ۔ قضایا منطقیہ کے مابین نسبتیں ہیں ۔ شرح چغمنی پر حواشی ہیں میرزاہد ملاجلال اور میرزاہد امور عامہ پر، دوانی کی شرح عقائد پر اور حمداللہ کی شرح سلم پر حواشی ہیں ۔

۱۱۵ - محمد مبین پھلواروی - کچھ کتابیں اپنے وطن میں پڑھیں۔ پھر وطن سے نکل کر مولانا جلانی اینٹھوی مانڈوی متوفی ۱۱۹۰ھ سے تکمیل کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہے اور وطن آکر تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۱۹۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۱۶- محمد محسن کشمیری معروف بہ ملاکشو - اپنے عہد کے اکابر علما میں شمار تھا۔ تحقیق و تدقیق میں اپنے زمانے میں منفرد تھے۔ محمد امین کشمیری متوفی قریب ۱۱۸۰ھ اور دوسرے اکابر سے درسیات کی تکمیل کی۔ متعدد تصنیفات چھوڑیں جنمیں سے عقائد عضدیہ کی دوانی کی شرح پر المواہب العلیا کے نام سے حاشیہ لکھا ہے۔ ۱۱۱۹ھ میں وافت پائی۔

۱۱۷- محمد محسن بن عبدالرحمان صدیقی گجراتی احمدآبادی منطق و حکمت میں ان کا خاص درجہ تھا۔ مفتی محمد اکبر دہلوی سے تکمیل کی اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہ کر استفادہ کیا۔ پھر اپنا سلسلہ درس شروع کردیا۔ ان کے درس سے بڑے بڑے نامی علما نکلے۔

۱۱۸ - نواب محمد محفوظ بن انوار الدین فاروقی گوپاموی، مخاطب بہ شہامت جنگ معقول ومنقول دونوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ہمت سخی، شجاع، ایثار پیشہ امیر تھے۔ درس و افادہ میں غیر معمولی انہماک تھا۔ دوانی کے حواشی قدیمہ پر انکا حاشیہ تھا۔ ۱۱۹۳ھ میں وفات پائی۔

۱۱۹ - محمد وارث بن عنایت اللہ بنارسی - بنارس مولد و منشا تھا۔ یہ دو واسطہ میر زاہد کے شاگرد ہیں ملا جلال کی شرح تہذیب پر میرزاہد کے حواشی پر ان کا حاشیہ ہے۔ ۱۱۶۶ھ میں وفات پائی۔

۱۲۰ - قاضی محمد ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ سہالوی فرنگی محلی - اپنے ماموں کمال الدین فتحپوری اور نظام الدین سہالوی سے تکمیل علوم کی اور باپ کے بعد مادہ کے قضا کے عہدے پر فائز ہوئے اور ایک زمانے تک اس عہدے کے فرائض ادا کئے اور پھر اس سے الگ ہوگئے اور گھر بیٹھ گئے۔ اور درس وافادہ میں مشغول ہوگئے۔ مصنفات میں سلم العلوم کی شرح میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملا جلال پر اور دوسری کتابوں پر حواشی ہیں۔ ۱۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

۱۲۱ - معتمدالملک محمد ہاشم بن ہادی شیرازی، مخاطب بہ علوی خاں، فن طب میں یگانہ روزگار تھے۔ عالمگیر کے حضور پہنچے، اس نے خلعت عنایت کیا اور اپنے بیٹے محمد اعظم کے مقربین میں شامل کردیا

محمد اعظم کے قتل کے بعد شاہ عالم (۱۱۱۸-۱۱۲۴) کے مقربین میں شامل ہوگئے اس نے علوی خاں کا خطاب دیا اور مصاحب بنالیا برابر اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے رہے پھر محمد شاہ کے مقربین میں شامل ہوگئے ۔ اس نے معتمد الملک کا خطاب اور تین ہزاری کا منصب دیا ۔ ان کی طب، ہیئت، ہندسہ میں کثیر تصانیف ہیں، حکمۃ میں میبذی کی شرح ہدایۃ الحکمہ پر حاشیہ ہے ۔ ۱۱۶۰ھ میں دہلی میں وفات پائی ۔

۱۲۲ ۔ محمود رامپوری ۔ محمد برکت اللہ الہ بادی کے شاگرد تھے ۔ علوم حکمیہ میں بہت نمایاں شخصیت تھی رامپور میں نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں ان کے درس کی شہرت تھی ۔ ایک مدت تک فرخ آباد میں رہے تھے ۔ پھر رام پور آگئے ۔ اور یہیں انتقال ہوا ۔

۱۲۳ ۔ قاضی مربی ترمذی پہانوی ۔ قصبہ پہانی مولد و منشا تھا ۔ مختلف شہروں میں تحصیل علم کی ۔ آخر میں قطب الدین شمس آبادی کے پاس آگئے اور ان کی خدمت میں تکمیل کی ۔ اور فرخ آباد میں قاضی مقرر ہوگئے ۔ سلم العلوم کی شرح اور میر زاہد رسالہ پر حواشی لکھے ۔

۱۲۴ ۔ نظام الدین بن قطب الدین سہالوی ۔ علمائے ہند کے تمام سلسلے علوم عقلیہ میں ان پر منتہی ہوتے ہیں ۔ علماء میں یگانہ روزگار تھے ۔ منطق و حکمت اور اصول وکلام میں اپنے عہد میں فرد تھے سہالی میں پیدا ہوئے ۔ ملا قطب الدین سہالی کے قتل اور گھر بار لٹ جانے کے بعد عالمگیر نے لکھنؤ کا فرنگی محل ان کو اور ان کے خاندان کو عطا کیا تو لکھنؤ کے فرنگی محل میں آباد ہوگئے ۔ اکثر درسیات ملا علی قلی جائسی سے پڑھے ۔ پھر بنارس جاکر امان اللہ بنارسی کے شاگرد ہوئے پچیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے اور درس شروع کر دیا ۔ اطراف و اکناف سے طلبہ کا ہجوم ہوگیا ۔ ان کا درس پورے ملک میں مقبول ہوگیا اور درس نظامی کے نام سے شہرت پائی ۔ کثیر تصنیفات انکی یادگار ہیں ۔ ان کے منجملہ مسلم الثبوت کی دو شرحیں طول اور طویل ہیں، منار الاصول کی شرح، صدرا کی شرح ہدایۃ الحکمہ پر حاشیہ، شمس بازغہ پر حاشیہ، دوانی کی شرح عقائد عضدیہ پر حاشیہ دوانی کے حاشیہ قدیمہ پر حاشیہ وغیرہ شروح و حواشی ہیں ۔ ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی ۔

۱۲۵ ۔ نعمت اللہ بن محمد زاہد بلگرامی ۔ بلگرام مولد منشا ہے ۔ کچھ درسیات اپنے چچا عبد الہادی متوفی ۱۱۳۲ھ سے پڑھے ۔ پھر سہالی جاکر قطب الدین سہالوی کے شاگرد ہوئے اور ان سے تکمیل کی اور اپنے شہر میں درس وافادہ میں مشغول ہوگئے علوم حکمیہ میں معاصرین میں بے نظیر تھے ۔ ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی ۔

۱۲۶ - نورالدین محمد بن صالح احمدآبادی - ہندستان کے مشہور اساتذہ میں سے تھے - درسیات مولانا احمد بن سلیمان گجراتی اور فریدالدین احمدآبادی متوفی ۱۰۹۰ھ سے پڑھے - اپنے زمانے کے یکتا علما میں تھے - شیخ الاسلام خاں اکرم الدین گجراتی ان کے شاگرد نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپئے سے ان کے لیے مدرسہ ہدایت بخش تعمیر کیا اور طلبہ وغیرہ کے مصارف کے لیے مزید وقف قائم کیا - انکے مصنفات میں تفسیر بیضاوی پر حاشیہ ہے، قدیمہ پر الحاشیہ القویمہ کے نام سے حاشیہ ہے - شرح مواقف کا حاشیہ تہذیب المنطق کی شرح ہے - ان کی تصنیفات کی تعداد کم وبیش ڈیڑھ سو تک پہنچتی ہے - ۱۱۵۵ھ میں انتقال ہوا - اپنے مدرسے کے متصل دفن ہوئے -

۱۲۷ - نوراللہ معروف بہ نوربابا لاہوری - اپنے زمانے کے اکابر علما میں سے تھے - کچھ کتابیں عبدالستار کشمیری سے پڑھیں پھر دہلی جاکر حسام الدین محمد، قاضی مستعد خاں (غالباً قاضی محمدشاہ) اور قاضی مبارک کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی - خیالی پر حاشیہ لکھا اور دوسری تصنیفیں کیں - ۱۱۹۵ھ میں انتقال ہوا -

۱۲۸ - امام قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلوی - اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے نہ صرف اپنے ہم عصروں کے لیے بلکہ متقدمین اور متاخرین سب کے لیے - ۱۴ شوال ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ظاہری و باطنی علوم ومعارف کی آغوش میں تربیت پائی - ۱۵ سال کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، صرف ونحو، معانی وبیان اور منطق وحکمت وغیرہ کی درسیات سے فارغ ہوئے اور سب میں مجتہدانہ بصیرت حاصل کی - ۱۱۴۳ھ میں حرمین کی زیارت کے لیے روانہ ہوگئے - مکے اور مدینے کے اکابر محدثین سے کتب حدیث کی سماعت وقرأت کی اور اجازتیں حاصل کرکے ۱۱۴۵ھ میں ہندستان لوٹے اور ساری زندگی خدمت حدیث اور تدریس وتصنیف میں بسر کردی - اللہ نے ان کے سلسلۂ سند کو یہ برکت اور وسعت دی کہ برصغیر ہندستان وپاکستان کا واحد سلسلہ ہوگیا - محرم کی آخری تاریخ ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی - ان کی تصانیف کا تنوع، تکثر، تبحر اور اصالت ان کی معرفت اور بصیرت کی روشن دلیل ہیں - کلام وعقائد میں حسن العقیدہ اور بدور بازغہ لکھیں -

۱۲۹ - وہاج الدین بن قطب الدین فاروقی گوپاموی - گوپامئو میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو نما ہوا - اپنے والد سے کتب درسیہ کی تکمیل کی پھر تدریس میں مشغول ہوگئے - منطق وفلسفہ میں اپنے معاصرین میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے -

تیرہویں صدی

تیرہویں صدی بھی بارہویں صدی کا ہی تسلسل ہے۔ نقد تحقیق اور اصالت فکر کے لحاظ سے مفتی سعداللہ رامپوری مولانا فضل الحق خیرآبادی، مولانا نورالاسلام رامپوری وغیرہ اس صدی کے نمایاں رنگ ہیں۔

۱۳۰ - ابراہیم بن مدین اللہ نگر جلسوی - اپنے عہد کے بڑے علما میں شمار تھا - ابتدائی کتابیں اپنے والد اور دیگر علماء سے پڑھیں پھر رامپور آکر مولانا نورالاسلام، مفتی شرف الدین اور حیدر علی ٹونکی کی شاگردی اختیار کی۔ دہلی میں مفتی صدرالدین دہلوی متوفی ۱۲۸۵ھ سے پڑھا اور وطن آکر درس و افادہ میں معروف ہوگئے۔ اور اٹھارہ سال مدرسہ عالیہ میں درس دیا قطبی پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۲۸۲ھ میں انکا انتقال ہوا۔

۱۳۱ - مفتی ابراہیم بن عمر بنارسی - علوم حکمیہ کے نامی فضلا میں تھے۔ بنارس میں نشو نما ہوا۔ اپنے والد عمر بن غوث بنارسی متوفی ۱۲۲۵ھ اور محمد فائق شاگرد بحرالعلوم فرنگی محلی سے تحصیل کی پھر درس و افادہ میں مشغول ہوگئے۔ شاہان اودھ سے تقرب پیدا کیا اور مفتی مقرر ہوگئے۔ بوعلی سینا کی اشارات پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۲۵۴ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

۱۳۲ - ابوالحسن بن قاضی شاکر منطقی عظیم آبادی نامی علما میں شمار ہوتے تھے۔ منطق میں امام کا درجہ رکھتے تھے۔ اپنے عہد میں انہیں کو علمی ریاست حاصل تھی۔ ایک سو بیس سال سے زیادہ عمر پائی اور درس و افادہ میں عمر گذاردی۔ ۱۲۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۳ - احمد بن محمد سعید رامپوری فقہ واصول کے مشاہیر میں تھے۔ درس وتدریس عمر بھر کا پیشہ تھا منجملہ دیگر تصانیف میں تفتازانی کی تہذیب المنطق کی شرح ہے رامپور میں وفات پائی۔

۱۳۴ - احمد علی بن غلام حسین عباسی چریاکوٹی - فقہ واصول کے نامی علما میں تھے - اپنے وطن میں غلام علی متوفی ۱۲۸۴ھ سے پڑھا رامپور آکر قاری نسیم رامپوری متوفی ۱۲۱۴ھ سے قرات سیکھی - ریاضی میں علام جیلانی رفعت رامپوری شاگرد بحرالعلوم متوفی ۱۲۳۴ھ وغیرہ کے شاگرد ہیں - قال اقول شرح ایساغوجی کا حاشیہ لکھا - سلم العلوم کی شرح بھی کی تھی لیکن پوری نہیں ہوئی - ۱۲۷۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۵ - احمدالدین بن نورحیات بگوی - حدیث وفقہ کے نامی علما میں تھے۔ کتب درسیہ اپنے بھائی محی الدین اور دوسرے علماء سے پڑھیں۔ شاہ اسحاق صاحب دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ سے حدیث میں سند لی پھر پنجاب میں درس و افادہ میں عمر گذاردی - ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہوا۔ مصنفات میں خیالی کا بھی حاشیہ تھا۔

۱۳۶ - احمدی بن وحید الحق پھلواروی - پھلواری مولد و منشا تھا - اپنے والد وحید الحق متوفی ۱۲۰۰یا ۱۲۰۱ھ سے فنون درسیہ کی تکمیل کی اور مسند تدریس پر بیٹھ گئے - پورب کی ریاست علمی کی تاجداری ان کے عہد میں انکے ہی پاس تھی - ان کے مصنفات میں میرزاہد ملاجلال اور میرزاہد امور عامہ پر، شمس بازغہ پر، ملاصدرا کی شرح ہدایۃ الحکمہ پر حواشی ہیں شناہ بالتکریر پر ایک رسالہ ہے۔ ۱۲۵۲ھ میں وفات پائی۔

۱۳۷ - ازہار الحق بن احمد عبدالحق انصاری لکھنوی - فنون حکمیہ کے نامی علما میں تھے - بحرالعلوم کے شاہجہاں پور جانے کے بعد احمد حسین فرنگی محلی اور ملا حسن کی شاگردی اختیار کی پھر شاہجہاں پور جاکر بحرالعلوم سے تکمیل کی اور حافظ الملک حافظ رحمت خاں الشہید ۱۱۸۸ھ کے مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیں ان کی شہادت کے بعد لکھنؤ آگئے اور درس شروع کردیا - بحرالعلوم بہار گئے تو رائے بریلی میں شیخ عدل متوفی ۱۱۹۲ھ کی خانقاہ میں شیخ عدل کے اصحاب کے پاس تھے - بحرالعلوم کے داماد تھے چنانچہ وہ بہار لے گئے - اور صدرالدین بہاری کے مدرسے میں درس دینے لگے - بحرالعلوم کے مدراس جانے کے بعد یہ لکھنؤ آگئے اور ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا -

۱۳۸ - اسداللہ پنجابی - پنجاب کے مشاہیر علما میں تھے - مولانا برکت اللہ الہ آبادی کے شاگرد تھے پنجاب میں ہی ان کا درس تھا، منجملہ دیگر تصانیف کے حمداللہ کی شرح سلم پر حاشیہ ہے اور علم واجب پر مستقل رسالہ ہے -

۱۳۹ - شاہ اسماعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی - ذکاء فطانت، شہامت میں یگانہ روزگار تھے، شیخ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ متوفی ۱۲۳۰ھ کی آغوش تربیت میں بڑھے پلے اور ان سے اور اپنے چچوں شیخ رفیع الدین دہلوی اور شیخ عبدالعزیز سے تحصیل علم کی اور سید احمد شہید ۱۲۴۶ھ کی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور یاغستان کے بالاکوٹ میں ۱۲۴۶ھ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے - منجملہ دیگر تصانیف کے امکان نظیر وامتناع نظیر پر رسالہ ہے - ایک رسالہ منطق میں لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ شکل رابع اجلی بدیہیات میں سے ہے اور شکل اولی سب شکلوں میں اخفی ہے

۱۴۰ - مفتی اسماعیل بن مفتی وجیہ الدین مرادآبادی معروف بہ لندنی - فنون حکمیہ کے مشاہیر فضلاء میں سے تھے - علماء لکھنؤ سے علوم کی تکمیل کی، لکھنؤ کے عدل و قضا کے ایک زمانے تک حاکم رہے پھر نصیر الدین حیدر شاہ اودھ (۱۲۴۳ - ۱۲۵۳ھ) نے بعض سفارتی خدمات کے لیے

انگلستان [illegible]ریت ایک یورپی مس ڈف سے نکاح کرلیا اور ایک زمانے کے بعد وطن کو واپس ہوئے لوگوں نے اختلال عقیدہ کا بھی الزام لگایا ہے ۔ تصانیف میں شرح تہذیب [illegible] بازغہ پر حواشی ہیں ۔ تاج اللغات کی تصنیف میں بھی ان کا خاصا حصہ رہا ہے ۔

۱۳۱ ۔ الہ داد طالب معروف بہ حافظ شبراتی رامپوری ۔ رامپور کے بعض ثقات کے قول کے مطابق یہ ملا حسن کے باندی کے بطن سے بیٹے تھے بچپن میں چیچک سے آنکھیں جاتی رہی تھیں ۔ ملا حسن کے نہایت نامور شاگردوں میں سے تھے نابینائی کی حالت میں تکمیل فنون کی ۔ اور درس دینا شروع کردیا ۔ بعد کے اکابر کے استاذ رہے ۔ علم و ذکا میں اپنے عہد کے مشہور علما میں تھے، شعروشاعری سے بھی دلچسپی تھی اور طالب تخلص کرتے تھے، منطق و حکمت ان کا خصوصی مضمون تھا ۔ ۱۲۷۵ھ میں رامپور میں وفات پائی ۔

۱۳۲ ۔ امام الدین بن شیخ الاسلام کاندھلوی ۔ اپنے زمانے کے یگانہ اذکیا میں تھے ۔ کاندھلہ مولد منشا تھا، اپنے بھائی مفتی الہٰی بخش متوفی ۱۲۴۵ھ سے تحصیل کی اور دہلی جاکر شاہ عبدالعزیز سے سند حدیث حاصل کی ۔ علوم حکمیہ میں نادرہ روزگار تھے متعدد کتب حکمت پر حواشی لکھے ۔ جوانی میں وفات پائی

۱۳۳ ۔ امیر حسن بن لیاقت علی سہسوانی ۔ فضل وکمال میں مشاہیر علما میں شمار تھا ۔ کچھ کتابیں عبدالجلیل کوئلی متوفی ۱۲۷۳ھ سے اور کچھ قاضی بشیرالدین قنوجی سے پڑھیں، تکمیل مفتی سعداللہ رامپوری، شیخ تراب علی لکھنوی اور سراج احمد سنبھلی سے کی ۔ حدیث سید نذیر حسین دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ سے حاصل کی کچھ زمانے اپنے وطن میں درس دیا پھر مرادآباد کے مدرسہ امدادیہ میں پڑھانے لگے ۔ غیر معمولی حافظہ تھا نہایت قانع بزرگ تھے ۔ ۱۲۹۱ھ میں علیگڑھ میں وفات پائی ۔ منجملہ دیگر تصنیفات شیخ کی شفا کے طبیعیات پر حواشی ہیں ۔

۱۳۴ ۔ امین اللہ بن سلیم اللہ انصاری عظیم آبادی ۔ پورب کے مشاہیر میں تھے، منطق و حکمت میں ید طولیٰ حاصل تھا ۔ نگر نہسہ میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی درسیات اپنے والد سلیم اللہ متوفی ۱۱۹۱ھ سے پڑھیں پھر الہ آباد جاکر محمد قائم الہ آبادی سے منطق وفلسفہ کی تحصیل کی ۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ اور

شاہ عبدالعزیز سے حدیث کی سند لی اور پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ میرزاہد رسالہ، میرزاہد امور عامہ اور مسلم الثبوت پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۲۳۲ھ میں کلکتہ میں وفات پائی۔

۱۴۵۔ امین اللہ بن محمد اکبر انصاری لکھنوی۔ لکھنو مولد ومنشا تھا۔ درسیات اپنے چچا مفتی محمد اصغر متوفی ۱۲۵۵ھ اور اپنے نانا مفتی ظہور اللہ سے پڑھے۔ منجملہ دیگر تصانیف تفتازانی کی تہذیب المنطق کے ضابطہ کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۵۳ھ میں انتقال ہوا۔

۱۴۶۔ اولاد حسین شکوہ آبادی۔ شیعی عالم تھے، علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت تھی۔ سید حسین بن سید دلدار علی متوفی ۱۲۷۳ھ کے شاگرد تھے اور ان کی صحبت سے ایک زمانے تک فائدہ اٹھایا تھا، چنانچہ فقہ، اصول وغیرہ فنون میں اپنے رفقا سے بڑھ گئے۔ امور عامہ، اعراض ذاتیہ اور ان کی تعریفات میں النور الربوبیہ، لکھی۔ ۱۲۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۴۷۔ اولاد احمد بن آل احمد سہسوانی۔ مشاہیر علما میں شمار تھا، سہسوان مولد منشا تھا، رامپور میں مفتی شرف الدین کی شاگردی اختیار کی پھر لکھنو میں شیخ تراب علی اور اسماعیل لندنی سے تکمیل کی اور بچپن قرآن مجید حفظ کیا اور درس وافادہ میں معروف ہوگئے، ان کی تصنیفات میں ضابطہ تہذیب کی شرح ہے جو اپنے بھائی سراج احمد متوفی ۱۲۷۹ھ کے لیے لکھی تھی پچاسی سال کی عمر میں ۱۲۸۱ھ میں وفات پائی۔

۱۴۸۔ باب اللہ جونپوری۔ حمداللہ سندیلی کے شاگرد تھے، ذہانت اور دقت نظر معاصرین میں مسلم تھی۔ درس وتدریس کا اچھا ملکہ تھا۔ مستقل تصانیف شرح یا حاشیے کی صورت میں تو نہیں چھوڑیں کچھ متفرق حواشی لکھے ہیں جو مولانا فضل امام خیرآبادی متوفی ۱۲۴۴ھ کی نظر میں خوب ہیں۔ درس وتدریس مشغلہ رہا۔

۱۴۹۔ برہان الدین بن سرفراز علی اعظمی دیوی۔ مشاہیر علما میں شمار تھا، مفتی عبدالسلام دیوی کے اخلاف میں تھے، دیوہ مولد و منشا تھا اپنے چچا ذوالفقار علی دیوی سے تحصیل تمام کی۔ پھر چچا کے ساتھ رائے بریلی شیخ محمد عدل سے بیعت کی اور درس وافادہ کا سلسلہ شروع کردیا۔ شرح تہذیب یزدی کا حاشیہ ان کی تصنیفات میں سے ہے۔

۱۵۰۔ بشیر احمد بن کاظم علی نصیرآبادی۔ منطق و فلسفہ کے نمایاں علما میں تھے۔ نصیرآباد مولد منشا تھا۔ اپنے وطن میں تحصیل علم کی پھر لکھنو جا شیخ تراب علی وغیرہ علما سے تکمیل کی اور درس دیا

شروح [illegible] حافظہ بہت قوی تھا زود فہم تھے - ۱۲۸۷ھ میں انتقال ہوا -

۱۵۱ - قاضی بشیر الدین بن کریم الدین عثمانی قنوجی - اپنے زمانے کے مشاہیر میں شمار تھا - تفضل حسین رائے بریلوی، اپنے والد، محمد حسن بریلوی، مفتی شرف الدین رامپوری کے بھانجے محمد علی، شیخ الہ داد رامپوری وغیرہ سے تحصیل تمام کی - پھر ٹونک میں تدریسی خدمات انجام دیں، مرادآباد، دہلی، علیگڑھ اور کانپور میں بھی درس دیا - بھوپال میں قاضی رہے بعد کے نامور علما ان کے درس سے مستفید ہوئے - حمداللہ کی شرح سلم پر، میرزاہد امور عامہ پر ان کے حواشی ہیں - مسلم الثبوت کی شرح کشف المبہم ان کی مشہور تصنیف ہے - بھوپال میں ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی -

۱۵۲ - مفتی تاج الدین بن غیاث الدین مدراسی مشہور خطاط تھے، شیخ تراب علی لکھنوی عباسی، شیخ حسن علی جونپوری وغیرہ علما سے تحصیل علم کی - پالم کوٹے میں مفتی رہے، پھر بعض دوسرے شہروں میں مفتی مقرر ہوئے - قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ ان کی تصنیفات میں سے ہے -

۱۵۳ - تراب علی بن شجاعت علی، امروہوی لکھنوی - علوم عقلیہ و نقلیہ کے نمایاں علما میں تھے - لکھنؤ مولد و منشا ہے - مولانا مخدوم حسینی متوفی ۱۲۲۹ھ وغیرہ علما سے ابتدائی درسیات پڑھے اور مفتی اسماعیل لندنی اور مفتی ظہور اللہ سے تکمیل کی اور پھر درس وتدریس پر ہمہ تن متوجہ ہوگئے - ان کے مصنفات میں قاضی کی شرح سلم پر تعلیق مرضی کے نام سے حاشیہ اور التعلیق الاحسن کے نام سے ملا حسن کی شرح سلم پر حاشیہ، حمد اللہ کی شرح پر حاشیہ، ملاصدرا کی شرح ہدایۃ الحکمہ پر حاشیہ اور غلام یحیٰی کے میرزاہد رسالے پر الشمس الضحیٰ لازالۃ الدجیٰ کے نام سے حاشیہ اور اس کا تکملہ تکملہ العلیٰ للواء الہدیٰ وغیرہ ہیں - ۱۲۸۱ھ میں محمدآباد میں وفات پائی -

۱۵۴ - تراب علی بن نصرۃ اللہ عباسی خیرآبادی - خیرآباد مولد و منشا تھا، شیخ احمد علی، غلام امام رضوی اور سید عبدالواجد خیرابادی متوفی ۱۲۱۶ھ سے تحصیل کی - کلکتے میں سفارتی خدمات کی وجہ سے ایران کا سفر کیا، پھر مدراس میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہاں سے حج و زیارت کے لیے حرمین کا سفر کیا لوٹتے میں بیمار ہوئے اور سرنگا پٹم میں ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی - منطق میں در منظم کے نام سے کتاب لکھی - کتاب کی تصنیف پر مدراس کے حاکم نے سات ہزار روپے انعام میں دئے -

۱۵۵ - نواب تفضل حسین بن اسد اللہ لاہوری لکھنوی - فنون ریاضیہ میں اپنے عہد کے یگانہ روزگار تھے - سیالکوٹ مولد تھا، دہلی میں محمد وجیہ دہلوی، محمد علی بن خیراللہ مہندس سے فنون حکمیہ وریاضیہ کی تحصیل کی - لکھنؤ میں ملا حسن کی شاگردی اختیار کی اور وہیں درس شروع کیا - نواب شجاع الدولہ نے اپنے لڑکے سعادت علی خاں (۱۲۱۲ - ۱۲۲۸) کا اتالیق مقرر کر دیا اور ان کے ساتھ

گھومتے رہے ۔ بنارس میں ان سے علحدگی اختیار کر کے کلکتہ میں گورنر جنرل کی مصاحبت میں رہے اور وہیں انگریزی لاطینی سیکھی ۔ آصف الدولہ (۱۱۸۸ - ۱۲۱۲) کی کلکتے میں سفارتی خدمات انجام دیں ۔ پھر اس کے وزیر رہے ۔ سعادت علی خاں نے ان کو لکھنؤ سے ہٹانے کے لیے کلکتہ بھیج دیا اور سند سفارت نہیں بھیجی ، وہیں بیمار ہوگئے اور بزازی باغ تک پہنچتے پہنچتے ۱۲۱۵ھ میں انتقال ہوگیا ۔ کثرت درس اور وفورِ علم میں نادرہ روزگار تھے ۔ ساتھ ساتھ مہمات حکومت کی ادائی اور تصنیف و تحشیہ مستزاد ۔ کتب درسیہ پر حاشیے لکھے جو فنون حکمیہ میں ان کے تبحر کی دلیل ہیں ۔

۱۵۶ ۔ حکیم شفاء اللہ بن فیض اللہ ہمدانی ۔ علوم حکمیہ کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور درس وتدریس مشغلہ تھا مدت تک علیگڑھ رہے پھر فرخ آباد آگئے ۔ ۱۲۰۱ھ میں فرخ آباد میں وفات پائی ۔

۱۵۷ ۔ جان علی عظیم آبادی ۔ اپنے وطن کے مشاہیر علما میں تھے ۔ منطق وحکمت میں یدطولیٰ تھا۔ ساری زندگی درس وافادہ میں گذاردی ۔ ۱۲۷۶ھ میں گیا میں انتقال ہوا ۔

۱۵۸ ۔ جلال الدین بن کمال الدین نابینا ۔ بچپن میں آنکھیں جاتی رہی تھیں ، اسی حال میں علماء رامپور سے درسیات کی تکمیل ، تمام متعارف فنون میں کامل تھے ۔ خصوصاً علوم حکمیہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے ۔ درس وافادہ ان کی زندگی تھی ۔ ۱۲۴۰ھ تک حیات تھے ۔

۱۵۹ ۔ جمال الدین ٹکاروی عظیم آبادی ۔ منطق وحکمت میں نمایاں درجہ تھا اپنے وطن میں ابتدائی درسیات پڑھے پھر الہ آباد میں مولانا برکت الہ آبادی سے تکمیل کی اور بہت مدت تک ان کی خدمت میں رہے ۔ وہاں سے وطن آکر تدریس میں مشغول ہوگئے ۔ نہایت قانع ، پاکباز اور دین دار تھے ۔ ۱۲۰۱ھ تک حیات تھے ۔

۱۶۰ ۔ جواد ساباط لطفی بن ابراہیم ساباط ، ساباطی ۔ مشہور لوگوں میں شمار تھا ، عرب سے آئے اور ہندستان جابجا سیاحت کرتے پھرے اور ہر جگہ نیا مذہب بناتے ۔ بنارس میں سنی ، ڈھاکہ میں شیعہ ، کلکتہ میں مرتد ، اس کے بعد پھر مسلمان ہوگئے ۔ گویا مسخرگی پیشہ بنا لیا تھا ، ان کی تصنیفات میں مقدمۃ العلوم کے نام سے منطق کی بھی کتاب ہے ۔

۱۶۱ ۔ حامد بن عصمۃ اللہ لاہرپوری ۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی ، ہرگام میں پیدا ہوئے اپنے والد اور غلام نبی ہرگامی ، فضل امام خیرآبادی اور ولی اللہ لکھنوی سے تحصیل کی پھر لاہرپور میں درس شروع کردیا اور سیکڑوں طالبین نے ان سے استفادہ کیا ۔ ۱۲۴۱ھ میں لاہرپور میں انتقال ہوا ۔

۱۶۲ [illegible] شاہجہاں پوری علوم حکمیہ میں اپنے عہد کے مشہور فاضل تھے۔ بحرالعلوم جس زمانے میں شاہجہاں پور تھے وہیں ان سے تحصیل کی تھی۔

۱۶۳ - مرزا حسن علی بن مرزا علی شیعی لکھنوی مخاطب بہ مسیح الدولہ بہادر۔ لکھنؤ مولد و منشا تھا۔ اپنے عہد کے علما سے تحصیل کی۔ شاہی تقرب نے دنیوی وجاہت میں اضافہ کیا۔ علوم حکمیہ میں نامور لوگوں میں تھے۔ مخطوطات و مطبوعات کے جمع کرنے کا شوق تھا۔ لیکن بیٹے کی وفات کے بعد پورا ذخیرہ برباد ہوگیا۔ ۱۲۷۵ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

۱۶۴ - حسن علی بن نوازش علی انصاری ماہل جونپوری - جونپور کے ماہل قصبے میں پیدا ہوئے۔ بغارس محمد عمر بغارسی وغیرہ سے تحصیل کی۔ فنون ریاضیہ کے ماہرین میں گنے جاتے تھے۔ کچھ زمانے کلکتہ میں درس دیا پھر مدراس کے انگریزی مدرسے میں مدرس ہوگئے پھر افتاء کی خدمت متعلق ہوگئی اور آخر تک اسی میں مصروف رہے۔ طبیعیات والہیات میں تبصرۃ الحکمہ کے نام سے کتاب لکھی۔ ۱۲۵۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۶۵ - حسین علی فتحپوری - اپنے عہد کے مشاہیر میں تھے۔ شیخ سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ سے کانپور میں اور پھر رامپور میں مفتی سعد اللہ سے تحصیل علوم کی۔ صدرا کی شرح ہدایۃ الحکمہ پر ان کا حاشیہ ہے۔ ۱۲۸۴ھ میں وفات پائی۔

۱۶۶ - حسین علی اخباری بریلوی - سبحان علی خاں متوفی ۱۲۶۴ھ کے چچازادوں میں تھے۔ جو اخباری شیعوں کے مشہور متکلم تھے۔ میرزاہد رسالہ پر ان کا حاشیہ ہے۔ ۱۲۴۰ھ کے کچھ سالوں کے بعد وفات پائی۔

۱۶۷ - حنیف الدین ڈھمتوری - ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی پھر دہلی میں شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی سے پڑھا۔ شیخ غلام علی دہلوی متوفی ۱۲۴۰ھ سے کسب فیض کیا اور لکھنؤ میں شیخ انوارالحق انصاری متوفی ۱۲۳۶ھ اور ان کے صاحبزادے نورالحق متوفی ۱۲۳۸ھ کی شاگردی اختیار کی پھر جنگل پور میں صدر امین ہوئے پھر دہلی آگئے اور یہاں درس شروع کیا بعد کو مدرسہ عالیہ کلکتہ میں کچھ دنوں مدرس رہے پھر بھاگلپور کے قاضی ہوگئے۔ اور ایک زمانے تک عظیم آباد میں رہے۔ ۱۲۷۹ھ میں انتقال ہوا سلم العلوم کی شرح تنویرالسلم اور عقائد نسفی کی شرح توضیح العقائد ان کی یادگار ہیں

۱۶۸ - حیدر علی بن حمداللہ سندیلی - مشاہیر علما میں سے تھے۔ سندیلہ مولد منشا تھا۔ اپنے والد اور

قاضی احمد علی سندیلوی متوفی ۱۲۳۱ھ اور بابِ اللہ جونپوری سے درسیات پڑھے اور درس افادہ کی مجلس سنبھالی۔ ۱۲۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ مصنفات میں والد کی شرح سلم کا تکملہ اور ان کی شرح پر حاشیہ اور میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملا جلال پر حاشیہ ہیں۔

۱۶۹۔ حیدر بن مبین انصاری لکھنوی۔ لکھنؤ مولد منشا تھا۔ اپنے والد ملا مبین انصاری لکھنوی سے کسب علم کیا اور مسند درس پر بیٹھ گئے۔ نواب سعادت علی خاں (۱۲۱۲-۱۲۲۹ھ) تین روپے روزینہ مقرر کیا، نواب سعادت علی خاں کے بعد مذہبی مناقشے کے نتیجے میں لکھنؤ چھوڑ کر کلکتہ آگئے۔ پھر مکہ معظمہ جاکر سید یوسف اہدل یمنی اور عمر بن عبدالرسول مکی سے حدیث پڑھی۔ مدینہ منورہ جاکر شیخ عبدالحفیظ عجیمی کی اور محمد عابد سندھی متوفی ۱۲۵۷ھ سے حدیث کی اجازت لی۔ اثنائے سفر میں قرآن مجید یاد کرلیا تھا کہ معظمہ جاکر مسجد حرام میں تراویح میں سنایا۔ واپسی میں ان کا جہاز غرق ہوگیا اور سب سامان اور کتابیں جو ساتھ لا رہے تھے غرق ہوگئیں۔ یہ بچ گئے دوسرے جہاز سے بمبئی آئے اور وہیں شمس الامراء حیدرآبادی متوفی ۱۲۷۴ھ سے ملاقات ہوگئی وہ حیدرآباد لے آئے نظام حیدرآباد نے ہزار روپیہ مقرر کردیا۔ ۱۲۵۶ھ میں حیدرآباد میں انتقال ہوا۔ منطق میں ایک رسالہ اور متعدد کتابوں پر حواشی لکھے۔

۱۷۰۔ حیدر علی بن عنایت علی ٹونکی۔ دہلی مولد و منشا تھا کم سنی میں رامپور آگئے شیخ غلام جیلانی رامپوری متوفی ۱۲۳۴ھ اور عبدالرحمان کوہستانی رامپوری سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ کچھ دنوں رستم علی جونپوری سے پڑھا اور لکھنؤ جاکر ملا مبین کے شاگرد ہوئے۔ پھر دہلی میں شیخ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شیخ عبدالعزیز دہلوی سے حدیث حاصل کی۔ حکیم شریف خاں دہلوی سے طب پڑھی۔ نہایت ذکی تھے کتاب و سنت اور اختلاف فقہا کے ماہر اور علوم حکمیہ میں بے پایاں سمندر تھے۔ رامپور میں نکاح کیا اور وہیں رہ پڑے اور کچھ دنوں قیام کے بعد ٹونک آگئے نواب وزیر الدولہ (۱۲۵۰-۱۲۸۱ھ) نے مہمات ریاست ان کے سپرد کردیں اور خود درس و افادہ میں مشغول ہوگئے۔ ۱۲۷۳ھ میں ٹونک میں انتقال ہوا۔

۱۷۱۔ خادم احمد بن حیدر انصاری لکھنوی۔ لکھنؤ مولد و منشا تھا اپنے چچا معین الدین متوفی ۱۲۵۰ھ سے تحصیل کی اور سند فراغ لی۔ ۱۲۷۱ھ میں انتقال ہوا، بہت سے رسائل و حواشی یادگار ہیں، منطق میں ملا حسن کی شرح سلم پر بھی حاشیہ ہے۔

۱۷۲ - قاضی خلیل الرحمان بن ملا عرفان راسپوری - فقہ و اصول میں نمایاں تھے - رامپور مولد و منشا تھا ۔ اپنے باپ ملا عرفان رامپوری متوفی قبل ۱۲۱۲ھ مفتی شرف الدین رامپوری اور ملا حسن فرنگی محلی سے علوم متداولہ حاصل کیے ۔ ٹونک میں عہدۂ قضاء سنبھالا ۔ وہاں سے حج کے لیے گئے اور آکر جاورہ رہنا شروع کیا - ان کی تصنیفات میں معار الاصول کی اشرح ملا اثر میرزاہد رسالہ ، میرزاہد امورعامہ اور حاشیہ غلام یحیٰ پر حواشی ہیں -

۱۷۳ - سید دلدار علی بن محمد معین نصیرآبادی - شیعی علما میں پہلے عالم ہیں جنھوں نے اجتہاد کا دعویٰ کیا اور جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کیں - الہ آباد جاکر اکثر درسی کتابیں شیخ غلام حسین دکھنی الہ آبادی سے اور سندیلہ میں حیدر علی بن حمداللہ سندیلی اور باب اللہ جونپوری سے پڑھیں - پھر عراق جاکر باقر محمد بہبانی متوفی قریب ۱۲۰۸ھ و علی محمد طباطبائی متوفی ۱۲۰۱ھ سے اور حدیث کی کتابیں مہدی بن ابی قاسم شہرستانی سے پڑھیں - مہدی بن مرتضیٰ طباطبائی نجفی کے سفروں میں ساتھ رہے اور ان سے فیضیاب ہوئے پھر مشہد میں مہدی بن ہدایت اللہ موسوی اصفہانی کے ساتھ رہے اور ان سے اجازت اجتہاد حاصل کرکے وطن آکر کچھ دنوں نصیرآباد رہے پھر لکھنؤ آگئے اور آخر تک وہیں عزت واحترام سے رہے - ۱۲۳۵ھ میں انتقال ہوا - ان کی کثیر چھوٹی بڑی تصانیف ہیں ، ان میں کلام میں عمادالاسلام ، پانچ جلدوں میں ہے - اصول فقہ میں منتہی الافکار ، شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر اوائل عمر میں لکھا ہوا حاشیہ ہے -

۱۷۴ - حکیم ذکاءاللہ بن اسحاق اکبرآبادی - علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے - اکبرآباد مولد و منشا ہے - اساتذہ عصر سے علوم کی تحصیل کی دولت راؤ سندھیا مہاراجہ گوالیار (۱۲۰۸ - ۱۲۴۳) سے تقرب ہوا ، اس نے اپنا طبیب خاص مقرر کیا طب میں قرابادین ذکائی ان کی مشہور تصنیف ہے - اکبرآباد میں ۱۲۰۹ھ میں انتقال ہوا -

۱۷۵ - حکیم ذوالفقار علی بن عبدالشافی ڈھاکوی ، فنون حکمیہ میں اپنے عہد کی نمایاں شخصیت تھی -

۱۷۶ - سید رستم علی بن سید اسماعیل رامپوری - اکثر کتابیں مولوی نور عالم رامپوری اور مولوی امام بخش رامپوری سے پڑھیں ، معقولات کی تکمیل بحرالعلم وغیرہ علما سے کی ، بہایت متقی اور مرتاض بزرگ تھے ، درس و افادہ میں عمر گذاردی - طلبہ کو انفرادی طور سے پڑھاتے تھے - ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی - تصانیف میں حاشیہ بر میرزاہد رسالہ اور اس حاشیہ پر حواشی مع تقاریر سح ہیں ، اسماعیل لندنی

سے مباحثہ ہے ۔ رسالہ فی بیان بعض المغالطات الدائرة علی شکل الاول واجو ہتا اور صدرا پر حاشیہ ہے۔

۱۷۷ ۔ رضی الدین بن فرحت اللہ اتھکوی الہ آبادی ۔ منطق و حکمت میں نمایاں لوگوں میں تھے ۔ الہ آباد مولد منشا تھا ۔ اپنے چچا مولانا برکت الہ آبادی سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے اور الہ آباد میں ہی درس و افادہ کے لیے بیٹھ گئے ۔

۱۷۸ ۔ رفیع الدین بن شیخ ولی اللہ دہلوی ۔ مشہور محدث و متکلم ہیں ۔ اپنے زمانے کے یگانہ علما میں تھے ۔ دہلی مولد و منشا ہے ۔ اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے ۔ شاہ عبدالعزیز کی آنکھیں جاتی رہیں تو ان کی مجلس میں نیابت کی ۔ ہر طرف سے طلبہ آنے لگے اور بقدر استعداد مستفید ہوئے ۔ ان کی تصنیفات میں اسرار المحبۃ ، رسالہ فی اثبات شق القمر، رسالہ فی برہان التمانع، رسالہ فی المنطق ، رسالہ فی الاموالعامۃ اور میرزاہد رسالہ پر حاشیہ ہے ، ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی ۔

۱۷۹ ۔ سخاوت علی بن رعایت علی جونپوری ۔ جونپور کے مشاہیر علما میں تھے ، درسیات میں مختصرات مولانا قدرت علی ردولوی ، احمداللہ انامی اور احمداللہ چریاکوٹی سے پڑھیں اور مطولات شاہ اسماعیل دہلوی اور شیخ عبدالحق بڈھانوی متوفی ۱۲۴۳ھ سے پڑھیں پھر مجلس درس میں بیٹھ گئے ۔ اسلم کے نام سے منطق میں ایک رسالہ تصنیف کیا ۔ ۱۲۷۴ھ کے بعد مکہ معظمہ میں وفات پائی ۔

۱۸۰ ۔ سدیدالدین بن رشیدالدین دہلوی رامپوری ۔ منطق و حکمت کے ماہرین میں شمار تھا ، دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو نما پائی ۔ کچھ درسیات اپنے والد رشید الدین متوفی ۱۲۴۳ھ سے اور زیادہ مولانا مملوک علی نانوتوی سے پڑھے اور درس و افادہ میں مشغول ہوگئے ۔ آخر میں نواب کلب علی خاں والی رامپور (۱۲۸۲-۱۳۰۴) نے بلاکر مفتی عدالت کردیا اور رام پور رہ پڑے ۔

۱۸۱ ۔ سدیدالدین بن طاہر شاہجہاں پوری ۔ علوم میں نمایاں درجہ تھا ۔ شاہجہاں پور مولد منشا تھا ۔ شجاع الدولہ (۱۱۶۷-۱۱۸۸) نے بلاکر سعادت علی خاں (۱۲۱۲-۱۲۲۹) کی تعلیم پر مقرر کردیا ۔ بہلت ذکی اور مدبر تھے ۔

۱۸۲ ۔ سراج الدین بجنوری لکھنوی ۔ منطق و حکمت کے نمایاں علما میں تھے ، مولانا فضل حق خیرآبادی اور مرزا حسن علی متوفی ۱۲۵۵ھ وغیرہ علما سے درسیات پڑھی ہیں اور ایک مدت تک لکھنؤ میں

درس دیا۔ تصنیفات میں امکان نظیر اور امتناع نظیر پر رسالہ ہے جس میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے رسالے امتناع نظیر کی تردید کی ہے۔

۱۸۳۔ مفتی سعد اللہ بن نظام الدین مراد آبادی رامپوری۔ جامعیت میں یگانہ روزگار تھے۔ پہلے رامپور میں وہاں کے علما سے مختصرات کا درس لیا۔ نجیب آباد جاکر عبدالرحمان کوہستانی سے پڑھا۔ دہلی جاکر مولانا شیر محمد قندھاری متوفی ۱۲۵۷ھ، محمد حیات لاری سے، منطق صدرالدین متوفی ۱۲۸۵ھ سے لکھنؤ کے اساتذہ میں مولانا اشرف متوفی ۱۲۲۴ھ، مفتی اسماعیل، مرزا حسن علی متوفی ۱۲۵۵ھ اور مفتی ظہور اللہ سے تکمیل درس کی اور مدرسہ سلطانیہ میں استاذ مقرر ہوگئے پھر ناظر تالیفات ہوئے اور انیس سال اسی خدمت پر رہے۔ اجدھیا کے قضیے میں لکھنؤ سے فرار ہوکر رامپور آئے اور رامپور میں مفتی عدالت مقرر ہوئے۔ اور آخر حیات تک فائز رہے۔ آخر کا واقعہ ہے کہ نواب کلب خاں نے بلاکر ایک مقدمے کے بارے میں مولانا کی عدالت میں تھا ایک فریق کے حق میں واقعہ پر روشنی ڈالی اور اس فریق کے حق میں فیصلہ دینے کا اشارہ کیا۔ مولانا نے کہا مقدمے کا مرافعہ تو آپ کے ہی پاس آئیگا۔ نواب صاحب نے چاہا کہ فیصلہ مفتی صاحب ہی کریں۔ کافی ردوکد ہوئی حتی کہ مولانا نے کہا کہ اجازت دیجئے کہ میں لکھ دوں کہ سرکار کا اس میں یہ فیصلہ ہے۔ نواب صاحب ناراض ہوکر اٹھ گئے۔ مولانا چلے آئے اور دوسرے دن سے عدالت میں جانا چھوڑ دیا۔ گھر پر تو طلبہ کو درس دیتے ہی تھے اتفاقاً درس میں فالج کا دورہ ہوا اور دو تین دن میں ۱۲۹۴ھ میں وفات پائی۔ میرے والد مرحوم حافظ عبدالغفار خاں متوفی ۱۹۴۲ء فرماتے تھے کہ دوسرے دن نواب صاحب تعزیت کے لیے آئے تو میرے سامنے انہوں نے کہا کہ مولانا بہت جلد ہم سے رخصت ہوگئے میں تو انہیں منانے کے لیے آنے والا تھا۔ مولانا کی قریب قریب ہر فن میں تصانیف ہیں۔ منجملہ ان کے قطبی کے خطبے کی شرح ہے۔ تہذیب المنطق کے ضابطے کی شرح، حمداللہ کی شرح سلم پر حاشیہ، رسالہ فی تحقیق علم الواجب، وغیرہ ہیں۔

۱۸۴۔ مفتی سلطان حسن بن احمد حسن عثمانی بریلوی۔ منطق و حکمت میں نمایاں شخصیت تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علما سے درسیات پڑھے، پہلے مفتی اور پھر ترقی کرتے کرتے گورکھپور کے صدر امین مقرر ہوئے۔ عدالتی اور افتا کی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تدریس و تعلیم کا مشغلہ برابر جاری رہتا تھا۔ تصنیفات میں غایۃ التقریب فی ضابطۃ التہذیب ہے جس میں مفتی

سعد اللہ رامپوری، عبدالحکیم لکھنوی فرنگی محلی وغیرہ کی گرفت کی ہے۔ ان کے علاوہ اپنے استاذ مولانا فضل حق خیرآبادی کے دفاع میں کچھ رسائل ہیں۔ ۱۲۹۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۸۵۔ شرف الدین بن ہادی پھلواروی۔ اپنے ماموں محمد حسین پھلواروی متوفی ۱۲۷۸ھ سے تحصیل کی تہذیب المنطق پر ان کی مفصل شرح ہے۔ ۱۲۸۹۔ میں انتقال ہوا۔

۱۸۶۔ مفتی شرف الدین رامپوری۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ رامپور میں ملا احمد ویتی کے خصوصی شاگرد تھے۔ انہیں نے اپنی لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ اکثر اساتذہ کا سلسلہ تلمذ ان تک پہنچتا ہے تدریس وافادہ میں ریاست حاصل تھی کتب درسیہ کے شروح وحواشی حفظ تھے۔ تصانیف میں سراج المیزان منطق میں ہے۔ سلم کی لانسلم ولا نتصور تک شرح کی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے رسائل وفتاویٰ ہےں۔ ۱۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

۱۸۷۔ حکیم شریف بن اکمل دہلوی۔ دہلی مولد ومنشا تھا۔ اپنے کثرت دروس میں دہلی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ علوم حکمیہ اور طب کے مشہور فضلا میں شمار تھا۔ طبی شروح وحواشی کے علاوہ حمداللہ کی شرح سلم پر بھی حاشیہ ہے۔ ۱۲۲۲ھ میں وفات پائی۔ دہلی کے شریف خانی اطبا کے سلسلے کے مورث اعلیٰ یہی تھے۔

۱۸۸۔ حکیم شفائی خاں الحیدرآبادی۔ اصلاً شاہجہاں پور کے تھے وہی مولد ومنشا ہے۔ بحرالعلوم سے درسیات پڑھے اور ان کی ہمراہی میں بہار کا سفر کیا اور ان کے ساتھ میں مدراس گئے اور وہیں حکیم احمداللہ سے طب کی تحصیل کی اور ان کے پاس کچھ مدت گذار کے حیدرآباد چلے گئے۔ اور چندولال متوفی ۱۲۶۱ھ کے پاس رہے پھر سکندرجاہ (۱۲۱۸-۱۲۴۳) کے مقربین میں شامل ہوگئے۔ انہوں نے معتمد الملک کا خطاب دیکر ہزار روپیہ مقرر کر دیا۔ یہ علوم حکمیہ کے ماہر اور طب میں حذاقت کا درجہ رکھتے تھے۔ ۱۲۵۷ھ میں وفات پائی۔

۱۸۹۔ شمس الدین بن امیرالدین دہلوی، حیدرآبادی۔ معقولات و منقولات دونوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ دکھنی میں پیدا ہوئے بچپن میں ہی حیدرآباد آگئے۔ وہیں قرآن حفظ کیا اور وہیں کے علما سے درسیات پڑھے اور تدریس و تعلیم میں مشغول ہوگئے اور کثرت سے کتابیں لکھیں۔ ۱۲۳۸ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی۔

۱۹۰۔ شہاب الدین عمری گوپاموی۔ قاضی مبارک کے اخلاف میں تھے۔ منطق و فلسفہ ان کا خاص

مضمون تھا۔ مدراس مولد و منشا تھا۔ بحرالعلوم اور ان کے بیٹے عبدالرب متوفی ۱۲۴۲ھ سے درسیات کی تحصیل کی اور مدراس میں ہی تدریس میں مشغول ہوگئے۔ ۱۳۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹۱۔ حکیم صادق علی خاں بن حکیم شریف خاں دہلوی۔ دہلی مولد و منشا تھا اپنے باپ کی صحبت سے خاص طور پر مستفید ہوئے۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ مجلس درس پر بیٹھے تو مقامی اور غیر مقامی طلبہ کا ان کے گرد ہجوم ہوگیا۔ ۱۲۶۴ھ میں دہلی میں وفات پائی۔

۱۹۲۔ صادق علی بن فرزند علی، پھتروی غازیپوری۔ پھتری ضلع غازیپور مولد و منشا تھا۔ رائے بریلی میں مولانا طاہر بن غلام جیلانی رائے بریلوی توفی ۱۲۷۸ھ کی خدمت میں رہ کر کتب درسیہ پڑھیں۔ پھر لکھنؤ جاکر وہاں کے اساتذہ سے فیض اٹھایا۔ نہایت ذہین تھے خط بہت اچھا تھا ساتھ ساتھ تیز قلم بھی تھے۔ شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ درسیات پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۲۹۲ھ میں انتقال ہوا

۱۹۳۔ صبغۃ اللہ بن محمد غوث مدراسی۔ حافظ قرآن تھے تبرکا بحرالعلوم سے ایک دو سبق پڑھے پھر جعفر حسین مدراسی سے اور اپنے والد محمد غوث متوفی ۱۲۳۸ھ سے پڑھیں۔ مسلم الثبوت میر زاہد امور عامہ وغیرہ علاء الدین لکھنوی متوفی ۱۲۴۲ھ سے پڑھیں۔ پہلے ناگور کی صدر امینی پھر افتا اور پھر عہدہ قضا پر متمکن ہوئے۔ مدراس میں اسلامی حکومت کے اختتام پر انگریزی حکام نے وظیفے پر رخصت کیا تو درس و افادہ میں مشغول ہوگئے ان کی کثیر تصانیف میں سے میرزاہد امور عامہ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

۱۹۴۔ ظہور علی بن حیدر علی انصاری لکھنوی۔ فقہ و اصول کے نمایاں علما میں تھے۔ درسیات اپنے والد حیدر علی، مفتی ظہور اللہ لکھنوی وغیـرہ سے پڑھیں۔ جوانی میں قرآن مجید بھی حفظ کرلیا تھا۔ بہت دنوں تک لکھنؤ میں درس دیا، حیدرآباد گئے اور بڑی قدر و منزلت ہوئی چنانچہ وہیں رہ پڑے۔ منجملہ دیگر تصانیف کے قاضی مبارک کی شرح سلم کے خطبے کی شرح بھی ہے۔ ۱۲۷۵ھ میں حیدرآباد میں انتقال ہوا۔

۱۹۵۔ مفتی ظہور اللہ بن محمد ولی انصاری لکھنوی۔ لکھنؤ کے اکابر علما میں تھے۔ اپنے والد محمد ولی اور چچا ملاحسن سے درسیات کی تکمیل کی اور درس و افادہ میں مشغول ہوگئے۔ پھر افتا کی خدمت سپرد ہوگئی۔ تصانیف میں میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملاجلال اور میرزاہد امور عامہ پر اور ملا محمود جونپوری کی

دوحہ میادہ اور شمس بازغہ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۵۹ھ میں وفات پائی۔

۱۹۶۔ عالم علی بن کلامت علی نگنوی، رامپوری، مرادآبادی۔ مشہور محدث ہیں رامپور کے محدثین کا سلسلہ روایت انہیں پر ختم ہوتا ہے۔ نگنیہ مولد و منشا ہے۔ رامپور آکر مفتی شرف الدین اور ملا غفران متوفی ۱۲۶۰ھ سے درسیات پڑھیں دہلی جاکر مولانا مملوک علی نانوتوی سے پڑھا۔ طب میں حکیم نصراللہ کے شاگرد ہوئے۔ شاہ اسحاق صاحب متوفی ۱۲۶۲ھ سے روایت حدیث کی سند لی اور طب و حدیث پر پوری طرح توجہ دی۔ رامپور میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ مرادآباد کی جامع مسجد کی امامت کے لیے قاضی عباس حسین متوفی ۱۳۰۵ھ رئیس مرادآباد نے نواب کلب علی خاں سے مولانا کو مرادآباد بھیجنے کی درخواست کی۔ نواب صاحب نے انہیں مرادآباد روانہ کردیا۔ منجملہ دیگر تصانیف کے تہذیب المنطق کے ضابطے کی نہایت مفصل شرح ہے۔ ۱۲۹۵ھ میں مرادآباد میں وفات پائی۔ میرے والد مرحوم ان سے بیعت تھے بیعت کی سند میرے پاس محفوظ ہے۔

۱۹۷۔ عبدالاعلیٰ بن کریم اللہ صدیقی غازیپوری، بنارسی۔ اپنے والد اور دیگر علما سے درسیات پڑھیں ان کا منطق میں فارسی کا ایک منظومہ ہے۔ ۱۲۷۴ھ میں بنارس میں وفات پائی۔

۱۹۸۔ عبدالباسط بن رستم علی صدیقی قنوجی۔ قنوج مولد و منشا تھا، اپنے والد (متوفی ۱۱۷۸ھ) کی صحبت میں مدت تک رہ کر تحصیل کی اپنے زمانے کے استاذالاساتذہ تھے، طلبہ ان کی خدمت میں دور دور سے آتے اور فیضیاب ہوتے۔ ان کی تصانیف میں سے سلم العلوم کی آخر شرطیات تک اور تہذیب المنطق کی شرحیں ہیں۔ ۱۲۲۳ھ میں وفات پائی۔

۱۹۹۔ عبدالحکیم بن عبدالرب انصاری لکھنوی۔ مولانا بحرالعلوم کے پوتے تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے کچھ درسیات مولانا محمد دائم سے پڑھیں پھر نورالحق متوفی (۱۱۸۰) کی صحبت اختیار کی ان سے تکمیل کی اور مسند درس پر بیٹھ گئے۔ درس کے ساتھ طلبہ کی امداد کرتے تھے۔ شرح سلم حمداللہ پر اور میرزاہد ملا جلال پر اور العروۃ الوثقیٰ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی۔

۲۰۰۔ عبدالحکیم بن کرامت حسین تنجپوری۔ منطق، کلام اور اصول و فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں وفات پائی۔

۲۰۱۔ عبدالحلیم بن امین اللہ انصاری لکھنوی مشاہیر علماء میں سے تھے، صرف نحو والد سے حاصل کیے پھر اپنے چچا مفتی یوسف اور اپنے ماموں مفتی نعمت اللہ متوفی (۱۲۹۹) کی صحبت لے لی اور ان سے

تکمیل کی اور تھوڑے دنوں منطق ظہور اللہ اور محمد اصغر (متوفی ۱۲۵۵ھ) سے بھی پڑھا۔ باندا میں چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ لکھنؤ آکر جونپور کے مدرسہ امامیہ میں نو سال رہے وہاں سے آکر حیدرآباد گئے اور وہاں کے دارالعلوم میں مدرس رہے، پھر وہیں قاضی مقرر ہوگئے۔ منطق وکلام ان کے خاص مضمون تھے، ان کی تصانیف میں سے میر زاہد رسالے پر التعلیقات المرضیہ ملا محمد حسن کی شرح پر سلم پر القول الاسلم کے نام سے بحرالعلوم کے حواشی میرزاہد رسالے پر کشف المکتوم کے نام سے حواشی ہیں۔ حل المعاقد کے نام سے دوانی کی شرح عقائد پر حاشیہ ہے، قطبی کے تخلطات پر ایضاحات ہے، کشف الاشتباہ شرح سلم حمد اللہ کا حاشیہ ہے۔ ضابطۂ تہذیب کی البیان العجیب کے نام سے شرح ہے۔ اقسام حکمت کی تشریح میں کاشف الظلمہ، منطق میں ایک رسالہ العرفان کے نام سے ہے۔ محب اللہ الہ آبادی کی تسویہ کی التخلیہ کے نام سے شرح ہے۔ ۱۲۸۵ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی۔

۲۰۲ - عبدالرحمن خاں بن عبداللہ خاں، تیراہی رامپوری۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی، نہایت بحاث اور نکتہ آفریں تھے، علم ظاہر کے ساتھ صاحب باطن بھی تھے۔ ۱۳۲۴ھ میں رامپور میں انتقال ہوا۔

۲۰۳ - عبدالرحیم بن صاحب علی گورکھپوری۔ علوم حکمیہ میں اپنے زمانے کی نمایاں شخصیت تھے۔ دہلی میں شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں سے تحصیل علم کی، کلکتہ جاکر انگریزی زبان حاصل کی۔ لوگ انہیں الحاد و زندقہ سے منسوب کرتے تھے۔ مصنفات میں سے سورج کے وسط عالم سکون کے اثبات میں ایک رسالہ، الانوار المشرقیہ فی الاسرار المنطقیہ اورالتالیفات الحتیلیہ الی رسالہ الاسرار المنطقیہ ہیں۔

۲۰۴- عبدالرزاق افغانی رامپوری منطق و حکمت میں نمایاں درجہ رکھتے تھے تدریس و تعلیم مشغلہ تھا۔ تھا۔

۲۰۵ - عبدالصمد بن عبدالرب پشاوری اپنے عہد کے نہایت ذہین لوگوں میں تھے منطق و اصول میں خاص درجہ تھا نواب صدیق حسن خاں (متوفی ۱۳۰۷ھ) نے اپنی تالیفات کی تصحیح کے لیے رکھ لیا تھا، تقریباً ۴۰ سال کی عمر میں بھوپال میں انتقال ہوا۔

۲۰۶ - عبدالصمد بن کرامت علی امروہوی۔ علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت تھی۔ سید غلام نبی رامپوری اور جلال الدین رامپوری (غالباً سید جلال الدین نابینا) سے تحصیل علم کی۔ دہلی میں جاکر

حکیم امام الدین دہلوی سے طب پڑھی راجہ صاحب جھالاواڑ غالباً مدن سنگھ (۱۸۳۸-۱۸۴۵ء / ۱۲۵۴-۱۲۶۱) کے ملازمین میں داخل ہوگئے اور کچھ دنوں وہاں رہے پھر مہاراجہ اودے پور (غالباً بھیم سنگھ متوفی ۱۲۹۱ھ) کے مقربین خاص میں شامل ہوگئے۔

۲۰۷ ۔ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ہندستان کے اکابر محدثین و متکلمین میں تھے اور یگانہ روزگار علما میں شمار تھا۔ دہلی مولد، منشا و مدفن ہے۔ اپنے والد سے تحصیل علم اور ان کی وفات کے بعد اپنے والد کے اجلہ تلامذہ، شیخ نوراللہ بڈھانوی، خواجہ محمد امین کشمیری سے اور تکمیل محمد عاشق پھلتی سے کی جنہوں نے تقریباً ۱۱۸۷ میں وفات پائی۔ ———— موسیقی سمیت تمام متداول علوم عقلیہ و نقلیہ میں درجہ کمال حاصل تھا۔ ہندستان میں حدیث کے تمام مروج سلسلے انہیں کے واسطے سے شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ متعدد علوم و فنون میں نہایت محققانہ تصانیف ہیں علوم عقلیہ میں زواہد ثلٹ پر اور صدرائے شیرازی کی شرح ہدایۃ الحکمہ پر اور ملاکوج (حسام الدین علی بن خلیل متوفی ۸۴۴ھ) کے حاشیہ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۳۹ھ میں دہلی میں وفات پائی۔

۲۰۸ ۔ عبدالعزیز بن احمد پری ہاری ملتانی۔ اکابر علما میں شمار تھا۔ کثیر التصانیف تھے۔ شرح عقاید نسفی کی شرح نبراس ان کی مشہور تصنیف ہے۔ منطق میں ایساغوجی پر حاشیہ ہے، جوانی میں انتقال ہوا۔

۲۰۹ ۔ ملک العلماء بحرالعلوم عبدالعلی بن نظام الدین انصاری لکھنوی یگانہ روزگار تھے فقہ و اصول میں رئیس عہد منطق و حکمت میں امام کا درجہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ مولد و منشا تھا۔ اپنے والد ملانظام الدین سہالوی سے تحصیل تمام کی۔ مطالعہ کا بچپن سے شوق تھا قدما کی کتابوں پر خصوصی نظر تھی۔ تحقیق و تدقیق عادت بن گئی تھی ایک زمانے تک لکھنؤ میں درس دیا۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر تعزیے کی توڑ پھوڑ کی بنا پر ان کے طلبہ اور شیعی حضرات میں تصادم ہوگیا۔ یہ قصہ اگرچہ مصالحت پر ختم ہوگیا لیکن شیعی ان کو خفیہ طور سے قتل کرنے کے درپے ہوگئے۔ چچیرے بھائی بھتیجوں نے انہیں لکھنؤ چھوڑ دینے پر مجبور کیا، چنانچہ شاہجہاں پور گئے۔ حافظ رحمت خاں شہید ۱۱۸۸ھ نے نہایت تعظیم و اکرام سے ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ شاہجہانپور کے قلعہ میں مقیم ہوکر تدریس و تصنیف میں معروف ہوگئے۔ حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد رامپور گئے۔ نواب فیض اللہ خاں بانی رامپور ۱۱۹۴-۱۲۰۸ھ نے قدر منزلت سے استقبال کیا اور درس کے لیے مدرسہ قائم کیا۔ (بعد کو مدرسہ عالیہ سے موسوم ہوا اور مدرسہ کے منتقل ہوچکنے کے بعد بھی یہ محلہ مدرسہ محلہ کے نام سے آج تک مشہور ہے)۔ مولانا

قریب قریب چار سال رامپور میں مقیم رہے۔ طلبہ کی اتنی کثرت ہوئی کہ مولانا نے محسوس کیا کہ ان کے وظائف کا بندوبست ریاست کے لیے دشوار ہوگا۔ چنانچہ اپنے بھتیجے ملا حسن کو کو بلاکر اپنا قائم مقام کر کے صدرالدین بردوانی کی دعوت پر خود بہار چلے گئے۔ انگریز حکام نے فیض اللہ خاں سے الگ کہا کہ مولانا کو بہار بھیج دیا جائے۔ انگریز حکام کے اشارے پر صدرالدین گورنر کے منشی نے وہاں مدرسے کی بنیاد ڈالی تھی۔ چنانچہ فیض اللہ خاں نے بھی اُن سے رامپور قیام کرنے پر اصرار نہیں کیا ورنہ ظاہر ہے کہ نواب فیض اللہ خاں کے لیے چار سو پانچ سو روپیہ کا ماہانہ جو بردوان میں صدرالدین بردوانی کی طرف سے دیاگیا۔ ایسا بار نہ تھا کہ جس کو وہ اٹھا نہیں سکتے تھے۔ لیکن انگریز حکام کی اپنی خاص مصلحتیں تھیں اور نواب صاحب اُن کے سامنے مجبور تھے۔ بہار میں صدرالدین سے زیادہ نبھاؤ نہ ہوا، مدراس کے نواب والاجاہ محمد علی خاں گوپاموی (۱۱۶۵-۱۱۲۱) نے مدراس آنے کی دعوت دی اور آنے پر اپنے عزیز و اقارب اور بیٹوں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ اور محل کے دروازے پر خود پالکی کو کاندھا دیکر اتارا اور درس کے لیے عالی شان مدرسہ بنایا۔ مولانا وہیں تدریس و تصنیف میں معروف ہوگئے۔ اسلامی حکومت کے خاتمے پر انگریزی حکومت نے بھی وظائف جاری رکھے۔ مولانا کی تصانیف کثیر ہیں منجملہ ان کے مسلم کی مع منہیات شرح ہے۔ میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملاجلال کے حواشی ہیں۔ میرزاہد امور عامہ پر تین حاشیے ہیں۔ الہیات میں مجالہ نافعہ مع منہیات، پر حاشیہ ہے۔ مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) کی تحریر الاصول کی شرح کا جو ان کے والد نے کی تھی تکملہ ہے۔ فارسی میں تنویر المنار، منار کی شرح ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں توحید وجودی پر بھی ایک رسالہ ہے۔ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائی اور مدراس میں والاجاہی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔ متاخرین علمائے رامپور کا سلسلہ بھی ان پر منتہی ہوتا ہے۔

۲۱۰ - قاضی علی بن احمد گوپاموی معروف بہ قاضی ارتضا علی خاں مدراسی۔ گوپامئو میں پیدا ہوئے۔ مختصرات اپنے والد (متوفی ۱۲۳۴ھ) سے پڑھے، لکھنؤ جاکر وہاں کے اساتذہ سے پڑھا۔ سندیلہ میں مولوی حیدر علی بن حمد اللہ سے منطق و حکمت اور کلام کی تحصیل کی بلگرام میں حدیث کا درس دیا پھر گوپامئو آکر مدراس چلے گئے۔ اور وہاں تدریس میں مشغول ہوگئے پھر مفتی اور اس کے بعد چتوڑ کے قاضی ہوگئے بعد کو مدراس کے بڑے قاضی بنادیئے گئے۔ تیرہ سال اس عہدے پر رہ کر حج کو گئے اور لوٹتے میں حدیدہ میں ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی منجملہ دیگر تصانیف کے صدرا پر حاشیہ ہے، میرزاہد

ملا جلال اور میر زاہد امور عامہ پر حواشی ہیں۔

۲۱۱ - علی جعفر بن علی رضا فاخری پوری الہ آبادی۔ عبد العلی الہ آبادی سے تحصیل علم کی اور تصنیف میں مشغول ہوگئے۔ تصانیف میں میر قطبی پر حاشیہ، میر زاہد رسالے پر حاشیہ اور رشیدیہ پر حاشیہ ہے۔ ۱۲۴۹ھ میں وفات ہوئی۔

۲۱۲ - مرزا علی شریف بن محمد زماں لکھنوی۔ سید دلدار علی شیعی مجتہد سے تحصیل کی۔ منطق و حکمت اور کلام و طب میں مہارت پیدا کی۔ علم کلام کی متعدد کتابوں پر حواشی ہیں۔ ۱۲۲۱ھ میں لکھنؤ میں وفات ہوئی۔

۲۱۳ - علی ضامن بن امداد علی نو نہروی۔ غازی پور کے قصبہ نو نہرہ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لیے عبد الحلیم فرنگی محلی اور تراب علی امروہوی لکھنوی کی شاگردی اختیار کی شمس بازغہ پر حاشیہ لکھا ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

۲۱۴ - علیم الدین بن فصیح الدین قنوجی علوم عربیہ میں نمایاں درجہ تھا عبد الباسط قنوجی سے درسیات پڑھے۔ تصنیفات میں منطق پر متعدد رسالے ہیں۔

۲۱۵ - عماد الدین لبکنی۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا، کچھ درسیات بحر العلوم سے پڑھیں اور کچھ ملا حسن فرنگی محلی سے۔ منطق و حکمت میں نوادر زمانہ تھے تصنیفات میں حکمت کے بعض مسائل میں عقد مُوشّیۃ فی بعض المسائل الحکمیہ اور مبحث علم میں العشر الکاملہ در مقولات عشر میں ایک رسالہ ہے۔ یزدی کی شرح تہذیب پر حاشیہ ہے، ان کے علاوہ درسیات پر حواشی اور شروح ہیں۔

۲۱۶ - عماد علی بدایونی۔ علوم حکمیہ کے ماہر تھے بدایوں میں مولد و منشا تھا۔ مختلف اساتذہ سے درسیات پڑھے۔ آخر میں بحر العلوم کی شاہ جہانپور میں شاگردی اختیار کی اور درس افادہ میں مشغول ہوگیے۔

۲۱۷ - غلام حیدر بن قطب الدین عباسی الہ آبادی۔ علوم حکمیہ کے نمایاں افراد میں تھے۔ چچا محمد اجمل (متوفی ۱۲۸۶ھ) کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ روح الریاض الموی (متوفی ۱۲۵۲ھ) وغیرہ سے تکمیل درسیات کی اور علوم حکمیہ میں مہارت پیدا کی پھر تدریس میں مشغول ہوگئے ۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

~~۲۱۸~~ ۲۱۹ - غلام مصطفیٰ بردوانی۔ فنون حکمت میں ماہر تھے۔ بحر العلوم دوسرے اساتذہ سے تکمیل درس کی افادہ میں مشغول رہے وہاں سے بنگال کے بیر بھوم میں تبادلہ ہوگیا۔

۲۲۰ - غلام نبی بلگرامی۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے بلگرام مولد منشا تھا۔ کمال الدین فتحپوری وغیرہ علما سے درسیات کی تکمیل کی پھر فرخ آباد گئے اور بخشی رحمت خاں کے مقربین میں شامل ہوگئے۔ ۱۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

۲۲۱ - غلام نبی شاہجہانپوری - منطق و حکمت کے نامی اساتذہ میں تھے رامپور میں بحرالعلوم اور ملا حسن کی شاگردی اختیار کی اور ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے - تدریس مشغلہ تھا، منطق میں متعدد تصانیف ہیں - میرزاہد رسالہ پر ان کے حواشی ہیں -

۲۲۲ - حکیم فتح اللہ بن شکراللہ دہلوی علوم حکمیہ میں نمایاں فاضل تھے - دہلی مولد و منشا تھا اور وہیں کے علما سے درسیات پڑھے اور درس میں مشغول ہوگئے -

۲۲۳ - فضل امام بن محمد ارشد عمری ہرگامی، خیرآبادی منطق و حکمت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے خیرآباد مولد ومنشا تھا - عبدالواجد خیرآبادی (متوفی ۱۲۱۶ ھ) سے درسیات کی تکمیل کی اور منطق و حکمت پر ساری توجہ مرکوز کردی اور درس میں معروف ہوگئے - تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رہا - انگریزی ملازمت سے وظیفہ لیا - تصنیفات میں ان کی سب سے مشہور کتاب مرقات ہے - شفاء شرح کی تلخیص کی - میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملاجلال پر حواشی ہیں - ۱۲۴۳ ھ میں وفات پائی -

۲۲۴ - فضل حق بن فضل امام خیرآبادی - فنون حکمیہ میں یگانۂ روزگار تھے - اپنے والد سے درسیات پڑھے، چار مہینے میں قرآن مجید یاد کرلیا - علم خلاف و جدل، منطق و حکمت، علوم عربیہ و نظم میں اپنے معاصرین پر سبقت حاصل کر لی - طلبہ اقطار و امصار سے ان کی خدمت میں پہنچنے لگے - رئیسانہ انداز تھا اور انہیں جیسی پوشش شطرنج کھیلنے، رقص و سرود کی مجلسوں میں بے محابا شریک ہوتے تھے - دہلی میں دیوان انشاء میں صدر تھے - ۱۲۵۷ ھ کی بغاوت کے الزام میں سید فضل حق رامپوری کی اسی شرکت کی بنا پر گرفتار ہوگئے اور جزائر سیلون میں حکم برائت کے پہنچنے سے پہلے ہی ۱۲۷۸ ھ میں وفات ہوگئی - مصنفات میں حکمت الہیہ میں الجنس الغالی، فی شرح الجو ، العالی، ہدیہ سعیدیہ حکمت طبعی میں الروض المجود فی حقیقۃ الوجود، والد کی تلخیص الشفا پر حاشیہ ملا باقرداماد کی الافق المبین پر حاشیہ، قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ سالہ فی تحقیق العلم والمعلوم، رسالہ فی تحقیق الاجسام، رسالہ فی تحقیق الکلی الطبعی، رسالہ فی تشکیک الماہیات، رسالہ فی امتناع النظیر وغیرہ مصنفات ہیں -

۲۲۵ - فضل رسول بن عبدالمجید بدایونی - درسیات کی بعض کتابیں اپنے دادا عبدالحمید (متوفی ۱۲۲۵ ھ) سے پڑھیں پھر لکھنؤ جاکر نورالحق انصاری (متوفی ۱۲۳۸ ھ) سے تکمیل کی دھولپور میں حکیم بر علی موہانی سے طب پڑھی کچھ دنوں وہاں مقیم رہے پھر بدایوں آگئے وہاں سے بنارس جاکر مطب شروع کردیا - وہاں سے آکر حج کے لیے روانہ ہوگئے - وہاں حدیث کی سند لی پھر دوسری بار حج کو گئے وہاں

سے بغداد آئے اور نقیب الاشراف سے بیعت کی واپس آکر حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں قبول عام حاصل ہوگیا۔ بہنلات متعصب اور بحاث تھے شاہ اسمٰعیل کی تکفیر کرتے تھے شاہ ولی اللہ دہلوی کو خارجی کہتے تھے، شیخ احمد سرہندی پر طعن و تشنیع کرتے۔ منجملہ تصانیف فصوص الحکم کی شرح اور میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملا جلال کے حواشی ہیں ۱۲۸۹ھ میں انتقال ہوا۔

مولد ۲۲۶ - ملا مبین بن ملا محب الانصاری لکھنوی ۔ لکھنؤ مولد منشا تھا ملا حسن سے درسیات پڑھیں اور ان کی صحبت میں ایک مدت تک رہے۔ فراغت کے بعد تدریس میں مشغول ہوگئے۔ تدریس، تصنیف اور وعظ و تذکیر میں اپنے معاصروں میں ممتاز تھے فرنگی محلی علما میں یہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے وعظ و تذکیر کی ابتدا کی تصنیفات میں سلم کی بہنلات مفصل شرح، مسلم الثبوت کی مفصل شرح، میرزاہدرسالہ، میرزاہد ملا جلال اور میرزاہد امور عامہ پر حواشی، صدرا پر حاشیہ وغیرہ ہیں۔ چوں کہ ان کے شروح و حواشی کی بڑی خصوصیت ہے کہ اصل کو بہت سہل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ میرے اساتذہ کتاب کے مطالعے میں ان کے شروح و حواشی کو سامنے رکھنے سے منع کرتے تھے کیوں کہ اصل متن سے مطلب اخذ کرنے کی جو مشقت طلبہ کو مطالعے کا مقصد ہے ختم ہوجاتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ مبین را مبیں۔ ۱۲۲۵ھ وفات پائی۔

۲۲۷ - مجدالدین بن طاہر شاہجہاں پوری علوم حکمیہ میں خصوصی شہرت تھی۔ شاہجہانپور مولد و منشا تھا۔ گوپامؤ جاکر وہاج الدین گوپاموی سے تحصیل علم کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قاضی مبارک سے بھی پڑھا۔ فارغ ہوکر کلکتہ چلے گئے اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ ہوگئے۔ آخر عمر میں وسوسے میں مبتلا ہوگئے تھے۔ اور غسل و وضو میں مشکوں پانی بہا دیتے تھے۔ شاہ جہانپور میں مولوی مدن کے عرف سے شہرت تھی۔ ۱۲۰۸ھ میں بریلی میں انتقال ہوا۔

۲۲۸ - محمد بن احمد اللہ تھانوی۔ مظفر نگر کے قصبے تھانہ کے رہنے والے تھے۔ عبدالرحیم تھانوی شیخ قلندر بخش جلال آبادی (متوفی ۱۲۶۰ھ) سے درسیات پڑھے پھر دہلی جاکر مولانا مملوک علی نانوتوی سے اور منطق و حکمت مولانا فضل حق خیرآبادی سے پڑھیں۔ بہنلات ذہین زود فہم اور قوی الحافظہ تھے۔ ٹونک میں ایک زمانے تک درس دیا پھر وطن آکر تلقین و تذکیر میں مصروف ہوگئے۔ شرح عقائد نسفی پر حواشی ہیں۔ ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا۔

۲۲۹ - سید محمد بن دلدار علی لکھنوی۔ شیعی مجتہد تھے۔ اپنے والد سے علوم کی تحصیل کی اور ان کی

[illegible] میں رہے پھر تدریس میں مصروف ہوگئے۔ کلام و اصول میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ شاہان اودھ میں خاصی قدر منزلت تھی۔ امجد علی شاہ (۱۲۵۸ - ۱۲۶۲) نے سلطان العلما کا خطاب دیا تھا اور افتاء کی خدمت ان کے سپرد کی تھی۔ ان کی تصنیفات میں سے حمد اللہ کی شرح سلم پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۴ھ میں وفات پائی۔

۲۳۰ - محمد احسن بن محمد صادق خوشابی، پشاوری معروف بہ حافظ دراز منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے۔ قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ ان کی تصنیفات میں ہے ۱۲۶۳ھ میں انتقال ہوا

۲۳۱ - محمد ارشد بن عبدالشافی خاں مسیح الملک معروف بہ شفائی خاں۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے دہلی وطن تھا، احمد شاہ درانی (۱۷۲۴ - ۱۷۷۳ء) کے دہلی حملہ کے زمانے میں فیض آباد آگئے اور شجاع الدولہ نے نہایت عزت و احترام سے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ۱۲۰۳ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

۲۳۲ - محمد اسلم بنلدوی علوم حکمیہ کے نامور علما میں شمار تھا۔ اپنے عہد کے علما سے ابوبحرالعلوم سے تحصیل تمام کی اور ان کی خدمت میں ایک زمانے تک رہے۔ ابو علی قوشجی (متوفی ۸۷۹ھ) کی المفید فی الفوائد الحکمیہ کی تلخیص کی ہے۔

۲۳۳ - محمد حسن بن مفتی ابوالحسن بریلوی۔ معقولات و منقولات کے نامی علماء میں شمار تھا۔ مفتی شرف الدین رامپوری اور دیگر علماء سے تحصیل کی تصنیفات میں ملاحسن کی معارج العلوم کی مفصل شرح ہے۔ غایۃ الکلام فی حقیقۃ التصور عند الحکما والامام وغیرہ ہیں۔

۲۳۴ - محمد حسین بن محمد علی جزائری علوم حکمیہ کے نامور عالم تھے شیراز میں پیدا ہوئے وہاں کے علما سے تحصیل کی۔ والد حیدرآباد میں تھے ان کے بلانے پر، لیکن ان کی وفات کے بعد حیدرآباد پہنچے اور پھر وہیں مقیم ہوگئے۔ ۱۲۸۷ھ میں وفات پائی۔

۲۳۵ - محمد علی بن خواص رامپوری فنون حکمیہ میں ماہر تھے امور عامہ، مایعم الاجسام کی بحثیں، میرزاہد کے حواشی اور سلم العلوم کی شروح کے گویا حافظ تھے۔ ۱۲۱۴ھ تک حیات تھے۔

۲۳۶ - محمد معین بن ملا مبین لکھنوی۔ لکھنو مولد و منشا تھا، اپنے بڑے بھائی ملا حیدر اور چچازاد بھائی ولی اللہ اور مفتی ظہور اللہ سے تحصیل کی پھر تدریس میں مشغول ہوگئے۔ ہر جمعہ کو والد کے بجائے وعظ و تذکیر کرتے، متعدد کتب درسیہ پر حواشی ہیں۔ صدرا پر بھی حاشیہ ہے۔ ۱۲۵۸ھ میں وفات ہوئی۔

۲۳۷ - محی الدین بن عبدالقادر بدایونی۔ اپنے والد سے تحصیل کی۔ مصنفات میں میرزاہد رسالہ پر

حاشیہ ہے۔ ۱۲۷۰ھ میں وفات ہوئی۔
۲۳۸۔ مملوک علی ابن احمد علی نانوتوی، دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ نانوتہ مولد و منشا تھا، کچھ دنوں اپنے ضلع سہارنپور کے اساتذہ سے پڑھا پھر دہلی جاکر رشید الدین متوفی ۱۲۴۳ھ کے شاگرد ہوئے اور ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ دہلی سے پڑھا، فقہ و اصول اور عربیہ میں مہارت کے ساتھ منطق و حکمت میں بھی غیر معمولی درجہ تھا، مدرسہ دارالبقا میں ان کا درس مشہور تھا۔ اسی مدرسے میں عمر گذاردی اور ہزارہا طلبہ ان کے درس سے فارغ ہوئے۔ ۱۲۶۷ھ میں انتقال ہوا۔
۲۳۹۔ نجف علی نونہروی۔ غازی پور کے قصبے نونہرہ میں پیدا ہوئے، اکابر علمائے شیعہ میں شمار ہوتے تھے لکھنو میں فرنگی محل کے اساتذہ سے فنون کی تکمیل کی، فقہ سید دلدار علی شیعی مجتہد سے حاصل کی۔ تصنیفات میں رسالہ شاۃ بالکبر پر حاشیہ اور میرزاہد ملاجلال پر حاشیہ ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں وفات پائی۔
۲۴۰۔ حکیم نصر اللہ بن ثناء اللہ دہلوی، ہیئت، ہندسہ، منطق و حکمت کے نامی علما میں شمار تھا، شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے تحصیل کی، طب حکیم شریف خاں سے پڑھی اور دہلی میں تدریس شروع کردی۔ ۱۲۷۱ھ میں موجود تھے۔
۲۴۱۔ نظام الدین بن مہدی علی، دہلوی۔ فنون حکمت میں خاص شہرت تھی ان کی متعدد تصنیفات ہیں جن میں رسالہ فی العلوم الطبیعیہ ہے اور منطق میں بھی ایک رسالہ ہے۔
۲۴۲۔ مفتی نظام الدین بن نورالہدیٰ دیوی۔ منطق و حکمت کے نامی علماء میں تھے۔ تفضل حسین کشمیری سے درسیات پڑھے پھر افتاء کی خدمت پر مامور ہوگئے اور بڑھتے بڑھتے بنارس کی صدر امینی تک پہنچ گئے ۱۲۱۱ھ تک حیات تھے۔
۲۴۳۔ نعیم الدین بن فصیح الدین قنوجی۔ معقول و منقول کے نامی علما میں تھے۔ عبدالباسط قنوجی سے تحصیل علم کی ان کی تصنیفات میں سلم کی تصدیقات کی شرح اور صدرا پر حاشیہ ہے۔
۲۴۴۔ نعیم اللہ بن حبیب اللہ انصاری لکھنوی۔ لکھنو مولد و منشا ہے، اپنے بڑے بھائی ولی اللہ انصاری سے تحصیل کی ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی۔
۲۴۵۔ نعیم اللہ بن غلام قطب الدین بہرائچی۔ حضرات اساتذہ شہر سے پڑھے، لکھنو مسیح محمد خلیل سے شہاجہاں پور میں امام بخش سے اور بریلی میں شہاب الدین سے پڑھا پھر لکھنو جاکر محمد ولی

انصاری کو لازم پکڑلیا اور معقولات ومنقولات کی درسیات کی تکمیل کی۔ دہلی میں حاجی احمد شاگرد شاہ ولی اللہ سے سند حدیث حاصل کی اور تلقین وتذکیر میں معروف ہوگئے۔ ان کے مصنفات میں میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملاجلال کے حواشی ہیں۔ ۱۲۱۸ھ میں وفات پائی۔

۲۴۶۔ مفتی نوراحمد بن لطفر محمد سہوانی۔ سہوان مولد و منشا تھا۔ تحصیل علم کے لیے مرادآباد رامپور اور لکھنؤ کا سفر کیا اور معاصر علماء سے خصوصاً بحرالعلوم سے درسیات کی تکمیل کی اور سہوان کی خدمت افتا سپرد ہوئی۔ قاضی مبارک کی شرح سلم پر شمس بازغہ پر حاشی لکھے۔ ۱۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

۲۴۷۔ نورالاسلام بن سلام اللہ رامپوری شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے اخلاف میں تھے، رامپور مولد و منشا تھا۔ بحرالعلوم سے جب وہ رامپور میں تھے اور ملا حسن اور دیگر اساتذہ رامپور سے درسیات پڑھے، ہیئت، ہندسہ اور حساب میں بے نظیر تھے۔ ان کی تصانیف میں رسالہ فی ماہیۃ المکان مصنفہ ۱۲۷۴ھ اور رسالہ فی الزمان، قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ اور میرزاہد رسالہ پر حاشیہ ہے، شفاۃ بالتکریر پر تفصیلی حاشیہ ہے، رسالہ اصطرلاب فارسی میں لکھ کر نواب نصراللہ خاں متوفی ۱۲۲۵ھ کے نام معنون کیا تھا۔ رامپور میں انتقال ہوااور مزار بغدادی صاحب میں مدفون ہوئے۔

۲۴۸۔ نورالحسن بن ابوالحسن کاندھلوی۔ مشہور علماء میں سے تھے۔ کاندھلہ مولد و منشا تھا، کچھ زمانے تک والد متوفی ۱۲۶۹ھ سے پڑھا اور مولانا فضل حق خیرآبادی کی صحبت میں رہ کر علوم حکمیہ کی تحصیل کی اور مہارت حاصل کی۔ حلیم، متواضع اور خوش گفتار تھے۔ ۱۹۵۸ھ میں وفات پائی۔ ان کے درس سے اکابر علمانے فراغت حاصل کی ہے۔

۲۴۹۔ نورعالم رامپوری۔ افغانی الاصل تھے، فنون حکمیہ کے نامی علما میں تھے، درس و تعلیم میں عمر گذاردی۔ ہبذی پر حاشیہ ہے۔

۲۵۰۔ نورالہدیٰ بن قمرالدین اورنگ آبادی۔ اپنے والد سے علوم درسیہ پڑھے اور قرآن حفظ کیا۔ والد کے ساتھ حج و زیارت سے فراغت حاصل کی اور ساری عمر درس و افادہ میں بسر کردی۔ والد کے رسالے مظہرالنور فی مبحث الوجود کی شرح کی تشکیک ماہیۃ میں رسالہ ر لکھا، بوارق النور کے نام سے شرح مظہر النور پر حاشیہ لکھا، قاضی عضدالدین ایجی پر ایراد کی صورت میں رسالہ لکھا، ایک رسالہ فی ما اورد علی السیدالزاہد کے نام سے لکھا۔ ان کے علاوہ متعدد رسائل لکھے ۱۲۱۰ھ یا ۱۲۰۲ھ میں وفات پائی۔

۲۵۱۔ نیاز احمد بن رحمت علی بریلوی۔ اکابر مشائخ چشتیہ میں تھے۔ سرہند میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی میں

دہلی آگئے اور شیخ فریدالدین متوفی ۱۱۹۹ھ کی آغوش میں تربیت پائی اور علم و طریقت کی تعلیم حاصل کی اور پھر بریلی آگئے۔ اور مستقل سکونت اختیار کرلی اور قبول عام حاصل کیا۔ علوم حکمیہ میں ماہر تھے خصوصاً فنون ریاضی میں۔ ۱۲۵۰ھ میں بریلی میں وفات پائی۔

۲۵۲۔ مفتی واجد علی بن ابراہیم بنارسی۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں شمار تھا۔ لکھنو مولد و منشا تھا۔ اپنے والد اور دوسرے علما سے تحصیل علم کی اور لکھنو کی انگریزی سفارت میں منصب افتا پر فائز ہوئے اور پانچ سال تک کام کیا۔ پھر بتیا کے رئیس نے ملازم رکھ لیا۔ شفاء، شیخ، الافق المبین اور دوانی کے حواشی قدیمہ و جدیدہ کی تدریس میں یگانہ عصر تھے، ہزارہا شاگردوں نے ان کے دامن تعلیم میں فراغت حاصل کی چھپرے میں ۱۲۷۶ھ میں وفات پائی۔

۲۵۳۔ وجیہ الدین دہلوی۔ منطق و حکمت میں شہرت تھی ملا نظام الدین سہالوی سے تحصیل کی اور دہلی میں تدریسی خدمت سپرد ہوئی اور بہت سے لوگوں نے ان سے فیض اٹھایا۔ نہایت ذکی اور زود فہم تھے۔

۲۵۴۔ وحیدالحق بن وجیہ الحق پھلواروی۔ اکابر اساتذہ میں شمار تھا۔ پھلواری میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو نما پائی کچھ درسیات والد متوفی ۱۱۵۰ھ سے اور زیادہ اپنے ماموں مبین جعفری متوفی ۱۲۳۲ھ سے پڑھیں اور پھر تدریس و تعلیم شروع کردی بدعات اور مشتبہات سے سخت پرہیز تھا۔ انگریزوں کے ملازم کے یہاں کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ قوالی سے ابتداء پرہیز تھا، لیکن جب حالت کا غلبہ ہوا سننے لگے۔ تصنیفات میں سے تفسیر بیضاوی پر حواشی ہیں ۱۲۰۰ھ یا ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی۔

۲۵۵۔ مفتی یوسف بن اصغر انصاری لکھنوی۔ مشہور علمائے لکھنو میں تھے، مفتی محمد اصغر انصاری متوفی ۱۲۵۵ھ مفتی ظہور اللہ اور مفتی نوراللہ متوفی ۱۲۹۱ھ سے درسیات کی تکمیل کی۔ والد کے بعد ان کے بجائے مفتی کے عہدے پر تقرر ہوگیا۔ پھر اسکو چھوڑکر کچھ دنوں گھر پر رہے پھر جونپور کے مدرسہ امامیہ میں استاذ ہوگئے۔ ۱۲۸۶ھ میں حج و زیارت کے لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے اور آخر شوال میں مدینہ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں قاضی کی شرح سلم پر اور ملاحسن کی شرح سلم پر شمس بازغہ پر حواشی ہیں۔ ملاحسن کے شمس بازغہ کے حاشیے کا تکملہ بھی لکھا، شفاء شیخ کی طبیعیات پر تفسیر بیضاوی پر بھی حواشی لکھے۔

چودھویں صدی

تیرھویں صدی میں معقولات کی گرم بازاری میں جس طرح اساتذہ فرنگی محل خصوصاً بحرالعلوم، ملا حسن اور ان کے تلامذہ و متسبین کو دخل رہاہے۔ اسی طرح چودھویں صدی میں یہ تسلسل خیرآبادی خاندان اور ان کے تلامذہ اور متسبین سے جاری رہاجو چودھویں صدی کے نصف اول سے کچھ زیادہ پر محیط ہے۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی شمس العلماء مولانا ہدایت علی بریلوی، مولاناہدایت اللہ خاں رامپوری، مولانافضل حق رامپوری، حکیم برکات احمد ٹونکی وغیرہ فضلا اسی صدی کے نصف اول اور اس کے بعد کے لوگ ہیں۔ اس سلسلے میں رامپور کے مدرسہ عالیہ مرحوم کو خصوصی دخل رہاہے۔ مولانافضل حق رامپوری مدرسہ عالیہ کے صدر نشینوں میں آخری علمائے معقولات میں سے تھے۔ ان کے بعد سے معقولات کا عموماًاور مدرسہ عالیہ کی عقلیت پسندی کا خصوصاًزوال ہوگیا اور اس تیزی سے ہوا کہ پندرہویں صدی شروع ہوتے ہوتے معقولات کے چرچے بھی ختم ہوگئے۔ اس زوال میں دارالعلوم دیوبند ندوۃ العلما اور ان مدارس سے متاثردرس گاہوں کو بھی دخل ہے جنھوں نے علوم عقلیہ سے طلبہ کے ذہنوں کو پھیرنے میں خاصا حصہ لیا۔ طلبہ کی سہولت پسندی وعظ وتذکیر خطابت و انشا میں عقلیات کی عدم افادیت پھر ان کا اشکال و دِقّت ایسے اسباب ہوئے جنھوں نے زوال کو تیزتر کردیا اور علمائے عقلیات کے جانشین تیار نہیں ہوسکے۔ اب یہ حالت ہے کہ ہندستان و پاکستان کے پورے برصغیر میں نظریں ڈھونڈھتی ہیں اور بے مرام واپس آجاتی ہیں۔ اگردوچار بوڑھے کہیں ہوں تو چراغ سحری ہیں اور گنتی کے دنوں کے مہمان۔ حالات کا جائزہ بتاتا ہے کہ شاید یہ زوال دائمی ہے اور ان علوم کے ابھرنے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ کاش کچھ ایسے جوان اور ذہین و دِقّت پسندعلما اٹھیں اور کم ازکم، ہندستان کے متاخرین علمائے عقلیات کی فکری اور اصیل کاوشوں کونئے انداز سے جمع کرنے کا بار اپنے کندھوں پر لیں۔

چودھویں صدی کے علمائے عقلیات، تیرہویں کا تسلسل ہے،

اسی میں عبدالحق خیرآبادی، فضل حق رامپوری، حکیم برکات احمدٹونکی جیسے حضرات ہیں جن میں اصالت فکر کے نمونے مل جاتے ہیں یہی وہ صدی ہے جو علمائے عقلیات کے خاتمےاور قدیم عقلیت کے کلی زوال کی صدی ہے۔ مدرسہ عالیہ رامپور جو ۱۷۷۴ء سے ہی جو اس کے قیام کی تاریخ ہے علوم عقلیہ کی تدریس میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ اپنے صدر نشینوں میں علوم عقلیہ میں مہارت کی شرط سے

درست بردار ہوچکا تھا اور عام اساتذہ بھی علمی لیاقت سے عاری تھے۔ چنانچہ اس پر بھی زوال شروع ہوگیا اور اب محض نام کے لیے اگرچہ باقی ہے لیکن درس و تعلیم ختم ہوچکی۔ طلبہ کی حاضری ختم ہوگئی۔ اساتذہ تفریحاً وقت گذاری کرتے ہیں۔ علم سے سندوں تک تعلق ہے۔

۲۵۶۔ ابوالحسن بن بندہ حسن لکھنوی۔ مولانا ولدار علی کے پرپوتے تھے۔ بہذہانت ذکی اور ذہین، لکھنو مولد و منشا تھا، اپنے والد سید بندہ حسن متوفی ۱۲۹۴ھ، علی نقی، سید حسین متوفی ۱۲۷۳ھ اور کمال الدین موہانی سے تحصیل کی، بہذہانت کثیر الدرس تھے، فنون حکمیہ میں بھی اچھی لیاقت تھی۔ مغالطات عامۃ الورود پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۳۰۹ھ میں انتقال ہوا۔

۲۵۷۔ احمد امین بن عبداللہ افغانی رامپوری۔ نوشہرہ ضلع کے ولئی علاقے کے باشندے تھے۔ ابتدائی کتابیں وطن میں پڑھیں۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں تحصیل کی۔ مولانا فضل حق رامپوری سے منطق و حکمت اور کلام کے اعلی درسیات پڑھے بہذہانت جامع استاذ تھے۔ کثرت درس میں شہرت تھی کوئی وقت درس سے خالی نہ تھا۔ میرے مرحوم بھائی اور استاذ مولانا عبدالوہاب خاں صاحب مرحوم نے مولانا سے گھر پر تفسیر بیضاوی پڑھنے کے لیے وقت مانگا تو فرمایا کہ میرے پاس سوائے تہجد کے کوئی وقت نہیں۔ چنانچہ بھائی صاحب مرحوم تہجد کے وقت ان کی خدمت میں جاکر درس لیتے۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں درجہ دوم کے استاذ تھے اور درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے۔ منطق و حکمت اور کلام میں ید طولیٰ تھا، سیکڑوں شاگرد تھے۔ آخر میں مولمین برما چلے گئے۔ افتا کی خدمت تھی ہر سال رامپور میں اہل و عیال میں آتے۔ ایک رسالہ لکھا تھا جو اشکال اربع کی تحقیق پر مشتمل تھا اور اس میں ہر شکل کی مثال قرآنی آیات سے فراہم کی تھی جو طبع ہوچکا تھا، لیکن اب نایاب ہے۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۹۳۸ء میں مولمین میں وفات پائی۔ دو لڑکے چھوڑے مولانا محمد یوسف متوفی ۱۸ فروری ۱۹۸۶ء جو مدرسہ عالیہ کے استاذ تھے۔ دوسرے محمد اسحاق جو حیات ہیں، عربی تعلیم سے بے بہرہ۔

۲۵۸۔ احمد حسن بٹالوی، کانپور بٹالہ گورداس پور مولد و منشا تھا۔ طلب علم کے لیے علیگڑھ میں مفتی لطف اللہ علیگڑھی متوفی ۱۳۳۴ھ کی خدمت میں پہنچے اور ان کے پاس رہ کر درسیات سے فراغت حاصل کی۔ سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں کچھ مدت تک درس دیا پھر کانپور کے مدرسہ فیض عام میں ایک زمانے تک پڑھایا اور وہیں نکاح کرکے رہ پڑے۔ بہذہانت کثیر الدرس تھے، پندرہ سبق پڑھاتے تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی۔ تصنیفات میں، حمداللہ کی شرح سلم پر بہذہانت مفصل حاشیہ ہے

امکان کذب و امتناع کذب میں الگ رسالہ ہے۔

۲۵۹۔ اسحاق خاں ولد حافظ اکبر خاں۔ اصل وطن خانپور تھا، غدر کے بعد رامپور آگئے۔ مولانا ہدایت اللہ خاں سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، مولانا نورالنبی سے منطق و حکمت کی تکمیل کی۔ دہلی جاکر سید نذیر حسین محدث متوفی ۱۳۲۰ھ سے سند حدیث لی منطق و حکمت اور ریاضی کے نامور فضلا میں تھے۔ آخر میں دہلی رہنے لگے تھے۔

۲۶۰۔ اسدالحق بن عبدالحق خیرآبادی رامپوری۔ رامپور مولد و منشا تھا۔ والد سے درسیات کی تکمیل کی۔ ابتدائی کتابوں کے علاوہ سب کتابیں والد سے پڑھیں، نہایت ذہین اور زود فہم تھے۔ منطق و حکمت خاص مضمون تھا۔ مولانا عبدالعزیز اپنے والد کے شاگرد سے ابن حاجب کا کافیہ پڑھتے تھے تعارض فعلین کی بحث تھی مولانا نے ان کے استاذ کو ہدایت کی اس بحث میں "کفانی و لم اطلب قلیل من المال لیس منہ" کو چھوڑ دیجائیوں کہ اس کا مطلب اسدالحق سے ذاتی مطالعے میں نہیں نکل سکیگا تو اس کو خیال ہوگا کہ اس کی قوت مطالعہ ناقص اور کمزور ہے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ کافیے کا پڑھنے والا اسکو اپنے مطالعے میں نکال ہی نہیں سکتا اور جو چیز مطالعے میں نہ نکل سکے اس کا پڑھنا اور پڑھانا دونوں غیر مفید ہیں۔ اسدالحق، مولانا عبدالحق کے رامپور جانے کے بعد مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس تھے۔ لیکن عین جوانی میں ۱۳۱۸ھ میں ہیضے کی وبا میں رامپور میں انتقال ہوگیا اور میاں خواجہ احمد صاحب متوفی ۱۳۵۴ھ کے باغ میں دفن ہوئے۔

۲۶۱۔ اعجاز احمد بن عبدالباری سہسوانی۔ درسی کتابیں حکیم محمود عالم سہسوانی سے پڑھیں اور بہت دنوں ان کی خدمت میں رہے پھر بھوپال جاکر محمد بشیر سہسوانی متوفی ۱۳۲۳ھ اور قاضی عبدالحق کابلی بھوپالی سے درسیات کی تکمیل کی اور سہسوان آگئے۔ وہاں بسولی میں درس کے ساتھ مطب بھی شروع کردیا۔ بدایوں کے مدرسے میں عربی فارسی کے استاذ مقرر ہوگئے۔ آخر میں فیض آباد کے کالج میں نائب پرنسپل ہوگئے۔ اور پنشن لے کر وطن آگئے اور مطالعہ کتب و تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ ۱۳۸۲ھ میں انتقال ہوا۔ منجملہ دیگر تصانیف فارابی کی فصوص الحکم کی شرح رشحات الکرم کے نام سے لکھی۔

۲۶۲۔ افہام اللہ بن انعام اللہ انصاری لکھنوی۔ اکابر علمائے لکھنو میں تھے۔ لکھنو مولد و منشا تھا۔ مختصرات عبدالباسط لکھنوی متوفی ۱۲۹۵ھ سے پڑھے پھر مولانا عبدالحی کی خدمت میں بہت دنوں رہ کر تکمیل کی اور مدراس کے ویلور کے مدرسے میں درس دینے لگے۔ وہاں سے دکن میں گلبرگے کے مدرسے

میں مقرر ہوگئے۔ منجملہ دیگر تصنیفات کے شرح عقائد نسفی اور اس کے حاشیہ خیالی پر اور قطبی پر حاشیے لکھے۔ ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۳۔ الٰہی بخش فیض آبادی۔ ذہانت و قوتِ حفظ اور ذہن کی روانی میں خاص طور سے شہرت تھی فیض آباد مولد و منشا تھا، لکھنو جاکر مولانا انور علی لکھنوی متوفی ۱۳۰۲ھ اور دوسرے اساتذہ سے تحصیل تمام کی اور لکھنو میں ہی ایک زمانے تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں متوفی ۱۳۰۷ھ نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے رکھ لیا اور کچھ دنوں بعد بھوپال کے مدارس کی نظارت پر تقرر ہوگیا۔ ۱۳۰۶ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ ان کی تصنیفات میں شرح مرقاۃ فارسی میں، حمداللہ کی شرح سلم پر حاشیہ اور شرح تہذیب یزدی پر مفصل حاشیہ اور بعض دوسری درسیات پر حواشی ہیں، جو سب کے سب مفید ہیں۔ منطق کی کتابوں کی منطقی ترکیب ان کی ہی استخراج تھی۔

۲۶۴۔ سیدامیر علی بن معظم علی ملیح آبادی، لکھنوی۔ ہندستان کے مشاہیر میں تھے ابتداءً مکتبی تعلیم حاصل کی اور عربی کے مختصرات عبداللہ آروی و حیدر علی مہاجر سے پڑھیں۔ پھر قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی کی خدمت میں رہ کر درسیات کی تکمیل کی اور اصول، کلام، منطق و فلسفہ وغیرہ علوم حاصل کیے۔ سیدنذیر حسین سے حدیث اور حکیم عبدالحمیدخاں متوفی ۱۳۱۷ھ سے طب پڑھی۔ لکھنو میں شاہدی کر کے کتابوں کی تصحیح و تحشیہ پر مطبع نولکشور میں کچھ دنوں ملازم رہے پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل نے مدرسہ عالیہ میں تقرر کردیا، لیکن سال دوسال بعد ہی ندوۃ العلماء کے مدرسے میں صدر مدرس بنادئے گئے۔ دوتین سال بعد ۱۳۳۷ھ میں وفات پائی۔ مصنفات میں توضیح و تلویح پر نہایت بسوط حاشیہ بھی ہے۔

۲۶۵۔ انواراللہ بن شجاع الدین قندہاری حیدرآبادی۔ دکن کے ناندیڑ کے قصبہ قندہار میں پیدا ہوئے، حفظ قرآن کے بعد اپنے وطنی اساتذہ سے مختصرات پڑھیں۔ لکھنو جاکر عبدالحلیم انصاری سے اور ان کے بیٹے عبدالحی کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی عبداللہ یمنی سے تفسیر کا درس لیا۔ اکثر علوم و فنون میں ماہر تھے۔ کچھ دنوں حکومت کی ملازمت کی پھر حج کے لیے سفر کیا وہیں شیخ امداد اللہ مہاجر کی متوفی ۱۳۱۷ھ سے بیعت کی۔ دکن میں واپسی کے بعد محبوب علی خاں نظام دکن (۱۳۰۱/۱۸۸۴ء - ۱۳۲۹/۱۹۱۱ء) کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ خان بہادر کا خطاب ملا۔ پھر میر عثمان علی خاں (۱۹۱۱ء - ۱۹۴۸ء) کی تعلیم پر

مامور ہوئے۔ میر عثمان علی خاں نے دکن پر تخت نشینی کے بعد صدارت اور احتساب کے محکمے سپرد کیے پھر وزیر اوقاف بنادئے گئے اور فضیلت جنگ خطاب دیا۔ بعد کو شہزادگان کی تعلیم بھی متعلق ہوگئی۔ علوم عقلیہ میں یگانہ عصر تھے۔ اور درس و افادہ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا، حیدرآباد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی۔ تالیفات اور نشرواشاعت کتب کے لیے اشاعت العلوم کے نام سے ایک مجلس کی تاسیس کی۔ ۱۳۳۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی مصنفات میں سے کتاب العقل کافی مشہور ہے۔ جو فلسفہ جدید و قدیم کی جامعیت کے ساتھ جدید علم کلام ہے۔

۲۶۶۔ حکیم برکات احمد بن دائم علی ٹونکی۔ منطق و فلسفہ کے فضلا میں شمار ہوتے تھے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد اور محمد حسن خاں عسکری متوفی ۱۳۱۵ھ سے پڑھیں۔ پھر رامپور آکر صاحبزادہ محمد علی خاں معروف بہ چھٹن صاحب تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے یہاں قیام کرکے عبدالحق خیرآبادی سے معقولات کی تکمیل کی اور کئی سال ان کی خدمت میں گذارے پھر کئی سال دہلی میں رہ کر حکیم غلام نجف خاں متوفی ۱۲۴۰ سے طب حاصل کی بھوپال میں مولانا ایوب پھلتی متوفی ۱۳۱۵ھ سے حدیث پڑھی ٹونک آکر سرکاری شفاخانہ کے افسرالاطبا ہوگئے۔ درس و تعلیم ان کا حقیقی مشغلہ رہا، اطراف و امصار کے طلبہ پہنچنے لگے۔ منطق و فلسفہ کے مسلمہ اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ مولانا عبدالوہاب بہاری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ رامپور آئے اور نواب حامد علی خاں (۱۳۰۶ھ - ۱۳۴۹ھ) کو قصیدہ پیش کیا۔ مولانا نے میرزاہد رسالہ پر صحیفہ ملکوتیہ کے نام سے حاشیہ لکھا تھا جس میں مولانا خیرآبادی پر اعتراضات تھے۔ صاحبزادہ چھٹن صاحب چاہتے تھے کہ ان کو رامپور میں علمی زک پہنچائی جائے۔ وہ مولانا فضل حق رامپوری کے پاس آئے اور کہا کہ تمہیں نواب صاحب کے سامنے صحیفہ شیطانیہ والے عبدالوہاب سے مناظرہ کرنا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کا تعلق مجھ سے خوردانہ بزرگانہ ہے نہ میں ان سے مناظرے کے لیے تیار ہوں اور نہ وہ ہونگے۔ وہ مجھ سے ملنے آئے تھے تو میں نے ان کے اعتراضات کا جواب دیدیا تھا اور انہوں نے میرے جوابات تسلیم کرلیے ہیں اور یہ کہ کرگئے ہیں کہ یہ اعتراضات میں نے تمہارے لیے نہیں کئے ہیں۔ صاحبزادے صاحب نے مجبوراً حکیم برکات احمد صاحب کو بلالیا اور نواب حامد علی خاں کے سامنے مناظرہ ٹھہر گیا۔ نواب صاحب نے مولانا فضل حق صاحب کو بلاکر فیصلے کے لیے مشیر کے طور پر مجلس میں پہنچنے کا حکم دیا۔ مولانا عبدالوہاب حضرت مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ برکات احمد اپنے شاگرد مولوی معین الدین (اجمیری) کو لائے ہیں اور

میرے ساتھ کوئی شاگرد نہیں آپ اپنے کسی شاگرد کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ اگر معین الدین بحث شروع کر دیں تو وہ جواب دیں، ہاں اگر برکات احمد نے گفتگو شروع کی تو میں نبٹ لوں گا۔ چنانچہ مولانا نے اپنے صاحبزادے استاذی مولانا افضال الحق مرحوم متوفی ۱۳۷۵ھ اور استاذی و اخی المعظم مولانا عبدالوہاب خاں کو ساتھ کر دیا، گفتگو مولانا برکات احمد اور مولانا عبدالوہاب بہاری نے شروع کی حکیم برکات احمد صاحب کا ابتدائی سوال یہ تھا کہ قضیہ، منطقیین کے نزدیک معقولات ثانیہ میں سے ہے کہ جن کا ظرف عروض ذہن ہے جبکہ قضیہ شخصیہ جس کا موضوع جزئی اور شخصی ہوتا ہے اور خارجی وجود رکھتا ہے اس کا محکی عنہ خارجی ہوتا ہے۔ تو اس کو قضیہ کیسے عارض ہوگا۔ مولانا فضل حق صاحب فرماتے تھے کہ میں نے محسوس کیا کہ عبدالوہاب الٹی پیر رہے ہیں اور جواب بن نہیں پڑرہا ہے تو میں نے حکیم برکات احمد کے سوال کی تشریح کرتے ہوئے جواب کی طرف اشارہ کر دیا پھر ایک موقع پر برکات احمد دشواری میں پڑ گئے میں نے عبدالوہاب بہاری کی بات کی تشریح کی اور جواب کی طرف اشارہ کیا۔ بہر حال میں نے دونوں حضرات کی بحث کو نزاع لفظی قرار دیتے ہوئے فیصلہ کر دیا اور اس طرح نواب صاحب کے سامنے دنوں کی بات رہ گئی پھر ان دونوں حضرات نے الگ الگ آکر میرا شکریہ ادا کیا۔ حکیم صاحب کو منطق و فلسفہ میں غیر معمولی توغل تھا۔ ان کی تصنیفات میں القول الضابط فی تحقیق الوجود الرابط۔ امام الکلام فی تحقیق الاجسام اور کلام و فلسفہ کی بعض کتابوں پر حواشی ہیں۔ ۱۳۴۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۷۔ پردل کابلی۔ منطق و فلسفہ کے مشہور لوگوں میں تھے سرحدّ افغانستان کا علاقہ آبائی وطن تھا۔ طلب علم میں ہندستان آئے۔ مفتی لطف اللہ علیگڑھی اور دیگر اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ رامپور آکر پٹھان خاندان میں عقد کیا اور کچھ دنوں غالباً انوارالعلوم میں درس دیا۔ ٹونک میں مدرسہ خلیلیہ میں بہت دنوں پڑھایا۔ حکیم برکات احمد سے اختلاف کے باعث نواب صاحب ٹونک نے خارج البلد کر دیا تو دہلی آگئے اور مدرسہ نعمانیہ میں آخر عمر تک درس دیا۔ ۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۸۔ حفیظ اللہ بن دین علی بندوی۔ اعظم گڑھ کا قصبہ بندوہ مولد و منشا تھا۔ غازی پور جاکر عبداللہ غازی پوری وغیرہ سے پڑھا، وہاں سے لکھنو آئے اور مولانا عبدالحی کا دامن پکڑلیا۔ اور ان کے پاس فراغت پائی اور کاکوری کے سرکاری مدرسے میں ملازم ہوگئے۔ وہاں سے ان کے استاذ عبدالحی نے اپنے داماد یوسف بن قاسم متوفی ۱۳۴۴ھ کی تعلیم کے لیے لکھنو بلالیا۔ لکھنؤ میں ایک زمانے تک درس دیا پھر رامپور

اور مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس پر تقرر ہوگیا۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی پرنسپل تھے اور سوائے اپنے منتسبین کے کسی کو برداشت نہیں کرتے تھے علاوہ ازیں مولانا عبدالحی سے انہیں شدید علمی اختلافات تھے، رامپور کے احباب نے انہیں متعدد بار مشورہ دیا کہ مولانا خیرآبادی کے یہاں کبھی کبھی حاضری دیدیا کریں۔ لیکن وہ کبھی ان کی مجلس بلکہ دربار میں نہیں گئے اور یہ کہہ کر مشورہ کو مسترد کردیتے کہ مجھ سے اپنے استاذ کو گالیاں سنی نہیں جائینگی اور میں جواب دے نہیں سکوں گا اس لیے بہتر یہی ہے کہ نہ جاؤں۔ مولانا عبدالحق مولانا عبدالحی کے شاگرد کو مدرسے کا صدر مدرس کیسے برداشت کرتے، اُنہوں نے خسرو باغ کی کوٹھی میں (جس میں اب رضا ڈگری کالج ہے) جہاں نواب حامد علی خاں اس زمانے میں قیام پذیر تھے، مدرسہ عالیہ کے بڑے اساتذہ کا ان کے حضور میں امتحان رکھ دیا۔ مولانا حفیظ اللہ کی باری آئی تو خیرآبادی نے ان سے سوال کیا کہ فرد منتشر کا کیا مفہوم ہے، مولانا نے تشریح کی تو سوال کیا کہ فرد منتشر کا ثبوت و انتفا کس طرح ہوتا ہے، مولانا نے جواب دیا کہ کسی ایک فرد سے موجود ہوتا ہے اور ایک ہی فرد کے انتفاء سے منتفی ہوجاتا ہے۔ خیرآبادی نے نواب صاحب سے مخاطب ہوکر اور ایک خدمت گار کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ اس خدمت گار کی موت سے انسان فنا ہوجاتا ہے حالانکہ فرد منتشر بمعنی مفہوم فردیت مضاف بہ کلّی مثلاً جسم نا، و حیوان نا یعنی کوئی سا جسم کوئی سا حیوان اور کوئی سا انسان، بلا تخصص و تعین کے ثبوت کے لیے کسی ایک کا وہ کوئی بھی ہو ثبوت کافی ہوتا ہے، اور انتفا کے لیے جمیع کا انتفا ضروری ہوتا ہے۔ پھر خیرآبادی نے بھی جان بوجھ کر مغالطے سے کام لیا۔ نواب صاحب نے کہا نکالو اس کو چنانچہ مولانا مدرسہ عالیہ سے الگ کردیے گئے۔ مدرسہ عالیہ سے الگ ہوکر ندوے کے دارالعلوم میں صدر مدرس ہوگئے اور بہت دنوں وہاں درس دیا، وہاں سے ڈھاکہ گئے اور وہاں کے مدرسہ عالیہ میں استاذ مقرر ہوگئے۔ حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ وہاں سے پنشن لے کر رخصت ہوئے۔ اور حج کے بعد پھر ندوۃ العلماء کے صدر مدرس ہوگئے اور ۱۳۴۸ھ میں اس سے سبکدوش ہوگئے۔ ۱۳۶۲ھ میں وفات پائی۔ مولانا کو معقولات و منقولات میں یدطولیٰ حاصل تھا اور علم ہیئت تو ان کا مرغوب فن تھا، چنانچہ مدرسہ عالیہ کے نصاب میں مولانا نے شروع سے درجہ اول تک ریاضیات کا اضافہ کردیا مولانا کا تشریح شرح تصریح پر مبسوط حاشیہ بھی ہے۔

۲۷۹۔ حمید الدین بن رحمت اللہ ہزاروی۔ معقولات و منقولات میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ مانسہرہ

ضلع ہزارہ مولد و منشا تھا۔ ابتدائی کتابیں وطنی اساتذہ سے پڑھیں۔ رامپور آکر منطق و حکمت اور کلام، اساتذہ رامپور سے حاصل کیے اور اور مولانا فضل حق رامپوری سے تکمیل کی، بریلی میں عدر لیسی خدمات انجام دیں ذکی تھے طبیعت میں جولانی تھی فنون ادبیہ سے بھی کافی مناسبت تھی۔

۲۷۰۔ سید حیدر علی رضوی شیعی مجتہد۔ انہوں نے اپنے والد اور مولانا تراب علی لکھنوی سے درسیات پڑھے، شیعی اصول اور مسلم الثبوت احمد علی محمد آبادی، متوفی ۱۲۹۵ھ سے پڑھے۔ ادبیات کی تحصیل مفتی عباس تستری لکھنوی متوفی ۱۳۰۶ھ سے کی۔ پٹنہ میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ لکھنو کے مدرسہ ایمانیہ میں رضاکارانہ درس دیتے تھے، نہایت قانع، متقی اور عبادت گزار تھے، معقولات و منقولات دونوں میں نمایاں تھے، مصنفات میں سے صدرا پر، حمداللہ اور ملاحسن کی سلّم کی شرحوں پر حواشی ہیں ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

۲۷۱۔ قاضی دوست محمد بن امیر کابلی ٹونکی۔ کابل مولد و منشا تھا، وطنی اساتذہ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں لکھنو آکر مفتی نعمت اللہ انصاری متوفی ۱۲۹۹ھ سے فنون ریاضیہ اور دیگر علوم کی تحصیل کی اور بہت دنوں تک ان کے پاس رہے۔ مرادآباد میں سید عالم علی نگینوی سے حدیث کی سند لی۔ اکبر آباد میں استاذ ہوگئے اور بہت دنوں پڑھایا۔ ٹونک میں جاکر عقد کیا اور قاضی مقرر کردئے گئے، علوم حکمیہ میں جید فاضل تھے، شرح ہدایۃ الحکمہ (غالباً میبذی) پر بھی حاشیہ لکھا ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں ٹونک میں انتقال ہوا۔

۲۷۲۔ سراج الحق بن فیض احمد عثمانی بدایونی۔ مشہور فضلا میں تھے کچھ کتابیں والد سے پڑھیں اور کچھ اپنے ماموں نوراحمد بدایونی، متوفی ۱۳۰۲ھ سے۔ مصنفات میں حکمت طبیعیہ میں سراج الحکمہ اور میزان منطق کی شرح اور ابو حفص عمر بن محمد نسفی متوفی ۵۲۷ھ کی معتقد کی شرح منتقد از شرف الدین اسماعیل بن ابراہیم شیبانی پر حاشیہ ہے۔

۲۷۳۔ شمس العلماء سعادت حسین بن رحمت علی بہاری۔ کٹھا مولد و منشا ہے، کچھ دنوں اپنے وطن بہار میں پڑھا پھر جون پور میں مفتی یوسف لکھنوی فرنگی محلی سے تکمیل کی اور آرہ میں دس سال درس

دیا۔ پھر حج و زیارت کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ ہوگئے۔ حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ میرزاہد رسالہ پر حاشیہ اور رسالہ فی ابطال التناسخ ان کی تصنیفات میں سے ہیں طویل عمر پائی۔ قریب قریب ایک سو دو سال کی عمر میں ۱۳۶۰ھ میں وفات پائی۔

۲۷۴۔ شبلی بن حبیب اللہ نعمانی بندولی، اعظم گڑھ کے قصبے، بندول میں پیدا ہوئے، ابتدائی عربی کی کتابیں فاروق چڑیاکوٹی متوفی ۱۳۲۷ھ سے پڑھ کر ان سے منطق و حکمت پڑھی اور بہت دنوں تک ان سے فیض اٹھایا، پھر رامپور میں آکر مولانا ارشاد حسین مجددی متوفی ۱۳۱۱ھ سے فقہ و اصول حاصل کیے، مولانا فیض الحسن سہارنپوری متوفی ۱۳۰۴ھ سے ادب عربی حاصل کیا۔ اس زمانے میں اپنے استاذ مولانا ارشاد حسین کے زیر اثر متشدد حنفی تھے اور زبانی طور پر تشدد آخر تک قائم رہا۔ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم متوفی ۱۳۷۳ھ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی مجلس میں وہ ہمارے سامنے مسکرا کر فرماتے کہ دیکھیے میں متشدد حنفی اور میرے یہ شاگرد غیر مقلد۔ لیکن علی گڑھ کے مدرسۃ العلوم میں جاکر مغربی اور دوسرے جدید تعلیم یافتہ استاذوں اور سرسید متوفی ۱۳۱۵ھ اور ان کے ساتھیوں کے زیر اثر یہ تشدد جاتا رہا تھا اور اعتدال پیدا ہوگیا تھا۔ ممالک اسلامیہ کا سفر کیا سلطان عبدالحمید خاں دوم (۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء - ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء، متوفی ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء) نے تمغہ، چوتھے درجے کا انعام دیا، ہندستانی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب عنایت کیا، مدرسۃ العلوم سے حیدرآباد آگئے اور علوم و فنون کی نظارت حوالے ہوئی۔ پانچ سال وہاں رہے اور سو روپیہ ماہوار پنشن پر لکھنؤ گئے۔ آٹھ سال دارالعلوم ندوۃ العلماء کی سربراہی کی ۱۳۲۴ھ میں پاس رکھی ہوئی بندوق چل جانے سے چھرے بائیں پاؤں پر پڑے جسے کاٹنا پڑا۔ علامہ قوی الحافظہ، ذکی، وسیع النظر، باریک بیں، قوی الحجۃ، کثیرالمطالعہ اور بااثر تھے۔ کثرت سے تصانیف ہیں۔ عقائد و کلام پر نہایت دقیق نظر تھی چنانچہ علم کلام کی تاریخ اور کلام ان کی نہایت اہم کتابیں ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں وفات پائی۔

۲۷۵۔ ضیاء الدین بن محمد بخش بستوی دہلوی۔ اپنے زمانہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ دہلی کے قصبے بستی کے رہنے والے تھے۔ مولانا مملوک علی، مفتی صدالدین متوفی ۱۲۸۵ھ، حکیم احمد علی وغیرہ علماء سے تحصیل علم کی، مدتوں دہلی کے مدرسے میں مدرس رہے، پھر انگریزی حکومت کی طرف سے کسی ضلع میں نائب حاکم رہے، خان بہادر کے ساتھ شمس العلماء کا خطاب پایا اور پنشن لی۔ ایک اردو

رسالہ طبیعیات میں یادگار ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۷۶۔ ظہور الحسن بن نیاز اللہ رامپوری۔ گیارہویں پشت پر رفیع الدین سرہندی پر سلسلہ نسب شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۴ھ سے مل جاتا ہے۔ والد سے فارسی پڑھی۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں مولانا امداد حسین مجددی رامپوری متوفی ۱۳۱۲ھ سے پڑھیں معقولات کی ابتدائی کتابیں عبدالعلی ریاضی داں رامپوری اور نور النبی رامپوری سے پڑھیں۔ دینیات مولوی ارشاد حسین سے پڑھی اور کچھ مفتی سعد اللہ مرادآبادی رامپوری سے، عبدالحق خیرآبادی سے معقولات کی آخری کتابیں پڑھیں اور بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہے۔ مدرسہ عالیہ میں مدرس ہوگئے۔ ۱۹۰۳ء میں اساتذہ مدرسہ کو نواب حامد علی خاں کے سامنے ان کا امتحان لینے کے لیے پیش کیا گیا۔ جو در حقیقت مولانا حفیظ اللہ کو مدرسہ سے الگ کرنے کے لیے تھا۔ استاذی مولانا معز اللہ خان صاحب متوفی ۱۳۶۱ھ استاذ درجہ دوم مجھ سے فرماتے تھے کہ میں موجود تھا ظفر احمد خیرآبادی عبارت پڑھتے تھے اور اساتذہ کتاب سامنے رکھے بغیر تقریر کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے حمداللہ کے ابتدائی کسی موقع کی عبارت پڑھی، عبارت پوری نہیں ہوئی تھی پڑھنا شروع ہی کی تھی کہ مولانا نے تقریر شروع کردی اور پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ تقریر شروع کی۔ کسی نے کہا کہ یہ موقع تو متواتر مولانا کے زیر درس رہتا ہے چنانچہ اواخر کتاب سے عبارت پڑھنی شروع کی گئی مولانا نے پورے مالہ وماعلیہ کے ساتھ تقریر شروع کردی، فرق اتنا تھا کہ سکون سے پوری عبارت سنی اور پھر تقریر کی۔ ۱۳۰۲ھ میں مولانا راندیر چلے گئے اور مولانا فضل حق ان کی جگہ صدر مدرس اور پرنسپل بنادیئے گئے۔ نواب صاحب نے کسی بات پر ناراض ہوکر مولانا فضل حق کو الگ کردیا اور مولانا کلکتہ مدرسہ عالیہ میں چلے گئے تو مولانا ظہور الحسین صاحب کو بلاکر پھر صدر مدرس بنادیا گیا۔۔۔۔ کچھ دنوں بعد پھر مولانا فضل حق کو نواب صاحب نے طلب کیا۔ مولانا نہیں چاہتے تھے کہ آئیں، لیکن ان کے اعزہ و اقارب نے انہیں ریاست کے خوف کی وجہ سے آنے پر مجبور کردیا اور آنے کے بعد ان کو پھر صدر مدرس اور پرنسپل کردیا گیا اور مولانا ظہور الحسین صاحب کو ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی بناکر مدرسہ عالیہ کی پرنسپلی کی تنخواہ پر بھیج دیا۔ تصانیف میں الافق المبین کا حاشیہ، قاضی مبارک کی شرح حمداللہ کا حاشیہ، میرزاہد رسالہ کا حاشیہ، حمداللہ کی شرح سلم کا حاشیہ حکمت العین کی شرح شفاۃ بالتکریر کی مختصر اور مبسوط شرحیں ہیں۔ لیکن سوائے میرزاہد رسالہ کے حاشیے کے کوئی حاشیہ اور شرح مکمل نہ ہوسکی۔ ۱۳۴۲ھ کو

رامپور میں وفات پائی۔ مولانا آنحضرت کے علم غیب بجمیع ماکان ومایکون کے قائل تھے اور بعض بدعات کو بھی جائز جانتے تھے۔ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ کے بہت سی باتوں میں موافق تھے۔

۲۷۷۔ عبدالباری بن سراج احمد سہسوانی۔ مولانا امیر احمد سہسوانی سے تحصیل کی اور ان کی خدمت میں بہت زمانے تک استفادہ کیا۔ نہایت ذکی، زود فہم، قوی الحافظہ تھے۔ بحث و مناظرہ ان کی عادت ہوگئی تھی۔ آریوں اور عیسائیوں سے مناظرے کرتے تھے۔ درسیات پر حواشی کے علاوہ عیسائیوں کی تردید میں بسوط کتاب ہے، القائد الی العقائد کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں بھوپال میں وفات پائی۔

۲۷۸۔ عبدالباری بن عبدالوہاب انصاری لکھنوی۔ لکھنو مولد و منشا تھا، عبدالباقی انصاری متوفی ۱۳۶۴ھ سے اکثر درسیات پڑھے اور کچھ عین القضاۃ سے۔ ۱۳۲۲ھ میں حج و زیارت سے فراغت پائی اور اسی اثنا میں حدیث میں وہاں کے اکابر محدثین سے اجازتیں حاصل کیں۔ آکر درس شروع کردیا۔ فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ کی تاسیس کے بعد اس میں درس دینے لگے آخر عمر میں قرآن و حدیث کا درس واحد مشغلہ رہ گیا تھا۔ گھر پر مولائے روم کی مثنوی پڑھاتے تھے۔ ملی انجمنوں تعلیمی تحریکوں اور عوامی خدمات اور مسلمانوں کے عام معاملات سے زیادہ تعلق رہتا تھا اور خاصا وقت سفر اور جلسوں میں گذرتا۔ تحریک خلافت کے قائدین میں سے تھے۔ مولانا محمد علی متوفی ۱۹۳۱، شوکت علی متوفی ۱۹۳۸، نے بیعت کی تھی۔ اور ان کا مکان سیاسی جلسوں اور ملکی قائدین کا مرکز بن گیا تھا، ۱۳۴۴ھ میں وفات پائی کتب درسیہ پر حواشی کے علاوہ ہیئت جدید و قدیم پر ایک رسالہ ہے، ملہم الملکوت کے نام سے مسلم الثبوت کی شرح ہے ان کے علاوہ فتاویٰ اور دوسرے رسائل ہیں۔

۲۷۹۔ عبدالحق بن فضل حق خیرآبادی۔ منطق و حکمت کے بے بدل فاضل تھے۔ انداز اور مزاج عالمانہ سے کہیں زیادہ رئیسانہ تھا۔ لباس بھی اس زمانہ کے رؤسا کا زیب تن ہوتا تھا پان کثرت سے کھاتے تھے۔ نہایت ذہین اور تیز فہم، قوی الحافظہ اور باوقار شخصیت تھی۔ میرے لڑکپن اور جوانی میں ان کے لطائف و ظرائف علما کی زبان پر تھے۔ غیر معمولی فضول خرچ تھے۔ سود کے بغیر گذر نہیں ہوتی تھی۔ پالکی رہن کردیتے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ پالکی گھر میں محبوس ہوتی اب آنا جانا بند ہوجاتا تھا تاوقتیکہ نواب کلب علی خاں قرضہ ادا نہیں کردیتے اور اگر ادائے قرض میں تاخیر ہوتی تو رامپور

چھوڑنے کی تشہیر کرتے اور نواب قرضہ ادا کردیتے۔ میرے استاذ مولانا فضل حق رامپوری نے ایک بار ان کے رامپور چھوڑنے کا واقعہ بیان کیا کہ قرض بہت ہوگیا تھا نواب صاحب تک خبریں پہنچیں، لیکن وہ توجہ نہیں کررہے تھے، رامپور چھوڑ کر جانے کا ارادہ بھی معلوم ہوگیا تھا، لیکن نواب صاحب نے اثر نہیں لیا۔ استاذی مرحوم اس واقعے کو مولانا ارشاد حسین مجددی کی علم نوازی اور ان کی غیر معمولی شرافت نفس کی مثال میں پیش کرتے تھے۔ چنانچہ استاذی مرحوم نے فرمایا کہ باوجودیکہ مولانا خیرآبادی، مولانا ارشاد حسین کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور اپنی درسی مجلسوں میں کوئی موقع ان پر طعن و طنز کا نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کے علم و تفقہ پر بھی اور ان کی مشیخت اور تورع پر بھی ان کے شاگردوں اور طلبا کو لٹھیا بلٹن کہتے تھے اور یہ سب کچھ ان تک پہنچتا تھا، چنانچہ مولانا خیرآبادی نے جب رامپور چھوڑنے کا ارادہ کرلیا تو رخصتی ملاقات کے لیے ان کے یہاں گئے اور کہا کہ میں رامپور سے جارہا ہوں اور رخصتی ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ مولانا نے کہا "ارے کیوں؟" مولانا نے اپنے اوپر قرضے کا بار اور نواب صاحب کی بے توجہی کو بیان کیا۔ مولانا نے رامپور رہنے پر اصرار کیا۔ خیرآبادی نے اپنی معذوری بیان کی اور رخصت ہوکر گئے۔ نواب صاحب مولانا ارشاد حسین صاحب سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے اور ان کی بات نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا علاف وقت فوری طور پر نواب صاحب کے پاس پہنچے، نواب صاحب نے مولانا کی فوری آمد کی وجہ دریافت کی۔ مولانا نے کہا کہ مولانا خیرآبادی رامپور سے جارہے ہیں۔ سرکار نے کہا حضرت بس جانے دیجئے میں کہاں تک ان کے قرضے ادا کرتا رہوں، مولانا نے فرمایا کہ وہ رامپور کی آبرو ہیں، ان کا رامپور سے جانا رامپور کی آبرو کا جانا ہے۔ چنانچہ نواب صاحب نے ان کا قرض ادا کیا۔ مولانا بہت خود پسند تھے اور سوائے اپنے منتسبین کے کسی کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے بلکہ تضحیک سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

استاذی مولانا معزاللہ خاں صاحب مرحوم نے جو ان کے شاگرد بھی تھے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک روز صبح صبح مولانا کی خدمت میں پہنچا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ تم نے کچھ سنا، میں نے کہا کیا، فرمانے لگے کہ رامپور کے سب مولوی مرگئے ہیں، میں نے کہا نہیں حضرت ایسا تو نہیں میں نے کسی سے اس کے متعلق کچھ نہیں سنا، فرمانے لگے کہ ابھی کچھ دیر ہوئی ایک صاحب مجھ سے مسئلہ دریافت کرنے آئے تھے اگر رامپور میں کوئی مولوی بھی زندہ ہوتا تو مجھ سے مسئلہ پوچھنے کیوں آتے۔ مولانا کے اس طرح کے لطیفے اور واقعات بہت سے ہیں۔ بہر حال مولانا نے سولہ سال کی عمر میں درسیات کی تکمیل شروع

سے آخر تک اپنے والد سے کی۔ چند سال والد کے ساتھ سہارنپور رہے پھر الور رہے او عمائدین ریاست میں شمار ہونے لگے۔ الور میں ہی تھے کہ غدر ہوگیا۔ آپ دہلی آگئے اور والد کالے پانی بھیج دئے گئے۔ دہلی سے خیرآباد چلے آئے وہاں سے ٹونک گئے دو سال وہاں رہے۔ وہاں سے کلکتہ مدرسہ عالیہ میں تقرر ہوگیا، لیکن ان کی نازک مزاجی بلکہ تنک مزاجی نے انہیں کہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیا، اپنی وضع کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، خودپسندی اور رئیسانہ مزاج کہ کلکتہ چند سال سے زیادہ نہیں رہ سکے اور ترک تعلق کردیا۔ نواب کلب علی خاں نے رامپور بلالیااور وہ عزت و نازبرداری کی اور ان کی تنک مزاجیاں اٹھائیں کہ یہیں رہ پڑے، رامپور کے مدرسہ عالیہ میں پرنسپل کرنے کے علاوہ حاکم مرافعہ بھی کردیا۔ دوسوروپیہ ماہانہ کے علاوہ ہر سال ان کے قرض کی ادائی کے لیے دو تین ہزار روپے سالانہ عنایت کردیتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۸۱ھ سے ۱۳۰۲ھ تک رامپور ہی میں رہے۔ طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ طلبہ درس کے منتظر، تصنیف کے کاغذ سامنے ہیں لکھتے بھی جاتے ہیں، درس کی تقریر بھی ہورہی ہے۔ احباب سے باتیں بھی ہورہی ہیں ایک ایک مہینہ درس نہیں ہوتا، طلبہ ان کے احباب سے سفارشیں کراتے جب درس کے لیے طلب کرتے اور کسی شاگرد کو غیر حاضر پاتے اس کا داخلہ بند کردیتے، وہ باہر پڑجاتا، سفارشیں کراتا، مولانا کو رحم آجاتا تو بلالیتے۔ آنے والے طلبہ عموماً فراغت یافتہ ہوتے تھے اور ان کی تقریر سے استفادہ کرتے۔ تقریر نہایت سلجھی اور مالہ و ماعلیہ پر حاوی ہوتی، حتی الامکان سہل الفاظ استعمال کرتے، مولانا کے دولفظ خاص طور سے اساتذہ سے سنے ہیں تسلسل کو تانتا بندھ جاتا اوردور کو ہیرپھیر کہتے تھے۔ اس نازک مزاجی اور رئیسانہ دماغ داری کے ساتھ غریب پرور، ایثار پیشہ تھے، حسن صورت کے ساتھ پروقار شخصیت تھی، اسلامی حمیت کے ساتھ خوش عقیدہ اور بزرگان دین اور مشائخ سے لگاؤ تھا۔ نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد خیرآباد چلے گئے۔ جنرل اعظم الدین خاں شہید ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء ریاست کے مدارالمہام نے بے طلب آٹھ مہینے کی رخصت منظور کرلی لیکن مولانا نہیں آئے حیدرآباد چلے گئے، ریاست نے بہت اعزاز سے رکھا، دوسو مہینہ بطور منصب مقرر کردیا، لیکن رامپور جیسی نازبرداری اور اپنائیت کہاں؟ وہاں سے بھی چلے آئے۔ نواب حامد علی خاں برسراقتدار آچکے تھے، انہوں نے قدیم اعزاز کے ساتھ بلالیا اور منطق و فلسفہ کے دوچار سبق بھی پڑھے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مشورے سے۔ تونسے کے شیخ اللہ بخش متوفی ۱۹۰۱ء سے بیعت تھی انگریزی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا تھا۔ رامپور کے قیام کے زمانے میں امراض جگر میں مبتلا ہوگئے۔ وطن

گئے اور ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ مولانا کے درس کی یہ صورت تھی کہ طالب علم عبارت پڑھتا اور مولانا تقریر کرتے تقریر کو عبارت کتاب سے چسپاں کرنا مولانا کا طریق درس نہ تھا۔ تصنیف میں اگر کسی کتاب سے نقل کرنا ہوتا تو اس کتاب پر نشان لگادیتے۔ اس کا نقل کرنا کاتب کی ذمہ داری تھی، چنانچہ بعض اوقات غلطیاں راہ پاجاتیں اور بغیر اصل کی طرف رجوع کیے ان کا حل کرنا دشوار ہوجاتا۔ مولانا کی تصنیفات میں ہدایۃ الحکمہ کی شرح، غلام یحیٰ بر میرزاہد رسالہ کا حاشیہ، میرزاہدامورعامہ پر حاشیہ، حمداللہ کی شرح سلم پر حاشیہ، قاضی کی شرح سلم پر حاشیہ اور مسلم الثبوت کی شرح ہیں۔ کافیہ کی شرح جو حقیقۃً میر سید شریف کی فارسی کی تعریب ہے۔ مولانا نے اپنے بیٹے اسدالحق کے لیے لکھی تھی تاکہ کافیہ اور شرح ملاجامی کے درمیان حلقہ کا کام دے۔

۲۸۰۔ قاضی عبدالحق بن محمد اعظم کابلی۔ کابل مولد و منشا تھا، ابتدائی کتابیں وطنی علماء سے پڑھ کر کلکتہ میں عبدالحق خیرآبادی سے الافق المبین کے کچھ اسباق پڑھے، پھر جونپور پہنچے، رامپور آئے اور مولانا عبدالعلی ریاضی داں رامپوری سے الافق المبین اور شیخ کی شفا پڑھی۔ تحصیل ختم کرنے کے بعد حج و زیارت سے فارغ ہوئے اور اسی اثناء میں شام و عراق کے شہروں کی سیاحت بھی کر ڈالی اور بھوپال جاکر فتح اللہ نائب مفتی بھوپال سے فنون ریاضیہ پڑھے۔ نائب مفتی نے اپنی لڑکی سے عقد کردیا اور مدرسہ شاہجہانیہ میں استاذ ہوگئے اور بہت دنوں تک تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ شیخ فتح اللہ کے انتقال کے بعد ان کی جگہ نائب مفتی ہوگئے، پھر مفتی ہوئے اور پھر قاضی اور ۱۳۲۱ھ اپنی سال وفات تک قاضی رہے۔ منطق و فلسفہ اور کلام کے ماہر تھے، قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ القول المسلم کے نام سے لکھا، قاضی مبارک کے میرزاہد امور عامہ کے حاشیہ پر حاشیہ لکھا توضیح شرح تلویح پر حاشیہ لکھا، شفاۃ بالتکریر پر بھی رسالہ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر رسائل بھی ہیں۔ طاعون میں انتقال ہوا۔

۲۸۱۔ عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی فرنگی محلی۔ اپنے عہد کے یگانہ جامع الفنون اور اذکیائے روزگار تھے، حفظ قرآن کے بعد اپنے والد سے علوم و فنون اول سے آخر تک پڑھے، کچھ ہیئت کی کتابیں اپنے والد کے ماموں مفتی نعمت اللہ متوفی ۱۲۹۰ھ سے پڑھیں۔ سترہ سال کی عمر میں فراغت پائی۔ ایک زمانہ تک حیدرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ حیدرآباد سے ڈھائی سو روپے کے بلاخدمت وظیفے پر چلے آئے اور لکھنو میں عمر بھر درس، تصنیف اور وعظ میں مشغول ہوگئے۔ کسی فن یا کسی مسئلہ میں ان کے

سامنے علما میں بحث چھڑجاتی تو یہ خاموشی سے سنتے رہتے اور کسی طرح کی مداخلت نہیں کرتے تھے بلکہ بلکہ جب لوگ ان کی طرف رجوع ہوکران کی رائے دریافت کرتے تو ایسی بات کہتے جس کو سب قبول کرلیتے۔ اگرچہ حنفی مسلک رکھتے تھے لیکن متعصب نہ تھے۔ اگر خلاف مسلک کوئی قوی دلیل ہوتی تو اس پر عمل کرتے اور اسے خلاف تقلید نہیں جانتے تھے۔ علوم عقلیہ میں بھی ان کا تبحر ناقابل انکار تھا۔ غلام یحیٰ کے حاشیہ پر مولانا خیرآبادی کی غلطی کی نشاندہی پر مولانا خیرآبادی ان سے ناخوش ہوگئے اور نجی درسی مجلسوں میں طعن وتشنیع کرتے، لیکن مناظرے کے لیے تیار نہ ہوتے کہ کہیں عبدالحی یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ بھی قابل اعتنا ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں کو وفیات کے سلسلے کی غلطیوں پر متنبہ کیا تھا اور آپس میں بے مزگیاں پیدا ہوگئیں تھیں۔ بحرالعلوم اگرچہ بحرالعلوم ہیں، لیکن اپنی جامعیت کے اعتبار سے فرنگی محلی علما میں مولانا عبدالحی کا مرتبہ کسی سے کم نہیں ہے۔ تقریباً تمام فنون میں مولانا کی قابل قدر اور بے نظیر تصانیف ہیں۔ منجملہ ان کی کثیر تصنیفات کے غلام یحیٰ برزاہد رسالہ پر ہدایۃ الوریٰ الی سواء الہدیٰ، مصباح الدجیٰ اور علم الہدیٰ ان کے حواشی ہیں۔ ان کے علاوہ ملا جلال پر التعلیق العجیب کے نام سے حاشیہ ہے۔ مجہول المطلق کی بحث میں حل المغلق نام کا رسالہ ہے، عدم تناہی کے ابطال میں براہین پر الکلام المتین کے نام سے ایک رسالہ ہے، شفاۃ بالتکریر پر میسرالعسیر رسالہ ہے۔ سبع عرض شعیرہ پر الافادۃ الخطیرہ ہے۔ کمال الدین کے حاشیہ ملاحسن پر دفع الکلال عن طلاب تعلیقات الکمال ہے، شرح مواقف کے حواشی پر المعارف ہے۔ شرح ہیاکل کے حواشی زاہدیہ پر تعلیق الحمائل ہے۔ بدیع المیزان کی شرح ہے۔ آخری چار کتابیں تکمیل نہیں پاسکیں۔ قطبی سے متعلق الکلام الوہبی ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں جبکہ عمر انتالیس سال سے متجاوز نہیں ہوئی تھی، وفات پائی۔

۲۸۲۔ عبدالرحمان بن تجو غازی پوری۔ اپنے عہد کے مشہور فاضل تھے۔ عبداللہ بن عبدالرحیم غازی پوری کے بھانجے تھے۔ حفظ قرآن کے بعد عربی کی کچھ کتابیں کچھ دنوں عبدالاحد لکھنوی سے پڑھیں اور اپنے ماموں عبداللہ سے تمام درسیات پڑھے بعد کو غازی پور کے مدرسہ چشمہ رحمت میں استاذ ہوگئے اور کچھ زمانے تک درس دیا اور اسے چھوڑ کر بطور خود بلااجرت درس دینا شروع کردیا۔ سندی کی شرح جتنذب کی اردو میں نہایت مبسوط شرح لکھی ہے۔

۲۸۳۔ عبدالرحمان بن عنایت اللہ بجنوری امروہی۔ بمبئی میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں قرآن مجید

حفظ کیا۔ اپنے والد اور دیگر اساتذہ مکہ سے تحصیل کی۔ مرادآباد کی شاہی مسجد کے مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر بمبئی چلے گئے اور کو بیٹھ کے مدرسے میں مدرس ہوگئے۔ پھر امروہے کے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد میں شیخ الحدیث ہوگئے۔ کچھ دنوں کوڈھابیل کے جامعہ اسلامیہ میں بھی پڑھایا منجملہ تصنیفات تفسیر بیضاوی کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۳۶ھ میں امروہے میں انتقال ہوا اور جامع مسجد امروہہ میں دفن ہوئے۔

۲۸۴۔ عبدالعزیز انبٹھوی، رامپوری۔ انبٹھا ضلع سہارنپور مولد تھا۔ وطن اور اس کے قرب و جوار کے علماء سے تحصیل کی۔ پھر مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوگئے، اور تقریباً سال تک ان کے درسوں میں شرکت کی۔ چنانچہ مولانا کی اکثر تقریریں ان کے الفاظ اور ان کے ہاتھوں کے اشاروں کے ساتھ محفوظ تھیں، منطق فلسفہ اور کلام ہی ان کا خاص مضمون رہا۔ آخرزمانے میں وسواس اور وہم میں مبتلا تھے۔ وضو کے لیے بیسیوں لوٹے اور غسل کے لیے بیسیوں گھڑے درکار ہوتے۔ استاذی مولانا منور علی صاحب محدث رامپوری المتوفی ۱۳۵۱ھ نے فرمایا کہ میرے استاذ تھے اور میں ان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک روز میں نے عرض کیا کہ ذرا میرا وضو ملاحظہ فرمایئے۔ اگر کہیں کوئی غلطی ہو تو بتادیجئے چنانچہ میں نے ایک لوٹا پانی کا لیکر وضو کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ہر عضو پر پانی بہایا اور برابر پوچھتا رہا کہ کہیں خشکی تو نہیں رہی۔ مولانا بہت غور سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ اور کہتے رہے کہ ٹھیک دھل گیا۔ میرے فارغ ہونے کے بعد خود وضو کے لیے بیٹھے اور ہاتھ دھونے میں ہی ایک لوٹا بہادیا جب میں کہتا کہ دھل گیا اور کہیں خشکی نہیں رہی تو انگلی سے بتاتے کہ یہ رہ گئی، یہ رہ گئی، جبکہ واقع میں ایسا نہ ہوتا، آخر دہی بیس پچیس لوٹے وضو میں صرف کردئے۔ مولانا اسدالحق خیرآبادی کے انتقال ۱۳۱۸ کے بعد حامد علی خاں نے طلب کرکے مدرسہ عالیہ کا صدر مدرس کردیا اور خود بھی شاگرد ہوئے۔ گھیر سیف الدین خاں میں اونچی مسجد کے قریب مکان تھا۔ رامپور کے بہت سے علماء ان کے شاگرد ہوئے۔ غالباً ۱۳۲۸ھ میں رامپور میں انتقال ہوا اور محلے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

۲۸۵۔ عبدالعلی بن قاضی خلیل الرحمن رامپوری ٹونکی۔ رامپور مولد و منشا تھا۔ اپنے والد سے تحصیل علم اور ان کے ساتھ ٹونک آئے اور ٹونک میں رہ پڑے علوم حکمیہ میں خاص اور نمایاں درجہ تھا۔ درس و افادہ مشغلہ تھا۔ ۱۳۰۸ھ میں ٹونک میں وفات پائی۔

۲۸۶۔ عبداللطیف خاں ریاضی داں ولد یوسف خاں رامپوری۔ محلہ راجؒ دوارہ میں رہتے تھے۔ منطق و حکمت و میں مہارت کے علاوہ فنون ریاضیہ میں بے بدل تھے، مدرسہ عالیہ رامپور کے صدر مدرس تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ریاضی میں انہیں کے شاگرد تھے۔ ابتداءً مولانا حیدر علی ٹونکی متوفی ۱۲۷۲ھ سے استفادہ کیا۔ پھر مفتی شرف الدین رامپوری۔ ملا عبدالرحیم خاں تیراہی متوفی ۱۲۳۴ھ اور اخوند زادہ رفیع اللہ خاں سوادی متوفی ۱۲۸۲ھ سے تکمیل کی نواب یوسف علی خاں (۱۲۷۱ھ۔ ۱۲۸۱) نے بھی پڑھا تھا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی نواب یوسف علی خاں کی تعلیم کے لیے رامپور آئے تو ان سے بہ شرکت مولوی نورالنبی دوانی کا قدیمہ پڑھا ۱۳۰۳ھ میں رامپور میں وفات پائی اور راج دوارے میں مولوی غلام جیلانی متوفی ۱۲۳۴ھ کے پہلو میں دفن ہیئے۔

۲۸۷۔ عبدالغفور رمضانپوری۔ رمضانپور مونگیر مولد ہے۔ کچھ دنوں مولوی اسماعیل رمضانپوری اور محمد احسن گیلانوی سے پڑھا پھر لکھنو میں مولانا عبدالحی سے تحصیل کی۔ مصنفات میں شرح تہذیب یزدی کا حاشیہ بھی ہے۔

۲۸۸۔ عبدالقادر بن محمد ادریس سلہٹی۔ بنگال کے مشہور علما میں تھے مولوی رمضان اللہ سے تحصیل کی پھر درس میں مشغول ہوگئے۔ مصنفات میں فقہ اکبر کی شرالدرالازہر، فوائد قادریہ، عقائد نسفی کی شرح وغیرہ ہیں۔

۲۸۹۔ عبدالکریم بن عبدالرزاق ہزاروی۔ معقولات و منقولات دونوں میں نمایاں شخصیت تھے، ضلع ہزارہ کے لیبسر کوٹ میں پیدا ہوئے ابتدائی صرف و نحو نور عالم ہزاروی سے پڑھیں۔ دیوبند میں فقہ و حدیث وغیرہ پڑھیں۔ رامپور جاکر عبدالحق خیرآبادی سے پڑھا اور رامپور میں ہی درس دینا شروع کردیا، پھر شاہ جہانپور میں مدرس ہوکر چلے گئے۔ وہاں حیدرآباد میں مدرسہ محبوبیہ میں مدرس ہوگئے۔ وہاں سے لکھنو میں دارالعلوم کے استاذ ہوئے۔ حرکت زمین کے ابطال میں ایک رسالہ ان کے مصنفات میں سے ہے۔ چھتیس سال کی عمر میں ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

۲۹۰۔ عبداللہ بن آل احمد بلگرامی۔ بلگرام میں پیدا ہوئے، مولانا سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی نورالحسن کاندھلوی وغیرہ علما سے تحصیل کی۔ مصنفات میں ہدیہ سعیدیہ کا حاشیہ تحفۂ علیہ ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی۔

۲۹۱۔ مفتی عبداللہ بن صابر علی ٹونکی۔ مفتی لطف اللہ علیگڑہی وغیرہ علماسے تحصیل کی۔ دہلی میں

مدرسہ عبدالرب میں ایک زمانے تک استاذ رہے۔ وہاں سے لاہور کے اورینٹل کالج میں تقرر ہوگیا۔ وہاں سے آکر دارالعلوم لکھنؤ میں ملازم ہوگئے۔ پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تقرر ہوگیا۔ وہاں کچھ ہی دا کام کیا کہ فالج کا دورہ ہوا چنانچہ بھوپال میں اپنے لڑکے انوارالحق کے پاس آگئے اور وہیں ۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔ تصنیفات میں حمداللہ کی شرح سلم پر حاشیہ ہے۔ امتناع کذب واجب میں مجالۃ الراکب ہے۔



۲۹۲۔ عبداللہ بن عبدالرحیم غازی پوری۔ مئو اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن کے بعد غازی پ گئے اور رحمت اللہ لکھنوی متوفی ۱۳۰۵ھ اور ان کے بڑے بھائی مفتی نعمت اللہ فرنگی محلی متو ۱۲۹۹ھ سے پڑھا۔ پھر جونپور جاکر مدرسہ امامیہ میں مفتی یوسف بن محمد اصغر وغیرہ سے تحصیل تما کی۔ حج کے بعد غازی پور دیاداں، آرا میں درس و افتا میں مشغول ہوگئے پھر اہل دہلی کے اصرار دہلی میں حدیث کا درس دیا پھر لکھنؤ آگئے اور ۱۳۳۷ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی مصنفات میں ایک منطق کا رسالہ بھی ہے۔

۲۹۳۔ عبدالواسع بن یوسف علی امیٹھوی۔ منطق و حکمت کے نمایاں علما میں تھے بھوپال مولد و ۃ تھا۔ قاضی عبدالحق کابلی سے منطق و حکمت و کلام کی تحصیل کی۔ فنون ادبیہ اور فقہ و حدیث دیگ علماسے حاصل کئے حیدرآباد میں پہلے دارالعلوم میں پھر عثمانیہ یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجا دیں۔ مصنفات میں حمداللہ کی شرح سلم پر حواشی اور قدیم وجدید ہیئت اور قدیم و جدید منطق مي اردو کتابیں ہیں۔

۲۹۴۔ عبدالوہاب خاں بن حافظ عبدالغفار خاں رامپوری ریاست رامپور میں پیدا ہوئے۔ مولانا گلاب خاں پانی پتی متوفی ۱۳۰۸ھ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں تحصیل علم کی۔ مولانا غلام محمد ملتانی سے نجی طور پر پڑھا اور ان کے ملتان چلے جانے کے بعد ملتان گئے ا سال بھر ان کے پاس رہ کر پڑھا۔ وہاں سے آنے کے بعد مدرسہ عالیہ میں داخلہ لیا اور فراغت پائی منطق و حکمت کی اعلی درسیات مولانا فضل حق رامپوری سے پڑھیں اور ان فنون میں خاص طور امتیازی درجہ پیدا کیا۔ عبدالوہاب بہاری اور حکیم برکات احمد ٹونکی کے مناظرے کے موقع عبدالوہاب بہاری کے شاگرد کی حیثیت میں مناظرے کی مجلس میں شرکت کی۔ مولانا منور علی محدث رامپوری متوفی ۱۳۵۱ھ سے حدیث کی سندلی اور رامپور کے مدرسہ مطلع العلوم میں درس دیا وہاں سے

[illegible]ا فضل الحق رامپوری نے الہ آباد مدرسہ محمدیہ امدادیہ میں بھیج دیا وہاں دوسال درسی خدمات انجام دیں رامپور آکر حاجی غلام حضرت رامپوری متوفی ۱۳۵۰ھ کے وقف سے متعلق عربی درجات میں تعلیم دی اس کے بعد مدرسہ جامعہ المعارف کی بنیاد ڈالی اور مرض موت تک اپنے مدرسے میں رضاکارانہ تعلیم دیتے رہے۔ درمیان میں ریاست کے خلاف ذمہ دار آئینی حکومت کی تحریک کی قیادت کی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آخر میں منطق و فلسفہ سے تعلق چھوڑ کر حدیث کی طرف متوجہ ہوگئے۔ شہر اور بیرون کے ہزاروں طلبہ ان کے شاگرد ہیں۔ رامپور کے عوام اور حکومت رامپور میں اپنے زمانے میں غیر معمولی اثر تھا۔ ہندوستان کی قومی حکومت بھی ان کا بہت لحاظ کرتی تھی۔ ۱۹۷۸ء میں بلڈپریشر میں چند دنوں مبتلا رہ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیخ فتنے کی داستان، حالات و الہامات مرزا اور تقریب القرآن تفسیر میں ان کی یادگار ہیں۔

۲۹۵۔ عبدالوہاب بن احسان علی سرہندوی، بہاری۔ اپنے عہد کے مشہور فضلا میں تھے بہار کا قصبہ سرہندہ مولد و منشا تھا۔ ایک زمانے تک وطنی اساتذہ سے پڑھا آخر میں لکھنو میں مولانا عبدالحی لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ کانپور اور حیدرآباد دکن میں ایک زمانے تک درس دیا۔ پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ مقرر ہوگئے۔ ان کی تصنیفات میں میرزاہد رسالہ پر صحیفہ ملکوتیہ کے نام سے حاشیہ ہے، ہدایۃ الحکمۃ کی شرح ہے۔ دونوں میں عبدالحق خیرآبادی پر تعقبات ہیں۔ ۱۳۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

۲۹۶۔ عبیداللہ بن امین الدین چنتوی میدنی پوری۔ چنتوا، میدنی پور، بنگال میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تحصیل علم کے بعد ہوگلی کالج میں استاذ ہوگئے۔ وہاں سے ڈھاکہ یونیورسٹی میں منتقل ہوگئے۔ عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، کئی زبانیں جانتے تھے۔ بنگلہ مادری زبان تھی۔ مصنفات میں طراز الازہار فی سیر الفلاسفۃ الکبار، تشحیذ الاذہان فی حقیقۃ حرکۃ الارض و وجود الافلاک وغیرہ کتابیں ہیں۔ ۱۳۰۳ھ میں ڈھاکہ میں انتقال ہوا۔

۲۹۷۔ علی اکبر مصطفی شروانی، شمانی، حیدرآبادی۔ متعدد تصنیفات ہیں ایک الشکوک الموردۃ فی المسائل المنطقیہ مع الاجوبۃ الشافیہ ہے جو ۱۳۱۰ھ میں لکھی تھی۔

۲۹۸۔ علی عباس بن امام چریاکوٹی۔ ضلع اعظم گڑھ کے چریاکوٹ میں پیدا ہوئے، کچھ دنوں احمد علی چریاکوٹی متوفی ۱۲۷۲ھ سے اور پھر ابوالحسن منطقی سے تحصیل کی۔ ذہانت، حافظے اور قوی القلبی میں

معاصرین میں ممتاز تھے۔ پہلے حیدرآباد دکن گئے اور ناکام آئے پھر بھوپال گئے وہاں پذیرائی ہوئی۔ وہاں سے شجاع الدولہ ممتاز الملک تراب علی خاں متوفی ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء کی دعوت پر پھر حیدرآباد پہنچے اور حکومت آصفیہ کی ملازمت میں شامل ہوگئے اور پنشن لے کر آئے۔ ان کی تصنیفات میں منطق میں نبراس الفطانہ ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں چڑیاکوٹ میں انتقال ہوا۔

۲۹۹۔ علی محمد بن محبوب بن سید دلدار علی لکھنوی۔ اکابر علمائے شیعہ میں تھے۔ اپنے عہد کے لکھنوی اساتذہ سے تحصیل کی عراق سے سند اجتہاد حاصل کی۔ وطن آکر مدت تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ دوسری بار حج و زیارت مشاہد سے فراغت کے بعد جونپور آگئے اور بہت قبول حاصل کیا۔ مصنفات میں منطق میں تصدیق الصدوق ہے۔ ۱۳۱۲ھ میں لکھنو میں وفات پائی اور دادا کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔

۳۰۰۔ عمادالدین خاں بن نظام الدین خاں رامپوری۔ اساتذہ رامپور سید منیر علی متوفی ۱۲۹۰ھ، مفتی سعد اللہ میاں حسن شاہ محدث رامپوری متوفی ۱۳۱۲ھ، مولوی نورالاسلام رامپوری، عبدالعلی خاں ریاضی داں وغیرہ علماء سے تحصیل علم کی رڑکی انجینیرنگ کالج سے انجنیری کی سند لی، ریاست اندور میں اعلی عہدوں پر ممتاز رہے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں رامپور میں انتقال ہوا۔ منجملہ دیگر تصانیف فارسی میں ایک رسالہ الہیات پر بھی ہے۔

۳۰۱۔ عین القضاۃ بن محمد وزیر حیدرآبادی، لکھنوی۔ حیدرآباد دکن مولد و منشا تھا۔ کچھ زمانے تک وہیں پڑھا پھر لکھنو آگئے اور تلامذۂ مولانا عبدالحی سے پڑھ کر مولٰنا عبدالحی کی شاگردی اختیار کی اور ان سے ہی درسیات کی تکمیل کی، اور علوم حکمیہ میں کمال حاصل کیا۔ کچھ زمانے تک لکھنو میں درس دیا پھر سورت چلے گئے۔ وہاں سے آکر فرنگی محل کے پل پر اپنے استاذ مولانا عبدالحی کے مکان میں قیام کیا اور درس دینا شروع کردیا اور اتنے مصروف ہوئے کہ انہیں کوئی گھر میں پاتا یا مسجد میں، ایک زمانے تک درس دینے کے بعد حج و زیارت کے لیے گئے اور دو سال حرمین رہنے کے بعد لکھنو لوٹے۔ والد نے لکھنو میں مکان تعمیر کرادیا۔ شادی عمر بھر نہیں کی، والد ان کے کفیل رہے۔ دوسری مرتبہ حج و زیارت سے واپسی کے بعد ان کے والد نے قرآۃ قرآن کے مدرسے، فرقانیہ کی بنیاد ڈال دی اور اس کے صرف کے لیے اپنی جائداد وقف کردی ۱۳۲۱ھ میں والد کے انتقال کے بعد عین القضاۃ نے مدرسے کا بار سنبھالا اور عمارات، اساتذہ کی تنخواہوں، طلبہ کے وظائف اور مہمان داریوں میں بلا کسی

نے کچھ لیے کثیر دولت صرف ہونے لگی اور خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آتی تھی۔ فرقانیہ کے اہتمام کے اثنا۔ میں ۱۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ واقعہ یہ ہوا کہ کوئی ایرانی ان سے ملنے آیا اور حضرت علی کی طرف منسوب کچھ اشعار پڑھے کہ ان پر جذبہ طاری ہوا اور سجدے میں گرپڑے اور اسی حالت میں روح قفس عنصری سے نکل گئی۔ میبذی کا نہایت بسوط حاشیہ انکی علمی یادگار ہے۔

۳۰۲۔ غلام محمد بن چودھری عبداللہ گھوٹوی ملتانی۔ درسیات اپنے وطن کے اساتذہ سے ختم کیں۔ منطق و حکمت اور کلام کی انتہائی کتابوں کی تحصیل کے لیے صوبجات متحدہ میں کانپور آئے اور مولوی احمد حسن کانپوری کے درس میں پہنچے اور کچھ دنوں ان سے پڑھا لیکن طبیعت مطمئن نہیں ہوئی، رامپور آئے اور مولانا فضل حق رامپوری کے درسوں میں بیٹھے اور بحث و تحقیق سے درسوں میں شرکت کی اور پھر انہیں کو پکڑلیا اور برسوں ان کے ساتھ رہے اور تکمیل کی۔ اس وقت کے رامپور کے اکثر ذہین طلبہ جو بعد کو اساتذہ کے مرتبہ پر پہنچے، مولانا غلام محمد ملتانی کے شاگرد رہے، چنانچہ مولانا فضل حق کے لڑکے مولانا افضال الحق متوفی ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۵۔ مولانا اشتاق احمد متوفی ۱۹۷۹۔ اور مولانا عبدالوہاب خاں سب نے ان سے فیض اٹھایا۔ کچھ زمانے تک رامپور کے مدرسہ انوار العلوم میں درس دیا۔ پھر وطن چلے گئے اور وہاں بہت دنوں تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ضلع راولپنڈی کے گولڑے کے مشہور پیر مہر علی شاہ صاحب متوفی ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۷۔ سے بیعت ہوئے اور بھاولپور کے جامعہ عباسیہ کے پرنسپل رہے، منطق و فلسفہ اور کلام کے متعدد رسالے تصنیف کیے۔ ان کی کسی بسوط کتاب کا علم نہیں۔ مولانا فضل حق رامپوری کے بعد ان کے مخصوص تلامذہ میں علوم عقلیہ میں انہیں امتیازی درجہ حاصل تھا۔ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸۔ میں وفات پائی۔

۳۰۳۔ فضل حق بن عبدالحق رامپوری۔ علوم حکمیہ میں اپنے عہد کے بے بدل فضلا میں تھے اور ساتھ ساتھ حاتم بھی۔ رامپور مولد و منشا تھا۔ حفظ قرآن اور مکتبی تعلیم کے بعد عربی صرف و نحو عبدالرحمان قندھاری سے پڑھیں اور بھیکن پور جاکر بعض درسیات عبدالکریم رامپوری متوفی غالباً ۱۲۹۹ھ سے پڑھیں اور پھر بریلی میں شمس العلماء مولانا ہدایت علی شاگرد فضل حق خیرآبادی سے منطق و حکمت کی تکمیل کی اور بریلی کے مدرسہ طالبیہ میں صدر مدرس ہوگئے۔ گھر پر بھی درس دیتے تھے اور دن رات میں بائیس تئیس سبق پڑھاتے تھے۔ مختلف دیار و امصار کے طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں نواب کلب علی خاں کے عہد میں جبکہ شمس العلماء ہدایت علی بریلوی کو

نواب صاحب نے صدر مدرس کیا تو مولانا کو بھی بلا کر مدرس سوم کیا۔ رامپور میں بھی رات کے گیارہ بجے تک پڑھانے میں معروف رہتے تھے۔ مولوی عبدالجبار خاں وزیر ریاست نے بھوپال طلب کیا۔ آپ ایک سال کی رخصت پر بھوپال چلے گئے۔ وہاں اعزاز و احترام کے ساتھ مدرسہ سلیمانیہ میں تقرر ہوگیا۔ حسین بن محسن یمنی متوفی ۱۳۲۷ھ سے حدیث کی اجازت لی شیخ نے اپنی اجازت میں اسکورواہت اکابر عن اصاغر کی اچھی مثال قرار دیتے ہوئے مولانا کو وہو فی الحقیقۃ بحر حبار زخار کہ کر اس اجازت کو حکم کی تعمیل کہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وطن کی کشش رامپور کھینچ لائی اور پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں کام کرنے لگے۔ فرماتے تھے کہ مولانا عبدالحق پرنسپل ہوئے تو چونکہ وہ اپنے منتسبین کے علاوہ کسی کو برداشت نہیں کرتے تھے چنانچہ دو تین دن شرح مواقف امورعامہ کے درس میں شرکت کی لیکن مولانا نے خود ہی فرمادیا کہ تمہیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر صدر مدرس ہوگئے اور مولانا عبدالعزیز کے بعد مدرسہ کے پرنسپل بھی ہوئے ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء ہوگا کہ حکومت بنگال نے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ مقرر کردیا لیکن کم و بیش سال بھر ہی رہنے پائے کہ نواب حامد علی خاں نے انہیں چھٹیوں میں آنے کے بعد قریب قریب جبراً روک لیا اور تاحیات پرنسپل رہے۔ مولانا ضعیف ہوگئے تھے۔ حکام ریاست نے طے کیا کہ مولانا کو پنشن پر رخصت کردیا جائے اور شمس العلماء مولانا عبدالرحمان دہلی یونیورسٹی کے عربی و فارسی کے صدر متوفی ۱۹۵۴ء / ۱۳۷۳ھ کو بلایا جائے۔ شمس العلماء سے بشیرالدین زیدی چیف منسٹر متوفی ۱۹۹۲ء / ۱۴۱۳ھ نے مدرسے کی پرنسپلی کے لیے استمزاج کیا۔ شمس العلماء نے کہا جب تک مولانا حیات ہیں ان کی جگہ کسی دوسرے کا سوال ہی نہیں اٹھتا اور مرنے کے بعد بھی ان کا فاسل (متحجر جسم) ان کے تخت پر بٹھایا جاسکے تو اسی کو بٹھلائیے وہ مدرسہ عالیہ کی عزت ہیں۔ مدرسہ کی پرنسپلی ان کے لیے باعث عزت نہیں۔ غالباً ۳۲-۱۹۳۳ء کی بات ہے مولانا معین الدین اجمیری نے مدرسہ معینیہ کے سالانہ جلسے میں مولانا کو بااصرار شرکت کی دعوت دی چنانچہ مولانا عرشی صاحب متوفی ۱۹۸۱ء اور اپنے صاحبزادے مولانا افضال الحق صاحب کو لے کر جلسے میں شریک ہوئے۔ مولانا اجمیری نے مولانا کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آج میں ایسے فاضل کو پیش کررہا ہوں جو اس لیے بڑا نہیں ہے کہ بڑوں کی موت نے اس بڑا بنادیا ہے بلکہ یہ وہ بڑا ہے جس کو بڑوں نے جب وہ زندہ تھے بڑا مانا تھا۔ میں مولانا مرحوم کا دو سال تو بلاواسطہ شاگرد رہا۔ علاوہ ازیں میں بہ یک واسطہ، بدوواسطہ اور بسہ واسطہ بھی شاگرد تھا۔ پھر یہ میری خوش بختی کہ مجھ

سے [illegible] سبق فوت نہیں ہوا، اس میں میری کوشش کو اتنا دخل نہ تھا جتنا مولانا کی شفقت کو، مولانا میری غیر موجودگی میں سبق ہی شروع نہیں کراتے تھے اور کتاب کی عبارت بھی بلا استثنا میں ہی پڑھا کرتا تھا۔ مولانا کا طریق درس یہ تھا کہ طالب علم عبارت پڑھتا اور مولانا حسب ضرورت عبارت کی تصحیح فرماتے جاتے عبارت کے بعد درس کی تقریر فرماتے۔ آخر عمر میں تقریر بہ نہایت مختصر ہونے لگی تھی اور تقریر میں قیل و قال سے بچنے کے لیے ایسے الفاظ بڑھا دیتے یا گھٹا دیتے کہ اس درس کے متعلق ہر قسم کی قیل و قال کا دروازہ بند ہوجاتا اگر کسی نے حواشی اور مالہ و ماعلیہ کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کیا ہے تو وہ حیرت زدہ ہوجاتا کہ مولانا نے تمام مالہ و ماعلیہ کو گھیر لیا ہے اور مقام کو منقح کر دیا ہے۔ اور اگر مطالعہ میں وسعت نہ ہوتی تو اصل کتاب کا مطلب واضح ہوجاتا اور مولانا کے استحضارات اور تاویلات کی طرف نظر نہیں جاتی، تقریر کے بعد ترجمہ ہوتا اور حسب ضرورت تقریر کو عبارت کتاب سے چسپاں کرتے جاتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا لطف اللہ متوفی ۱۳۳۴ھ اور ان کے اساتذہ کے یہاں ترجمہ ہوتا اور ترجمے کے اثناء میں مطلب کی بھی توضیح ہوتی جاتی تھی۔ مستقل تقریر نہیں ہوتی تھی اور خیرآبادی فضلا صرف تقریر کرتے تھے اور ترجمہ کراتا اور تقریر کو منطبق کراتا۔ اپنے آپ سے فروتر اور معلمین کا پیشہ سمجھتے تھے۔ ہم نے دونوں طریقوں کو یکجا کر دیا ہے۔ جو طلبا کے لیے انفع ہے۔ مولانا مدرسہ عالیہ کے پرنسپل ہی تھے کہ فالج کا دورہ ہوا۔ دماغ کی رگ پھٹ گئی اور تین دن بے ہوش رہے اور ۱۳۵۸ھ میں وفات پائی اور مردان خاں کی مسجد کے قبرستان میں مدفون ہوئے، یوں تو بہت سے مصنفات ہیں اور بعض حکمی و کلامی مباحث پر رسائل اور اعتراضات و جوابات ہیں۔ خاص طور سے الکافی لحل ایساغوجی ان کی ابتدائی تصنیف ہے۔ بحث صفات میں رسالہ ہے۔ حمداللہ کے وجود رابطی پر رسالہ ہے۔ میرزاہد امورعامہ پر حاشیہ ہے۔ میرایساغوجی پر حاشیہ ہے، تلویح پر حاشیہ ہے، دروس البلاغۃ کی شرح اور دوسری کتابیں ہیں۔

۳۰۳۔ فضل اللہ بن مفتی نعمت اللہ فرنگی محلی۔ لکھنو میں والد کے سائے میں پرورش پائی اور والد نے بہت توجہ سے تعلیم دی چنانچہ علوم عقلیہ میں مہارت حاصل کرلی اور کیننگ کالج میں تقرر ہوگیا۔ نجی طور پر منطق و حکمت و کلام خصوصاً زواہد ثلاثہ کا درس دیتے تھے۔ فنون ریاضیہ میں بھی ماہر تھے اور ان کا درس بھی جاری رہتا۔ ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۰۵۔ فیض الحسن بن علی بخش سہارنپوری۔ بہلت ذکی اور قوی الحافظہ تھے۔ ادبیات عرب تو ان کے خاص مضمون تھے لیکن علوم حکمیہ میں بھی کافی مہارت تھی۔ مختصرات، والد سے پڑھے اور رامپور جاکر مولانا فضل حق خیرآبادی اور دوسرے علمائے شہر سے بھی فیض اٹھایا۔ دہلی میں احمد سعید مجددی متوفیٰ ۱۲۷۷ھ سے حدیث کی سند لی اور درس میں مشغول ہوگئے۔ آخر میں لاہور کے اورینٹل کالج میں استاذ ہوگئے تھے۔ فنون ادبیہ کے علاوہ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی۔

۳۰۶۔ کرامت حسین بن سراج حسین کنتوری۔ جھانسی میں پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں والد متوفی ۱۲۸۲ھ سے اور مفتی انور علی تھانوی سے پڑھا اور اپنے چچوں سید اعجاز حسین متوفی ۱۲۸۶ھ اور حامد حسین متوفی ۱۳۰۶ھ کے ساتھ حج و زیارت کو گئے۔ آکر لکھنو میں کل درسیات محمد تقی متوفی ۱۲۸۹ھ وغیرہ علماء سے پڑھیں۔ چرکھاری میں انگریزی پڑھی اور نیاگاؤں میں راجکمار کالج میں ملازمت کرلی اور تین سال تک کام کیا اور انگریزی بھی پڑھتے رہے۔ پھر بادنی میں انسپکٹر ہوگئے۔ پھر نرسنگھ گڑھ کے راجہ کے ساتھ لندن گئے۔ اور بیرسٹری کی سند لی اور الہ آباد میں وکالت شروع کردی۔ مہینوں کے بعد علی گڑھ میں مدرسہ العلوم میں استاذ ہوگئے اور وہاں سے ہائی کورٹ کے جج ہوکر الہ آباد آگئے اور اسی عہدے سے پنشن لی۔ لکھنو آکر گرلز کالج قائم کیا اور اپنی سب جائیداد اور مال و دولت اس کے لیے وقف کردیا۔ منجملہ مصنفات، عربی میں امورعامہ پر لکھا۔ فارسی اور اردو میں علم الاخلاق اور دین و کائنات لکھیں ۱۳۳۵ھ میں لکھنو میں انتقال کیا، بہلت ذہین، قوی الحافظہ، زود فہم اور غیر متعصب شیعہ تھے۔

۳۰۷۔ ماجد علی مانوی جونپوری۔ جونپور کے قصبے مانی کلاں میں پیدا ہوئے۔ مختصرات فن وطن میں پڑھ کر رامپور میں مولانا عبدالحق خیرآبادی سے پڑھا اور کئی سال ان کے یہاں گذارے، پھر مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے کئی سال پڑھا اور گلاؤٹھی کے مدرسہ میں پڑھانے لگے۔ وہاں سے ٹانڈہ کے عربی مدرسے میں آگئے اور کئی سال خدمت کی پھر بہار کے مدرسہ عزیزیہ میں پڑھایا لیکن دل نہیں لگا اور پھر ٹانڈہ چلے آئے۔ اور وہاں سے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس ہوگئے۔ منطق و حکمت اور کلام کی مشکل کتابیں بڑی تحقیق و تدقیق سے پڑھاتے تھے۔ قدما کی کتابوں پر گہری نظر تھی ۱۳۵۲ھ میں

وفات پائی۔

۳۰۸۔ محمد احسن بن سید شجاعت علی، بہاری گیلانوی۔ گیلان، بہار میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کی طرف بڑی عمر میں توجہ کی شادی اور اولاد ہوچکنے کے بعد متوسطات پڑھنے کے لیے مظفرپور نعمت اللہ نبی نگری کی خدمت میں پہنچے۔ معقولات ملتی واجد علی بخاری سے پڑھیں، مولانا فضل حق خیرآبادی سے بھی استفادہ کیا۔ فقہ و حدیث مولانا اکبر علی خاں رامپوری متوفی ۱۳۰۲ھ اور مولانا عالم علی محدث سے پڑھیں اور گیا کے سرکاری مدرسے میں پڑھایا اور پنشن لے کر گھر گئے۔ اور درس و افادہ میں معروف ہوگئے منطق و حکمت ان کے خاص تدریسی مضمون تھے۔ وجود رابطی پر رسالہ اور بحرالعلوم کے حاشیہ پر حاشیہ لکھا۔ ۱۳۱۰ھ میں وفات پائی۔

۳۰۹۔ محمد حسن بن ظہور حسن اسرائیلی سنبھلی اپنے عہد کے اکابر میں تھے سنبھل مولد منشا تھا۔ مختصرات اپنے عصر اور شہر کے علما سے پڑھے۔ رامپور جاکر سدید الدین دہلوی اور دوسرے علماء رامپور سے مطولات پڑھیں اور کسی عربی مدرسے میں مدرس ہوگئے۔ نہایت ذہین قوی الحافظہ، زود فہم تھے۔ تصانیف میں ایسا غوجی کی مختصر شرح ہے جو ایک ہی دن میں شروع سے آخر تک لکھی۔ میزان منطق کی بسوط شرح ہے جس کا منطق جدید نام رکھا ہے۔ القول الوسیط فی الجعل المولف والبسیط، ملاحسن کی شرح سلم پر سوانح الزمن حاشیہ ہے، شرح عقائد کی شرح نجم الفرائد ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں وفات ہوئی۔

۳۱۰۔ محمد سعید بن واعظ علی عظیم آبادی۔ عظیم آباد مولد و منشا تھا۔ مختصرات اپنے والد مولوی مظہر علی متوفی ۱۲۴۷ھ اور ابوالحسن منطقی سے پڑھیں۔ کانپور جاکر سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ سے استفادہ کیا۔ علوم ادبیہ اور حکمیہ کا درس صبح سے دوپہر تک دیتے تھے اور ظہر سے شام تک علوم دینیہ کا، عظیم آباد میں مدرسہ سعیدیہ قائم کیا تھا، جس میں خود بھی درس دیتے تھے منجملہ دیگر کتابوں کے میزان منطق کی شرح اور غلام یحیٰ بر میرزاہد رسالہ کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں وفات ہوئی۔

۳۱۱۔ محمد طیب بن محمد صالح مکی، رامپوری۔ ادبیات عربی تو ان کا گھر کا مضمون تھا، ہندستان آکر فنون حکمیہ میں مہارت حاصل کرلی۔ وطن میں والد اور دیگر علماء سے پڑھا، تقریباً پچیس

سال کی عمر میں ہندستان آئے۔ اور بمبئی میں تجارت شروع کردی، وہاں کسی دینی مسئلے میں کسی عالم سے گفتگو ہوئی۔ اس کو ساکت کردیا اس نے کہا کہ میں منطق و فلسفہ کا عالم ہوں مجھ سے صدرا اور شمس بازغہ میں گفتگو کرلو۔ یہ منطق و فلسفہ سے ناواقف تھے۔ منطق و فلسفہ پڑھنے کا شوق ہوا، رامپور کی علوم عقلیہ میں شہرت تھی، یہ تجارت چھوڑ چھاڑ کر رامپور آگئے اور دوایک سبق کی حد تک مولانا عبدالغفار خاں متوفی ۱۳۴۸ھ کے درس میں بیٹھے۔ لیکن بھایا نہیں۔ پھر مولوی ارشاد حسین مجددی کے ہاں بھی درس میں شریک ہوئے، لیکن مطمئن نہیں ہوئے، پھر مولانا عبدالحق خیرآبادی کے یہاں معقولات کی تکمیل کی کہتے تھے تنقیح و تحقیق مولاناہی کا حصہ تھا۔ فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ میں ملازم ہوگئے اور صدر مدرسی تک پہنچے۔ بہ‌نہایت ذہین اور زود فہم تھے۔ استاذی پروفیسر فدا علی خاں صاحب متوفی ۱۹۳۸۔ کہتے تھے کہ میں چھٹیوں میں علی گڑھ سے آیاہوا تھا عرب صاحب سے جو میرے استاذ تھے ملنے گیا۔ میرے ہاتھ میں انگریزی میں کانکس پر کتاب تھی، اس کو اٹھاکر اس کے ورق الٹ پلٹ کئے اس کے نقش و اشکال دیکھیں، مجھ سے پوچھاکہ یہ کیاہے اور یہ شکلیں کیسی ہیں میں نے بتایا کہ یہ ریاضیات کی کتاب ہے۔ اس فن کو انگریزی میں کانکس اور عربی میں علم المخروطات کہتے ہیں۔ پوچھا یہ کیاہوتی ہے۔ میں نے اس کی ابتدائی باتیں بتاکر اس کی تشریح کی'میں دوسری مرتبہ رامپور آیا اور ملا، تو مخروطات پر گفتگو شروع کردی۔ میں حیران رہ گیااور ایسا معلوم ہوا کہ وہ اس فن کو میرے پروفیسر سے بھی کچھ زیادہ ہی جانتے ہیں میں نے تعجب سے کہاکہ آپ کو یہ سب کہاں سے آگیا فرمانے لگے کہ میں نے کتب خانہ سرکاری میں جاکر وہاں اس فن پر جتنی کتابیں تھیں دیکھ ڈالیں۔ مجھے جن بزرگوں کی ملاقات اور صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے ان میں میں نے تین بزرگوں کو حافظے کا جن پایا۔ پروفیسر فدا علی خاں مرحوم متوفی ۱۹۳۸۔ عبدالعزیز میمن مرحوم متوفی ۱۳۹۹ھ اور محمد سورتی متوفی ۱۳۶۱ھ اور اتفاق سے یہ تینوں صاحبان عرب صاحب کے شاگرد تھے۔ ان تینوں نے بیان کیاکہ انہوں نے عرب صاحب جیسا قوی الحافظہ نہیں دیکھا، اس ذہانت اور قوت حافظہ کے ساتھ غیر معمولی جری تھے (۱) بات کے پکے تھے اگر کوئی بات کہدی تو اس کی پاس داری میں عزت و آبرو کو بازی پر لگادینے میں بھی باک نہیں کرتے تھے۔ غلطی کے اعتراف میں کبھی کوئی پس و پیش نہ تھا۔ اگر کسی شاگرد نے بھی اثنائے درس میں کسی غلطی کی طرف متوجہ کیاتو فوراً مان جاتے اورطالب علم کی خوش دلی سے تصویب کرتے یوں تو ہر علم و فن کی کتاب پڑھاتے، لیکن ان کا مفصل کادرس خاص طور پر

تھا اور بعض مدرسے میں ان کا ابتدائی درس تھا جو مدرسے کے باضابطہ وقت سے پہلے شروع ہوجاتا اور کم و بیش سو طلبہ شریک ہوتے۔ اردو گو جہاں تک مفردات کا تعلق ہے اہل زبان مقابلہ نہیں کرسکتے تھے لیکن ترکیب ہمیشہ غلط ہوتی تھی۔ خالص ہندی حروف کا تلفظ صحیح نہیں کرسکتے تھے۔ مطالعہ اور کتب بینی عادت ثانیہ بن گئی تھیں۔ ان کے شاگرد کہتے تھے کہ چوکی پر جاتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ کتاب پر ایک بار نظر پڑجاتی تو گویا حافظے میں محفوظ ہوجاتی۔ اشعار و انساب کا تو کہنا ہی کیا، فنون کی کتابیں بھی ازبر تھیں۔ بہایت مستقل مزاج، متحمل اور مضبوط اعصاب کے تھے۔ غالباً علوی ہونے کی وجہ تھی کہ کبھی کبھی تفضیل علی کے قائل ہوجاتے۔ فرزدق کا مشہور قصیدہ "ہذالذی تعرف البطحاوطئتہ" بچوں کو یاد کراتے اور انہیں انعام دیتے۔ مدرسہ عالیہ کے طلبہ کے وظائف کے غبن کے الزام میں نواب حامد علی خاں نے برخاست کردیا بلکہ دوچار دن جیل میں بھی رہے لیکن حکیم اجمل خاں صاحب متوفی ۱۹۲۷ء کی سفارش پر جو ان کے شاگرد تھے رہا کردیئے گئے۔ پھر ندوۃ العلماء کے دارالعلوم میں چلے گئے اور کچھ دنوں رہ کر رامپور چلے آئے اور دیہات کی مستاجری شروع کردی۔ حکیم اجمل خاں کی سفارش پر نواب صاحب نے سو روپیہ ماہوار کا بلاعوض خدمت وظیفہ مقرر کردیا تھا۔ دوتین روز کی علالت میں ۱۳۳۴ھ میں رامپور میں انتقال ہوا اور محلے کی مسجد، چرخ والی میں دفن ہوئے۔ تصانیف میں مناظرانہ رسائل کے علاوہ جو اپنے استاذ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے دفاع میں لکھے تھے۔ اور میرزاہد امور عامہ کے حاشیے سے متعلق تھے یا مولانا احمدرضاخاں کی وجوب تقلید شخصی کے رد میں تھے، حاشیہ شمسیہ، حاشیہ سعدیہ شرح شمسیہ، شرح سلم العلوم، تقدیم النقل علی العقل، ان کے علاوہ لغت، نحو اور ادبیات عرب سے متعلق کتابیں ہیں ان کے علاوہ مقالے ہیں جن کی تدوین کی نوبت نہیں آئی۔ ان میں النفحۃ الاجملیہ فی الصلات الفعلیہ مفصل کا حاشیہ وغیرہ مشہور تصنیفات ہیں۔

۳۱۲۔ صاحبزادہ، محمد علی خاں عرف چھٹن صاحب بن صاحبزادہ کاظم علی خاں متوفی ۱۲۹۹ھ۔ نواب محمد سعید خاں (۵۶-۱۲۷۱) کے پوتے اور نواب کلب علی خاں اور بعد کو نواب یوسف علی خاں (۷۱-۱۲۸۱) کے داماد تھے اساتذہ شہر سے درسیات پڑھیں اور مولانا عبدالحق خیرآبادی سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کی اور سب کتابیں بہایت محنت سے پڑھیں۔ استاذی مولانا فضل حق صاحب فرماتے تھے کہ ان کی تقریر کا انداز بلکل مولانا جیسا تھا حتی کہ جن موقعوں پر مولانا ہاتھ سے اشارے کرتے

یہ بھی ان ہی موقعوں پر ان ہی جیسا اشارہ کرتے ۔ نہایت ذی استعداد تھے اور کلام و منطق و فلسفہ کی بڑی کتابوں کا کبھی شوقیہ درس دیتے تو پوری تحقیق و تدقیق اور پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ دیتے اور طلبہ کو مطمئن کر دیتے ۔ بغداد جاکر نقیب الاشراف سید عبدالرحمان آفندی متوفی ۱۳۴۵ھ سے بیعت ہوئے ۔ خط نسخ کے بہت بڑے خطاط تھے ۔ ۱۳۴۵ھ میں انتقال ہوا بغدادی صاحب کے مزار میں ایک پختہ احاطہ میں دفن ہوئے ۔

۳۱۳۔ محمد نواب بن سعد اللہ الافغانی المکی ۔ ہندستان کے مشہور افاضل میں تھے ۔ افغانستان مولد و منشا تھا ، ابتدائی فنون وطن میں حاصل کیے ۔ جوانی میں ہندستان میں آئے اور مولانا فضل حق خیرآبادی اور مفتی سعد اللہ رامپوری سے رامپور میں درسی فنون کی تکمیل کی ۔ لکھنو میں عالمپور میں عقد کیا ۔ اور لکھنو میں ہی نہایت تحقیق و تدقیق سے ہر قسم کے درسیات ایک مدت تک پڑھائے پھر دو سال کے قریب بھوپال میں رہے ، وہاں سے حرمین شریفین گئے حج و زیارت سے فراغت کے بعد کہ معظمہ کی سکونت اختیار کر لی ۔ مولانا ارشاد حسین مجددی انہیں کے شاگردوں میں تھے ۔ ۱۳۰۹ھ میں مکہ معظمہ میں ان کا انتقال ہوا ۔

۳۱۴۔ محمود عالم بن الٰہی بخش ہسوانی ۔ علوم حکمیہ میں نمایاں درجہ تھا ۔ ہسوان مولد و منشا تھا ۔ تحصیل علم کے لیے رامپور آئے اور مولانا عبدالحق خیرآبادی اور دیگر علمائے شہر سے درسیات حاصل کیے ۔ حدیث کی سند میاں محمد شاہ محدث رامپوری متوفی ۱۳۲۸ھ سے لی ۔ وطن آکر پڑھانے میں مصروف ہوگئے ۔ ۱۳۳۱ھ میں وطن میں وفات پائی ۔

۳۱۵۔ معین الدین بن خیرات علی کڑوی ۔ قریب چالیس سال اپنے وطن میں پھر لکھنو اور مرزاپور میں درس دیا ، لکھنو میں مولانا عبدالحکیم لکھنوی مفتی ظہور اللہ وغیرہ علمائے لکھنو سے درسیات پڑھیں اور لکھنو میں ہی پڑھانا شروع کیا ۔ حج سے لوٹنے کے بعد مرزاپور کے عربی مدرسے میں مدرس ہوگئے اور قریب قریب پندرہ سال وہاں پڑھایا ۔ درسی کتابوں پر حواشی لکھے ۔ شفاۃ بالشکر پر رسالہ ہے ، مرقاۃ الاذہان فی علم المیزان ، علم واجب میں مرآۃ الاذہان ہیں ۔ ۱۳۰۴ھ میں وفات ہوئی ۔

۳۱۶۔ معین الدین بن عبدالرحمان اجمیری نو مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ حکیم برکات احمد ٹونکی سے اول سے آخر تک درسیات پڑھے ، ان کے خصوصی اور مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے پہلے لاہور کے مدرسہ نعمانیہ میں درس دیا قریب قریب دو سال کے بعد اجمیر آگئے اور اسی کو وطن بنالیا ، وہیں معین الحق کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور اسی میں پڑھانا شروع کر دیا میر عثمان علی خاں اجمیر آئے اور

دیکھا اور ان کے سبق سنے تو متاثر ہوئے۔ اور مدرسہ کے لیے خاصا ماہانہ مقرر کر دیا اور مدرسے کا نام معینیہ عثمانیہ رکھ دیا گیا۔ تقریباً ۱۵ سال اس کی خدمت کی، ارکان انتظامیہ سے اختلاف کے باعث خدمت سے استعفا دیدیا۔ مولانا کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی، تحریک خلافت میں دو سال قید رہے امروہے کے جمعیت علما کے اجلاس کی صدارت بھی کی اور ایک زمانے تک اس کے نائب صدر رہے۔ تصنیف و تالیف سے تعلق کم رہا پھر بھی بعض کلامی اور فلسفیانہ رسائل لکھے۔ ۱۳۵۹ھ میں اجمیر میں وفات پائی۔ اور اجمیر ہی میں شیخ معین الدین اجمیری کے جوار میں دفن ہوئے۔

۳۱۷۔ شمس العلما نادر الدین فقیر۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی کتابیں بھوتی حسن ابدال میں محمد شفیع قریشی کے درس میں شریک ہو کر پڑھیں۔ وہاں سے اعلیٰ درسیات کے لیے سرگودھا ضلع کے موضع انگا میں سلطان محمود متوفی کچھ اوپر ۱۳۲۰ھ کے درس میں شریک ہو کر معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں لیکن فراغت سے پہلے ہی رامپور چلے آئے اور مولانا عبدالحق کے درس میں معقولات کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد کچھ زمانے مدرسہ عالیہ رامپور میں درس دیا۔ ان کے شاگرد استاذی مولانا معزاللہ خاں مرحوم کہتے تھے کہ اعمال شرعیہ میں بڑی مداہنت سے کام لیتے تھے، گانا سننے کا شوق تھا اکثر رنڈیوں کے کوٹھوں پر چڑھ جاتے اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ کہاں آگئے اور کس کا گانا سنا۔ استاذی المرحوم کہتے تھے کہ ایک صبح کو میں گیا تو پلنگ کے پائے کے نیچے ہدایہ کی جلدیں رکھی تھیں میں نے انہیں متوجہ کیا تو اٹھ گئے، میں نے پائے کے نیچے سے کتابیں اٹھائیں، پیر مہر علی شاہ صاحب نے ان کی انگا کی طالب علمی کا واقعہ بیان کیا کہ انگا سے جاتے وقت انہوں نے داڑھی منڈوادی تھی۔ مدرسہ عالیہ کی ملازمت چھوڑ کر حیدرآباد دکن میں مدرسہ نظامیہ میں استاذ ہو گئے آخر تک وہیں رہے اور وہیں ۱۳۱۲ھ کے بعد وفات پائی۔ الہیات کے بعض مشکل مسائل کے بارے میں نظام التحقیق کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ ایک رسالہ وجود رابطی پر لکھا اور بعض دوسرے فلسفیانہ مباحث پر بھی تحقیقی اور مناظرانہ دونوں طرح کے رسالے لکھے تھے۔

۳۱۸۔ ڈپٹی نذیر احمد بن سعادت علی بجنوری دہلوی۔ اردو کے مشہور ادیب اور اردو میں ناول نگاری کی طرز کے بانی ہیں، ابتدائی مختصرات نصیراللہ خویشگی خورجوی متوفی ۱۲۹۹ھ سے پڑھیں پھر دہلی آکر عربی کے دہلی کالج میں درسیات کی تکمیل کی اور پنجاب کے کنجاہ کے مدرسے میں استاذ ہو گئے۔ دو سال کے بعد ہی کانپور میں انسپکٹر مدارس ہوئے اور انگریزی بھی سیکھ لی۔ انگریزی کریمنل کوڈ کا تعزیرات ہند کے نام

سے ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا اور یہ ڈپٹی کلکٹر ہوگئے ۔ نواب ممتاز الملک نے حیدرآباد
بلاکر کسی ضلع کا حاکم بنادیا جہاں دس سال کے بعد پنشن لے کر دہلی آگئے۔ کبر سنی میں قرآن مجید یاد کیا
اس کا بامحاورہ ترجمہ کیا کہیں کہیں ایسی تعبیریں بھی پیش کیں جو علما کے نزدیک کلام الہی کے مناسب
نہ تھیں۔ امہات امت لکھی جس پر بڑا شور شغب اٹھا بہت بڑے مقرر تھے، لیکن ان کی تقریر بعض
موقعوں پر مزاح سے زیادہ مسخرگی تک پہنچ جاتی اور ثقاہت نہیں رہتی۔ سرسید متوفی ۱۳۱۵ھ کے
سرگرم حامیوں میں تھے میرے استاذ فدا علی خانصاحب ان کی کسی تقریر میں شریک تھے۔ کہتے تھے کہ
اپنی تقریر کے شروع کرتے ہی کہا ہم تو سرسید کی سفردائی ہیں اور سرسید بائی جی طبلچی سارنگی نواز وغیرہ محنت کرتے
کرتے مرے جاتے ہیں لیکن سامعین کی طرف سے داد ملتی ہے تو بائی جی کو لوگ کہتے ہیں واہ واہ بائی
جی کیا کہنے ہیں نہ کوئی طبلہ نواز کو داد دیتا ہے نہ سارنگی نواز کو ہم تقریر کرتے لکچر دیتے دن رات ایک
کیے دیتے ہیں اور مرے ——— ہیں لیکن جو اٹھتا ہے وہ سرسید کے گن گاتا ہے۔ مولانا کو دولت
حاصل کرنے کی طرف ——————— خاص توجہ رہتی اور خرچ کرنے میں جزرس
تھے اور بخل کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ باہر نکلتے تو اعلی لباس ہوتا اور گھر پر صرف ایک تہمد کو کافی
سمجھتے متعدد اردو ناول لکھے جو سب اخلاقی اور واعظانہ ہیں۔ منجملہ دیگر تصانیف منطق میں اردو زبان
میں مبادی الحکمۃ ہے۔ دہلی میں فالج سے ۱۳۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

۳۱۹۔ وحیدالزماں بن مسیح الزماں ملتانی حیدرآبادی مخاطب بہ نواب وقار جنگ بہادر۔ کانپور میں
پیدا ہوئے درسیات مفتی عنایت احمد کاکوروی متوفی ۱۲۷۹ھ، سلامت اللہ بدایونی، مفتی لطف اللہ
علیگڑھی وغیرہ سے پڑھے اور لکھنو جاکر مولانا عبدالحی کو پکڑلیا اور ان سے تکمیل کی۔ متعدد حج کیے اور
احادیث کی اجازتیں حاصل کیں۔ حیدرآباد سکونت اختیار کرلی اور وہاں بڑے بڑے عہدے حاصل
کیے یہاں تک کہ وزیر کے سکریٹری ہوگئے۔ حکومت کی لائنس کمیٹی کے ممبر اور ہائی کورٹ کے جج
ہوئے اور پنشن لے کر گھر آئے اور مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں مصروف۔ ——— بارہ
سال گھر میں رہ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی دمشق و بیت المقدس دیکھا۔ مدینہ شریف میں بیوی بیمار
ہوگئیں اور ا کے اصرار پر حیدرآباد آگئے۔ حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم چھڑگئی
اور یہ حیدرآباد کے قیام پر مجبور ہوگئے اور ۱۳۳۸ھ میں وقارآباد میں انتقال ہوگیا اپنی تمام مصروفیتوں
کے باوجود اپنے عہد کے کثیر التصانیف مصنفوں میں تھے، پہلے تقلید کو واجب جانتے تھے۔ لیکن بعد کو

احادیث پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ بڑے سن میں قرآن مجید یاد کیا اور برابر اس کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ پرہیزگار، خوش اخلاق پاک باطن تھے۔ منطق و حکمت میں بھی اعلیٰ پایہ تھا۔ منجملہ دیگر تصانیف کے میرزاہد امور عامہ پر حاشیہ ہے۔

۳۲۰۔ وکیل احمد بن قلندر حسین سکندرپوری۔ اپنے عہد کے مشہور علما میں تھے۔ ضلع سارن کے دلیت پور میں پیدا ہوئے مختصرات عبدالعلیم سکندرپوری اور دوسرے وطنی علما سے پڑھیں اور پھر عبدالحکیم لکھنوی انصاری کو پکڑلیا اور اکثر درسیات ان سے پڑھیں۔ محمد یوسف انصاری وغیرہ علما سے بھی استفادہ کیا۔ نہایت ذہین قوی الحافظہ اور زود فہم تھے کثیرالتصانیف تھے منطق میں اپنے استاذ کے رسالے عرفان کی حدالعرفان کے نام سے شرح کی، یاقوت احمر کے نام سے فقہ اکبر کی شرح کی۔ ۱۳۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

۳۲۱۔ شمس العلما ہدایت علی بریلوی۔ منطق و حکمت میں اپنے عہد کے یگانہ فضلا میں تھے مولانا فضل حق خیرآبادی کے نامی شاگردوں میں شمار ہوتے تھے، شاہجہانپور اور رامپور کے قیام کے زمانے میں ان سے معقولات کی تکمیل کی تھی۔ ان کے معقولات کے درس میں شرکت کے لیے دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں پہنچتے چنانچہ مولانا فضل حق رامپوری بھی بریلی ان کے درس میں شامل ہونے کے لیے گئے تھے۔ آخر میں نواب حامد علی خاں نے انہیں مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کے لیے بلالیا تھا۔ ۱۳۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

۳۲۲۔ ہدایت اللہ بن رفیع اللہ خاں رامپوری، جونپوری۔ رامپور محلہ گھیر الف خاں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد اخوند زادے رفیع اللہ خاں متوفی ۱۲۸۲ھ سے پڑھیں علوم عقلیہ سید جلال الدین نابینا سے حاصل کیے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی رامپور آئے تو یہ ان کے شاگرد ہوئے۔ اور مولانا کے کالے پانی جانے تک ان کے ساتھ رہے۔ مولانا کے چلے جانے کے بعد رامپور آگئے اور درس شروع کر دیا اور مدرسہ عالیہ میں مدرس ہوگئے۔ مدرسہ عالیہ سے جونپور مدرسہ امامیہ حنفیہ میں صدر مدرس اور مہتمم بن کر چلے گئے اور ساری عمر وہیں بسر کر دی۔ منطق و فلسفہ میں علمی ریاست کے وہی مسند نشیں تھے۔ میرے بھائی صاحب استاذی مولانا عبدالوہاب خاں صاحب مرحوم لڑکپن میں جبکہ ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے گھر سے خفا ہو کر جون پور ان کی خدمت میں پہنچے تھے کہتے تھے کہ مجھے دیکھ کر اور یہ جان کر کہ میں گھر سے بلا کہے سنے بھاگ آیا ہوں کہنے لگے اللہ اس ریل کو غارت کرے کیسے

چھوٹے معصوم بچوں کو ماں باپ سے جدا کردیتی ہے۔ اس زمانے میں ضعف کی وجہ سے وہ چھوٹی کتابیں پڑھاتے تھے۔ مجھے انہوں نے اپنے خصوصی شاگرد مولانا سلیمان اشرف متوفی ۱۳۵۸ھ کے سپرد کردیا چنانچہ میں نے ان سے آٹھ دس سبق پڑھے تھے۔ بھائی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جونپور میں وہ بڑے مولوی صاحب کے لقب سے پورے شہر میں مشہور تھے۔ جونپور کے ہر شخص حتیٰ کہ یکہ و تانگے والا، پھیری والا اور دوکاندار تک بڑے مولوی صاحب کا پتہ بتادیتے تھے۔ حیرت ہوئی ہے کہ میں ۱۹۶۷ء۔ میں جونپور گیا تو سارا شہر تو کیا خود اس مدرسے میں انہیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ تصانیف میں بعض رسالے تھے جو مولانا عبدالحق خیرآبادی کے دفاع میں تحریر کیے تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں جونپور میں انتقال ہوا۔ رشیدآباد صاحب رشیدیہ کے مقبرے میں دفن ہوئے نہایت سادہ مزاج سادہ لباس اور خوش طبع تھے۔

خاتمہ

ماخذ علمائے عقلین کا یہ تذکرہ بڑی حد تک مولانا عبدالحی مرحوم کے عربی تذکرے نزہۃ الخواطر سے مقتبس اور منتخب ہے۔ حافظ احمد علی خاں شوق کے تذکرہ کاملان رامپور سے بھی کچھ بزرگوں کے حالات لیے گئے ہیں کچھ کا میں نے اپنی یادداشت سے اضافہ کیا ہے۔

خاص طور سے ضمنی تاریخی مختلف ماخذوں اور یادداشتوں سے ماخوذ ہیں۔ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون، طاشکبری زادہ کی مفتاح السعادۃ اور خیرالدین زرکلی کی الاعلام بھی سامنے رہی ہیں۔

یہ تذکرہ یہ مختصر تذکرہ ہندستانی علمائے معقولات کا احاطہ اور استقصا نہیں ہے بہت سے نام اس میں مزید شامل کیے جاسکتے ہیں اور بشرط فرصت شاید کچھ میں بھی شامل کرسکوں۔ ضمنی تاریخوں میں بہت سے کھانچے رہ گئے ہیں ہوسکتا ہے کہ ان میں سے اکثر کو میں ہی پر کردوں لیکن کی وقت کے باعث فی الحال ممکن نہ ہوا یار زندہ و صحبت باقی۔

ہندستانی علمائے معقولات کی اصالت فکر ہندی علما کی اصالت فکر کا تعلق زیادہ تر مابعد الطبیعاتی مسائل سے ہے۔ طبیعات میں تو قدیم خیالات کی یا تشریح ہے یا محض تلخیص اس لیے وہ چنداں قابل اعتنا نہیں۔ ہمارے عربی مدارس سے عقلیات نکل ہی چکے ہیں جو باقی ہیں ان کی حیثیت مصطلحات کے علم سے آگے نہیں کچھ دنوں میں بزرگوں کا یہ ورثہ گنج گم گشتہ ہوجائیگا۔ ضرورت ہے کہ

کچھ نوجوان اٹھیں اور ہندستان کے عقلین کی فکری اصالتوں کو سامنے لائیں اور بزرگوں کی ذہنی کاوشوں کو نئی نسل سے روشناس کرنے کی کوشش کریں۔

اصیل الفکر علماء ایسے علما بہت زیادہ نہیں جن کی فکر پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے ہر صدی کی ابتدا میں اہم لوگوں کو نشاندہی کردی ہے۔ مثلاً عبدالحکیم سیالکوٹی، میرزاہد، ملا محمود جونپوری، بحرالعلوم مولانا عبدالعلی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مولانا عبدالحق خیرآبادی مولانا فضل حق رامپوری وغیرہ۔ ان حضرات نے مستقل کتابیں بہت کم لکھی ہیں۔ ان کی فکر ان کے حواشی اور شروح ہیں۔ پھر ان کے حواشی اور شروح کا خاصا حصہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے اور وہ بھی نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے ان حواشی اور شروح کے پتے لگانے کی اور ان کی فہرست مرتب کرنے کی ضرورت سب سے پہلا کام ہے۔ دوسرا کام ان کی اصیل فکر کا مطالعہ ہے۔

گزارش جو نوجوان اس کام کا بیڑا اٹھائیں وہ نہ صرف متقدم اور معاصر فکر کو سامنے رکھیں اور ان کا تقابلی مطالعہ کریں بلکہ ان کے تاریخی پس منظر کو بھی پیش نظر رکھیں۔ اگر کچھ اہل علم اس ضروری کام کی طرف متوجہ ہوگئے تو یہ میرے اس انتخاب کا سب سے بڑا صلہ ہوگا۔ ولیس ذالک علی اللہ بعسیرا

محمد عبدالسلام
یکم جون ۱۹۹۱ء

حواشی صفحۂ ۴۸ (حاشیہ)

۱۔ عرب صاحب کی جرأت کا ایک واقعہ میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے۔ مدرسہ عالیہ ابھی رفعت منزل (صاحبزادے حیدر علی خاں متوفی ۱۳۱۵ھ کی کوٹھی جو اب مسٹن گنج کہلاتی ہے) میں منتقل نہیں ہوا تھا۔ کلب علی خاں کی تعمیر کردہ جامع مسجد از سر نو تعمیر ہونے کے لیے ٹوٹ رہی تھی، (جس کا دروازہ مع گھنٹے کے نواب کلب علی خاں کے عہد کا باقی ہے) روڑوں، اَدّھوں، اینٹوں کا ایک طرف ڈھیر تھا۔ طلبائے مدرسہ کی اکثریت سرحدی پٹھانوں کی تھی اور سیکڑوں کی تعداد میں تھی، صبح کا وقت تھا، مدرسہ کھلنے کی ابتدا تھی، طلبہ کچھ آ چکے تھے اور کچھ آ رہے تھے، اساتذہ کی بھی آمد شروع ہو گئی تھی کہ سرحدی طلبہ میں لڑائی شروع ہو گئی اور دو طرفہ صف بندی ہو کر اَدّھے، روڑے چلنے لگے۔ یہ کسی میں ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کے انہیں روکے۔ اساتذہ دور سے منع کر کے اس خطرناک لڑائی کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن غصّے میں بھرے سرحدی کہیں دور سے منع کرنے پر رکنے والے تھے کہ عرب صاحب بھی آ گئے اور سیدھے اُن صفوں کے بیچ میں گھستے چلے گئے؛ ایک طرف سے ایک کی گردن پکڑ کر لائے اور دوسری صف سے دوسرے کی گردن پکڑی اور دونوں کو قریب لا کر آمنے سامنے کر کے کہا "فرہم تمہارا سر ٹکرا کر توڑ دے"۔ عرب صاحب کے بیچ میں آ جانے سے یہ معرکہ ختم ہوا اور اینٹیں روڑے چلنا بند ہو گئے اور شاید جو استاذ بھی بیچ میں آ کر روکنے کی کوشش کرتا روڑے چلنا بند ہو جاتے، بس اصل سوال ہمت کا تھا۔

۲۔ استاذی مولوی معز اللہ خاں متوفی ۱۳۶۱ھ عرب صاحب کی بات کی پاسداری کا ایک واقعہ سناتے تھے جس کی تائید مدرسے کے اُس زمانے کے چپراسی بنّنے بھائی نے بھی کی تھی اور اخی المعظم مولانا عبدالوہاب خاں صاحب مرحوم نے بھی اس کی صحت کے کچھ قرائن بیان کیے تھے۔ مولانا نے بیان کیا کہ مدرسے کے متولّی (جو نام کے متولی تھے اور محرر ہو کر رہ گئے تھے، جو میرے دوست تھے) ایک روز مغرب کے بعد ہانپتے کانپتے میرے گھر آئے، اور کہنے لگے "غضب ہو گیا، نواب صاحب ... کو وظائف کی رقم میں غبن کا پرچہ لگا ہے، صبح کو افسران تحقیقات کے لیے آئیں گے، غبن واقعی ہے، کھل گیا تو میں تو جیل میں سڑ جاؤں گا"۔ میں نے کہا کیا عرب صاحب کو علم ہے؟ کہا نہیں۔ اب کیا کروں؟ میں نے کہا عرب صاحب کے گھر چلو اور ان سے اصل واقعہ کہہ دو، شاید وہی کچھ کر سکیں۔ چنانچہ ہم دونوں عرب صاحب کے یہاں عشا کے بعد پہنچے، کنڈی کھٹ کھٹائی، وہ باہر نکلے تو متولی نے پاؤں پکڑ لیے اور روتے ہوئے کہا مجھے معاف کر دیجیے، عرب صاحب نے کہا "کاہے کی معافی؟" متولی نے کہا پہلے معاف کر دیجیے پھر عرض کروں گا، متولّی نے اس وقت تک پاؤں نہیں چھوڑے جب تک عرب صاحب نے مجبور ہو کر یہ نہ کہہ دیا کہ اچھا بابا معاف کر دیا، متولی نے قدم چھوڑے

جب تک عرب صاحب نے مجبور ہو کر یہ نہ کہدیا کہ اچھا بائی معاف کر دیا، متولی نے قدم چھوڑ کر واقعہ بیان کیا عرب صاحب نے کہا، متولیؔ تم نے بہت برا کیا، اچھا جاؤ۔ صبح کو چیلن صاحب، شیر زماں خاں متوفیٰ ۱۹۳۲ء وغیرہ آگئے اور سیدھے عرب صاحب کے کمرے میں چلے گئے اور کہا متولی کو بلائیے، عرب صاحب نے کہا، خیر کیا بات ہے، انہوں نے واقعہ بیان کیا اور کہا سرکار نے تحقیق کے لیے ہم کو بھیجا ہے۔ عرب صاحب نے کہا وہ تو ہم نے کیا ہے۔ دیر دمری کا: متولی ہمارے حکم کے بغیر کیا کرتا۔ افسران نے کافی فہمائش کی، اس کے نتائج سے ڈرایا مگر عرب صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے اور یہی کہا "فعل ہم نے کیا ہے، غرض وہ چلے گئے۔ اب تنہا عرب صاحب مجرم ٹھہرے، عجیب تر بات یہ ہوئی کہ متولی نے اُن کے خلاف شہادت دی پھر بھی عرب صاحب اپنے اقرار سے نہیں ہٹے اور اس ذلیل الزام میں جیل چلے گئے اور عزت، علما نہ وقار اور شہرت سب کو خاک میں ملا دیا، پورے ملک میں اپنی نیک نامی کو بٹہ لگا لیا لیکن بات سے نہیں ٹلے۔

صفحہ ۸۲ (حاشیہ)

۱؎ رامپور میں طاعون پھیلا ہوا تھا، گھر کے گھر بے چراغ ہو رہے تھے۔ عرب صاحب کا گھر اس وبا میں مبتلا ہوا لیکن عرب صاحب کا استقلال و تحمل دیکھنے کا تھا۔ حکیم الیاس صاحب متوفیٰ ۱۳۶۲ھ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ان کی طاعون میں مبتلا بیوی کو دیکھنے گیا، حالت یہ تھی کہ ایک بیٹے کا جنازہ رکھا تھا، دوسرا نزع میں تھا، مبتلا بیوی کو دیکھنے میں آیا تھا، عرب باہر بیٹھے تھے، گھر سے نکل کر ان کے پاس آیا تو کہنے لگے میں نے قصیدہ لکھا ہے، سنو! اور شعر سنانے لگے، گھبراہٹ، بے صبری اور اس پہاڑ جیسے غم و الم کا ان کی حالت سے اندازہ نہیں ہوتا تھا، غالباً کچھ دیر بعد ہی بیوی کا انتقال ہو گیا اور گھر سے بہ یک وقت تین جنازے نکلے لیکن عرب صاحب کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حافظ احمد علی خاں متوفی ۱۹۲۲ء نے تذکرہ کاملان رامپور میں لکھا ہے کہ وہ ان کی اہلیہ کی فاتحہ خوانی کو گئے، جوان بیٹا دم توڑ چکا ہے، دوسرا حالت نزع میں ہے اور مردے کی دیدنی خود عرب صاحب نے کرائی، کوئی ہراس، تو حش نہ تھا، نہایت صبر و استقلال سے ان غموں کو برداشت کر رہے تھے

محمد علی جناح

جناح کے سکریٹری مرزا راشد علی بیگ کے قلم سے

ترتیب و ترجمہ

عابد رضا بیدار

حرفِ چند

یہ بیگ صاحب (مرزا راشد علی بیگ) کی خود نوشت سوانح عمری **اِن ڈفرنٹ سیڈلز** سے ترجمہ ہے، تین ابواب کا ترجمہ: ایک کشمیر پر اور ایک سیکولرزم پر، ایک جناح پر۔ بیگ صاحب کی کتاب ۱۹۶۷ء میں چھپی جب انکی عمر ۶۲ سال تھی اور یہ ترجمہ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔

بیگ صاحب کلچرل مسلمان ہیں، یا زیادہ بہتر الفاظ استعمال کیے جائیں، 'اینگلو مسلم'، سات سال تک جناح کے پرائیوٹ سکریٹری رہے ہیں، پاکستان ریزولوشن پاس ہونے کے دن تک! آزادی کے بعد گوا، پانڈیچری، ایران اور انڈونیشیا میں ہندستانی سفیر رہے ہیں۔ اور اب "آر۔ ۸، حوض خاص، نئی دہلی" میں ریٹائرڈ مگر بڑی سرگرم عمل زندگی گزار رہے ہیں۔

۱۹۶۷ء/۱۹۶۸ء میں نئی دہلی میں ایک مسلم پروگریسو گروپ کی بنیاد ڈالی۔



مندرجہ بالا سطریں ہم نے ۲۲ بیس سال قبل لکھی تھیں۔ اس درمیان میں بیگ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ انکی بیوی تارا علی بیگ بھی چل بسیں، اور اس طرح دو زبردست سماجی غمگساروں، خدمت گزاروں سے دلی خالی ہوگئی۔ اللہ ان کی انجانی غلطیوں کو معاف کرے اور اپنی مخلوق کی خدمت سے خوش ہو کر ان پر اپنی رحمتیں وار دے۔

عارب

پیشگفتار

لڑتے لڑتے دونوں تباہ ہو رہے ہیں اور فائدہ کسی کا بھی نہیں ؎
وہ الگ بیٹھا ہوا ہنستا ہے جس کا کام ہے!

برصغیر کے دو ملکوں ہندستان اور پاکستان، کے درمیان خیرسگالی جذبے کو بڑھانے کے لیے ایسے لٹریچر کی ضرورت ہے، جو سیکولرزم کو بڑھائے اور فرقہ پرستی کا زور گھٹائے، آپسی نفرت کو کم کرے اور جانور کو انسان بنانے کی ترغیب دے۔

ان دونوں ملکوں کے درمیان محبت کے روابط پیدا کرنے کے لئے خدا بخش لائبریری نے یہ اہتمام کیا ہے کہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی مملکت کے مصنفوں؛ پاکستانیوں کے قلم سے: دو قومی نظریے کے سب سے بڑے مخالف ابوالکلام آزاد پر، اور ہندستانی اہل قلم کی طرف سے: پاکستان کے بانی جناح پر، اہم لوگوں کی تحریریں شائع کی جائیں۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل پاکستانی مصنفوں کی کتابیں مولانا ابوالکلام پر لائبریری کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں:

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد کا ہفتہ وار 'پیغام' (مکمل فائل کا عکسی ایڈیشن) مرتبہ ابوسلمان شاہجہاں پوری (کراچی)

(۲) صراط مستقیم اور مولانا آزاد (نجات کی راہ صرف مسلمانوں کے لیے کھلی ہے یا ہر حق پرست کے لیے) مؤلفہ پروفیسر قمر آستان خاں (کراچی)۔

(۳) مولانا آزاد اور مدارس اسلامیہ (ندوۃ العلماء کی تاریخ کا ایک باب) مرتبہ پروفیسر قمر آستان خاں

(۴) مولانا آزاد کی: حجۃ ابراہیمی (قرآن مجید میں مذکور حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے مکالمے پر مولانا کے قلم سے شاندار تفسیر) مرتبہ پروفیسر قمر آستان خاں۔

(۵) مولانا کی تفسیر 'والعصر' (سورہ 'والعصر' کی تفسیر) مرتبہ پروفیسر قمر آستان خاں۔

(۶) آثار ابوالکلام آزاد (پٹنہ کے یوسف رنجور یعنی مولانا کے انگریزی کے استاد کے نام مولانا کے سوڈیڑھ سو اصل خطوط کا عکس) مرتبہ پروفیسر قدرت اللہ فاطمی، اسلام آباد۔

مندرجہ ذیل ہندوستانی مصنفین کی 'جناح' کے بارے میں تحریریں منتخب کی گئی ہیں: جن میں سے کچھ شائع ہو چکی ہیں، کچھ شائع ہو رہی ہیں:-

(۱) ایس کے مجمدار (۲) کانجی دوارکا داس (۳) شیلیش بندھو اپادھیائے (۴) سچیدانند سنہا (۵) ڈاکٹر عابد حسین (۶) ایم۔ آر۔ اے بیگ (۷) سروجنی نائیڈو۔

— ع ر ب

۹



۳۴ء کے شروع میں جناح بمبئی واپس آ گئے لیکن ابھی تک زندگی کا اکیلا پن ان کے ساتھ تھا۔ چند برس پہلے کانگریس چھوڑ چکے تھے اور دہلی میں مجلس قانون ساز کے آزاد ممبر کی حیثیت سے وہ ایک حد تک سیاسی زندگی گزار رہے تھے۔ اسی حیثیت میں انھوں نے لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی جہاں وہ آغا خان کی مسلم کانفرنس والے مسلمان معتدل رہنماؤں سے الگ الگ رہے۔ مسلم لیگ بڑی حد تک اس وقت صرف کاغذ پر تھی۔ گول میز کانفرنس کے بعد یہ اندازہ کرکے کہ موجودہ سیاسی پارٹیوں میں سے کسی میں ان کی گزر یا سمائی نہیں وہ لندن ہی میں رہ پڑے تھے اور پریوی کونسل میں پریکٹس کرتے تھے۔ ایک سبب مزید یہ بھی تھا کہ گورنر بمبئی ولنگڈن جن سے جناح کا ٹکراؤ ہو چکا اب ہندستان کے وائسرائے بن چکے تھے (۱۹۳۱ء)۔ لیکن لندن کب تک چلتا؟ وہاں کی تنہائی سے بالآخر اکتا گئے اور جوں ہی لارڈ ولنگڈن کی جگہ لارڈ لنلتھگو آئے جناح بھی واپس آ گئے یہاں مسلم لیگ میں جان ڈالنے کے ارادے کے ساتھ انھوں نے اپنے مددگار سالار ڈھونڈنا شروع کیے اور دوسروں کے ساتھ مجھے بھی بلایا۔ میں ان سے پہلے کئی بار مل چکا تھا، زیادہ تر مسز نائیڈو کے یہاں، اور اس طور پر روشناسی کے بعد میں انھیں اس قدر سنجیدہ نہیں سمجھ سکتا تھا جتنا وہ خود سمجھتے تھے۔ نتیجۃً ان کے بہت سے مریدوں اور ساتھیوں کے برخلاف مجھے کبھی ڈر نہیں لگا۔ عرصے بعد کچھ اسی قسم کے روابط جواہر لال نہرو سے بھی ہوئے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے دونوں، اپنے برتاؤ کو جو خورد بزرگوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں، پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بجائے اس کے کہ انھیں اونچے استھان پر بیٹھے ہوئے عظیم لیڈروں کا درجہ دیا جاتا!

ان سے ملنے میں ہائی کورٹ میں ان کے کمرے میں گیا۔ "سنیے جناب" انھوں نے کہا "میں آپ کے خیالات سے اچھی طرح واقف ہوں، آپ سمجھتے ہیں کہ ہندو مسلمان مل کے کام کر سکتے ہیں۔ جی میرا بھی جی چاہتا ہے کہ کاش ایسا ہی ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے جب ہندو متحد اور مضبوط ہیں اور مسلمان منتشر اور کمزور

۱۰

ہندو اور مسلمان ہندوستانی جسم کے دو بازو ہیں لیکن وہ جسم کس کام کا جس کا ایک بازو مفلوج ہو جائے۔ بازو کو مضبوط کر کے آپ پورے جسم کو مضبوطی بخشیں گے۔ دیو اور بونے کی شادی سنی ہے آپ نے؟ ایک سے قد کے لوگوں میں شادی ہوا کرتی ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کبھی ممکن نہیں جب تک مسلمان اپنی موجودہ سماجی تعلیمی اور سیاسی پسماندہ حالت میں ہیں۔ اگر ہندو مسلم ایکتا کے لیے کام کرنا چاہتے ہو تو پہلے مسلمانوں کے لیے کام کرنا چاہیے۔"

اس وقت تک یہ ۳۲ء کی بات ہے، میں ہندو مسلم اتحاد کے خیال سے خاصا دل برداشتہ اور دل گرفتہ سا ہو چکا تھا اور جناح صاحب کی اپیل سننے کیلیے ذہن گویا پہلے سے بالکل آمادہ سا تھا۔ دو ایک شک البتہ تھے۔ "ہندو مسلم اتحاد کے لیے میں آپکے ساتھ کام کروں گا۔ لیکن ایکتا فرقہ پرستی کی مخالفت میں جاتی ہے۔ مسلم لیگ خالص فرقہ پرست جماعت ہے یہ کیسے ہوگا کہ فرقہ پرستی کے ذریعہ ایکتا کا کام ہو سکے؟"

"میرے نوجوان دوست" انھوں نے جواب دیا "ابھی تمھیں مسلمانوں کے بارے میں اور سیاست کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمان تمہارے ساتھ آئیں تو آدھی دور تمھیں ان کی طرف چلنا ہوگا۔":

میرا خیال تھا، اور اب بھی اس خیال پر قائم ہوں کہ اس وقت جناح صاحب نے جو کچھ کہا اور جو بات ان کے پیش نظر تھی اس میں پورا خلوص تھا۔ ان کا پورا ماضی اس کا گواہ تھا۔ خوفناک حد تک آزاد اندازکے مالک ان کے لیے کسی کی بھی رعیت بننا ناممکن تھا اور چونکہ شروع زمانے میں ہندو کنٹرول کا کوئی سوال ہی نہ تھا، سو انھوں نے برطانوی غلبہ کے خلاف خوفناک بغاوت چھیڑ دی۔ ویسے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ کانگریس کے بچپن یا لڑکپن میں وہ ان روشن ستاروں میں تھے جو ہندو مسلم اتحاد کی تابناک ترین علامت تھے!

آغا خاں نے جن کے جناح صاحب ساری عمر مخالف رہے، اپنی خود نوشت میں منٹو مارلے اصلاحات کے نتیجہ میں جداگانہ انتخاب آجانے کے بعد کی سیاسی صورت حال اس طرح بیان کی ہے۔

"۱۹۰۶ء میں ہمارا سب سے بڑا مخالف جانتے ہیں آپ؟ بمبئی کا ایک ممتاز بیرسٹر، جس کی وکالت عروج پر تھی، محمد علی جناح ... دوستی ہم میں ضرور رہی لیکن خاص اس موقع پر تو وہ ہم سب کے اور ہمارے اقدام کے سخت دشمنوں میں تھے۔ ممتاز مسلمانوں میں وہ تنہا تھے جنھوں نے اس وقت یہ موقف اختیار کیا، ان کا کہنا تھا کہ جداگانہ انتخاب کا اصول قوم کو بانٹے دے رہا ہے اور پھر ایک ربع صدی تک وہ ہمارے بدترین مخالفوں اور ناقدوں میں رہے۔"

مسز نائیڈو، جن کے لیے میرے دل میں انتہائی گہرا احترام تھا، اخیر تک جناح صاحب کی مداح رہیں۔

۱۹۱۵ء کے کانگریس سیشن کے آخر میں ان کے احترام میں مسز نائیڈو نے اپنی نظم جناح سنائی تھی۔
یہاں تک کہ ۱۹۲۸ء تک جب سائمن کمیشن ہندستان کا دورہ کر رہا تھا، اس وقت کے وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ (جیسا کہ ان کے بیٹے نے اپنی کتاب "ایف۔ای" میں اقتباس دیا ہے) وائسرائے کو یہ لکھ رہے تھے:
"میں سائمن کو تمام مرحلوں پر ان تمام لوگوں سے ملنے کا مشورہ دوں گا جو کمیشن کا بائیکاٹ نہیں کر رہے ہیں خصوصاً مسلمان اور اچھوت۔ میں نمائندہ مسلمانوں کے ساتھ سائمن کی گفتگوؤں کی پوری شہرت ہی چاہوں گا۔ ساری پالیسی اب واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثریت والے ہندوؤں کو خوفزدہ کرنا ہے اس تشویش کے ساتھ کمیشن مسلمانوں کے قبضے میں جا رہا ہے اور ایسی رپورٹ دے جو ہندوؤں کے لیے قطعی تباہ کن ہو، محض اس لیے کہ اسے پوری مسلم سپورٹ مل جائے اور جناح پٹا پٹا رہ جائے۔"
کانگریس سے بھی چند برس پہلے ان کا خروج عدم تعاون کے مسئلہ پر ہوا تھا نہ کہ کسی فرقہ وارانہ مسئلہ پر اور اب پارلیمانی کام کو اپنا کر، جو ان کی صلاحیتوں کے عین مطابق تھا، پرشوتم داس ٹھاکر داس کو اپنا نائب بنا کے، وہ دہلی میں قانون ساز اسمبلی میں "آزاد پارٹی" کے لیڈر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے!
دہلی میں میں نے اندازہ کیا تھا کہ ان میں کیسی مناظرانہ صلاحیت ہے اور یہ بھی کہ ان کی حریت فکر اور ایمانداری پر کانگریس اور حکومت دونوں کو یکساں اعتماد تھا۔ اخبارات پڑھنے والے بھی اس سے واقف تھے کہ گول میز کانفرنس میں 'خرانٹ'، مسلم لیڈروں کے حلقے نے جس کی قیادت سرکار پرست آغاخاں کر رہے تھے، وہ کس طرح الگ تھلگ رہے تھے اور اس گروپ سے مسلمانوں کی نئی نسل بری طرح بیزار تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ کانگریس کو پسند کرتی تھی جو سال کے سال زندہ ہوتی تھی یا پھر سول نافرمانی کے موقع پر جب مسلمانوں سے اس کی ایک ہی مانگ ہوتی تھی کہ جیل جائیں۔ یہ کوئی بہت بڑی کشش کی بات نہیں تھی۔ نئی قیادت کے لیے زمین ہموار تھی جس کے لیے جناح صاحب سب سے زیادہ موزوں اترتے تھے۔ ان کے کاغذات ماہیری ہر طرح مکمل تھے اور ان کی خلق ایک تھی۔ میں نے اپنے آپ کو ان کے لیے وقف کر دیا۔
شاندار بیرسٹر، جیسا کہ وہ تھے، قانونی زبان میں اپنے شیطانوں کے ذریعہ کام کرانے کے عادی تھے (یعنی مقدمے اپنے چھوٹے بیرسٹروں کے ذریعہ لڑوانا) میری نوعیت گویا سیاسی شیطان جیسی ہوتی تھی۔ بولنے میں وہ اگرچہ انتہائی لسان تھے لیکن یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ لکھنے میں انھیں اظہار پر اتنا قابو نہیں تھا اور لکھنے کا زیادہ تر کام وہ میری طرف بڑھا دیتے تھے۔ یہ میں جانتا ہوں یا وہ کہ کن کن خطوں کے جواب،

کون کون سے اخباری بیانات، اور کون کون مضامین میں نے لکھے۔ اس طرح میں نے ۱۹۳۴ء سے مارچ ۱۹۴۰ء تک کا عرصہ تقریباً ۶ سال ان کے ساتھ گزارے۔ میں بمبئی پریسیڈنسی مسلم لیگ کونسل کا ممبر ہو گیا اور محمڈن چلائے والا اور عباس طیب جی اور مجھ پر مشتمل وہ کمیٹی بنی جسے جناح صاحب نے بمبئی قانون ساز اسمبلی کے لیے امیدوار منتخب کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اسی قسم کی اور بھی ذمہ داریاں میرے سپرد کی جاتی رہیں۔

لیکن جناح صاحب کے کوئی اس قدر قریب نہیں ہو سکتا تھا کہ بے تکلفی کے مراحل پہ آسکے اور یہ میری سمجھ میں کبھی نہ آسکا، خصوصاً اس لیے کہ بھائی اور بہن دونوں پیار کے کیسے بھوکے تھے؛ ایک شام آتی ایک جاتی اور وہ دونوں متقشف زاہدانِ خشک، جنگل کے جوگی جیسے، خشکی اور خشک روئی میں ڈوبے ہوئے بڑھاپے کی طرف رواں دواں، خاموش اور سنجیدہ، وہ دونوں اپنی شامیں بیٹھے بیٹھے گزار دیتے۔ دن گزرتے جاتے اور ان کے سٹھرے پن میں اور اضافہ ہوتا جاتا۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں ہندوستان کی تاریخ کیا ہوتی اگر اس افسردہ گھر میں پیار، زندگی اور قہقہوں کو جگہ مل گئی ہوتی۔ میرے نزدیک یہ محض امر اتفاقی نہیں ہے کہ جناح صاحب کی ذات کا یہ نیا اظہار اور ان کا فرقہ پرستانہ انداز ان کی غیر مسلم بیوی رتی کی موت کے بعد سے شروع ہوا۔ سر ڈینشا پیٹیٹ کی بیٹی سے یہ شادی اُس زمانے کے جناح کے کردار سے ہم آہنگ تھی۔ رتی ان سے کئی سال چھوٹی تھی جس میں زندگی اور اس کی سرمستیاں ایسی کُوٹ کُوٹ کے بھری ہوئی تھیں جن سے اس نے جناح کو بھی بالکل عام، فطری، انسان دوست اور مکمل طور سے سیکولر بنائے رکھا تھا۔ اس کے ساتھ وہ بھی کبھی کبھی قہقہے بھی لگا لیتے تھے۔ لیکن ۱۹۲۸ء میں رتی کی موت کے بعد غیر شادی شدہ بڑی بہن فاطمہ جناح ساتھ میں رہنے کے لیے آگئیں اور دونوں کی ٹھٹھری ہوئی طبیعتیں ایک دوسرے کو بڑھاوا دیتی رہیں۔ رتی کی طرح دوست سازی کا ملکہ یہاں تھا ہی نہیں، نتیجہ میں دونوں شاندار تنہائی میں محبوس ہوتے چلے گئے۔ بمبئی میں ان کے متعدد رشتہ دار بھی تھے لیکن کسی سے ملنا جلنا نہ تھا۔ مس جناح مجھے اپنے وجود کا سایہ معلوم ہوتی تھیں۔ صرف ایک بار ان کے چہرے کی خشونت نرمی میں پگھلتی دیکھی تھی، جب وہ اپنے کتے کے بچوں کو پیار کر رہی تھیں۔

بعض دفعہ ایسا لگتا جیسے جناح صاحب کو نہ دوستی بڑھانے کا خیال ہے نہ اپنا اثر و نفوذ پھیلانے میں دلچسپی۔ آنٹر رچیہو نے ایک بار کسی معاملہ میں تفصیل چاہی، میں ان کے پاس لے گیا، بعد میں جس کا افسوس بھی ہوا۔ بجائے اس کے کہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کے ٹائمز آف انڈیا جیسے با اثر اخبار کو اپنا دوست بنا لیتے، انھوں نے اس کی ادارتی پالیسی پر تنقید شروع کر دی اور اس کے سوالوں کے جواب اس طرح دیئے

جیسے وہ کوئی ناسمجھ اسکول کا لڑکا ہو۔ جیسے ذہین تھا اور خاصا حساس، ہمیشہ مسلم کاز کا ہمدرد رہا تھا۔ اس موقعہ پر خواہ مخواہ ہم نے ایک مخالف بنالیا!

ایک احساس مجھے رہا ہے کہ کہیں دور گہرائی میں جناح کا ضمیر انہیں ان کے فرقہ وارانہ رول پر ملامت کرتا رہتا تھا اسی لیے وہ اکثر دفاعی انداز میں رہتے۔ اپنے شہرت کے عروج کے زمانے میں ان سے ایک بار میں نے پروگریسیو گروپ میں بولنے کے لیے کہا۔ اس دن سے زیادہ سامعین 'گروپ' کی محفلوں میں میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ نہ معلوم کس سبب سے جناح نے خواہ مخواہ ایسا محسوس کیا کہ سننے والوں میں مخالف زیادہ ہیں۔ کرسی سے لمبا پتلا منحنی جسم تقریر کے لیے اٹھا تو اس طرح جیسے ایک دشمن جج کے سامنے کیس پیش کر رہا ہو۔ پھر جو کچھ وہ بولے وہ تقریر سے زیادہ ایک لیکچر تھا اور سوالوں کے جو جواب دیئے وہ اب سوال کرنے والوں کو مطمئن کرنے کے بجائے ان پر وار زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو ایسا لگا جیسے سننے اور بولنے والوں دونوں نے سکون کا سانس لیا ہو۔

اور دو ایک واقعہ یاد آرہے ہیں۔ شہر میں ایک شادی کی تقریب تھی جس میں یہ اور مولانا شوکت علی ایک صوفہ پر ساتھ ساتھ بیٹھے۔ دونوں بڑے دوستانہ ماحول میں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے تھے۔ اس لیے یہ موقع دونوں کے کرداروں کے عین مطابق اور خاصا مضحکہ خیز تھا۔ داڑھی سے بھرپور چہرہ، فربہ جسم، خوش طبع بے حد باتونی، مولانا محفل سے خاصا لطف اندوز ہو رہے تھے اور جس حد تک ان کی آواز پہنچ رہی تھی سب کو مشغول کیے ہوئے تھے۔ دوسری طرف کلین شیو، منحنی، سمٹا سمٹایا اکہرا جسم لیے جناح بیٹھے تھے۔ خاموش اور کھنچے کھنچے۔ چہرے پر کرختگی کے آثار ہویدا! اور پہلی فرصت میں مجلس کو چھوڑنے پر آمادہ!!

لیکن جب وہ چاہتے تو ملنے دلآویز اور منکسر بھی ہو جاتے۔ کوئی گفت و شنید کا سلسلہ تھا جو گاندھی جی ان سے ملنے بمبئی آئے اور تارا (مسز بیگ) نے تذکرۃً کہا کہ میں کبھی گاندھی جی سے نہیں ملی۔ جناح صاحب نے فوراً تارا کو اپنے گھر پہ مدعو کر دیا اور جب گاندھی جی پہنچے تو دروازے پر جناح صاحب نے پذیرائی کی اور ڈرائنگ روم میں مس جناح اور تارا نے۔ تارا نے اس ملاقات کے واقعہ کو قلمبند کر لیا اور بعد میں 'میری سب سے زیادہ یادگار ملاقات' کے عنوان سے السٹریٹیڈ ویکلی میں تفصیل سے چھپا بھی۔

طلباء کے ساتھ بھی ان کا انداز دلکش ہوتا تھا۔ نئے باصلاحیت نوجوانوں کو آگے بڑھانے کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے، اور پرانی نسل کے پرنیوں کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ ان کی عظمت کے ذیل میں ایک یہ

بات بھی تھی کہ انھوں نے کبھی سازشی انداز کو پسند نہیں کیا اور نہ کبھی پشت پر وار کیا۔ ہر ایک اچھی طرح جانتا تھا کہ جناح کی نظر میں وہ کس جگہ پر ہے۔

مجھ پر اور تارا پر دونوں بھائی بہن بے حد شفقت کرتے تھے۔ جناح صاحب نے کبھی میرے کسی کہنے کو نہیں ٹھکرایا، اور جہاں کہیں میں نے لے جانے کو کہا فوراً تیار ہو جاتے۔ جب کبھی ہم مکان پر بلاتے کہ کسی کو ان سے ملوائیں وہ بلا پس و پیش آجاتے "اندرون ایشیا" کے مصنف جان گنتھر کے ساتھ ان کی بات چیت ہمارے ہی فلیٹ پر ورلی پائنٹ میں ہوئی۔ ایسی ہی ایک ملاقات کا تذکرہ ولفریڈ رسل نے "مرچنٹ ان اے مزر" میں کیا ہے۔

اپنے اوپر بے پناہ اعتماد سے بھرپور جناح صاحب لیڈر سے زیادہ ڈکٹیٹر تھے۔ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی ممکن ہے کمیٹی ہو لیکن اس کا کام صرف اظہار رضامندی تھا جس کے میٹنگ کی وہ اس طرح صدارت کرتے تھے جیسے کوئی جنرل اپنی فوج کی کمانڈ کر رہا ہے۔ ایک بار سر سکندر حیات خاں اور لاہور والوں کا ایک گروپ بمبئی کسی میٹنگ کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے۔ ایک مشترک دوست نے ہمیں کھانے پر بلایا۔ جب تک کھانا چلتا رہا، سر سکندر اور ان کے احباب ایک مسئلہ پر جس کے وہ سب سختی سے مخالف تھے بحث کرتے رہے: "اس کا مطلب پنجاب کی صورت حال کو قطعاً نظر انداز کرنا ہے، میں کبھی اسے قبول نہیں کروں گا" سر سکندر نے انتہائی غصہ میں کہا۔ شام کو وہ میٹنگ ہونا تھی۔ پھر دوسرے دن میں نے سر سکندر سے پوچھا کیا رہا: "بھئی، میں نے وہ مسئلہ چھیڑا ہی نہیں۔" حالانکہ واقعہ یوں ہوا جو ایک دوست نے جو موقع پر موجود تھے بعد میں بتایا کہ سر سکندر نے مسئلہ چھیڑا تھا۔ "جناح صاحب! میں اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا تھا کہ ..." سر سکندر نے شروع کیا تھا کہ جناح صاحب نے آہستگی سے اپنی کرسی سر سکندر کی طرف موڑی اور انکی طرف گھورا۔ سر سکندر بلبلے کی طرح بیٹھ گئے۔

مجھے بڑی حیرت ہوتی جب اپنے معتقدوں تک سے انکا رویہ دیکھتا۔ مجھے یاد ہے ایک بار میں ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ نوکر نے آکر کہا کچھ مسلمان ملنے کے لیے آئے ہیں۔ بڑی افسردگی کے ساتھ کہنے لگے "بھیجو" سیدھے سادے کچھ لوگ ڈرے سہمے ہوئے اندر آئے۔ "ویل وہاٹ ڈو یو وانٹ" انھوں نے انگریزی میں کہا (کہیے آپ لوگ کیا چاہتے ہیں) "صاحب" ان میں سے ایک اردو میں بولا "آپ کے دیدار کرنے آئے ہیں" "ویل، یو ہیو سین می" انھوں نے انگریزی میں کہا (دیدار کر لیا آپ نے) اور اپنی کرسی موڑ کر ہم سے بات چیت کرنے لگے۔ ایک اور موقع پر ریلوے اسٹیشن پر انکی پذیرائی کے لیے بڑی بھیڑ جمع ہو گئی تھی۔ ایسے موقع اکثر بدنظمی اور گڑبڑ ہوتی ہے

چنانچہ یہاں بھی کچھ شور شر اور ہنگامہ سا تھا۔ سخت طیش کے عالم میں جناح صاحب نے کھڑکیاں بند کر لیں اور باہر نکلنے سے انکار کر دیا جب تک مجمع بھیڑ منتشر نہ ہو جائے۔

وہ ایسے عوامی لیڈر رہے جن کے پاس عوام کے لیے ذرا سا وقت بھی نہیں تھا۔ عوام کے لیے ان کا رویّہ وہی تھا جو ٹینی سن کے مشہور مصرعوں میں ہے کہ:

؎ ان کا یہ کام نہیں کہ یہ کیوں، یہ کیا ہے؟
؎ ان کو بس کرنا ہے یا مرنا ہے!

اس پر اضافہ کیجیے کہ: ان کو بس ووٹ دیئے جانا ہے اور مرنا ہے۔ میرا خیال ہے بعد میں انھوں نے اس کی بھی شعوری کوشش کی کہ کچھ بدلیں لیکن ہر ایسی کوشش مصنوعی تھی، تکلیف دہ حد تک!

یا تو یہ بات ہے کہ مجھے ہونے والی بات کا پہلے سے کچھ اندازہ ہو جاتا ہے، یا پھر میں جلدی اُوب جاتا ہوں اور بازی گروں کا فریب زیادہ دیر تک کھا نہیں سکتا۔ کچھ بھی ہو، ہوا یہ کہ میں اپنے کام میں اب کچھ دھوکے محسوس کرنے لگا تھا جب جناح صاحب نے مجھے اپنے ساتھ کام میں لگایا اس وقت سے وہ دو امور جو انھوں نے مجھے آمادہ کرنے کے لیے میرے سامنے رکھے تھے، میں نے اپنے پیش نظر رکھے تھے اور میں حسرت کے ساتھ یہ سوچا رہتا کہ وہ کب معاشی، سماجی اور تعلیمی لحاظ سے مسلمانوں کی تعمیر کا کام اپنے ہاتھ میں لیں گے تاکہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کی تجویز عملی جامہ پہن سکے۔ دوسری طرف میں انجمن مسلمانوں میں آدمی دور تک ہی جاتے نہیں دیکھتا تھا بلکہ انھیں میں کھویا ہوا پاتا تھا ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ اور ہو یہ رہا تھا کہ وہ انھیں کسی دوسری ہی سمت میں لے جا رہے تھے جو اتحاد کی مخالف سمت تھی۔ مجھے یہ بھی پتا لگا کہ معاشیات کے بارے میں وہ مجھ سے بھی کچھ کم ہی جانتے تھے، فرق یہ تھا کہ میں کچھ جاننے کے لیے آمادہ رہتا تھا۔ سماجی اور تعلیمی کاموں سے بھی انھیں کم ہی دلچسپی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک واقعے سے مجھے مجبوراً اس کا اندازہ کرنا پڑا۔ میونسپلٹی نے تعلیم بالغاں کی مہم چھیڑ رکھی تھی اور سارے بمبئی میں نائٹ اسکول قائم کر دیئے گئے تھے۔ مسلمان علاقوں کے اسکول مسز کلثوم سیانی کی نگرانی میں دے دیئے گئے تھے جو بڑی باصلاحیت سیاسی اور سماجی کارکن تھیں لیکن ایسے کاموں میں جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا تھا اور کوئی اختلافی مسئلہ بھی نہ تھا، وہ مسلم لیگ کی بھی تعاون چاہتی تھیں۔ اس لیے ایک رات کو ہم نے ان اسکولوں میں جناح صاحب کی بھی گردش کرائی، اور وہ فرض کے طور پر ایسی تنگ و تاریک گلیوں، سیڑھیوں اور کمروں میں ہمارے ساتھ گھومتے رہے جن کے وجود کے

ناواقف رہے لیکن ہم اپنے مشن میں ناکام رہے۔ آخر میں انھوں نے بڑے اخلاق سے شکریہ ادا کیا اور کلثوم سے کہا وہ بہت اچھا کام کر رہی ہیں لیکن مسلم لیگ کو تعلیم بالغاں میں حصہ لینے کے لیے ہدایات جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ اسباب صریح ہے، میونسپلٹی پر کانگرس کا قبضہ تھا؛ اور مسلم لیگ یا جناح اس کے لیے تیار نہیں تھے کہ کانگرس کی مدد کریں جو مسلم عوام میں ہر دلعزیزی یا کریڈٹ کا ایک موقع اور ڈھونڈ لے، مسلم عوام مستفیض ہو سکتے تھے یا نہیں، اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

اب مجھے صاف نظر آنے لگا کہ ہم دونوں کی باتوں میں بنیادی اختلاف کیا تھا۔ ان کی دلچسپی مسلم لیگ کے ساتھ تھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں؛ مجھے مسلمانوں سے دلچسپی تھی؛ ہندستانی جسم کے ایک کمزور بازو کی حیثیت سے! نہ کہ مسلم لیگ سے۔

اس زمانہ میں یا تو فون پر یا دو بدو فرینک موریس (انڈین ایکسپریس) سے قریب قریب روز ہی ملاقات ہوتی اور اس صورت حال پر بحث ہوتی۔ وہ متوازن معروضی ہونے کے ساتھ ساتھ تیز سیاسی ذہن کا مالک تھا اور میرے لیے تو گویا میرے ضمیر کا رکھوالا سا بن چکا تھا۔ فرینک کا خیال تھا کہ مجھے جس حد تک بھی ممکن ہو جناح سے قریب رہنا چاہیے اور یہ سلسلہ جاری رہنا اچھا ہے ایسا نہ ہوا تو جو اچھا اثر میرے ذریعہ پڑ سکتا ہے وہ بھی ممکن نہ رہے گا۔ فرینک کو معلوم تھا کہ جناح کے نام سے میں جو بیانات نکالتا رہتا تھا وہ جس قدر معتدل تھے، اگر وہ خود لکھیں تو کبھی ایسے معتدل نہ ہوتے لیکن گیند ڈنڈے پر آرہی تھی۔ ایک برطانوی میگزین ٹائم اینڈ ٹائڈ نے مسلم مسئلہ پر جناح صاحب سے ایک مقالہ مانگا۔ مسئلہ مجھے ازبر تھا۔ مقالہ لکھ ڈالا جس میں میں نے لکھا کہ 'ہندستان رنگارنگ مختلف لوگوں کا مجموعہ ہے اور اس لیے اس کے لیے وہ جمہوری اصول جو یکساں انداز رکھنے والے ملک کے لیے بہترین موزوں نہیں ہوں گے؛ برطانیہ میں ایک نمائندہ حکومت کو تو وہاں کے لوگوں کی عددی اکثریت کی حمایت حاصل ہوا کرتی ہے، مگر ہندستان میں وہی حکومت نمائندہ کہلائی جا سکتی ہے جسے ہندو و مسلمان دونوں کی حمایت حاصل ہو؛ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہندو مت اور اسلام مذاہب نہیں ہیں جیسا کہ عیسائی (انگریز) ان دونوں کو سمجھتے ہیں بلکہ زندگی گزارنے کے دو مختلف طریقے ہیں دو مختلف سماجی اصول و قوانین کے ساتھ' یا دو مختلف تہذیبیں کہلا سکتی ہیں۔ یہ مسودہ میں نے فرینک (موریس) کو بھی سنایا اور ایک آدھ لفظ یا جملہ ادھر اُدھر بدلا بھی، پھر جناح صاحب کے پاس لے گیا۔ جنھوں نے اسے پسند کیا لیکن ایک لفظ تبدیل کر دیا میں نے لکھا تھا:

"ایسا آئین تشکیل دیا جائے جو یہ تسلیم کرتا ہو کہ ہندستان میں دو فرقے ہیں۔ دونوں کو مشترک مادرِ وطن کی حکومت میں حصّہ دار ہونا چاہیے۔ ایسا آئین تشکیل دینے کے لیے مسلمان حکومتِ برطانیہ کانگریس یا کسی کے بھی ساتھ تعاون کے لیے تیار ہیں تاکہ موجودہ دشمنیاں ختم ہو سکیں اور ہندستان دنیا کی بڑی قوموں میں اپنا مقام حاصل کر سکے۔"
انھوں نے لفظ فرقے کو ہر جگہ کاٹ کے اس کی جگہ قومیں لکھ دیا!

یہ جنگ چھڑنے اور کانگریس حکومت کے مستعفی ہونے کے درمیانی زمانہ کی بات ہے، اس لیے یہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے آس پاس کا زمانہ ہونا چاہیے۔ یہ پہلی بار میرے سامنے ایسا ہوا تھا جب جناح صاحب نے مسلمانوں کو قوم کہا تھا۔ لیکن چونکہ مشترک مادرِ وطن کے الفاظ جوں کے توں برقرار رہنے دیے گئے تھے۔ اس لیے ایک لمحے کے لیے بھی مجھے یہ شک نہیں ہوا کہ بالکل ہی غیر آمادہ ہندستان کے لیے وہ جلد ہی دو قومی نظریہ 'ہندو اور مسلم' پیش کرنے والے ہیں۔ ہر ایک نے اس نظریے کے بارے میں سنا ضرور تھا جو ایک صاحب چودھری رحمت علی نے سوچا تھا اور سر اقبال[1] نے جس کی پرجوش وکالت کی تھی۔ لیکن اس اکیلے واقعے کے سوا جس کا ابھی ذکر ہوا جناح صاحب نے اس سے پہلے دو قوموں یا دو ریاستوں کا کبھی نام نہیں لیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب جناح صاحب کو اتنی وافر مالی امداد مل گئی تھی کہ وہ ایک پارٹی کا اخبار نکلوا سکتے تھے جو بعد میں ڈان کے نام سے نکلنے بھی لگا۔ مجھے انھوں نے اس کی ایڈیٹری کی پیش کش کی۔ میں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا لیکن یہ صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ اگر میں نے اسے قبول بھی کیا تو مجھے اس کا پورا اختیار ملنا چاہیے۔ انھوں نے کہا اس بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔ میرا خیال تھا یہ اخبار مسلم لیگ کی روز بروز بڑھتی ہوئی انتہا پسندی پر ایک بریک لگانے کے کام آ سکے گا، لیگ اب بجائے مسلمانوں کی تعمیر کے، اینٹی کانگریس اور اینٹی ہندو تنظیم بنتی جا رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ ایک آزاد اندازِ فکر لئے پھر شاید اس کی جگہ پر واپس لے آئے۔ اس بات کو میں نے ایک آزاد ذہن رکھنے والے مسلمان بیرسٹر سلیمان سیٹھ کے سامنے بھی چھیڑا، اور یہ بھی پوچھا کہ اس کوشش میں کیا وہ میرے ساتھی بننا پسند کریں گے۔ انھوں نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ لیکن فرینک کافی پریشان تھا اور اس کا مشورہ تھا کہ میں الگ رہوں۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار اخبار میں پہنچ جانے کے بعد میرے لیے یہ مشکل ہوگا کہ آخری فرقہ وارانہ نقطے سے پہلے کسی جگہ رک سکوں یا واپس آ سکوں۔ اسے ابھی اس میں شبہ تھا کہ مجھے اختیارِ کل حاصل رہ سکے۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اخبار پارٹی کا ہوگا اور پارٹی کی پالیسیوں کو وہ کچھ بھی ہوں اسے بہرحال چلانا ہوگا۔ مزید غور و خوض کے بعد میں نے بالآخر انکار کر دیا۔

---

[1] سر اقبال نے علیحدہ ریاست کی وکالت کی تھی نہ کہ تقسیمِ وطن کی۔

ستمبر ۳۹ء میں جنگ چھڑ گئی اور کانگریس اور وائسرائے میں ناکام گفتگوؤں کے بعد کانگریس نے اپنی صوبائی حکومتوں کو مستعفی ہو جانے کی ہدایات جاری کر دیں۔ نومبر کے آخر تک استعفیٰ ہو گیا۔ کسی نے کہا ہے کہ موقع بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مقصد؛ جناح صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی اپنی اہلیت کا مظاہرہ کیا۔ کانگریس کے فیصلہ کو لیگ کے فائدے کے لیے استعمال کرنے کے واسطے انھوں نے لیگ کو ہدایات جاری کر دی کہ تمام ہندستان میں اسے "یوم نجات و شکرانہ" کے طور سے منایا جائے اور حسب آمد قدیم مجھ سے اس کے لیے مینی فیسٹو تیار کرنے کے واسطے کہا، لیکن اب میرے رویہ کا اندازہ ہو چکا تھا اس لیے مجھے یہ بتلانے کی ضرورت بھی سمجھی کہ اس میں کیا کیا ہونا چاہیے! یہ ایسا کام تھا جس نے مجھے خلجان میں مبتلا کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ تو بات بالکل حدوں سے نکلی جا رہی ہے۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ لیگ کی ایک کمیٹی نے کانگریس کی صوبائی حکومتوں کے نام نہاد مظالم کے بارے میں ایک پیر پور رپورٹ تیار کرائی ہے جس میں شروع سے آخر تک ہندو مسلم فسادات بھرے ہوئے ہیں، صوبائی کانگریس حتیٰ کہ افسران ضلع تک اس میں ملوث تھے، یہ صحیح ہے، لیکن یہ بات کہ کانگریسی حکومتیں بھی ان فسادات میں شریک تھیں محض افترا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان حکومتوں نے اپنے ووٹروں کے خلاف سخت ایکشن البتہ نہیں لیا اور جس حد تک ان کے بس میں تھا امن و امان کی بحالی کے لیے، انھوں نے وہ بھی نہیں کیا۔

لیکن اس زمانے تک میں کانگریس کو کافی قریب سے دیکھ چکا تھا۔ یہ ایک مشترک سیاسی عقیدہ والے افراد پر مشتمل ایک سیاسی پارٹی کے بجائے آزادی خواہ تحریک تھی جس میں وہ سب جو برطانوی حکومت سے مختلف وجوہات کی بنا پر آزادی چاہتے تھے، ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے اور چونکہ ہندستان ابھی تک عہد وسطیٰ کا ملک تھا اس لیے قدرتاً کانگریس کے زیادہ تر لوگوں میں ازمنہ وسطیٰ کی ذہنیت کار فرما تھی۔ ذات پات اور صوبائیت کا اچھا خاصا دور دورہ تھا، اور مسلمان ان کے مجموعۂ فکر یا منصوبہ اشیا میں بس یونہی سے نظر آتے تھے؛ بڑی اکثریت، خصوصاً نچلی سطح پر، بلاشبہ "ہندو نشاۃ ثانیہ" کے خواب دیکھتی تھی لیکن واقعہ یوں ہے کہ یہ لوگ 'پرو ہندو' زیادہ تھے بہ نسبت اینٹی مسلمان کے۔ مسلمان تو خواہ مخواہ ہی میں چکر میں آ جاتے تھے۔ معاملہ یوں نہیں ہے کہ کانگریس نے مسلمانوں کے خلاف کچھ کیا ہو؛ واقعہ یوں تھا کہ اسے مسلمانوں کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے تھا اور وہ اس نے نہیں کیا تھا۔ کانگریس کا اوپر کا حلقہ جنھیں میں بیشتر ذاتی طور پر جانتا تھا، گاندھی جی، جواہر لال جی، مسز نائیڈو اور دوسرے کسی اینٹی مسلم اقدام کے اہل ہی نہ تھے۔

کانگریس نے جب استعفا دیا تو کروڑوں لوگ جو کانگریس کے فدائی تھے اور اس کی حکومت بننے پر متفخر

تھے۔ حیران و مضطرب رہ گئے اور جب مسلم لیگ نے اس اقدام پر خوشیاں منائیں اور اس نے چراغاں کیے تو اس نے جلتی آگ پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔

یہ سب خیالات تھے جن کے تحت جناح صاحب کے کہنے کے مطابق مینی فیسٹو تیار کرنے سے صریح انکار کا ارادہ میرا سب سے پہلا ردِ عمل تھا۔ لیکن میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مجروح اکثریت کہیں ایسے نقطہ پر نہ کھینچ لائی جائے جہاں ضبط و تحمل کی طنابیں ٹوٹ جائیں، اس لیے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آخر والی خطرناک صورت حال میرے ہاتھوں کم خطرناک ہی بنادی جاسکے۔ یہ میں جانتا تھا کہ جناح صاحب جو مظاہرے کرانا چاہتے ہیں ان کی لے کو دھیما کرنے والا ان کے حواریوں میں کوئی نہیں، اور اسے دھیما کرنا کس قدر ضروری تھا! ورنہ جیسا کہ پہلے کئی بار ہو چکا تھا اکثریت اس کا انتقام ضرور لیتی۔ یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ خود اقلیتی فرقہ ظاہرا فتحمندی کے نشہ میں سرشار نہ معلوم کیا کچھ کر گزرے۔ ہندو مسلمان فسادات میں مسلمان ہمیشہ دفاعی پہلو پر رہے ہوں یا بے بس لاچار شکاری بنتے رہے ہوں، بات ایسی بھی نہیں تھی۔

اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ مینی فیسٹو میں ہی لکھوں گا، اور میرے ذہن میں جو مقصد تھا وہ اس سے پورا ہوتا ہوا دکھائی دیا تو اسے جناح صاحب کے پاس لے جاؤں گا ورنہ ان سے معذرت چاہوں گا کہ یہ کام کسی اور سے کرالیں۔ پھر فرینک (موریس) کے ساتھ لفظ لفظ پر بحث ہوتی رہی کہ یہ رکھا جائے یا یہ۔ فرینک کے یوم نجات میں جو خوفناک مضمرات تھے ان کا اندازہ تھا اور وہ بھی انہیں کم سے کم نقصان رساں بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے اس کا خاص لحاظ رکھا کہ بیچ بیچ میں ایسے جملے بڑھاتا جاؤں جیسے:

"ہڑتال، جلوس یا اس قسم کے مظاہروں کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ صرف خاکسارانہ انداز میں اپنا ردِ عمل ظاہر کر دینا کافی ہے" اور "خصوصی طور سے میری اپیل یہ ہے کہ دعا کی جائے کہ ایسی سچی نمائندہ وزارتیں بنیں جو تمام فرقوں اور تمام مفادات کے ساتھ انصاف کر سکیں"۔

ہمیں شک تھا کہ جناح صاحب اپنے جارحانہ انداز میں، جیسے کہ اس وقت وہ تھے، ہمارے پیش کردہ مسودہ کو مان لیں گے لیکن اگر انہوں نے مان لیا تو ہماری ترکیب کامیاب ہو جائے گی، کوشش کرنے میں کیا جاتا تھا! فرینک نے ضد کی کہ جاؤ اور دکھاؤ۔ میں مسودہ لے گیا تو جناح صاحب مشغول تھے، بولے "رکھ جاؤ"۔ میں چھوڑ کے چلا آیا۔ دوسرے دن میں نے اسے اخباروں میں دیکھا۔

۲۰

چلتے چلتے یہ بات بھی عرض کردوں کہ "یوم نجات" بغیر کسی جھگڑے کے گزر گیا۔ کسی نے کسی کے ایک ہاتھ تک رسید نہیں کیا، ایک کنکری تک نہیں پھینکی۔ یہ تو بہت بڑا بول ہے کہ یہ سب کچھ مینی فیسٹو کے الفاظ کا نتیجہ تھا لیکن میں پسند کروں گا کہ کم سے کم اتنا ہی کہوں ہی کہ صورت حال کو اس طور پر پیدا کرنے میں اس نے مدد ضرور کی۔ اگلی بار جب جناح صاحب نے "یوم" منوایا تو وہ ایسے خوش نصیب نہیں رہے تھے، ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے "راست اقدام کا یوم" منایا، اور نتیجہ میں کلکتہ کا خوفناک فساد برپا ہوا۔ خیر۔



مارچ کے وسط میں جناح صاحب لاہور جا رہے تھے۔ جانے سے ایک دن پہلے میری ملاقات ہوئی۔ اور کسی ایک لفظ ——— یا کسی قرینہ سے انھوں نے ذرا سا اشارہ بھی نہیں دیا کہ مارچ کے اس لیگ سیشن میں لاہور میں پاکستان ریزولوشن پیش کیا جانے والا ہے۔ مگر چند ہی دن بعد، بہت رات گئے، فرینک موریس نے مجھے فون کیا "تم نے مجھے پاکستان ریزولوشن کے بارے میں کچھ کیوں نہیں بتایا؟ اس نے پوچھا۔ "ریزولوشن"؟ میں نے حیران ہو کے پوچھا۔ اس نے پورا پڑھ کے سنا دیا۔ میں دنگ رہ گیا۔ لیکن اپنا راستہ مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں لیگ میں اس لیے آیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے اتحاد کے لیے کام کر سکوں۔ لیکن اگر لیگ کے ذریعہ اتحاد ممکن نہ رہا تو میری اس کے اندر کوئی جگہ نہ تھی، فرینک، جسے میرے نصب العین اور ہدف اچھی طرح معلوم تھے، پوچھنے لگا۔ "اب کیا ارادہ ہے"؟ "ظاہر ہے، استعفیٰ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" میں نے فوراً جواب دیا۔ لیکن فرینک میں چھپا ہوا صحافی فوراً بولا:

تمہارا استعفیٰ دینا تو ٹھیک ہے ہی، لیکن اس کے لیے ایک بیان جاری کرو جس میں اپنے مستعفی ہونے کے وجوہ بتاؤ، ہم اسے اس طرح مشتہر کرنا چاہتے ہیں۔"

صبح میں ذرا جلدی اٹھ گیا اور لکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ جب اپنے لکھے سے پوری طرح مطمئن ہو چکا تو اسے فرینک کے پاس لے گیا، اس نے کئی بار پڑھا اور پھر مجھ سے کہا اس میں تمہارے نظریات اور خیالات پوری طرح آ گئے ہیں۔ اگلے دن یہ بیان "ٹائمز آف انڈیا" میں آ گیا اور اس کے دوسرے دن باقی تمام اخباروں میں بھی۔ اچھی خاصی تشہیر ہوئی اس بیان کی۔ کئی ایک اخباروں نے اداریے بھی لکھے۔ اردو اخبارات نے بھی کوئی تنقید نہیں کی کہ یہ غریب بھی پاکستان ریزولوشن پر محض بھونچکے رہ گئے تھے اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا رویہ اختیار کریں۔ میرا یہ بیان اچھا خاصا طویل تھا لیکن اس کے زیادہ ضروری حصے تو نقل کر ہی دوں:

"مسلم سیاست کا سارا نصب العین فرقہ وارانہ امن کا حصول ہونا چاہیے۔ اس منزل کی طرف تھوڑا سا قدم

بکانی سیاست ہے۔ تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ یہ پہلے ہی تسلیم کر لیا گیا کہ فرقہ وارانہ اتحاد ناممکن چیز ہے اور اسی لیے یہ بدترین سیاست کی صورت ہے... مسلم لیگ کی ضرورت میں دو وجوہ سے سمجھتا تھا کہ ایک تو وہ یکجائی کا باعث ہوگی؛ اور دوسرے اس یکجائی سے فرقہ وارانہ امن مل سکے گا اور مستقلاً مل سکے گا۔ ان دونوں وجوہ پر اب بھی میرا ایمان ہے اور اگر اس وقت میں مسلمان عوام سے ناتا توڑ رہا ہوں تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ایک وجہ دوسری وجہ کی مخالفت کے لیے استعمال کی جا رہی ہے۔ میں ملت کی یکجائی میں جو مستقل جدائی یا علیحدگی کے مقصد کی خاطر ہو، عقیدہ نہیں رکھتا... مسئلہ کی نوعیت اب ہم مسلمانوں کے سامنے بالکل واضح ہے، کیا ہم ہندو مسلم اتحاد میں عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہم اسے ناممکن سمجھتے ہیں تو ہماری جگہ لیگ میں ہے اور اگر ہم اسے ممکن سمجھتے ہیں تو لیگ سے باہر"!

کیا میں نے استعفیٰ دینے میں کچھ جلد بازی کی؟ یہ سوال میں نے اپنے آپ سے کئی بار پوچھا ہے۔ ایک انگریز "پنڈرال مون" نے جو پنجاب کے مسلمان لیڈروں سے کافی قریب اور ان کا معتمد تھا اپنی کتاب "ڈیوائڈ اینڈ کوٹ" میں لکھا ہے:

"نجی طور سے جناح نے لاہور میں ایک دو لوگوں سے کہا کہ یہ ریزولوشن محض ایک شاطرانہ چال ہے اور یہ امر کہ وہ چھ برس بعد تقسیم کچھ کم پر بھی راضی نظر آتا تھا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ۱۹۴۰ء میں وہ حقیقتاً اس مسئلہ پر آخری فیصلہ کن موڑ پر نہیں پہنچے تھے۔ اس لیے ایک حد تک یہ ایک شاطرانہ چال بھی ہو سکتی تھی جس کا مقصد کانگریس سے ایسی رعائتیں حاصل کرنا ہو جو پارٹنر شپ کو گوارہ بنا دیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ریزولوشن کے نتائج پر مجوزہ آزاد ریاستوں کی ہیئت ترکیبی پر، اور ان کے باہمی روابط کے بارے میں، اس مرحلہ پر پوری طرح غور و خوض قطعی نہیں کیا گیا تھا۔ ان میں بعض امور بعد میں صاف ہوئے لیکن جناح صاحب پاکستان کے واقعی خدوخال کی وضاحت دینے کے سلسلے میں بہت زیادہ مشتاق نہیں رہتے تھے حتیٰ کہ ۱۹۴۷ء تک بھی اس بارے میں کچھ شکوک رہے کہ بالآخر جناح صاحب اپنے تصورات کو عملی جامہ میں کس انداز پر دیکھنا پسند کریں گے۔"

مون کا اس نتیجہ پر پہنچنا کہ قوی امکان ہے کہ ریزولوشن محض سودا بازی کے نقطۂ نظر سے منظور کیا گیا ہو، اس میں ان بیانات سے خاصی مطابقت ہے جو لاہور سے واپسی پر لیگی دوستوں نے میرے سامنے رکھے: "تم بھی عجب عقلمند آدمی ہو جو ریزولوشن پر سنجیدگی سے غور کرنے بیٹھ گئے" ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔ "تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہندو توضیح ہیں اور بنیا صرف یہی زبان سمجھ سکتا ہے؟" اور خود جناح صاحب! ان کے مقصد کی غیر لچکداری اور آزادی

کی پختگی وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے لیکن ۴۶ء کی جولائی کے پہلے ہفتہ تک کی صورت حال یہ تھی کہ وہ ایک غیر متحدہ مرکز (یونین سینٹر) قبول کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ تھے۔ آخری فیصلہ تو جولائی ۴۶ء کے دوسرے ہفتہ میں انھوں نے کیا کہ پاکستان سے کم اب کچھ بھی نہیں، اور اس کے اسباب تھے جن پر پھر گفتگو ہوگی۔

حقیقت جو کچھ بھی رہی ہو، میں مستعفی ہونے کے اپنے فیصلے پر کبھی نادم نہیں ہوا ہوں۔ استعفی دینے کے کچھ عرصے بعد میں اور تارا جناح صاحب اور مس فاطمہ جناح سے ملنے گئے۔ تارا کے ساتھ ان کے اخلاق اور رویہ میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی لیکن میری طرف انتہائی سرد مہر رہے۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ میرا ان کا ربط و تعلق اس طور پر ختم ہوا۔ ان کی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ کوئی کسی بھی لحاظ سے ان کا شیفتہ یا گرویدہ ہو جائے لیکن جب بھی، اور آج تک بھی، میں ان کی دیانت و خلوص کو ہمیشہ گہری عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا رہا ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنا طویل عرصہ میں نے محض حماقت میں ان کے ساتھ نہیں گزارا ہوتا۔

مستعفی ہونے کے بعد میں اس بارے میں بہت کچھ سوچتا رہا کہ جناح صاحب جیسا آزادانہ مذہبی اور سیاسی حریت فکر کے ایک طویل ریکارڈ کا مالک شخص مذہب اور سیاست میں فرقہ پرستوں کا امام بن گیا۔ اس ظاہری تضاد کو سلجھانے کے لیے ہمیں ان امور کو پیش نظر رکھنا ہوگا جنھوں نے ان کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر کا کام انجام دیا تھا۔ ان کی شخصیت جو ان کے بنیادی کردار، ان کے رجحانات، ان کی تعلیم و تربیت، ان کے تجربات اور تجربات کے رد عمل اور اسی قسم کے عوامل کا مجموعہ تھی۔

معمولی سے گھر میں پیدا ہوئے لیکن اپنی محنت، قابلیت اور صلاحیت سے بمبئی میں قانونی پیشہ میں ممتاز ترین نام پیدا کیا۔ پیشہ کی ناموری سے وافر آمدنی اور وافر آمدنی سے ایک اعلیٰ معیار رہن سہن اور معیار زندگی ان کے یہاں ایسی ہی سہولت سے آتی چلی گئی جیسا کہ لوگ پیدائشی ہی رہے ہوں بلندی پر پہنچ کر اپنے کم نصیب ساتھیوں سے انھوں نے بات بھی کرنا بند کر دی۔ بہترین سے کم اب انھیں گوارا ہی نہ رہا تھا۔ بہترین دوست بہترین کپڑے، بہترین ہوٹل، بہترین کلب (میں اس زمانہ میں ان سے قریب رہا تھا جب وہ مالابار ہل پر اپنا نیا شاندار محل بنوا رہے تھے اور اس لیے مستند گواہ ہوں کہ کس طرح وہ ذاتی نگرانی کرکے اپنے آرکیٹک اور کنٹریکٹروں کو ذرا ذرا سی بات پر توجہ دے کر، اور ہر وہ چیز جو بہترین نہ ہو اسے رد کرکے، کیا نیچ اور عاجز کر دیتے تھے۔ وہ بالآخر سیاسی اور سماجی دونوں لحاظ سے سنوب (Snob) ہوتے گئے۔ سماجی اعتبار سے وہ علیحدگی پسند ہوگئے نہ صرف ان لوگوں سے، اور وہ بھی کلب اور ڈرائنگ روم میں ملنا پسند کرتے تھے جو ان کے اپنے ہم رتبہ

اور ہم خیال ہوں، اور سیاسی لحاظ سے وہ کمیٹیوں والے آدمی (کمیٹی مین) ہوگئے جو صرف اپنی ذہنی سطح کے لوگوں سے اور اپنے سے اتفاق رائے رکھنے والوں سے کانفرنس میں ملنا پسند کرتے تھے۔ عوامی مقرر لیڈر کی وہ عین ضد تھے! شاید کم لوگ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کی اتنی بڑی ضد ہوں! ان دونوں نے اپنی ساحرانہ خصوصیات کے باوجود تقریروں کے بل پر اتنے معتقد اور یہ قیادت حاصل کی تھی، جب کہ جناح صاحب کا انداز یہ تھا کہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں جہاں مسلمانوں کے عوامی لیڈر انھیں کھوجتے پھر رہے ہیں کہ کسی طرح کھینچ کے باہر لائیں۔ اردو سے ناواقفیت کے سبب وہ پبلک میں بولنے سے کتراتے بھی تھے۔ سماجی لحاظ سے عام آدمی کے لیے ان کے پاس وقت بھی نہیں تھا اور سیاسی لحاظ سے عام سیاسی ورکر یا معمولی سیاستدانوں کے لیے ان کے پاس مطلق وقت نہیں تھا اور پھر بھی یہ سب ان کے مرید تھے۔



مذہب کا جہاں تک تعلق ہے پاکستان میں کوئی کچھ بھی کہا کرے، لیکن وہ بنیادی طور سے سیکولر اور ناعقیدہ (اگناسٹک) تھے۔ ان کے انتہائی معتقد سوانح نگار کو بھی اس کی تلاش میں خاصی مشکل پڑے گی کہ ان کی تحریر و تقریر سے مذہب کی تبلیغ یا تشویق کے سلسلہ میں ایک آدھ جملہ بھی مہیا کر سکے۔ مجھے ان کی کسی تحریر و تقریر میں ایسی کوئی چیز یاد نہیں آتی جس میں انھوں نے اسلام کی خوبیاں بیان کی ہوں اور وہ کبھی مسجد میں گئے ہوں، کم سے کم میری یاد میں ایسا کبھی نہیں ہوا، ہو تو سیاسی ضرورت کے تحت ہوا ہوگا۔ اگر مولاناؤں سے انھوں نے کبھی کچھ تعلق رکھا ہو کم سے کم مجھے ایسا یاد نہیں آتا، تو یہ محض ووٹوں کے سلسلے سے ہوا ہوگا۔ اگر وہ مجھے پسند کرتے تھے، تو اس کا بھی مطلب تھا کہ میں ان کی مانند ماڈرن، مہذب اور ناعقیدہ تھا!

لیک سے زیادہ بار وہ مشترک انتخاب کو قبول کرنے کے حق میں رہے۔ لیکن قدامت پسند مسلمانوں میں اسے قابل قبول بنانے کے لیے وہ نشستوں کا ریزرویشن مانگتے تھے۔ کبھی اس کا کھلا اعلان تو نہیں کیا گیا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ رعایت مکمل کھلے انتخابات کی جانب منزل کی طرف کوچ کا پڑاؤ تھی۔ مگر ہوا یہ کہ ایک آدھ نشست ادھر ایک آدھ ادھر اس حقیر مطالبے پر بھی ان کی سرزنش کی جاتی رہی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ انھیں ذلیل کیا جا رہا ہے، اور رفتہ رفتہ اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کو کانگریس سے انصاف نہیں مل سکے گا۔

قوم پروروں کی زبانوں سے جہاں ان کی اصل جگہ تھی، یہ سرزنش ——— اور وہ جن کے

ساتھ کوئی قدر مشترک نہ تھی : مسلمان اعتدال پسندوں اور رجعت پرستوں کی طرف سے خود ان کی طرف جھکتا ہوا ان کا رویہ ؛ اور خوفناک حد تک آزاد : انگریزوں کے ساتھ چلنے کا بھی کھلی مسلمانوں کی مخالفت نتیجہ میں وہ خود اپنے اوپر آ پڑے۔ اس طرح وہ مشہور "انا" تکمیل پذیر ہوئی جس سے بعد کے ان کے اکثر اقدامات وابستہ کیے جاتے ہیں۔

جداگانہ انتخابات کی بدترین خرابی یہ تھی کہ انھوں نے سیاسی ہندو اور سیاسی مسلمان پیدا کر دیے جو مذہبی ہندو اور مذہبی مسلمان کے ہم معنی قطعی نہیں تھے۔ ان کی بدولت سیاست دو خانوں میں بٹ گئی۔ پارلیمانی سیاست، جس میں پنڈت موتی لال نہرو، سی آر داس، پنڈت مدن موہن مالویہ اور جناح صاحب وغیرہ داخل تھے اور پارٹی پالٹکس جس میں مثلاً جواہر لال جی، سردار ولبھ بھائی پٹیل، مولانا آزاد وغیرہ کانگرس پارٹی کے سرگرم زعما تھے۔ کانگرس بحیثیت پارٹی کے تمام فرقوں کے لیے کھلی رہی، لیکن کسی قانون ساز مجلس کے لیے الیکشن بطور مسلمان یا بطور ہندو ہی کے ممکن تھا۔ بے حد غیر فرقہ پرست مسلمان کو بھی کوئی ہندو ووٹ نہیں کر سکتا، اور موتی لال جی جیسے انتہائی سیکولر ہندو بھی بلا کسی ایک مسلم ووٹ کے منتخب ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ کانگرسی مسلمان تک خالص مسلم حلقہائے انتخاب سے کھڑے ہوتے تھے اور اس کے بموجب انتخابی مہم چلاتے تھے۔ یہی کانگرسی ہندوؤں کی صورت حال تھی۔

جناح صاحب خالصتاً پارلیمانی سیاست میں دلچسپی رکھتے تھے اور مسلم لیگ بھی ان کے ذہن میں محض پارلیمانی اقتدار کے حصول کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر تھی اور بس وہ مسلم لیگ کے خالق اور پاکستان کے بانی کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان کی لادینیت اپنی جگہ پر تھی۔ ان کی اپروچ اور فکری سانچہ خالص Synical اور سیاسی تھے۔ اور وہ ان لوگوں پر سختی سے حملہ کرتے تھے جو مذہب میں سیاست کو آمیز کرتے تھے۔ یقیناً وہ مسلمانوں کو سیاست میں لائے لیکن اسلام کو نہیں۔ دوسری طرف گاندھی جی ہندو مت کو سیاست میں لاتے رہے : ہریجن مسئلہ پر ان کا 'مرن برت' اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

جناح صاحب اول و آخر ایک سیاسی مسلمان تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان فرقہ کا سیاسی لیڈر سمجھتے تھے جب غیر منقسم ہندوستان ان کے ذہن میں تھا؟ اور پھر مسلمان قوم کا سیاسی لیڈر جب وہ پاکستان کے بارے میں سوچنے لگے! اسلام ان کے فکری دائرہ میں کسی جگہ کم ہی آتا تھا اور اگر کوئی پوچھتا کہ محض مشترک عقیدہ نسلی اعتبار سے مختلف لوگوں کو ایک قوم کیسے بنا سکتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ امریکہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قومیت محض پاسپورٹ

ہوتی ہے۔ اگر مسلمان ایسا سوچتے ہیں کہ وہ ایک قوم ہیں تو وہ ایک قوم ہیں اور یہی اس کے لیے کافی ہے۔

وہ اتنا ہندو دشمن یا ہندوؤں کے خلاف نہ تھے جتنا کانگرس کے، جسے وہ مسلم لیگ کی سیاسی حریف سمجھتے تھے۔ ہندو مسلم فسادات سے اچھا خاصا فائدہ اٹھایا یہ ثابت کرنے کے لیے کہ کانگرسی حکومتیں مسلمانوں کی حفاظت کی اہل نہیں، اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرکے لیگ کی طرف رجوع کرنے کے لیے ہندو راج کا ہوّا بھی کھڑا کرتے رہے لیکن ان سے بے تعداد مرتبہ بات چیت میں مجھے مشکل ہی سے کوئی بات یاد آتی ہے جب انھوں نے ہندوؤں یا ہندو مذہب پر کوئی حملہ کیا ہو۔ ان کی مخالفت جو بعد میں نفرت میں ڈھلتی گئی، کانگرس قیادت کی جانب مرکوز تھی، اور اگر وہ گاندھی جی اور جواہر لال جی سے ٹکر لینا چاہتے تھے تو اس میں دونوں کے ہندو پن سے زیادہ کانگریسیت کو دخل تھا۔ ان کے کتنے ہی ہندو دوست تھے۔

اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اس زمانے میں کانگرس میں بعض افسوسناک خصوصیات در آئی تھیں۔ اس سے اکثر غیر کانگرسی ہندو اور مسلمان غالباً متفق ہوں گے کہ کانگرس کے ممبروں میں کچھ شوں خوں آگئی تھی، جو افسوسناک تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ "ہم تم سے زیادہ متقی نیک لوگ ہیں" والا گاندھیائی گروپ اتنا زیادہ کچوکے دینے والا نہ تھا جتنا "ہم تم سے زیادہ بڑے محب وطن ہیں" والا گروپ جو جواہر لال جی، ولبھ بھائی پٹیل اور سبھاش چندر بوس وغیرہ کے گرد جمع ہو چلا تھا۔

اور یہ کم اہم بات نہیں ہے کہ ایک بار اپنی نفرت انگیز کانگرس ہوّ کو خلاصی پانے کے بعد جناح صاحب نے اپنے بنیادی سیکولرازم کو پھر سطح کے اوپر ابھرنے دیا۔ تقسیم کی انتہائی ہولناک فرقہ پرستی بھی بظاہر ان کے بنیادی سیکولرزم کو نہ دبا سکی۔ یہ سچ ہے، جیسا کہ تفصیل آئے گی، کہ غالباً ان کے محرکات ملے جلے تھے، لیکن اس سے زیادہ کون سی چیز نمونہ کے سیکولرازم کے طور سے پیش کی جا سکتی ہے جو انھوں نے پاکستان آئین ساز اسمبلی کو ۱۵ اگست ۴۷ء کے خطاب میں کہا جب انھوں نے اعلان کیا کہ:

"ہم میں سے ہر ایک، وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی رنگ، ذات یا عقیدہ کا ہو اوّلاً، ثانیاً اور آخراً اس ریاست کا شہری ہے۔ برابر کے حقوق، برابر کے امتیازات اور برابر کی ذمہ داریوں کے ساتھ! ..... تم کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدہ سے متعلق ہو، ریاست کے معاملہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے ابتدا کر سکتے ہیں۔ اسے ہمیں اپنے نصب العین کی حیثیت سے اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا جائیگا ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ مذہبی معنی میں نہیں کہ مذہب تو ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے

بلکہ سیاسی معنی میں، قوم کے شہری کی حیثیت سے"!

ان کا سخت ترین نقاد بھی یہ تو مانے گا کہ کسی اسلامی ریاست کی افتتاحی تقریر تو یہ ہونے سے رہی! ذہن عجیب فضاؤں میں پرواز کرنے لگتا ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات کیا ہوتے اگر کشمیر بیچ میں ایک دیوار بن کر نہ ابھرا ہوتا۔ کچھ بھی ہو بعد میں صورت حال جس طرح خراب ہوئی اور حتیٰ کہ باقاعدہ جنگ تک نوبت پہنچی اس کی ذمہ داری ان کے سر نہیں ڈالی جا سکتی۔ جناح کچھ بھی رہا ہو۔ مذہبی مجنوں ہرگز نہیں تھا!

لیکن آخر آخر ان میں اتنا مزور ہو گیا تھا کہ وہ بے حد سخت دل اور ہو گئے تھے۔ مسلم اکثریت کے صوبوں میں، پاکستان میں، ہندوؤں کے ٹھہرے رہنے کے وہ ممکن ہے دل سے خواہشمند رہے ہوں لیکن ان کے اندر کے سیاستداں نے یرغمال کا نظریہ محض ان کے سبب نہیں چلایا! ان کے اپنے، اور کچھ گنے چنے انتہا پسند لیگیوں کے سوا مجموعی طور سے مسلمانوں نے پاکستان کو سودے بازی کے ایک نقطۂ آغاز سے بڑھ کر کچھ نہیں سوچا تھا۔ اسی لیے جب انھوں نے دیکھا کہ وہ تو سچ مچ ملنے لگا تو ہندو اکثریت کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان حیران و پریشان رہ گئے۔ ان مسلمانوں کی ڈھارس کے لیے اور انھیں سیاسی حمایت مہیا کرنے کے لیے ہی جناح صاحب نے انھیں یہ یقین دہانی کی تھی کہ پاکستان میں ایک مطمئن ہندو اقلیت کا وجود ہندوستان میں باقی ماندہ مسلمانوں کے ساتھ اچھے سلوک کی خود بخود ضمانت بن جائے گا۔

ان کے اس استدلال میں ایک Cynicism تھا جس پر یونہی تنقید کے تیر نہیں برستے رہے ہیں۔ جناح جس کا نام تھا وہ ایسا کوئی کند ذہن شخص نہیں تھا کہ اسے اپنے ان عقیدت گزاروں کے ذہنی رُخ کا اندازہ نہ ہو جنھیں اس نے خود ہندوؤں سے کٹ کے ایک الگ ریاست بنانے کے راستے پر ڈالا تھا۔ یہ ذہنی رُخ کہ وہ اپنے درمیان ہندوؤں کو کس حد تک گوارا کر سکیں گے اور اگر کانگرس اور ہندوستان کے پروپیگنڈہ کیے ہوئے پیمانہ کا دسواں بیسواں حصہ بھی اینٹی مسلم تھے تو اپنے ملک کو منقسم دیکھنے کے بعد اس میں کسی قسم کی کمی آنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندو اقلیت پاکستان سے نکالی جا رہی ہے یا انھیں مسلمان بنایا جا رہا ہے۔ ادھر ہندوستان میں کتنے ہی فرقہ وارانہ فسادات ہوتے چلے آ رہے ہیں اور جتنے پتا چلتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تعداد میں مسلمان مارے جا چکے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کتنے ہندو اور مسلمان اب تک اس پُرخون نظریہ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔

لیکن یہی Cynicism میرے اس خیال کو کمزور کرنے کے بجائے مزید قوی کر دیتا ہے کہ جناح کا

لادینی تھے اور زندگی کے آخر تک لادینی رہے۔ جداگانہ انتخابات سیاسی اسباب کی بنا پر روشناس کیے گئے۔ جناح صاحب انہی کے نمائندہ اور ایک سیاسی مسلمان تھے۔ مسلمان فرقہ، ان کے لیے حلقۂ انتخاب کی جگہ حاصل کرتا گیا' اور مسلمان قوم ان کے سیاسی ارادتمند۔ جنگ جو انہوں نے لڑی سیاسی تھی، مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیاں! اور پاکستان ان کی سیاسی مانگ تھی، ایک الگ علاقے کے لیے جس پر وہ اور مسلم لیگ حکومت کر سکیں۔ اس سب میں مذہب محض امرِ اتفاقی تھا!

۳۹ء سے پہلے پاکستان بھی ان کے فکری سلسلہ کی کڑی نہیں بنا۔ میرا خیال ہے ۳۴ء کے آس پاس قطعی خلوص کے ساتھ انھوں نے یہ بات کہی تھی کہ ہندو اور مسلمان ایک ہندوستانی جسم کے دو بازو ہیں۔ جب کانگریس نے ۳۶ء میں صوبائی وزارتیں بنائیں اس وقت انہیں توقع تھی کہ کانگریس لیگ مخلوط وزارتیں بنیں گی، اور یہی ان کا ہندو مسلم اتحاد کا تصور تھا۔ مگر کانگریس نے رویہ ہی دوسرا اپنایا۔ اس وقت کانگریس ان سیاسی نظریات پر عامل ہو رہی تھی جن پر مکمل طور پر اطلاق ہو سکتا تھا۔ مثلاً اکثریتی پارٹی کی حکومت کا نظریہ اور اس سلسلہ میں یہ خیال نہیں رہا کہ ہندوستانی حالات کے پس منظر میں عددی اکثریت کا مطلب فرقہ وارانہ اکثریت ہوگا۔ کانگریس نے صوبوں میں حکومت بنائی تو خالص کانگریس پارٹی کی۔ اس رویہ نے بالآخر انہیں پاکستان کی طرف دھکیل دیا۔ مخلوط وزارتیں ہی سب کچھ تو نہیں، اور محض آغاز کار تھیں نہ کہ انجام یا مقصد۔ لیکن یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ اکثریتی حکومت کی قسم کے نظریات کو چھوڑ کے مسلمانوں کی حمایت کے حصول کا یہ ذریعہ بڑی حقیر سی قیمت تھی جو ادا کر دینی چاہیے تھی۔ یہ سچ ہے کہ ۴۶ء کی عارضی حکومت جو مخلوط حکومت تھی، قطعی ناکام ہو گئی۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب پاکستان مسلم لیگ کا مذہب بن چکا تھا۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس وقت اس میں کامیابی نہیں ہوتی جب مسلم لیگ غیر منقسم ہندوستان ہی میں یقین رکھتی تھی۔



ایک ایسے مسلمان ہندستانی کی حیثیت سے جن کے تین بھائی پاکستان میں ہوں، جو خود جناح صاحب کے ساتھ رہ کے کام کر چکا ہو اور جو حکومت ہند کی اعلیٰ ملازمت پا چکا ہو، مجھ سے توقع کی جا سکتی ہے کہ پاکستان کے قیام کے بارے میں کچھ کہہ سکوں گا۔ بہت سے یہ کہانی سنا چکے ہیں، بہت سے سنائیں گے، میرے ذاتی تاثرات بھی سُنیئے:

کچھ دن ہوئے میں نے لیونارڈ موسلے کی اہم کتاب "برٹش راج کے آخری ایام" پڑھی تو اس سے مجھ پر تاثر ہوا کہ پاکستان کا قیام ایک بنیادی غلطی تھی، کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بڑی مہارت کے ساتھ "بل ڈوز" کیا، کہ یہ تنہا ایک فرد، جناح کا کارنامہ تھا جو اس کے قیام کے سال بھر کے اندر ہی مر گیا، اور یہ کہ اگر تقسیم جناح کے انتقال تک ٹل سکتی، تو پاکستان کا پورا تصور اس کے ساتھ ساتھ مر گیا ہوتا۔

ایک زمانہ میں میں شاید ان خیالات کی تائید کرتا، کیونکہ، جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے، میں اگرچہ جناح صاحب کے ساتھ مل کے کام کر رہا تھا لیکن میں تصور پاکستان کا اس درجہ مخالف تھا کہ جس دن پاکستان ریزولوشن پاس ہوا میں نے مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دیا۔ اس وقت مجھے اس بات سے بھی بے حد مایوسی ہوا کرتی تھی کہ ہندستانی قوم پرستی عملاً ہندو حب الوطنی کے ہم معنی تھی۔ لیکن میرے اندر کا بنیادی لاادریہ (اغناسطی) مذہبی ریاست کے تصور سے بھاگتا تھا۔ یہ بھی تھا کہ میں اسے حل سے زیادہ فرار سمجھتا تھا اور آخری بات یوں تھی کہ میں کبھی نہیں سمجھتا تھا کہ یہ چلنے والی اسکیم ہے۔

لیکن بعد کے تجربہ اور فکر نے میرے سوچنے کے انداز کو بدل دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر تقسیم نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہندو اور مسلمان ساتھ زندہ رہ سکتے اور قریب رہ کے ہندستان کی ترقی کے لیے کام کر سکتے؟ میں نہیں سمجھتا کہ جداگانہ انتخابات کے نتیجہ میں دو جداگانہ، غیر مفاہمانہ پارٹیوں کے وجود کے ہوتے ایسا ممکن ہو سکتا، اور نفسیات

صورت حال جہاں تک سمجھ میں آتا ہے غیر معینہ مدت کے لیے چلتی رہتی۔

یہ پورا سلسلہ ناگزیر نہیں تھا۔ یہ میں پہلے کچھ نہ کچھ کہہ چکا ہوں اور اب پھر دہراتا ہوں مشترکہ انتخابات سے یہ عین ممکن تھا کہ ایک واقعی قومی اور سیکولر پارٹی وجود میں آجاتی۔ لیکن وقت کے ہندو زعما مسلمانوں کے مطالبات کو قبول کرنے کا کوئی راستہ نہیں نکال سکے۔ پھر بھی ایک مرحلہ پر مخلوط حکومتیں مشترک کوشش سے مقصد کی یک جہتی پیدا کرنے میں خاصی کامیاب ہوجاتیں۔ جس کے نتیجہ میں بڑی حد تک ہم آہنگی پیدا ہوجاتی۔ لیکن کانگرس نے یہ تجویز بھی قطعیت کے ساتھ رد کردی تھی اور ایسی کوئی بنیاد نہیں جس کی بنا پر ہم کہہ سکیں کہ کانگرس اپنا رویہ بدل لیتی۔ یہ مان لینے کی بھی کوئی معقول وجہ موجود نہیں کہ کانگرس کبھی بھی مسلمانوں کی ایک معقول تعداد کی حمایت حاصل کرکے اپنے اس دعوے کو سچ کر دکھانے کے قابل ہوپاتی کہ وہ ایسی پارٹی ہے جو تمام فرقوں کی نمائندہ ہے۔ کانگرس نے جو مسلم عوام رابطہ تحریک چلائی تھی وہ بری طرح ناکام ہوچکی تھی۔ جس کا وضاحت کے ساتھ اندازہ ۴۵ء اور ۴۶ء کے انتخابات کے نتائج سے ہوتا تھا۔

۴۵ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں گویا ہر ایک مسلم نشست مسلم لیگ نے جیت لی۔ قوم پرست مسلمانوں میں بہتوں کی تو ضمانت تک ضبط ہوگئی۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کا ریکارڈ اس طور پر تھا:

آسام	تقریباً ساری کی ساری نشستیں مسلم لیگ کو۔
سندھ	۲۸ نشستیں مسلم لیگ کو اور صرف ۴ قوم پرست مسلمانوں کو اور دوسرے گروپوں کو۔
صوبۂ سرحد	۱۷ مسلم لیگ کو، ۱۹ کانگرس کو۔
پنجاب	۸۶ مسلمان نشستوں میں سے ۷۵ مسلم لیگ کو ۴ آزاد امیدوار بھی کامیاب ہوکر لیگ میں آگئے۔
بہار	۴۰ مسلمان نشستوں میں سے ۳۴ مسلم لیگ کو۔
یوپی	۶۶ مسلمان نشستوں میں سے ۵۴ مسلم لیگ کو۔
بمبئی	ساری کی ساری ۳۰ مسلمان نشستیں لیگ کو۔
مدراس	ساری کی ساری ۲۹ مسلمان نشستیں لیگ کو۔

سی پی — ۱۴ مسلمان نشستوں میں ۴ لیگ کو۔
اڑیسہ — ساری کی ساری ۴ مسلمان نشستیں لیگ کو۔
بنگال — ۱۱۹ مسلمان نشستوں میں سے ۱۱۳ لیگ کو۔

توضیح بالا سے یہ صاف اندازہ ہوجاتا ہے کہ کانگرس کا یہ دعویٰ کہ وہ دونوں فرقوں کی نمائندہ ہے حقیقت سے کہیں زیادہ ایک آرزومندانہ خیال کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس کا قوی امکان ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے جو صورت حال تھی وہ غیر متعین مدت تک چلتی رہتی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صورت حال کے بدتر ہی ہونے کے امکانات تھے کیونکہ جداگانہ انتخابات سے دونوں کے درمیان خلیج وسیع تر ہوتی جارہی تھی۔ لیگ اپنی ساخت ہی میں فرقہ پرست تھی، اور کانگرس کو اپنے نصب العین اور تمام تر دعووں کے باوجود یہ ہونا پڑتا۔ مسلم لیگ کی فرقہ پرستی ہندوؤں میں ہندو فرقہ پرستی کے سوا اور کس چیز کی پرورش کرسکتی تھی اور کانگرس کے کئی عمومی نشستوں پر مقابلہ کے لیے ہندو مہاسبھا کا سامنا روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ پھر چونکہ ووٹ دینے والوں کی اکثریت پس ماندہ اور ذات پات کے بندھن میں جکڑی ہوئی تھی اس لیے کانگرس سیاسی طور پر حد درجہ احمق جماعت ہوتی اگر وہ ایسے امیدوار کھڑے نہ کرتی جو جیت کے امکان رکھتے تھے۔ نتیجۃً یہ دائیں بازو والی ہندو جماعت میں بدلتی جاتی (کہ منتخب شدہ ہندو فرقہ پرست محض اس لیے کہ وہ کانگرس ٹکٹ پر آیا ہے خود بخود سیکولر تو نہ ہوجاتا)، اور پھر خلیج غالباً بڑھتی ہی چلی جاتی۔ کانگرس ہندو اکثریت کے صوبوں میں حاکم اور مسلم لیگ مستقل تلخ مخالفوں میں، جس کا الٹا سلسلہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہوتا۔ ایسی صورت حال سے بے لامرکزیت انارکی اور حتیٰ کہ خانہ جنگی تک کی نوبت آجاتی، اور وہ سب کچھ ہوگزرتا جو پھر چل کر وہ کچے برطانوی سامراج پسند پیش گوئیاں کرتے رہتے تھے۔

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آخر حالات اس ناگزیر منزل تک کیسے آپہنچے، ہندو مسلمان اور انگریز سبھی تو ملزم ہیں۔ پاکستان، ایک فرد کا کارنامہ ہرگز نہیں ہے اور جناح صاحب کو تن تنہا پاکستان کا خالق وہی کہہ سکتا ہے جو مثلاً جنگ عالمگیر کی فتح کا سہرا تنہا چرچل کے سر باندھ دے۔ نہ پاکستان فاتحانہ جنگ جیتی جاسکتی اگر ان دونوں کو اپنے مددگاروں کے غیر متزلزل اعتماد حاصل نہ ہوتا۔ مزید براں کسی ایک نفری شو کے بجائے یہ ایک باقاعدہ میکانزم تھا جس نے ایسے حالات پیدا کیے جن کے سبب پاکستان وجود میں آگیا۔ اس کے لیے سب سے زیادہ ذمہ دار ہندو ہیں اور یہ اپنی تنگ نظری کے سبب یا تنگ خوئی کے سبب جو ان کے ذات پات کے

۳۲

سسٹم سے منسلک ہوتی ہے۔ یہ تنگ ذہنی جو مسلمانوں کو دائرہ سے خارج قرار دیتی ہے اور آخر کار، ہر اقلیت اسی سانچے پر ناچتی ہے جو اکثریت چھیڑتی ہے!! اگر اکثریت سیکولر ہوگی تو اقلیت بھی سیکولر ہوگی، اگر اکثریت فرقہ پرست ہے تو اقلیت کو بھی اپنے بچاؤ کے لیے ایسا ہونا پڑتا ہے۔

مسلمان نہ تو یہ بھول سکتے تھے کہ وہ اس ملک کے حکمراں رہ چکے ہیں اور نہ اس بات کو فراموش کر سکتے تھے کہ ہندوؤں نے زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کو بہت پیچھے چھوڑ رکھا تھا۔ اگرچہ ان میں سے ۹۵ فیصدی ہندو سے مسلمان ہوئے تھے لیکن یہ سب اپنے آپ کو مغل عظمت کا براہِ راست وارث سمجھتے تھے اور شاہی زوال پر آنسو بہاتے اور افسوس کرتے رہتے تھے۔ اسی رویہ کا براہ راست نتیجہ تھا کہ یہ مغل زوال کے بعد اپنے خیموں میں بند پڑے رہے تا آنکہ سر سید نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ قائم کر کے انہیں جگایا۔ اس درمیان میں ہندو جو ابھی تک کسی 'پدرم سلطان بود' کے چکر میں نہ تھے، وہ اتنا آگے بڑھ لیے کہ مسلمان ان کے برابر پہنچ ہی نہیں سکتے تھے اور اس صورتِ حال سے، جو خود ان کی اپنی پیدا کردہ تھی، یہ مسلمان کسی طرح ساز کرنے پر آمادہ بھی نہ تھے۔ ان کی نظر میں کوئی بھی ہندو کبھی بھی ان سے زیادہ ذہین یا اہل ہو ہی نہیں سکتا تھا، زیادہ چالاک یا Wily بھلے ہی ہو، کوئی ہندو بزنس مین بھی مسلمان سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا۔ بنیادی ذہنیت کی الگ بات ہے۔ نتیجۃً ان کی شکست خوردگی اور مایوسی، تلخی میں اور تلخی نفرت میں داخل ہوتی چلی گئی۔

انگریزوں نے لارڈ منٹو کے زمانے سے ان مزاجی اختلافات بلکہ تقسیموں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا، اور پاکستان اگر غیر متوقع چیز بھی تھا تو بھی جداگانہ انتخابات کی آخری ہیئت اس کے علاوہ اور کیا بن سکتی تھی۔

ہندوؤں نے زمین جوت کے تیار کی، منٹو نے بیج ڈالا، جناح نے فصل کاٹ لی۔

جیسے تینوں پارٹیوں (انگریز، ہندو، مسلمان) کے رویے کچھ کم نقصان دہ ہوں، جو ہندو اور مسلمان تعصبات ایک دوسرے کو اور کمک دیتے رہے، جتنا زیادہ مسلمان ہندو سے بدکتا اور ڈرتا، اتنا ہی وہ انگریز کی طرف جھکتا جاتا اور جتنا زیادہ وہ انگریز کی طرف جھکتا، اتنا ہی ہندو اس کی طرف سے تلخی محسوس کرتا۔ یونانی المیوں کی مانند ڈراما بتدریج المناکی کی طرف بڑھتا گیا حتیٰ کہ اس منزل کو پہنچ گیا جب ملک کے سامنے تقسیم سے کم درجہ کی برائی رہ گئی تھی۔



تقسیم نے جنم جنم کے بندھن کو کاٹ دیا اور بعد میں ہونے والے سارے واقعات کے باوجود دونوں ملکوں کے لیے اپنی اپنی صلاحیتوں اور ذرائع کے مطابق آگے بڑھنے کے راستے کھول دیئے۔ مسلم لیگ کی ہجرت کے بعد یہاں ایک قومی حکومت بن سکنا ممکن ہو گیا۔ کل ہند سطح پر منصوبہ بندی جو قومی منصوبہ بندی کی تنہا بنیاد ہے، ممکن اصل ہی نہ ہو پاتی اگر کچھ صوبوں میں عدم تعاون پر عامل ہر بات پر شک شبہ کرنے والی مسلم لیگی وزارتیں ہوا کرتیں۔ ہندی کبھی قومی زبان نہیں قرار دی جا سکتی تھی جب تک مسلم لیگ اردو کی پشت پناہی کے لیے موجود رہتی، بلکہ ہندو مہاسبھا، جن سنگھ اور راشٹریہ سیوک سنگھ کو بھی جناح صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ پاکستان کی تشکیل کے بعد ہی ان کا ہندو راج کا خواب ممکن ہو سکا ہے۔ اس لیے جو کچھ ہوا میرا یقین واثق ہے کہ دونوں ملکوں کے لیے بہتر سے بہتر ہی ہوا (بس مسلمانانِ ہندوستان ہی کسی حد تک دو استولوں کے درمیان گر پڑے ہیں۔)

ویسے یہ جتنے جھگڑے یا بحث و جدل تھی پڑھے لکھوں اور شہری لیڈروں کے درمیان تھی۔ عام لوگوں کا موقف کیا تھا، کیا وہ پاکستان چاہتے تھے؟ ہندوستان بنیادی طور سے دیہاتوں پر مشتمل ہے، جہاں ہندو اور مسلمان دیہاتی صدیوں سے ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو رہتے چلے آئے ہیں۔ کیا اس طویل عرصے میں ان میں ایسے مضبوط رشتے استوار ہو چکے تھے جو حریص سیاستدانوں کے اکساؤ اور ترغیب کا شکار نہ بن پاتے؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بات ایسی نہیں تھی، دونوں فرقوں کے درمیان بندھن اس قدر کمزور تھے کہ ان کا ہونا اور نہ ہونا برابر تھا۔ اسے سمجھنے کے لیے ہمیں ہندو اور مسلمان طریقہائے زندگی اور اندازہائے فکر کو جانچنا ہوگا۔ یہ عرض کر دوں کہ میں یہ بات عمومی انداز پر کہہ رہا ہوں، بلاشبہ بہت سے استثنیٰ بھی مل جائیں گے۔ لیکن استثنیٰ بہرحال استثنیٰ ہی ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ میں ان دنوں کی بات کر رہا ہوں، برسوں پہلے کی بات، جب جداگانہ انتخابات

کے نتیجہ میں پیدا شدہ فرقہ واریت کے زخم گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

ہندوؤں کی اکثریت ذات پات کے بندھن کی اسیر تھی، اور اسی لیے سماجی طور سے مسلمانوں سے مکمل بے رشتہ، جن کے ہاتھوں سے کروڑوں ہندو پانی کا گلاس تک نہیں پی سکتے تھے، ساتھ میں کھانے کی بات تو دور کی رہی۔ سب سے بڑھ کے ہندو مسلمانوں کے درمیان گائے حائل تھی، جو ہندوؤں کے لیے پوجا کی چیز تھی، مسلمانوں کے لیے ایک لذیذ کھانا، مسلمان قصائی روزانہ ہزاروں گائیں ذبح کر لیتے تھے، جن کی تعداد عید کے دنوں میں لاکھوں تک پہنچ جاتی تھی۔ آزادی سے قبل کے کانگریس کے اجلاسوں کی کارروائی میں ذبیحہ گاؤ کا مسئلہ اس بری طرح جا آ رہتا کہ اہمیت کے اعتبار سے آزادی کے مسئلہ کے بعد اسی کا نمبر آتا تھا۔ اب اپنی تمام تر سیکولرازم کی شور ا شوری کے باوجود، اور یہ اس وقت جب تحمل کی تمام تر اٹھان کے باوجود کوئی زندہ ایشو نہیں ہے۔ نئی دہلی میں شرمناک قسم کے ذبیحہ گاؤ مخالف مظاہرے ہو سکتے ہیں جیسا مظاہرہ کہ ۷ر نومبر ۱۹۶۶ء کو واقعۃً ہوا، تو ان گئے گزرے دنوں میں اس مسئلہ پہ جذبات و احساسات کی شدت کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جان پہچان کتنوں ہی کی رہی ہو، دوستیاں اتفاق ہی سے ہوتی تھیں۔ قریب ترین رہن سہن اور ہر وقت کے ساتھ میں، صدیوں کے اس ملے جلے سفر میں، ہندو مسلم شادیوں نے کبھی رواج نہیں پایا۔ کوئی ہندو لڑکا مسلمان لڑکی سے نہیں مل پاتا تھا نہ مسلمان ہندو لڑکی سے اور کبھی کسی نے جرأت مندی دکھائی بھی تو نتیجہ میں خون کے دریا بہہ جاتے تھے۔

مسلمان، ایک وسیع النظر مذہب کے حامل لوگ تھے ہندو لوگ جن کی بالکل ضد تھے۔ یہ لوگ آفاقی نظر اور عالمی اندازِ فکر کے حامل تھے اس لیے دوسری طرف جب انھیں قدم قدم پہ خول اور تنگ نظری اور چھوت اچھوت کی باتیں سننے اور دیکھنے کو ملتی تھیں تو قدرتاً انھیں یہ سب کچھ بہت برا لگتا تھا۔ اور پھر بات محض ردِ عمل ہی کی حد تک نہیں تھی؛ ان کی اپنی عصبیتیں بھی تھیں، فتحمند مسلمان نوجوں کا پہلا کام بت شکنی ہوا کرتا تھا، اور بت پرستی سے شدید نفرت ان کے تحت الشعور میں رچ گئی تھی۔ ذرا سی گرما گرمی میں چھوٹتے ہی کافر کا لفظ ان کی زبان پر رکھا ہوتا تھا پھر یہ لوگ بیشتر ہندو ساہوکاروں کے پھندے میں گرفتار رہتے تھے۔ اور اس اذیت ناک تجربہ کے تحت وہ تمام ہندوؤں کو بڑی آسانی سے اور بڑی دریا دلی کے ساتھ بنیا کے خطاب سے نواز دیتے تھے۔

انفرادی سطح میں ان میں سے ہر ایک اپنے تعصبات کو ابھارتا رہتا اور اجتماعی طور سے وہ الگ الگ

گروہ کی صورت میں جمع ہو سکتے تھے۔ ہندو گاؤں کے مندروں میں، مسلمان مسجدوں میں حالانکہ مسجد مندر پاس ہی ہوا کرتے تھے، پر ریل کی دونوں پٹریوں کی بھی تو یہی صورت ہوتی ہے۔

سیدھے سادے لباس تک کے مسئلہ کو بھی ان ناپاک مقاصد کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ اس سلسلہ میں یہاں زیادہ اچھا یہی ہوگا کہ میں اپنی اس زمانہ کی ایک تقریر کا اقتباس درج کر دوں جو بعد میں "انڈین جرنل آف سوشل ورک" میں بھی شائع ہو گئی تھی۔ اسے لوگوں نے کافی توجہ سے سنا (اور پڑھا) اور میرے شعوری طور سے اکسانے والے الفاظ نے متوقع ہنگامہ آرائی کی صورت اختیار کر لی اور لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا جو میرا اصل مقصد تھا۔

"ایک اور سطحی کام جس کے بارے میں میرے راسخ خیالات ہیں لباس کا مسئلہ ہے۔ مجھے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، ہم جو لوگ اپنے اپنے مذہب سے وابستہ لباس کو اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتے وہ اسے پہننے پر مجبور ہوں۔ میں آپ سے عرض کروں کہ دھوتی کے بجائے پتلون پہنے ہوئے ہندو سے بات کرنے میں مجھے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح ترکی ٹوپی والے مسلمان کی بہ نسبت ننگے سر والے سے بات کرتے ہوئے اطمینان سا رہتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے سوچیے جب ہم کسی بڑی گزرگاہ یا سڑک پر جاتے ہوں تو ہمارا ذہن کس طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ دو پارسی خواتین ایک دکان کے دریچہ پر کھڑی نظر آتی ہیں، ایک بوہرہ اپنی دکان کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ یا تین ... ... کے ساتھ ہیں اور بس! اسی طرح جس وقت تک یہ ذہنی مردم شماری جاری رہے گی ہم فرقہ پرستانہ انداز پر سوچنے کے لیے مجبور ہیں اور فرقہ پرستانہ انداز فکر ہی فرقہ وارانہ آویزش کا سبب ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی کانگرس منسٹری کا فوٹو دیکھا ہے۔ محض لباس الگ الگ ہونے کے سبب جو دو آدمی سب سے جدا نظر آتے ہیں وہ ڈاکٹر گلڈر اور یسین نوری صاحب ہیں۔ یہ بڑی غیر صحت مند باتیں ہیں اس سے بہت پہلے کہ جماعت کے اندر ایک مشترک نظریۂ فکر یا مشترک شناخت ابھرے کم سے کم ظاہری صورت میں تو کچھ اشتراک بھی پیدا کرنا ہی چاہیے، اور اگر آپ مجھ سے کہیں کہ قومی اتحاد کے لیے ناگزیر عوامل کی ایک فہرست پیش کروں تو اس میں پتلون کو اچھا خاصا اہم درجہ ہوگا۔"

اس پس منظر میں جداگانہ انتخابات کے نفاذ کا کیا اثر ہو سکتا ہے یہ جانی پہچانی بات ہے اور اس کی تکرار فضول ہے۔ اتنا ضرور عرض کروں کہ کسی چیز نے مسلم لیگ کی کامیابی میں اتنی مدد نہیں کی جتنی اس حقیقت نے کہ بالعموم سیاسی ذہن رکھنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک "قوم پرستی" (نیشنلزم) کے دو جدا جدا معنی تھے۔ ہندوؤں کے نزدیک اس کا مطلب تھا انگریزی راج سے آزادی کی خواہش، [illegible]

قطعی شامل نہ تھی کہ اس کے ساتھ سماجی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں لانا ضروری سمجھا جاتا ہو۔ مسلمانوں میں قوم پرستی کا وہ مفہوم لیا جاتا تھا جسے اب خاصی تکلیف دہ تاخیر کے ساتھ، ہم سیکولرزم کہتے ہیں۔ ہندو غیر معمولی اکثریت میں تھے؛ اور اکثریت جو کچھ سوچتی اور جو چاہتی اسے وہ لوگ جمہوری فکر اور جمہوری خواہشات سمجھتے۔ لیکن مسلمانوں کا خیال تھا کہ بوقلموں مذاہب اور مختلف نسلوں کے ہندستانی سماج کے پس منظر میں جمہوریت کو ہندوؤں اور غیر ہندوؤں دونوں کی اکثریت کے خیالات کا آئینہ دار ہونا چاہیے نہ کہ کسی ایک فرقہ کا' چاہے وہ فرقہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ ان کی رائے میں ہندستانی جمہوریت ہمارے نمائندہ افکار (کراس سیکشن) کی نمائندہ ہونا چاہیے محض اکثریتی فرقہ کی نمائندہ نہیں۔

اس اندازِ فکر کے نتیجہ میں انتہائی پکے ہندو کو بشرطیکہ وہ انگریز کا مخالف ہو، یا قوم پرست سمجھا جاتا تھا، لیکن اس کے برخلاف انتہائی آزادی خواہ مسلمان کو بھی پکا فرقہ پرست قرار دیا جاتا تھا اگر وہ یہ سمجھانے کی جسارت کر لیتا تھا کہ کسی بوقلموں رنگارنگی والے ملک کی اس رنگارنگی اور تنوع کا ہر سیاسی سلسلہ میں خیال رکھنا ہوگا۔ واقعہ یوں تھا کہ جو کوئی چیز، فکر، خیال، نظریہ، خواہش، عمل' ہندو ہوتا اسے ہندستانی (انڈین) سمجھا جاتا، لیکن جو کچھ مسلمان ہوتا اسے مسلمان ہی سمجھا جاتا تھا۔ فکر کے اسی اختلاف کا نتیجہ تھا کہ ہزاروں ایسے مسلمان جو بڑے اچھے اور سچے محب وطن تھے وہ 'دل شکستہ' مسلم لیگ کی طرف، اور آخر آخر' پاکستان کی طرف ہنکال دیے گئے۔

اس کا ذکر آ چکا ہے کہ جداگانہ انتخابات نے سیاسی مسلمان اور سیاسی ہندو پیدا کر ڈالے تھے۔ اب نظری طور سے کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایک سیکولر پارٹی عام اور مسلم دونوں نشستوں کے لیے اپنے امیدوار نہ کھڑے کرے: عملی سیاست نے تو اسے ناگزیر بنا دیا تھا، اور منطقی بھی، کہ مسلم نشستوں کے لیے کوئی مسلم سیاسی پارٹی مقابلہ کرے۔ مزید برآں، اس وقت کانگرس قوم پرست اور محب وطن بھلے ہی ہو' پر سیکولر تو دور دور نہیں تھی: اس لیے مسلمان ووٹروں نے مسلم لیگ میں جان ڈال دی' اور خیال آتا ہے کہ یہی سلسلہ انجام کار پاکستان کی صورت میں ڈھلتا گیا، لیکن بات ایسی بھی نہیں تھی۔ اس وقت کے مسلمان لیڈر' جو زیادہ تر اعتدال پسند تھے، اتنے دور تک اور ایسی انتہاپسندی کے ساتھ نہیں سوچتے تھے اور ان میں جو زیادہ دور اندیش تھے جن میں جناح صاحب ممتاز ترین تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ اس نظام میں تو مسلمان مستقلاً ایک اقلیت بن جاتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں بالادستی مضبوط تر ہی کی رہتی۔ اس لیے کم سے کم دو موقعوں پر وہ مشترک انتخاب کے اصول کو مان لینے کے لیے آمادہ ہو گئے

تھے۔ لیکن ہندو سیکولر ہو سکتا ہے، اس پر انھیں پورا اعتماد نہیں تھا، اس لیے مسلمان کی ریزرو نشستیں ضرور رہنے دینا چاہتے تھے۔ ایسی حوصلہ افزا اور خوش آیند گفت و شنید کم و بیش دو تین نشستوں کی چٹان پر ٹکرا کے پاش پاش ہو گئی۔ کون جانے اگر ایک بار مسلمانوں کے اندر اعتماد آ جاتا تو کیا وہ اپنے اس مطالبے کو ختم نہ کرا دیتے

تاہم بات ایسی بھی نہیں تھی کہ سب کچھ کھو گیا ہو۔ جب مسلم لیگ نے مسلم نشستوں کی بہت بڑی تعداد جیت لی تو مسلمان لیڈر اب اس انداز پر سوچنے لگے کہ قومی حکومت تو وہی ہو سکتی ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں کی پوری نمائندگی ہو، اور یہ خوشگوار انداز بھی ممکن الوقوع ہے جب کانگرس لیگ مخلوط حکومتیں بنیں۔ لیکن کانگرس کا حال ہی دوسرا تھا۔ ایک عرصے سے جس طاقت کی انھیں طلب تھی جو پاس آ آ کے نکل نکل جاتی تھی، وہ تازہ تازہ انھیں ہاتھ لگی تھی، اور اب اس میں انھیں کسی کو بھی شریک کرنا کسی طرح منظور نہ تھا۔ خود انگریزوں کا سیاسی نظام جو اکثریتی پارٹی پر چلتا تھا، اس سے انھیں یہ موقف اختیار کرنے میں مدد ملتی تھی۔ اس لیے کانگرس نے بڑی سختی اور مستقل مزاجی کے ساتھ لیگ کے سمجھاؤ کو رد کر دیا۔ آج کون یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ مشترکہ وزارتیں بالآخر مشترک تشخص پیدا کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو جاتیں۔

وقوعے کے بعد عقل آ جانا کچھ مشکل نہیں، لیکن بات ہے کچھ یونہی کہ خالص برطانوی پارلیمانی انداز کو اختیار نہ کرنا، اور یہ دو تین مسلم نشستیں دے کر ایک قومی محاذ میں مسلمانوں کو ساتھ ملا کے چلنا، یہ مسلمانوں کے اعتماد جیتنے کے لیے انتہائی حقیر قیمت تھی جو ادا کر دی تھی۔

انگریز یقیناً اولیا کی قوم سے ہوتے اگر وہ اس صورت حال کو اپنی بہتری کے لیے استعمال نہ کرتے۔ لیک انگریز کے ساتھ اس مسئلہ پر میں الجھ گیا تو وہ سخت طیش کے ساتھ کہنے لگا کہ جداگانہ انتخابات پر نکتہ چینی کرنے کم کسی مسلمان کو تو زیب نہیں دیتی کہ محض اسی کے سبب مسلمان ہندو اکثریت کے ریلے میں بہہ جانے سے بچ گئے۔ اس کی اس بات میں اچھا خاصا وزن ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بنگال کی تقسیم کی مخالفت کی تحریک جس زور شور سے چلائی گئی، وہ بھی ان کے لیے غیر معمولی دھکا تھا۔ اس کے نتیجہ میں بھی وہ تحفظات کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے۔ جن کے لیے جداگانہ انتخابات کا اصول اختیار کیا گیا۔ لیکن جس کسی نے بھی فرقہ وارانہ مسئلہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ وفد جو علی گڑھ میں تشکیل پایا تھا، ان لوگوں نے وائسرائے لارڈ منٹو کے ذاتی اسٹاف کے ایک آدمی کے ذریعہ اور پرنسپل ایم اے او کالج کے ذریعہ وائسرائے کو پیش کیے جانے والے ایڈریس کی زبان و بیان کی پہلے سے منظوری حاصل کر لی تھی لیکن اس بات کو اوپر سے طے شدہ (کمانڈ پرفارمنس) کہنا انصاف پر مبنی نہ ہوگا۔

انگریزوں کے مقاصد، جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوا، مختلف انواع کے تھے۔ لیکن ایڈریس (نواب عماد الملک) سید حسین بلگرامی نے تیار کیا تھا جو انڈیا کونسل میں میرے والد کے پیشرو تھے اور اس سے بہت بلند تر شخصیت تھے کہ پہلے ہاتھ کے اوپر کام کرتے۔ واقعہ یوں ہے کہ جداگانہ انتخاب انگریز اور مسلمانوں دونوں کے مفاد میں تھا۔

انگریزوں کے ساتھ ایک ٹریجڈی یہ تھی کہ چاہے مسلمانوں کے لیے کوئی مدد کتنی ہی مستحق اور ضروری کیوں نہ رہی ہو، انگریز ان کی اس سلسلۂ خاص میں مدد کرتے تو "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا الزام ان کے لیے تیار تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ ٹریجڈی یہ تھی کہ ان کو واقعی کسی مدد کی ضرورت ہوتی تو بھی انکی طرف سے اس کی مانگ پر انہیں فرقہ پرستی، انگریزوں سے وفاداری اور رجعت پرستی کا ملزم گردان لیا جاتا تھا۔

ہمیں لیڈی منٹو کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ جنہوں نے اپنی کتاب "انڈیا، منٹو اور مارلے ۱۹۱۰ء – ۱۹۱۵ء" میں انگریزوں کے پہلو دار مقاصد (اپنا مفاد بھی دوسروں کا بھی) کی طرف اشارہ کیا ہے؛ لیڈی منٹو نے ایک اقتباس اس طرح دیا ہے؛

"یور اکسیلنسی کی خدمت میں ایک سطر کی یہ اطلاع دینا بڑا ضروری ہے کہ ایک بے حد اہم بات ہو گزری ہے ایک ایسا اعلیٰ سیاسی دانشمندی کا کام جو آئندہ عرصۂ دراز تک ہندوستان اور ہندوستانی تاریخ پر اثر انداز رہے گا۔ یہ ۶۲ ملین لوگوں کو شورش پسند مخالفین میں شامل ہونے سے روک لینے کا کام سرانجام ہوا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ ہندو ذات پات کے سسٹم میں چھوا چھوت اور علیحدگی پسندی نے جو اس کے خمیر میں داخل تھی، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک گہری خلیج پیدا کر رکھی تھی۔ اس لیے اگر انگریز ہندوستان کی بہتری کی بات سوچتے تو اس خلیج کو کم کرنے کی کوشش کرتے نہ کہ قانون سازی کے عمل سے اسے اور تقویت دیتے۔ لیکن پاکستان کے لیے انگریزوں کو ذمہ دار ٹھہرانا بھی محض فرار یت ہے۔ جن تصورات کے نتیجہ میں پاکستان بنا وہ سب ہندوستانیوں کی اپنی ہیں۔

مجھے ہمیشہ اس نظریہ پر بے حد تو ہین کا احساس ہوا ہے کہ انگریزوں نے تقسیم کرو اور حکومت کرو پالیسی ہی کے نقطۂ عروج کے طور سے ہندوستان کو منقسم کر دیا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمارے لیڈر جن میں مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، ولبھ بھائی پٹیل، راجگوپال اچاری، جناح اور لیاقت علی خاں جیسے لوگ تھے، دراصل شطرنج کے بے جان مہروں کی مانند تھے جنہیں چالاک انگریز بساط سیاست پر ادھر سے ادھر کھسکاتے رہے تا آنکہ

ایک مبح کو وہ جاگے تو پتا چلا کہ کھیل ختم بھی ہو چکا اور پاکستان بن گیا یا ہندستان کے لیڈر اپنے انگریز حریفوں سے غالباً کچھ زیادہ ہی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ تھے، اپنے حریفوں کی ہر چال کو نہ صرف پورے طور سے سمجھے ہوئے تھے بلکہ جہاں ضروری ہوتا، مثلاً جداگانہ انتخابات، وہاں یہ لوگ ٹکر بھی لیتے تھے۔ اُپلنے بھی کرتے تھے۔ پاکستان ہمارے سامنے اس لیے موجود ہے کہ ہم میں اتنی عالی ظرفی نہ تھی کہ ہم مخلوط انتخاب کے لیے راضی ہو جاتے۔

یہ بات کہ انگریزوں نے ہمیں منقسم کر کے حکومت کی اتنی صحیح نہیں جتنی یہ کہ ہم منقسم تھے اور وہ ہم پر حکومت کرتے تھے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کے ذہن میں پاکستان کبھی نہیں تھا، نہ ہی مسلمانوں کے لیے ان کے کچھ اقدامات کسی سوچی سمجھی عصبیت کا نتیجہ ہوتے تھے۔ کچھ ضرور رہے ہوں گے اور انھیں کی برکت سے اس آرام دہ نظریہ کو تقویت مل جاتی ہے جس سے اپنی ذمہ داری بھی ٹل جاتی ہے اور جرم کی سنگینی بھی کم ہو جاتی ہے۔

تو، اس طرح، پاکستان، حوا کی مانند، ہندستان کے جسم میں سے پیدا کیا گیا۔ یہ کسی طرح بھی ناگزیر نہیں تھا۔ لیکن ہماری اپنی حماقتوں اور کوتاہیوں کے سبب ہو لیا ہوئی گیا اور واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا، جیسی صورت حال کہ بنتی چلی گئی اس میں یہ دونوں ملکوں کے لیے بہترین بات ہوئی۔

لیکن پاکستان کی ٹریجڈی، کم سے کم ہمارے نقطۂ نظر سے، اس کا قیام نہیں، بلکہ اس کا ڈھانچہ ہے۔ نصف حصہ اِدھر نصف حصہ اُدھر، اور دونوں میں کوئی مشترک بات اتفاق ہی سے مل جائے۔ بیچ میں وسیع ہندستان کی زمین پھیلی ہوئی، ایسے میں ایک مشترک تشخص پیدا کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی دشمن کا اور کسی حملہ کا تصور تخلیق کر کے دفاعی نفسیات کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ اس لیے پاکستان کے لیے ہندستان مخالف انداز (یا ہندستان دشمنی) ایک سیاسی ضرورت ہو گئی ہے۔

اگر یہ بات سمجھ لی جائے تو پھر یہ سمجھنے میں بھی مشکل نہیں پڑے گی کہ مسئلۂ کشمیر دراصل مرض نہیں مرض کی علامت ہے۔ اگر یہ پاکستان کی حب مرضی بھی سلجھا دیا جاتا تو اسے کوئی دوسرا مسئلہ تخلیق کرنا پڑتا۔ یہ سب کچھ سمجھ میں آتا ہے، لیکن یہ نہیں آتا کہ جنگ انسانی کی انتہا تک جانے کی کیا ضرورت آ پڑی تھی۔ پاکستان کو اس سے ہندستان کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی نقصان پہنچا ہے سب سے بڑھ کے یہ ہو گیا کہ مرضی اسباب کی بنا پر اگرچہ دونوں میں قریبی تعلقات کا دور دور تک امکان نہ تھا لیکن جنگ کی پیدا کردہ تلخی نے جو تھوڑے بہت رشتے اور بندھن تھے انھیں بھی کاٹ دیا۔ یہ بات بہرحال اپنی جگہ پر ہے کہ اگر پاکستان ایک اکائی رہتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دونوں ملک اچھے پڑوسی کی حیثیت سے نہ رہ سکیں۔

۴۰

اب یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد ہندستان میں جو مسلمان باقی رہ گئے ان کا کیا سلسلہ رہا؟ کیا انھیں پہلے سے زیادہ بڑی ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر بے آس و بے سہارا نہیں چھوڑ دیا گیا؟ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کے خالقوں نے پانچ کروڑ مسلمانوں کو ادھر چھوڑ دیا؛ پہلے انھیں جوش جنوں کی انتہا تک لے گئے اور پھر ان سبھوں کو اپنے آپ نبٹنے کے لیے تنہا چھوڑ کے سرحد پار کر گئے۔ کانگریس کے لیڈر اپنی رواداری اور عقیدے کی صلابت کے لیے ہزار ہدیہ ہائے تبریک کے مستحق ہیں، جو بغیر ادنیٰ جھجک یا تلخی کے ہندستان میں باقی ماندہ مسلمانوں کے لیے مساوی حقوق اور مواقع کے حصول کے لیے ہر ممکن اقدام کے لیے سینہ سپر ہو گئے، ان مسلمانوں کے لیے جن کے خونی رشتے، شادی بیاہ کے رشتے اور ماضی قریب کے سیاسی رشتے اور قدریں ان لوگوں کے ساتھ تھیں جنھوں نے ملک کی تقسیم پر اصرار کیا تھا، اور جو سرحد پار کر لینے کے بعد، جیسا کہ ہند و پاک آویزش میں ظاہر ہوا، وہ ہندستان کے بدترین نکتہ چیں ہی نہیں دشمن بن گئے۔

مگر وہ سوچیں کہ مسلمانوں کے تو دونوں میٹھے رہے کہ خدا بھی ملا وصال صنم بھی! پاکستان میں انھوں نے کسی غیر مسلم کو کوئی ذمہ داری کی یا اہم رتبہ کی جگہ نہیں دی، لیکن ہندستان میں وہ سیکولرزم اور جمہوریت کے نام پر اپنا حصہ رسد بھی حاصل کرتے رہے۔ اس کے لیے بڑی ہمت اور ذہنی بلندی درکار تھی کہ ہندو ہی دوسرے ہندوؤں کو اس بات کے لیے راضی و مطمئن کرتے رہیں کہ ہندستان کے لیے ایک ہندو ریاست برپا کرنا غلط چیز ہے جبکہ ایک مسلم ریاست جسے خود کانگریس نے قبول کیا تھا بالکل ٹھیک ہے۔

جواہر لال نہرو، حکومت ہند اور کانگریس کا یہ بہت بڑا کام تھا کہ وہ پاکستان کی دینی ریاست کے مقابلہ پر ایک اثر انداز اور مدمقابل ہندو ریاست کی تخلیق کے لیے ہندو آبادی کے خاصے طاقتور عناصر کا جن میں پاکستان سے آئے ہوئے لاکھوں درماندہ شرنارتھی بھی شامل تھے، دباؤ جھیل جائیں اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوں۔

مسلمان ہندستانیوں پر پاکستانیوں کے قیام کا اثر برا اور اچھا دونوں طرح پڑا۔ برا اثر یہ تو تھا ہی کہ تقسیم کے نتیجہ میں خود ہندستان کے اندر دلوں کی نرمی سختی میں تبدیل ہوئی۔ لیکن سب سے بڑھ کے یہ تھا کہ یہاں جو مسلمان باقی رہ گئے ان کی صورت حال کچھ اس طرح کی تھی جیسے وہ ایک طویل جنگ لڑا ہوا ایک ملک ہو جس کے سارے شاندار اور جاںنثار جوان معرکہ میں کام آ چکے ہیں! سیاسی لیڈروں، فوجی افسروں، انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں، ڈاکٹروں، انجنیروں اور دوسرے پیشوں میں ماہروں کی اکثریت پاکستان میں خلا کو پُر کرنے کے

لیے ادھر پہنچ گئی۔ پاکستانی لیڈروں کا یہ بھی طریقہ رہا ہے کہ ہندستان کی مسلم دشمن پالیسی کے ثبوت میں وہ اس امر کو بھی لاتے ہیں کہ دیکھیے ہندستان میں ممتاز مسلمانوں کی کتنی کمی ہے۔ اس حقیقت کو وہ بھول جاتے ہیں کہ ہندستان کے سینئر مسلمان بڑی تعداد میں پاکستان چلے گئے ہیں اور حکومت ہند اپنی ساری نیک خواہشات کے باوجود سینئر مسلمان سازی پر تو قادر نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب یقیناً نہیں کہ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔

پاکستان کے قیام کا اچھا اثر یہ ہوا کہ اس کے ساتھ مسلم لیگ چلی گئی، یہ کہ مسلمان پرابلم کیمونٹی نہ رہے نہ انتشار پھیلانے والی؛ مزید برآں جداگانہ انتخابات کا سلسلہ بھی نہیں رہا جو دونوں فرقوں میں فرقہ واریت کو ہوا دیتا تھا اور آخری بات یہ کہ سیکولرزم رفتہ رفتہ جڑیں پکڑتا جا رہا ہے۔

لیکن مسلمانوں میں ماضی کا دھندلکا ہنوز ختم نہیں ہوا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ شکست خوردہ اور افسردہ سے رہتے ہیں۔ یہ بات بے بنیاد بھی نہیں۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کا پیلا چہرہ بھی بھوت پریت کی مانند کبھی کبھی سامنے آتا رہتا ہے۔ جن سنگھ کی بڑھتی ہوئی طاقت ان کے وسوسوں اور اندیشوں میں اور اضافہ کرتی ہے۔ ایک ٹریجڈی ان کے ساتھ یہ ہے کہ جب کبھی سیکولرزم میں کہیں اندوہناک رخنہ پڑتا ہے تو مسلمان اس پر اعتراض کرتے ہیں تو انھیں فرقہ پرست قرار دے دیا جاتا ہے۔ ذات پات کی بات البتہ غیرقانونی قرار دی جاچکی ہے اور شرمناک بھی سمجھی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں جو چھوا چھوت اور بھاپا پن تھا وہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ بنیے کی جگہ کوآپریٹو سوسائٹیاں بنتی جارہی ہیں؛ اور تعلیم کا پھیلاؤ اور بڑھتی ہوئی مفاہمت کے نتیجہ میں مسلمان بتوں کے پردے میں چھپے ہوئے آدرشوں کو بھی سمجھنے لگے ہیں۔

پاکستان جن حالات میں کٹ کے ایک ملک بنا، وہ اپنی جگہ پر۔ لیکن خیال یہ تھا کہ ہندستان کے پانچ کروڑ مسلمان دونوں ملکوں کے درمیان ایک مضبوط رشتہ کا کام دیں گے؛ لیکن اس کے برخلاف پاکستان اپنے آپ کو ان کا سب سے بڑا دشمن ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے۔ اس وقت بھی جب وہ یہاں کے مسلمانوں کی خستہ حالی پر بڑا پریشان ہوتا ہے۔ اس پریشانی کا اظہار وہ کرتا اس لیے ہے کہ ہندوؤں کو ذلیل کرنے کے لیے اس کے پاس گویا ایک ہتھیار ہے، اس لیے نہیں کہ اسے مسلمان کی بہتری کا کوئی بڑا خیال ہے۔

اگر واقعی ایسا خیال ہوتا تو اسے اس کا بھی خیال آنا چاہیے تھا کہ مسلمان ہندستانی سیکولرزم سے سب سے زیادہ مستفیض ہونے والے لوگوں میں ہیں؛ اور اس لیے جس حد تک پاکستان کی سکت ہے، اسے اپنے مقدور بھر یہاں کے سیکولرزم کو مضبوط تر کرنے میں مدد کرنی چاہیے تھی۔

۴۲

پاکستان نے اب تک جو پالیسیاں اپنائی ہیں، وہ تو مسلمانانِ کشمیر کے لیے بھی اس کی پریشانی اور ہمدردی کو بھی محض منافقت قرار دیتی ہیں۔ اس کے بلند بانگ اور بار بار کے دعوے ہیں کہ وہ مسلمانانِ کشمیر کو ہندو کنٹرول سے آزادی دلانے کے درپے ہے۔ لیکن تیس لاکھ کشمیر کے مسلمانوں کے لیے وہ پانچ کروڑ ہندستان کے مسلمانوں کا مستقبل داؤں پر لگانے کے لیے تیار ہے۔ یہ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ پاکستان کو اس کا تو بخوبی اندازہ ہونا ہی چاہیے کہ کشمیر میں ملے شماری کے نتیجہ میں ۷۴ء کے جذبات پھر ابھر سکتے ہیں۔

پھر تازہ ہند پاک آویزش کے نتیجہ میں پیدا شدہ احساسات سے قطع نظر خود تاریخ قیام پاکستان اور قیام کے بعد کی ساری ہولناکیاں ابھی اس قدر تازہ ہیں کہ عام ہندو کے لیے یہ بڑا مشکل ہے کہ پاکستان دشمنی کے ساتھ تحت الشعوری ہی سہی، وہ کسی نہ کسی حد تک مسلم دشمن بھی نہ ہو، چاہے وہ مسلمان ہندستانیوں کا پاکستان سے رشتہ بھلے ہی نہ جوڑتا ہو۔ لیکن ہندو پاکستانیوں کو ہندستان کے ساتھ مزید جوڑتا ہے۔ نتیجہ فرقہ وارانہ فسادات کی شکل میں عیاں ہے، کہ ہندو پاکستانیوں پر جو کچھ گزرتی ہے اس کا بدلہ مسلمان ہندستانیوں سے چکایا جاتا ہے۔ یہ پلٹی ہوئی شکل میں 'یرغمال' کے نظریہ کے سوا اور کیا ہے! اگر اور کسی وجہ سے نہ سہی، تو ہندستان کے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہی، پاکستان کو اپنی اقلیت کی طرف پوری توجہ دینی چاہیے مگر ہو یہ رہا ہے کہ وہ اس کی عین ضد پر عمل پیرا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دبی ہوئی ہندو فرقہ پرستی کی چنگاریوں کو ہوا دینے کی ہر ممکن کوشش جاری ہے۔

یہ اپنے آپ کو اسلامی مملکت کہنے والے کا ایسا مسلم دشمن رویّہ آخر کیوں ہے؟ شاید وجہ یہی ہو کہ ہندستان دشمنی ہی وہ قوت ہو سکتی ہے، جو پاکستان کے دونوں بازوؤں کو متحد رکھ سکتی ہے۔ اور ہندستان کے سیکولر ہونے کی صورت میں اس جذبہ کو پوری حرارت و شدت نصیب نہیں ہو سکتی نہ "اسلام خطرے میں" کا نعرہ لگایا جا سکتا ہے۔



جو ہوا سو ہوا، لیکن غیر منقسم ہندستان میں جناح صاحب کی موجودگی مسائل کو حل کم کرتی، پیدا زیادہ کرتی۔ وہ خوجہ فرقے میں پیدا ہوئے مگر خوجوں کے امام آغا خان کو ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ معمولی حالات سے ابھرے ایسے کہ کوئی اثر دار آدمی انھیں مدد دینے والا نہ تھا اور بڑے سخت مقابلے

۴۳

کے میدان میں وہ اپنی ذاتی جد و جہد سے بمبئی کے وکلاء میں بلند ترین حیثیت پر پہنچ گئے۔ باغیانہ سرشت کے ایک نوجوان مسلمان کی حیثیت سے انھوں نے تن تنہا پرانے قدامت پرست اور وفادار مسلمان لیڈروں کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنایا۔ کانگریس کی پالیسیوں کے بعض پہلوؤں سے نامطمئن اور غیر متفق ہوئے تو انھوں نے اس سے استعفیٰ دے دیا۔ مجلس قانون ساز میں منتخب ہونے کے بعد وہ ہمیشہ حزب مخالف کے ممتاز لیڈر رہے۔ کسی دوسرے کی بانسری کی لے میں اپنی لے ملانے کے وہ اہل ہی نہ تھے۔ وہ اسی سے مطمئن ہو سکتے تھے کہ اپنی پارٹی کے خود مختار لیڈر ہوں اور اپنے گھر کے بلا شرکت غیرے مالک۔ پاکستان ہی انھیں وہ سب کچھ دے سکتا تھا، جو ان کی سرشت کے مطالبے تھے، اگر جناح صاحب پاکستان کی تشکیل کے لیے ضروری تھے، تو پاکستان جناح صاحب کی تکمیل کے لیے ناگزیر تھا۔

****

ہندو — مسلمانوں کے دورِ حکومت میں

مسلمان سلاطینِ ہند کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کی تعلیمی و مذہبی آزادی اور ملک کے انتظامی محکموں میں انکی اکثریت کی داستان اگرچہ بہت طویل ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ پُراز معلومات اور دلچسپ بھی ہے آج نہ صرف ہند بلکہ یورپ میں مورخین بھی اہل علم کی بدنامی اور گزشتہ کارناموں پر جہالت و گمنامی کا پردہ ڈالنے کی فکر میں نہایت بیباکی اور ناجائز جرأت سے کام لے رہے ہیں، قوم کی اعلیٰ محفل سیاسی ڈراموں اور شب و روز کے پبلک جلسوں میں غرضکہ ہر جگہ ہمارے قدیمی خصائل حسنہ اور شاہانِ اسلام کے علمی و سیاسی فیوض و برکات اور اسلام کے تمدنی اثرات پر تنسخ کرکے تاریخ کے ان واقعات اور حقائق سے عمداً انکار کیا جا رہا ہے جو روز روشن کی طرح ہر خاص و عام پر ظاہر ہیں کبھی ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم نے مذہبی تعصب میں آکر بت شکنی اور انہدام معابد کو اپنا خاص مطمح نظر بنا لیا، اہل ہنود کی مذہبی آزادی کو سلب کر لیا اور انتظام مملکت میں ہندوؤں کو کوئی حصہ نہ دیا، غرضکہ کوئی ایسا وحشت انگیز واقعہ نہیں جو مسلمانوں کی طرف منسوب نہ کیا جاتا ہو، ہم اس مسئلہ پر مفصل بحث کرکے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ انکے اعتراضات کہانتک سیاہ صحت پر پورے اتر سکتے ہیں اور اہل ہند کی طرز معاشرت انکے اخلاق و علمی مذاق پر اسلامی تمدن کا کسقدر اچھا اور خوشگوار اثر پڑا ؟ اور اس حیثیت سے ہندوستان کی قدیم تہذیب مسلمانوں کی کہاں تک منت پذیر ہے، میرے خیال میں صحیح اور سچے واقعات و اسرار کے مغز سخن تک پہنچنے میں زیادہ تر تنگ دلی اور تعصب مذہبی کے علاوہ جو شے مانع ہوتی ہے وہ موجودہ زمانہ کی ان تاریخی کتابوں کا وجود ہے جو برٹش گورنمنٹ کے اہتمام میں شائع ہو رہی ہیں اور جن تک عوام الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کی نگاہیں محدود ہو کر رہ جاتی ہیں لیکن حقائق آشنا ارباب اور نکتہ رس نگاہوں کو اسکا خوب احساس ہے کہ ان فرضی افسانوں میں اصلیت اور حقیقت کی جھلک کہاں تک نمایاں ہے اور وہ داستانیں جنکو ہم آئے دن لیک خود فراموشانہ محویت اور استغراق کے ساتھ پڑھ لیا کرتے ہیں وہ پایۂ اعتبار سے کس حد تک ساقط ہیں اس موقع پر جبکہ ہم ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے نکلے ہیں اور ہماری نگاہیں بار بار گردوپیش کے واقعات، تغیرات دہر اور انقلابات زمانہ پر پڑ رہی ہیں علمی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ تعصب قومی کو ترک کرتے ہوئے واقعیت اور حقیقت کے چہرہ سے پردۂ جہالت کو چاک کرنے کی کوشش کریں اور تھوڑی دیر کیلئے باہمی مخاصمت اور بغض و عناد کو نظر انداز کرکے جو تجربہ آئینی مسلک پر دری اور انصاف کے سراسر خلاف و منافی ہے، صحابہ کرام کے زمانہ میں ایران و خراسان کے فتح ہو جانے کے بعد اگرچہ اہل عرب کا کاروان تجارت ہندوستان کے مغربی ساحل پر برابر آتا رہتا تھا مگر سیاست و حکمرانی کے لحاظ سے عربوں کو ہندوستان سے کچھ تعلق و ربط نہ تھا، لیکن زمانہ کی مساعدت اور تائید آسمانی کی پیہم امداد و چارہ جوئی نے اہل اسلام کی عالمگیر فتوحات اور انکی شہرت میں چار چاند لگا دیے اسلامی قلمرو کی وسعت انتہا کو پہنچ گئی قتیبہ بن مسلم باہلی مسلمہ بن عبدالملک، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم ثقفی جیسے اسلامی تاجداروں اور مشہور سپہ سالاروں نے ایک عالم کو زیر و زبر کر دیا، اناطولیہ کے قلعے و [illegible] شمالی افریقہ اندلس، مرو، بخارا، اور سندھ کا ایک بہت بڑا حصہ اسلامی حکومت کے تحت میں آگیا، محمد قاسم کو مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک سے کے

پرامن سندھی حکومت میں سندھ کو ہ ہونے کا فخر حاصل ہوا، یہ اہم واقعہ جیسا کہ چچ نامہ کا مستند نسخوں میں مذکور ہے یوں ہے کہ سری لنکا کے راجہ نے
تحفہ خلافت کی بناء پر جہاز میں کچھ یتیم اور بہت سے مسلمان اور بچوں کو بھی تحفہ و تحائف دیکر حجاج گورنر عراق کے پاس بھیجنا چاہا، جہاز جب
سندھ کے ساحل پر پہونچا ہے موجودہ حکومت کی بدنظمی اور نظم کے باعث شاہی سپاہیوں نے دست درازی کی جرأت کی اور سارے
مال و متاع و اسباب معیشت کو ضبط کر لیا، اس دہشتناک خبر کی اطلاع جس وقت حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس پہونچی، اسنے راجہ داہر
والی سندھ کی خدمت میں کئی عرضداشتیں روانہ کیں مگر ساری کاروائی بے سود اور لا حاصل رہی، بالآخر حجاج نے دربار خلافت کے ایماء پر
اپنے عزیز محمد قاسم کو ایک لشکر دیکر راجہ داہر سے انتقام لینے کیلئے روانہ کیا، عربوں کی اس تھوڑی فوج نے ۷۱۲ء میں راجہ کو شکست فاش
دیدی، راجہ مارا گیا اور ایک قلیل مدت میں برہمن آباد اور ملتان عربی علم کے نیچے آگئے، سرکش دشمنوں نے اطاعت و انقیاد کو پسند کیا
لیکن ملک سندھ کی ساری تاریخ پڑھ جانے کے بعد آپکو یہ کہیں نظر نہ آئیگا کہ اس عربی سپہ سالار نے کوئی ایسی بیجا حرکت کی ہو جو اصول جہانبانی و
شہنشاہیت کے خلاف ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ دوران جنگ میں کہیں کہیں انہدام معابد کے واقعات رونما ہوگئے مگر یہ ویسا ہی ہے
جیسا کہ آج انتہائی عروج و ترقی کے زمانہ میں متمدن سے متمدن قوم کا بحالت جنگ دستور العمل رہا ہے، اگرچہ اضطراری حالت میں محمد قاسم
کو ان افعال کیوجہ سے دوچار ہونا پڑا مگر اسکے بعد اس نے اپنی اس غلطی کا فراخدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ازالہ بھی کر دیا چنانچہ ملک کے مسمار شدہ
مندروں کی تعمیر کی برہمنوں کو عام اجازت دیدی،[۱] سندھ کے قدیم راجاؤں کے زمانہ سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ ملک کے محاصل سے فی
صدی تین روپیہ مندروں کی تعمیر اور برہمنوں اور پجاریوں کے مصارف ذاتی کے واسطے شاہی خزانہ سے جدا کر لیا جاتا تھا، اسکی وجہ
یہ تھی کہ یہ عبادت گاہیں تعمیر ہوتی تھیں اور برہمنوں اور پنڈتوں کو کسب معاش اور طلب رزق کی جانب سے بالکل دلجمعی و اطمینان
حاصل تھا، محمد قاسم نے بھی اس اصول کو جاری رکھکر سندھ کے قدیم شاہانہ دستور کی تقلید اور اتباع کی چنانچہ اسکی وجہ سے ایک کثیر آمدنی
جمع ہوگئی اور مسمار شدہ مندروں کی تعمیر میں اس سے خاص امداد و اعانت ملی، کیا یہ اسلام کی شرافت، رعیت پروری اور بے
تعصبی کی مثال نہیں؟ محمد قاسم نے برہمنوں کی حفاظت کا ذمہ لیا اور اعلان عام کے ذریعہ پبلک کو متنبہ کر دیا کہ انکے معابد اور مذہبی
مقامات کی ویسی ہی حفاظت کیجائیگی جیسا کہ آج شام و عراق میں یہودیوں اور عیسائیوں کے معابد اور مجوسیوں کے آتشکدوں کی
کیجاتی ہے، فاتح اور مفتوح قوم کے درمیان جو تھے مایۂ شرافت انسانی اور کرم و فضل گستری کی بہترین مثال قائم کیجا سکتی ہے وہ یہ ہے
کہ بادشاہ اپنی رعیت کو ہر قسم کے حقوق عطا کرے اور اسکے بہترین اور قابل افراد کو مناصب جلیلہ پر سرفراز و ممتاز کرے، محمد قاسم نے
اس اصول جہانبانی پر جسطرح عمل کرکے دنیا کو دکھلا دیا اسکی نظیر غالباً آپکو غوری، خلجی اور تغلق خاندان کے امرا و سلاطین کے صحیفۂ حیات
میں بھی نہیں ملسکتی، قبضۂ سندھ کے بعد عربوں کو ملکی تنظیم و تنسیق کی حاجت پڑی اور انہوں نے نہایت فراخدلی کے ساتھ برہمنوں کو جنہیں
انہیں کامل اعتماد تھا ملک کے مختلف عہدوں پر مقرر کرنا شروع کر دیا، محمد قاسم نے ایک اعلان کے ذریعہ انکو مطلع کیا کہ ملک کے مشہور
مقامی افراد سے بھی آگاہی ہونا چاہئے تاکہ میں انہیں حکومت کے کاموں میں لگا دوں اور ملک کا سارا انتظام انکے ہاتھ میں دیدوں،

---

[۱] تاریخ ہند ایلیٹ جلد اول

اعلان میں یہ بھی تھا کہ یہ مندرجہ جو انہیں دے جائیں گے ان سے چھین کر پھر ہرگز کسی دوسرے کو سپرد نہ کئے جائیں گے اس اعلان پر جس سختی کے ساتھ عمل کیا گیا اسکی تفصیل آگے آتی ہے برہمن آباد صوبہ سندھ کا ایک مذہبی اور متبرک شہر تھا جسوقت وہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو محمد قاسم نے وہاں کا سارا انتظام انہیں شرفاء کے اختیار میں دیدیا اور نائل اور جاندیہ اشخاص کو مجلس شوریٰ کا ممبر مقرر کیا، ملک کے وصول مالگزاری کے محکموں میں چونکہ محاسب مالی کی ازبس ضرورت تھی اور اہل عرب اس سے ناواقف تھے اسلئے یہ سارا محکمہ قریب قریب برہمنوں ہی کے ہاتھوں میں تھا قبول اسلام کیلئے محمد قاسم نے کبھی بھی جبر و اکراہ سے کام نہیں لینا پسند نہ کیا پنچ ذاتوں نے شلاً شدھ جات وغیرہ جنہیں ہند کی قومیت کے مطابق برہمنوں کے مقابلہ میں نہایت حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا وہ اسلام کی مساوات حریت کو دیکھکر کثرت سے اسلام لائے اور عربی لشکروں میں بھرتی ہوکر بلاد اسلامیہ کے اکثر حصوں میں سکونت پذیر ہوگئے، بہت سے نومسلم جو شام و عراق میں جاکر آباد ہوگئے انہیں سے بعض ایسے بھی گزرے ہیں جو اپنے وقت کے فن رجال و حدیث کے امام تھے بعضوں نے عربی شاعری میں کمال پیدا کیا چنانچہ ابو عطا سندی سندھ کا ایک مشہور شاعر گذرا ہے جسکے چند اشعار ابو تمام نے حماسہ میں درج کئے ہیں، چنانچہ وہ یہ ہیں،

الا ان عینا لم تجد یوم واسط ... علیک بجاری دمعہا لجمود

عشیۃ قام النائحات وشققت ... جیوب بایدی ماتم وخدود

فانک لم تبعد علی متعہد ... بلی کل من تحت التراب بعید

دیار سندھ کے امرائے ہنود نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی دعوت پر اسلام قبول کیا ہیں جیشیا اور جیسیہ خاص شہرت رکھتے ہیں، تبدیل مذہب کی غرض سے انپر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا بلکہ یہ انکی اس فطرت سلیمہ و عقل و دانش کا اقتضا تھا جو توفیق ایزدی سے انکے حصہ میں آ

عربوں نے ہندوؤں کے قدیمی قانون کی حفاظت میں کچھ کوتاہی نہیں کی، راجہ چچ کے زمانہ سے یہ قانون چلا آتا تھا کہ جاٹوں کو اسپ سواری اور ریشمی لباس زیب بدن کرنیکی سخت ممانعت کردی گئی تھی، محمد قاسم نے بھی اس اصول کو باوجود اسکے کہ اسلام مساوات کا عام حکم دیتا ہے محض ہندو شرفاء اور امراء کی خاطر برقرار رکھا، سندھ میں ہندوؤں کی اقتصادی و مالی حالت قریب قریب ابتری کو پہونچ چکی تھی، ساحلی مقامات پر قزاقوں اور حملہ آوروں کی شورش و ہنگامہ خیزی نے بحری تجارت اور اسکی فروغ کو سخت صدمہ پہونچایا تھا، حکومت اس فتنہ کے انسداد سے جیسا کہ تاریخ شہادت دیتی ہے بالکل عاجز تھی، فوج کا کچھ باقاعدہ انتظام نہ تھا، نہ انکے لئے عمدہ فوجی مقامات تھے جس سے انکی صحت جسمانی برقرار رہتی، نہ قلعے تھے، نہ فوجی چھاؤنیاں تھیں، نہ عمدہ تجارتی شہر و قصبات آباد تھے جس سے انکے طرز معاشرت سے تمدن اور تہذیب و شائستگی کا پتہ لگایا جاسکتا، وحشت و بربریت کے آثار ہر جگہ نمودار تھے کوئی ایسا نظام موجود نہ تھا جس سے قومی تنظیم میں اعانت ملتی، لیکن مسلمانوں نے سندھ کی تجارت کو بہت فروغ دیا چنانچہ تھوڑی مدت میں بری و بحری تجارت کا دروازہ کھل گیا، خراسان، طخارستان، سیستان، اور کابل سے پشاور کا دروا ن

تجارت سندھ میں آنے لگے، اسکی وجہ سے سندھیوں کی اقتصادی حالت میں بہ نسبت پہلے کے ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگیا ابن خرداد بہ مشہور عباسی مدبر اعظم نے اپنی کتاب میں سندھ کا ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے سندھ میں چین روس افریقیہ اور یورپ کے کاروان تجارت برابر آتے تھے جس وجہ سے بحری تجارت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا مختلف چیزیں جو پہلے سندھ میں وجود تک نہ تھیں اب بکثرت بازاروں میں دستیاب ہونے لگیں ملہ

ابن حوقل اصطخری کا جغرافیہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کی عربی حکومت نے سندھ کی حالت بالکل بدل دی تھی، قندابیل، جندور، الور، شروسان، نیرون، قصدار، تجارت کے خاص مقامات تھے جہاں فوجی چھاؤنیاں، شاہی دفاتر، عدالت اور شفاخانے بنے ہوئے تھے، سندھیوں کے باہمی مناقشات طے کرنے کیلئے ملک کے گوشوں میں پنچایتیں مقرر تھیں، ان تمام باتوں سے بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ محمد قاسم کے زمانہ میں مذہبی آزادی، رعیت پروری اور عدالت گستری کا کس قدر اعلیٰ اور بہتر انتظام لیا گیا تھا، محمد قاسم کے مرجانے کے بعد اگرچہ عالم اسلامی میں بہت کچھ انقلابات رونما ہوئے اور ابو مسلم خراسانی کی امداد و اعانت سے بنی عباس بنی امیہ پر غالب ہوگئے، لیکن پھر بھی خلیفہ المقتدر باللہ کے زمانہ تک عرب کا تعلق سندھ سے بہت کچھ باقی رہا، متعدد امراء و عمال سندھ میں بھیجے گئے، اور انہوں نے بھی آخر وقت تک محمد قاسم کے قائم کردہ اصول کو دستور العمل بنانا اپنا فرض منصبی خیال کیا، اسکے بعد شہنشاہ اکبر کے زمانہ تک ملک سندھ میں مختلف خاندان مثلاً جام، چوہان، سمہ، ارغون اور ترخان کے امراء خود مختارانہ حکومت کرتے رہے مگر انکی حالت کو قیام و استقلال حاصل نہ تھا، اس وجہ سے یہ پتہ لگانا سخت دشوار ہے کہ انہوں نے اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھا اور اصول جہانبانی کو کس حد تک نباہا، اسکے تقریباً پونے تین صدی بعد ہندوستان میں محمود غزنوی کی شمشیر بے پناہ چمکنے لگتی ہے بت توڑے جاتے ہیں، رعایا قتل ہوتی ہے اور مذہبی مقامات اور مندروں کے زر و جواہر لوٹ لئے جاتے ہیں، بادی النظر میں محمود کی یہ تمام حرکتیں ایک فاتح کی شان کے بالکل خلاف نظر آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مخالفین کی طرف سے محمود پر تعصب مذہبی کا الزام رکھا جاتا ہے، لیکن عدل و انصاف کا یہ تقاضا نہیں کہ دنیا کی کسی شے پر فقط ایک نگاہ غلط انداز ڈالکر اسکے حسن و قبح کے متعلق قطعی فیصلہ کر دیا جائے، واقعہ اور نفس الامر یہ ہے کہ دنیا میں اس قسم کے جتنے فاتحین گزرے ہیں اور جنہوں نے اقوام مفتوحہ پر اس قسم کے مظالم ڈھائے ہیں انکا اصل مقصد دولت و ثروت کو حاصل کرنا تھا، تعصب مذہبی سے انہیں کچھ سروکار نہ تھا مگر بعض وقت اسکے سلسلے میں وہ اس قسم کا کام کرتے تھے جس سے کمزور اقوام کے مذہبی جذبات کو سخت ٹھیس لگتی تھی، یورپ جو آج تہذیب و تمدن کا مدعی ہے وہ اس عالمگیر زمانہ میں گرفتار نظر آتا ہے اسکی تازہ مثال دیکھنے کیلئے جنگ عظیم کے عبرت انگیز واقعات کو غور سے پڑھنا چاہئے، جرمنی نے اس عالمگیری اور جاہ پرستی میں خود اپنے ہم مذہب مسیحیوں کے بیشمار گرجوں اور عبادتگاہوں کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا، اور لاکھوں انسانوں کی روح مسیحیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ جرمنی کی یہ انسانیت سوز حرکتیں تعصب مذہبی کی بنا پر تھیں یا سیاسی اور حقائق کے لحاظ سے اسکا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے؟ جب دنیا کی مہذب سوسائٹی طمع پرستی اور

ملہ کتاب المسالک والممالک صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶

کشت و خون سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکی تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آج سے آٹھ صدی پیشتر جب بقول یورپ جہالت و گمنامی کے ظلمات میں پڑے ہوئے تھے اور تمدن و شائستگی سے قطعاً ناآشنا تھے محمود و علاء الدین ان افعال قبیحہ کے دستبرد سے آزاد رہتے، واقعہ یہ ہے کہ حملوں کی غارتگری اصلی محرک ہند کی تجارت و دولت کا فروغ تھا اور اکثر یہ مال و متاع پوجاریوں کے ہاتھ مندروں میں اکٹھا ہوتا رہا چنانچہ پہلی آفت ان مندروں پر آکر گرتی تھی، یہ نہایت دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے مندر اور بت خانے اگر ساجد کی طرح زر و سیم سے خالی رہتے تو محمود شمال پر اور علاء الدین دکن پر کبھی حملہ آور نہ ہوتا، علاوہ بریں انہدام معابد ملوں کی جنگی اسکیم کا ایک جزو تھا چنانچہ وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کے ساتھ انھوں نے وہی برتاؤ کیا جو ہندوؤں کے ساتھ کچھ دنوں بعد پیش آنے والا تھا، غرضکہ محمود کا یہ حملہ اقتصادی طمع کی بنا پر تھا تعصب مذہبی کو اسکے مزاج میں کچھ دخل نہ تھا، اور اگر محض دنیاوی طمع و حرص پرستی کا محمود کو ملزم ٹھہرایا جا سکتا ہے تو پھر دنیا کا محمود جیسا فاتح اس الزام سے بری نہیں ہو سکتا پھر بھی محمود نے جو کچھ کیا بحالت جنگ کیا امن و آشتی کے زمانہ میں درندگی و بربریت کا کوئی واقعہ اسکی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، حکومت کی حیثیت سے محمود کا تعلق ہندوستان کے ساتھ بہت ہی قلیل رہا مگر اس حالت میں وہ عدل و انصاف کا سچا پرستار بنکر رہا مورخ البیرونی مشہور ہیئت دان عالم جو محمود کے ساتھ ہندوستان کی سیر کو نکلا تھا اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ محمود کے عہد میں امن و امان کا کافی دور دورہ تھا غیر اقوام کے ساتھ حتی الامکان انصاف سے کام لیا جاتا تھا، رعایا فارغ البال اور خوشحال تھی، محمود کے بعد اسکے بیٹے سلطان مسعود نے باپ کی قائم مقامی کی اپنے ہندو رعایا کے ساتھ بہت کچھ بہتر سلوک کیا جس سے اسکی رعیت پروری شرافت نفس کا کافی ثبوت ملتا ہے، اسکے زمانہ میں احمد نیالتگین ہندوستان کا سپہ سالار تھا سیم و زر کی طمع نے اسے بنارس جیسے ہندوؤں کے متبرک شہر پر غارتگری کرنے پر آمادہ کر دیا سلطان نے اس موقع پر اسکی گوشمالی کیلئے جس شخص کو مقرر کیا اور اسکے بجائے جسکو سپہ سالار بنایا اسکی مثال آجتک ہندوستان میں نہیں پائی گئی، وہ تلک نامی ایک ہندو تھا جو قاضی ابوالحسن شیرازی جیسے اساتذہ فن کی فیض صحبت کا تربیت یافتہ تھا، اس نے احمد کو شکست دی اور اسکا سر کاٹکر دربار شاہی میں روانہ کیا سلطان تلک کی اس خدمت کا دل سے ممنون ہوا، اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندو رعایا کے مذہبی جذبات کی کسقدر پاسداری منظور تھی غوری خاندان کے بعد تخت دہلی پر غلام خلجی تغلق سید لودھی اور سور خاندان کے مختلف افراد و سلاطین نے کئی صدیوں تک نہایت کر و فر کے ساتھ حکومت کی لیکن انکی حکومت ہمیشہ جنگی حالت پر رہی کبھی ایک حالت پر قیام نہ رہا، طوائف الملوکی اور خانہ جنگیوں سے کبھی فرصت نہ ملی چنانچہ مسٹر لانگ فرد لائل صاحب لکھتے ہیں :-

"جو فاتحین اسلام شمالی ہند میں شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے یا جنہوں نے دکن میں اسلامی سلطنتیں قائم کیں انکو مذہب کی کچھ پرواہ تھی، ان میں اکثر ایسے تھے جنکو تبلیغ مذہب کی مہلت نہ ملی کیونکہ یا تو ملک کے فتح کرنے میں انکا وقت صرف ہو گیا یا فساد و جنگیوں نے ان کو فرصت نہ دی، یہ مسلمان فاتح اکثر وحشی مغل یا تاتاری ہوتے تھے پیغمبر عرب کے دین پر خود انکو استحکام نہ تھا اور وہ جوش اور ولولہ جو سام بن نوح کی اولاد کا خاصہ ہے اور جسکا نمونہ عرب کے برادران اسلام نے دکھایا ہے ان میں نہ رہ گیا تھا، جو سلطنت انھوں نے قائم کی اسکی حیثیت ہمیشہ جنگی رہی ہے۔"

گرباوجود ان باتوں کے اکثروں کے عہد میں ملک سرسبز و شاداب رہا ہندو رعایا مذہبی رسوم کے ادا کرنے میں بالکل آزاد و خود مختار تھی، ان کے مذہبی جذبات کا ہر طرح لحاظ کیا جاتا تھا، اس موقع پر ہم انکی چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں خسرو خان جو سلطان مبارک کو قتل کر کے تخت دہلی پر بیٹھا

تھا اس نے ہندوؤں کے ساتھ بہت سی رعایتیں کیں۔ اسکا دربار ہمیشہ ہندو سپاہیوں سے بھرا رہتا تھا خلجی اور تغلق خاندان کے امرا و سلاطین کے عہد میں شاہی دفتروں میں تقریباً مسلمان ہی کام کرتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ دفتروں کی زبان فارسی تھی اور ہندو چونکہ اس سے نابلد تھے اس لئے قدرتاً وہ اس سے محروم رہ جاتے تھے، لیکن سلطان سکندر لودھی نے ہندوؤں کی جانب توجہ کی اور انہیں فارسی عربی کی تعلیم دینی شروع کی، اس کے عہد سے چند دنوں بعد ملک کے انتظامی محکموں میں ان کی کافی تعداد نظر آنے لگی بعض فارسی کے شاعر بن گئے اور دربار شاہی سے وظائف پانے لگے۔ شیر شاہ کے زمانہ میں خواہ ہندو رہے ہوں یا مسلمان سب امن و خاموشی کی زندگی بسر کرتے تھے اور اگرچہ اسکے اکثر ایام زندگی جنگ و جدال میں بسر ہو گئے لیکن اپنے ملک کا جس حسن و خوبی کے ساتھ انتظام کیا تھا اسکے مدنظر رکھکر اسکی خداداد انتظامی قابلیت کی ستائش کرنی پڑتی ہے۔ اسکا عدل عوام میں شہرت پذیر ہے خود اسکا قول ہے کہ عدل تمام فضائل میں ایسا محمود ہے کہ وہ سب کو پسند ہے کوئی طاعت عدل کے برابر نہیں ہو سکتی کفر و اسلام دونوں عدل کے مستحق ہیں اگر اسکا سایہ خلائق کے سر سے اٹھ جائے تو اسکی جمعیت کا سر رشتہ ٹوٹ جائے، اپنے رفاہ عام کے سیکڑوں کام کئے ہیں، پختہ سڑکیں بنوائیں سرائے و اسپتال تعمیر کروائے۔ لیکن اسکی بے تعصبی اور عدل پروری کا جو مشہور واقعہ ہے وہ یہ ہے کہ شاہزادہ عادل خان جو شیر شاہ کا بڑا لڑکا تھا، ایک دن آگرہ کے ایک کوچے سے ہاتھی پر سوار ہو کر گزرا ایک ہندو بقال کی عورت برہنہ ہو کر اپنے مکان میں جسکی دیواریں پست تھیں نہا رہی تھی شاہزادہ کی نظر اسپر پڑی تو وہ بے اختیار ہوا اور پان کا بیڑہ پھینککر مارا، عورت کی طبع غیور نے اس بات کو بھی پسند نہ کیا چنانچہ وہ خودکشی پر آمادہ ہو گئی، شوہر کو جب اسکا علم ہوا تو اس نے یہ حرکت تمام باز رکھا اور اس معاملہ کو دربار تک لیگیا شیر شاہ نے حکم دیا کہ بقال ہاتھی پر سوار ہو اور شاہزادہ عادل کی بیگم سامنے آئے اور وہ اسے پان کے بیڑے پھینککر مارے،

شاہزادہ کے خلاف اس قسم کا فیصلہ کرنا کچھ آسان کام نہ تھا مگر عدل و انصاف پرستی کا سچا جذبہ جو ہر نیک انسان کے دل میں موجود ہونا چاہیے وہ شفقت اولاد پر غالب آگیا، درباریوں نے یہ دیکھکر شاہزادہ کی برأت کیلئے اپنی انتہائی کوشش کا اظہار کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا آخر خود بقال نے شاہزادہ کے قصور کو معاف کر دیا اور ان تمام جھگڑوں سے الگ رہا ہو گئی اہل نظر اور چشم بصیرت سے انصاف کام لیں شیر شاہ نے اس اہم موقع پر کس غیر جانبدارانہ فیصلہ کر کے اپنی شرافت نفس اور عدالت کا ثبوت پیش کیا ہے اس سے اسکے دل میں ہندو رعایا کے مذہبی جذبات اور احساسات کی پاسداری کا بیّن ثبوت نہیں ملتا؟ یورپ جو آج اپنے انصاف و عدالت پر نازاں ہے کیا اس منصفانہ فیصلہ کی کوئی مثال اپنی عدالت عالیہ کے تازہ اور قدیم نظائر میں پیش کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر یورپین مورخین اور وقائع نگاروں کا سلاطین اسلام پر الزام لگانا تعصب و عداوت سے کسی طرح خالی نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ ترک و افغانوں کی مدتہائے دراز حکومت میں شاید ہی کسی حکمران کے ہاتھوں ہندوؤں کو تکلیف پہونچی ہو التمش، رضیہ بیگم، غیاث الدین بلبن، ابراہیم، سکندر لودھی، نے غیر اقوام کے ساتھ اصول محبت پر جو روی کو آخری وقت تک نبھایا، اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض سلاطین کی طرف سے ہندوؤں کو خاص شکایت ہے خصوصاً علاء الدین خلجی سے کہ اس نے دکن کی ہندو ریاستوں کو پامال و برباد کر دیا کوئی صورت امان نہ رکھی، بتوں اور مندروں کو توڑ ڈالا اور ہندو راجاؤں سے بکثرت تعداد میں نقد و جواہر وصول کیا، لیکن ناظرین ذرا غور سے دیکھیں تو اسکا وہی جواب ہے جو محمود غزنوی کے حملۂ ہند کا اسباب بیان کرتے وقت دیا گیا ہے یعنی اس حملہ کی اصلی علت مال و زر کی طمع اور دنیا پرستی کی انتہائی خواہش تھی اور یہ ایک عالمگیر مرض ہے جسکا بوالانسانی دوسری ملک گیر

بالکل باہر ہے، ہندوستان کی قدیم تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ علاؤالدین کا بدترین اور انسانیت سوز فعل جلا چتوڑ ہے، وہ یہ کہ بادشاہ پدمنی کے حسن وجمال کا واقعہ سنکر غائبانہ عشق و محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسکے دیکھنے کا مشتاق نظر آتا ہے، راجہ سے اسے دیکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے راجپوتوں کی غیرت قومی اس بدنامی کو بھلا کیسے پسند نہیں کرتی، چنانچہ جنگ ہوتی ہے، راجپوت مارے جاتے ہیں اور پدمنی معہ اپنی سہیلیوں کے چتا میں گرکر خاک کا ایک ڈھیر بن جاتی ہے، لیکن تاریخی واقعات اور حقائق کی تحقیق کا آجتک دنیا میں جو دستور چلا آیا ہے اسکے لحاظ سے جب اس زمانہ کی معتبر اور صحیح تاریخ کو اٹھا کر دیکھا جاتا ہے تو اس میں سرے سے اس واقعہ کا وجود ہی نظر نہیں آتا، تاریخ فیروزشاہی جو اس زمانہ کی تنہا اور صحیح تاریخ ہے وہ اس واقعہ سے بالکل خالی ہے، یہ دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ یہ ساری داستان ایک شاعرانہ افسانہ طرازی ہے جس میں اصلیت اور واقعیت کا ذرہ برابر نام نہیں، بالفرض اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے اس واقعہ کو تسلیم بھی کرلیں تو شاہان اسلام کے مہتم بالشان محامد اور اوصاف کے مقابلہ میں اس کو کسی طرح اہمیت نہیں دیجا سکتی، کہا جاتا ہے کہ محمد تغلق کے عہد میں سلطان کے مظالم نے رعایا کو ایک عام اضطراب و پریشانی میں ڈال رکھا تھا، لاکھوں انسان جنگل و بیابان میں انکی نگاہ خشم آلود کے شکار ہو گئے، ملک تباہ ہوا، اور امن عامہ میں کچھ ایسا خلل پیدا ہوا جس سے ایک مدت تک لوگوں کے دلوں سے خطرات دور نہ ہوسکے، بغاوتوں کا دروازہ کھل گیا اور نظام سیاست میں جسپر ملک استحکام و بقاء کا انحصار ہے انتشار و پراگندی کا دور شروع ہوا، واقعہ یہ ہے کہ یہ سب سلطان کی ہوس عالمگیری کا نتیجہ تھا جس سے سلطان کے دلمیں دور دراز کے ملکوں کے فتح کرنیکا اک بیہودہ خیال پیدا ہو گیا تھا، مگر میرے خیال میں یہ ظلم و جفا یہ جور و تعدی محض ہندوؤں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ ان پر بھی تھا جو انکے ہم مذہب تھے بلکہ زیادہ تر ان پر تھا جنہوں نے اسے خلیفہ کا خطاب دے رکھا تھا اور ان پر بھی تھا جو اسلامی حیثیت سے اسکے عطاء و کرم، شفقت و مہربانی کا بہ نسبت دوسروں کے اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے،

محمد تغلق کے زمانہ میں جب فتنہ و فساد کی لہر ہر جگہ دوڑنے لگی تو امراء دکن بھی سلطنت دہلی سے قطع تعلق کر کے خود مختار بن بیٹھے اور بہمنی کے نام سے دکن میں پانچ عظیم الشان حکومتوں کی بنیاد ڈالی، دکن میں اول اول اسلامی سلطنتیں ہندو راجاؤں سے برسرپیکار رہیں قدیمی بغض و کینہ جو چند دنوں کیلئے پژمردہ ہو گیا تھا پھر از سر نو تازہ ہو گیا لیکن امتداد زمانہ کے بعد ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے مغرورانہ برتاؤ کم ہو گئے اور انہوں نے انکو کثرت کے ساتھ ملک کے انتظامی محکموں اور فوج میں داخل کرنا شروع کیا، چنانچہ فیروز شاہ بہمنی کے عہد حکومت میں ہندو اکثر امور ملکی پر قابض ہو گئے

....

.... ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور سے پیشتر جتنے حکمران گزرے انکے عہد میں شاہی دفتروں کی زبان بالکل فارسی تھی ہندو چونکہ فارسی ادب اور عربی علم سے بالکل نابلد تھے اسلئے ان کے اختیارات محدود سے ہو کر رہ گئے اور گورنمنٹ کی نگاہ میں وقعت نہ حاصل کرسکے مگر ابراہیم عادل شاہ نے برہمنوں کی حالت زار پر رحم کر کے شاہی دفتروں سے فارسی نکالکر اسکے بجائے ہندی رائج کردی چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"دفتر فارسی برطرف ساختہ ہندوی کرد و بہاملہ را صاحب دخل گردانید"[۵۱]

---

[۵۱] تاریخ فرشتہ صفحہ ۶۲ جلد دوم،

دکن میں مسلمانوں کے آخیر وقت تک وصول مالگزاری کے محکموں پر زیادہ تر برہمن ہی حکومت کرتے رہے، اسی طرح احمد نگر کی عادل شاہی حکومت نے کثرت کے ساتھ مرہٹہ سرداروں کو بھرتی کرنا شروع کیا سیوا جی اور اسکے خاندان کے اکثر افراد کو ممتاز عہدے دئے گئے چنانچہ عادل شاہی حکومت کی عظمت شاہی نے آخیر وقت میں سیوا جی کا اسقدر اقتدار بڑھا دیا کہ مسلمانوں کی اس ناعاقبت اندیشانہ فیاضی و کرم گستری کا مآل بہادر تاریخ کے صفحوں سے ہویدا ہے۔" کاشمیر میں مسلمانوں کا قیام بحیثیت ایک حکمران قوم کے مدتوں رہا ہے اور انہوں نے رعایا کی بہبود و فلاح ملکی اور تمدنی ترقی کے اسباب وذرائع کی تلاش و جستجو میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، تاریخ اس بات کی عینی شہادت کیلئے موجود ہے کہ بجز دو ایک ناخوشگوار واقعات کے جو ناگہانی طور پر پیش آگئے تھے کوئی ایسا واقعہ موجود نہیں جو مسلمان سلاطین کی ہمت افزا کوششوں کو رد کر دیتا ہو، سب سے زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ حالانکہ بعض مصنفین چند ناقابل التفات باتوں کو لیکر مسلمانوں کی طرف سے اپنے دلوں میں ایک سوئے ظن پیدا کر لیتے ہیں اور ان حالات اور ضروری واقعات کو قصداً فراموش کر دیتے ہیں جو اہل اسلام کی بہترین خصائل، صفات حمیدہ، اور بے تعصبی کی اعلے ترین مثالیں ہیں شک نہیں کہ سلطان سکندر بت شکن کے عہد میں سر بھٹ نامی وزیر کی بدخوئیوں اور سخت مزاجی نے کاشمیر کے ہندوؤں پر مظالم کے پہاڑ گرائے ان کے مندر و مذہبی مقامات برباد کر دئے گئے ہیں اور کثیر تعداد میں ہندو جلاوطن کر کے اپنے آبائی وطن سے نکال دئے گئے مگر سلطان زین العابدین کشمیری نے سکندر کے عہد کی تمام ان رسموں جو بدبختی نے ملک میں جاری ہو گئیں تھیں انکا ایک ایک کر کے انسداد کیا، برباد شدہ عبادت گاہوں اور اجڑے ہوئے دیار کی اصلاح کی برہمن اور ہندو فضلا جو غریب الوطن ہو کر ہندوستان کے مختلف مقامات پر جا بسے تھے انکو دور دور سے طلب کیا، جزیہ معاف کیا، گاؤ کشی کی قطعاً ممانعت کر دی اور تمام ہندوؤں کو بالکل مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا چنانچہ فارسی کے ایک مستند تذکرہ نویس کی شہادت ہے۔

" ہندوانی کہ در عہد سلطان سکندر از تعدی سر بھٹ جلا وطن شدہ بودند باوطان خود باز آمدند در مقامات و معابد خود برآسودند و سلطان از برہمنان عہد گرفت کہ آنچہ در کتاب ایشان مسطور است خلاف آن فعل نکنند، بعد ازان آنچہ رسوم ایشان کہ قشقہ کشیدن و سوختن زنان (ستی) ہمراہ شوہران وغیرآن کہ سلطان سکندر برانداختہ بود همہ را از سر احیا نمود و جرمانہ و پیشکش و سائر حبوب از رعایا معاف ساخت و اقسام مذاہب ایشان عہد سابق را آزاد کرد۔" [1]

کیا ان حالات کے پڑھنے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا صفحہ صفحہ مظالم و ستم آرائیوں کی داستان سے لبریز ہے ؟ اگر ذرا احساس کی اگر دنیا میں کچھ قدر و قیمت ہے تو واقعات کے بار بار مطالعہ کرنے سے آپ دیکھ لیں گے کہ مسلمانوں نے غیر اقوام کی اخلاقی معاشرتی اور علمی اصلاح میں کس حد تک اپنی جانفشانیوں کا اظہار کیا ہے۔

---

[1] تذکرہ آثر رحیمی صفحہ ۲۰۹

ابراہیم لودی کے مقابلہ میں جب فتح ہوئی اور دہلی میں بابر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور سرزمین ہند میں سلطنت مغلیہ کی نیاد پڑی لیکن بابر اور اس کے جانشین ہمایوں کو قسمت نے اس کی جانب سے اتنی فرصت نہ دی کہ ملکی انتظام کی طرف متوجہ ہوتے اور پٹھانوں اور بیگانوں کے ساتھ ان کے جھگڑے ختم ہوئے! پھر بھی ان کے طرز عمل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن بابر کی آخری وصیت سے جو اس نے اپنے بستر مرگ پر ہمایوں کو لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ رعیت پروری کے صحیح قوانین و اصول سے کس طرح واقف تھا اور کس قدر ساتھ ہی آزادی کا جو بلند تخیل اس نے اپنے سامنے قائم کر رکھا تھا وہ کس قدر بلند اور قابل ستائش تھا۔ وصیت نامہ چند دفعات پر مشتمل ہے۔ یعنی۔

(۱) مذہبی تعصبات سے اپنے دماغ کو متاثر نہ ہونے دو اور ہر قوم و مذہب کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک غیر جانبدارانہ انصاف کرو۔

(۲) خصوصاً گائے کی قربانی سے باز آؤ اس چیز کے ذریعہ سے تم بہت جلد اہل ہند کے دلوں کو اپنے قبضہ میں کر سکو گے اور وہ لوگ رشتۂ احسان و امتنان سے بندھ جائینگے۔

(۳) تم کبھی کسی قوم کی پرستش گاہ کو منہدم نہ کرنا اور انصاف پسند رہنا تاکہ حاکم و محکوم کے تعلقات خوشگوار ہوں اور ملک میں امن و آشتی کا دور دورہ ہو۔

(۴) تبلیغ اسلام کا فرض ظلم کے ذریعہ بہتر طریقہ سے انجام دیا جا سکتا ہے۔

(۵) ہمیشہ شیعہ سنی جھگڑوں کو بے تعلقی سے نظر انداز کرو ورنہ وہ اسلام کے لئے باعث زوال ہونگے۔

(۶) اپنی رعایا کے مختلف عادات کو مختلف موسم سمجھو تاکہ ملک کا سیاسی جسم ہمیشہ بغاوت و فساد کے امراض سے مامون رہے۔ (یہ وصیت نامہ بھوپال کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہے اس وصیت نامہ کے قابل اعتبار ہونے میں بہت گفتگو ہے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس میں فارسی الفاظ کے ؎ کی غلطیاں بھی موجود ہیں۔) ایڈیٹر

آپ نے اس بابری وصیت نامہ کو دیکھا؟ مغلوں کو غیر اقوام کی ہمدردی و اعانت کا کس قدر خیال تھا سلطنت تیموریہ کا عروج ہندوستان میں اکبر اعظم کے زمانہ میں ہوا اور اس شہنشاہ کو ہندو رعایا کے ساتھ جو الفت و محبت تھی اس کی پوری داستان آپ کو عہد اکبری کی کتب تواریخ میں نظر آئیگی اکبر کا خاص مطمح نظر یہ تھا کہ راجپوتوں کو جس طرح ممکن ہو انتظام مملکت کے بڑے بڑے کاموں میں لگا دیا جائے چنانچہ اس کی بہترین تدبیر یہ کی کہ بڑے بڑے راجاؤں کے خاندانوں سے رشتۂ مصاہرت قائم کیا اس کے عہد میں ہندو مراسم مذہبی ادا کرنے میں بالکل آزاد تھے گورنمنٹ کی جانب سے اکثر صوبوں کی صوبہ داری خاص انہیں کے لئے مخصوص سمجھی جاتی تھی۔ مہاراجہ مان سنگھ (سپہ سالار اعظم) راجہ ٹوڈرمل (وزیر محکمہ مالگذاری) اور راجہ بھگوان داس کی جو عزت اکبر کی نگاہ میں تھی وہ قابل ابو الفضل و فیضی کی بھی نہ تھی اکبری دربار ہمیشہ فضلائے عصر اور باکمال اساتذۂ فن سے بھرا رہتا تھا ان مسلمان علماء کے مقابلہ میں نامور پنڈتوں کو بھی ویسا ہی اعزاز حاصل تھا گورنمنٹ کے انتظامی محکموں میں ہندوؤں کو کثرت کے ساتھ ہر قسم کے امتیازات حاصل تھے چنانچہ ذیل کی فہرست سے معلوم ہو سکیگا کہ مختلف مناصب پر ہو کر تعداد میں کس قدر تھے

منصب	تعداد	منصب	تعداد
ہفت ہزاری		پنج ہزاری	۴

منصب	تعداد	منصب	تعداد
ہشت ہزاری		چہار ہزاری	۴
سہ ہزاری	۱	دو ہزاری	۲
پانصدی	۴۰		

علاوہ بریں دو صدی سے لیکر چار صدی تک کے منصب پر بیشمار ہندو مقرر تھے۔

جہانگیر کے عہد میں ہندوؤں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل تھی اس نے اعلان کر دیا تھا کہ کوئی ہندو زبردستی مسلمان نہ بنایا جائے تخت پر بیٹھنے کے بعد جہانگیر نے جو کام کیا وہ زنجیر عدل کی تیاری تھی فریادی کے لئے ہر قوم و مذہب کے مظلوم آکر اسکو ہلاتے تھے اور بادشاہ خود انکا انصاف کرتا تھا۔ اس کے عہد میں بڑے بڑے مندر تعمیر ہوئے جنمیں گوبند دیو کا عالیشان مندر بھی ہے جو متھرا کے قریب نیدرابن کے سنسان جنگل میں آجتک کھڑا نظر آتا ہے جہانگیر کا دربار جہاں طالب آملی جیسے ملک الشعرا سے رونق افروز ہورہا تھا۔ وہاں تلسی داس جیسے بنارسی پنڈت ہمسر ہندو سنیاسی اور جگن ناتھ جیسے فرزند رونگار کا فیض بھی حاصل کرتا رہا عہد جہانگیری کے ہندو منصب داروں میں راجہ مان سنگھ موہن داس، رائے مان سنگھ اور راجہ کلیان مل وغیرہ کے نام بہت مشہور ہیں۔

شاہجہان کی بابت تقریباً تمام مورخوں کا خیال ہے کہ اس جیسا انتظام کرنیوالا سلطنت تیموریہ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ مورخ ٹیورنیر جیسا کہتے ہیں کہ شاہجہان اپنی رعایا پر شل بادشاہ کے حکومت نہیں کرتا بلکہ ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسا کہ باپ بیٹوں کے ساتھ کیا کرتا ہے اگرچہ اس کی حکومت میں کچھ سختی معلوم ہوتی ہے مگر عام طور سے رعایا کے جان و مال کی بڑی حفاظت کیجاتی ہے۔

شاہجہان کے عہد میں بڑے بڑے عہدے مخصوص کر دئے گئے تھے چنانچہ ذیل میں ہم ہندو عہدہ داروں کی ایک مکمل فہرست درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ملکی انتظامات پر وہ کسقدر قابض ہو چکے تھے۔

منصب	تعداد	منصب	تعداد	منصب	تعداد
ہفت ہزاری	۲	پنج ہزاری	۱۱	چہار ہزاری	۸
سہ و نیم ہزاری	۲	سہ ہزاری	۱۹	ڈھائی ہزاری	۳
دو ہزاری	۱۷	ڈیڑھ ہزاری	۲۱	یک ہزاری	۶۲

اس فہرست کو عہد اکبری کے فہرست سے مقابلہ کرنیکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہان کے عہد میں ہندو امراء کی تعداد اکبر کے زمانے سے چہار چند ہو گئی تھی۔ عالمگیر نے شاہجہان کی جگہ لی اور جس لیاقت کیساتھ ملک کا انتظام کیا وہ ارباب حل و عقد کی نگاہوں سے مخفی نہیں اس نے کبھی کسی ہندو کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا اور جو کچھ کیا اسلامی شریعت کے مطابق۔ علماء کے مذہبی جذبات کی پاسداری کو ملحوظ رکھا گیا اسکے دربار میں جہاں بڑے بڑے دینی اوصاف کے حامل نظر آتے تھے وہیں پنڈتوں کو بھی جگہ دیگئی تھی۔ چنانچہ منسن ناتھ ایک فاضل برہمن جسے خطاب ملک الشعرا سے نوازا تھا

---

[۱] تذکرہ عبدالحمید لاہوری دفتر دوم صفحہ ۷۰۹

انتظامی محکموں میں ہندو مسلمان دونوں ایک ساتھ کام کرتے تھے لیکن باوجود اس عدل و انصاف کے انکی ذات بعض حلقوں میں بہت بدنام خیال کیجاتی ہے لیکن ہمارے ہندو دوست حق و صداقت بیجا لحاظ نہ تھا راستبازی کی نظر سے اگر دیکھیں تو انہیں عالمگیر کے کارنامۂ حیات میں کوئی ایسا واقعہ نہ ملیگا جو انسانیت سوز اور اسلامی مساوات کے عظیم الشان اغراض و مقاصد کے خلاف ہو۔ کہا جاتا ہے کہ عالمگیر نے ہندوؤں پر جزیہ مقرر کیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر اس جرم کی مرتکب عالمگیر کی ذات ہو سکتی ہے تو شاہجہان اور جہانگیر بھی اس الزام سے بری نہیں ہو سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جزیہ مسلم حکومت میں غیر اقوام سے لئے جاتے جو فوجی خدمات سے باز رکھنا چاہتے ہوں اس واسطے جزیہ لیتے کیونکہ اس صورت میں مسلمان سلاطین پر ان کے جان و مال کی حفاظت فرض ہو جاتی ہے۔ پھر لطف یہ کہ جزیہ صرف انہیں ہندوؤں پر لگایا جاتا تھا جو تندرست صحیح المزاج اور غربت و افلاس کی دست برد سے بالکل محفوظ تھے لڑکے اور بوڑھے اس سے بری سمجھے جاتے تھے جزیہ کی شرح بہت ہی اور زیادہ سے زیادہ علاوہ عشر تک تھی پھر ہم نہیں سمجھے کہ ہندوؤں پر ان چند پیسوں کا بار کیونکر اسلام انہیں کیونکر تبدیل مذہب پر مجبور کر سکتا ہے۔ کیا کوئی دنیا میں ایسا بےغیرت انسان ہو گا جو محض چند دام کی ادائیگی کے خوف سے اپنے عزیز مذہب و ملت کو خیرباد کہہ دیگا پھر اگر اورنگ زیب نے احکام شریعت کے اتباع میں ہندوؤں پر مذہبی ٹیکس لگایا تو کیا بیجا کیا بت شکنی اور انہدام معابد کا واقعہ جو عالمگیر کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے اسکی اصلیت یہ ہے کہ ہندو ملک کے مختلف پاٹھ شالاؤں میں مسلمان بچوں کو اپنے کتب مذہبی کی تعلیم دے رہے تھے اس تعلیم سے مسلمان بچوں کے مذہبی خیالات بدلتے جا رہے تھے جن کو ترنت اور سب سے پہلا بہتر بند کیا عالمگیر نے انہیں ممانعت کر دی۔ بادشاہ کے فرمان کا ملک میں جاری ہونا تھا کہ ہندوؤں کے مختلف مقامات متنفر ہو گیا اور بنارس میں ایک فتنۂ محشر برپا ہو گیا متھرا میں اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے عبدالنبی خان مقرر کیا گیا مگر سرکش اور متمردوں کی فتنہ پردازیوں سے اسکی جان کے لالے پڑ گئے اس پر عالمگیر سرزنش کے طور پر متھرا گیا اور بنارس اور ریاست ودیپور کے چند مندروں کو منہدم کرا دیا اس موقع پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر اورنگ زیب کو اس فتنہ کا انسداد منظور تھا تو اسکے لئے اور تدبیریں کام میں لائی جا سکتی تھیں لیکن یہ معلوم ہے کہ جہانگیر کی نرم مزاجی اور شاہجہان کے وقت میں دارا شکوہ کی ہندو پرستی نے ہندوؤں کو نہایت بے باک و سرکش بنا دیا تھا اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ مسلمان عورتوں کے ساتھ شادی کرنے لگے تھے اور ان کی عبادت گاہوں کو توڑ کر ان کی جگہ بتخانہ تعمیر کرنے لگے تھے شاہجہان نے ان کو ان افعال ناشائستہ سے باز رکھنے کے لئے بہت کچھ تدبیریں کیں مگر کچھ کارگر نہ ہوئیں، ہندوؤں نے بغیر اجازت نئے بتخانے تعمیر کئے اس پر شاہجہان نے ان کو پست کرا دیا مگر پھر بھی وہ اپنے شاہزادہ عمل سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹے عالمگیر کو انہیں ہندوؤں سے واسطہ پڑا تھا لہذا اگر بادشاہ نے ان کی تنبیہ کیلئے انہدام معابد کی ایک ایسی سزا مقرر کی کہ جسکے بعد وہ اپنی گزشتہ بداعمالیوں کے نتائج دیکھ کر اس سے باز آئیں تو کیا بیجا کیا؟ پھر بھی بتخانے انہیں مقامات کے توڑے گئے جہاں بغاوت ہوئی تھی۔ عام بتخانوں کے ساتھ کبھی ایسا معاملہ نہ کیا گیا۔ اورنگ زیب پر یہی الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے ہندوؤں کو ملازمت سے برطرف کر دیا لیکن اصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں دربار عالمگیری کے اکثر محکموں میں کایستھ رہتے تھے خافی خان کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رشوت ستانی کا شیوہ اختیار[1]

[1] عالمگیر شبلی نعمانی

لیکھا تھا اسلئے مجبوراً عالمگیر کو بعض احکام نافذ کرنے پڑے لیکن پھر بھی مورخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا چنانچہ ہم ذیل میں ایک مختصری فہرست ان بڑے بڑے ہندو عہدہ داروں کی درج کرتے ہیں جو عالمگیر کے اس حکم کے نافذ کرنے کے بعد تک کے بڑے عہدوں پر سرفراز کئے گئے ہیں۔

منصب	نام	منصب	نام	منصب	نام
پنج ہزاری	راجہ جے سنگھ	۷ ہزاری	بہادر سنگھ	پنج ہزاری	اچلاجی
غیر معلوم	راجہ روپ سنگھ	۳½ ہزاری	اودے سنگھ	شش ہزاری	کانہوجی سرکیہ
ہزاری	کشن سنگھ	غیر معلوم	لوک چند	سہ ہزاری	بجیا
ہزاری	سروپ سنگھ	غیر معلوم	شیو سنگھ	ہفت ہزاری	راے کلیان سنگھ
دو ہزاری	اندر سنگھ	پنج ہزاری	راجہ مان سنگھ	غیر معلوم	راؤ انوپ سنگھ
۲½ ہزاری	راجہ دیبی سنگھ	سہ ہزاری	باسدیو سنگھ	غیر معلوم	ترسال بندیلہ
۲½ ہزاری	رام چند	پنج ہزاری	بھارکو بنجارہ	سہ ہزاری	درگاداس راٹھور
پنج ہزاری	سبھا پال	غیر معلوم	کشور داس	دو ہزاری	ارجوجی

اس فہرست کو دیکھکر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر ہندوؤں کو عالمگیر نے شاہی ملازمت سے الگ کر دیا تو پھر اسکے بعد انتظامی محکموں میں انکی کافی تعداد نظر آنے کے کیا معنی۔ ڈاکٹر آرنلڈ اپنی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ خطوط و فرمان عالمگیری کا ایک نادر مجموعہ جو ابھی طبع نہیں ہوا ہے مولوی عبدالسلام خانصاحب نے دکھلایا۔ اسمیں لکھا ہے کہ کسی مسلمان عرضی نویس نے ایک بار ایک آتش پرست پارسی کے بارہ میں عالمگیر کے پاس اس مضمون کا خط لکھا کہ اسکو معزول کرکے اسکے بجائے کسی مسلمان کا تقرر ہونا چاہیئے اور قرآن مجید کی اس آیت کریمہ یاایہاالذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء سے استدلال پیش کیا بادشاہ نے جواب میں لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاموں میں دخل نہ دینا چاہیئے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے میں اپنے قول کی تائید میں لکم دینکم ولی دین نقل کرتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ جو آیت عرضی نویس نے نقل کی ہے اگر وہی سلطنت کا دستور العمل بنایا جائے تو ہمکو اس مذہب وملت کے تمام راجاؤں اور ان کی رعیت کو غارت کر دینا چاہیئے تھا لیکن یہ کب ہو سکتا ہے لوگوں کے استعداد کے مطابق شاہی نوکریاں دیجائینگی۔ اس فرمان سے جو بالکل ظاہر ہے کہ عالمگیر کو غیر اقوام کے ساتھ مساوات و ہمدردی کا کسقدر خیال تھا کیا یا یہ انصاف و عدالت کا بہترین ثبوت نہیں۔ ہاں ملک میں شاید ہی کوئی مسلمانوں کی ایسی بعیب عبادت گاہ ہوگی جس پر عالمگیر نے جائداد وقف کی ہو لیکن ایسے بیشمار ہندوؤں کے نام آپکے سامنے گنائے جا سکتے ہیں جس پر اس نے کس قدر جائدادیں وقف کر دی تھیں۔ متھرا بنارس بنگال اور گیا کے مختلف مندروں میں احکام عالمگیر کے عطا کردہ شاہی فرامین موجود ہیں جو وقف جائداد اور مذہبی آزادی کے بارے عطا کئے گئے تھے۔ اب ہم آرنلڈ صاحب کی شہادت پر عالمگیر کے کارناموں کو چھوڑتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"عالمگیر عدالت کا سخت تھا ذلیل سے ذلیل آدمی کی فریاد اس طرح سنتا جسطرح ایک بڑے امیر کی۔ سب امراء اس سے خائف رہتے اپنے کاموں کو احتیاط سے کرتے اور جن کسی کا قرض ہوتا اسے ادا کرتے تھے۔"

اورنگ زیب کے جانشینوں کے عہد میں اگرچہ ملک کی حالت خراب تھی مگر پھر بھی گورنمنٹ کے کارخانوں میں ہندوؤں کی کثرت نظر آتی ہے۔ بہادر شاہ اول سے لیکر محمد شاہ کے عہد حکومت تک جو مشہور ہندو عہدہ دار گزرے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

چھبیلا رام داس۔ راجے دیال۔ راجہ بخت مل۔ دیا رام۔ شیو داس۔ کیشو رائے۔ راجہ گوجرمل اور راجہ ناگرمل۔ سلاطین مغلیہ کے طرز حکومت میں جب ضعف شروع ہوا تو ملک چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو گیا۔ بنگال بہار جونپور۔ گجرات۔ خاندیس۔ مالوہ اور کشمیر کے صوبہ دار خود مختار بن بیٹھے ان صوبوں میں مسلمانوں نے ایک مدت تک حکومت کی انہوں نے غیر اقوام کے ساتھ نہایت بہتر سلوک کیا شاہان بنگال نے ہندوؤں کی تعلیم میں کمال سرگرمی اور انتہائی انہماک کا ثبوت دیا۔

ہمارے ہندو دوستوں کا خیال ہے کہ ہندوستان میں اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے اور اس قوت کے اصل محرک شاہان وقت تھے جنہوں نے ہندوؤں پر تیغ آزمائی کرکے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ لیکن تاریخی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ملک گیری اور انتظامی امور سے اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ اس کی طرف توجہ مبذول کر سکتے۔ محمود غزنوی سے لیکر ہمایوں تک کا اکثر زمانہ لڑائیوں اور خانہ جنگیوں میں بسر ہو گیا اور اگرچہ ابن بطوطہ کے بیان سے بعض سلاطین کے عہد میں اسلام لانے کا واقعہ معلوم ہوتا ہے مگر وہ چنداں اہم نہیں۔ خاندان خلجیہ کے کسی فرد نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور انہوں نے مذہب میں جبر و اکراہ کو دخل دینا پسند کیا ورنہ اس کا کیا جواب ہے کہ دہلی اور آگرہ جو صدیوں تک اسلامی حکومت کی قوت و جبروت کے اصلی مرکز بنے رہے وہاں کی آبادی کا آج دسواں حصہ بھی مسلمان نہیں اور مشرقی بنگالہ جو ان مرکزی مقامات سے بہت دور ہے وہاں مسلمانوں کی کافی تعداد نظر آتی ہے۔ کیا سلاطین ہند کی تعصب پرستی اور ان کی تیغ زنی کی راہ میں دہلی اور آگرہ کی محدود سرزمین حائل ہو سکتی تھی واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب اسلام کے پھیلانے والے صرف ارباب طریقت تھے ہماری نگاہ کے سامنے ملک کی آبادی کا جو حصہ مسلمان نظر آرہا ہے وہ اکثر انہیں کی کوشش و عمل کا نتیجہ ہے۔ دعاۃ اسلام کی اس فہرست میں خواجہ فرید الدین شکر گنج، خواجہ غریب نواز اجمیری، سید محمد گیسو دراز دکنی، بو علی شاہ قلندر پانی پتی، شیخ اسمٰعیل بخاری، شیخ شرف الدین بہاری، شیخ نظام الدین دہلوی، امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی وغیرہ کے نام جلی قلم سے لکھے گئے ہیں جواہر فریدیہ کا مصنف لکھتا ہے کہ شیخ فرید الدین کا بیان ہے کہ انہوں نے مغربی پنجاب کی سولہ قوموں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا۔

نفس موضوع کے متعلق ابتک جو کچھ لکھا گیا وہ مختلف حیثیتوں سے تھا اور شاہان اسلام کے ذاتی طرز عمل اور غیر اقوام کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات کا ایک سرسری تذکرہ تھا آگے ہم مجموعی حیثیت سے مسلمانوں کی ہفت صد سالہ حکومت کے زمانہ میں اسلامی تمدن و معاشرت اور علوم و فنون کا جو گہرا اثر ہندوستان کی آبادی پر پڑا ہے اس پر مفصل گفتگو کرکے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ ہندوؤں کو اسلامی تمدن و تہذیب سے کیا کیا فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں۔

ذاتی امتیاز کا فقدان | انسانی ترقی کی راہ میں ذاتی تفریق سے بڑھکر کوئی شے خطرناک نہیں اس سے انسان کے فطری اخلاق

گڑھ جاتے تھیں اور قومیت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ ہندوؤں میں خود غرضی اور تلون مزاجی کی بنا پر خیالات کا بڑا خیال تھا انہوں نے برہمن چھتری ویش و شودر وغیرہ کی خاص خاص جماعتیں مقرر کر رکھی تھیں اور ہر ایک فرقہ کے ذمہ ایک مستقل کام متعین تھا مثلاً برہمن وید، مہا بھارت، رامائن وغیرہ مذہبی کتابوں کی تعلیم حاصل کرتے اور مندروں میں بیٹھکر بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ چھتری میدان جنگ میں نبرد آزمائی کا جوہر دکھلاتے اور شودر برہمنوں کی خدمت یا اس سے زیادہ اور کوئی ذلیل کام کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اگر کوئی شودر قومی خدمات یا ملکی ترقی کی راہ میں اپنی کوشش و عمل کا ہدیہ پیش کرنا چاہتا تو اسکو مطلق اجازت نہ تھی مذہبی تعلیم کا حاصل کرنا تو در کنار جنترک صحیفوں کو ہاتھ لگانا بھی ان کے لئے سوء ادب اور حرام خیال کیا جاتا تھا۔ یہی وجوہ تھے کہ ہندو اپنی مدت ہائے دراز کی حکومت میں کچھ زیادہ ترقی نہ کر سکے۔ لیکن اسلام کا سرزمین ہند پر قدم رکھنا تھا کہ اس نے اس قسم کی ذاتی تفریق اور ظاہری امتیاز کے حجاب کو بالکل اٹھا دیا چنانچہ ذلیل طبقہ کے اشخاص جو دینیات اور دیگر علوم کی کتابوں کے پڑھنے سے ہندو عہد میں سختی کے ساتھ روکدیے گئے تھے وہ اب نہایت آزادی کے ساتھ تعلیم حاصل کر کے مذہبی علوم و معارف سے آشنا ہو گئے چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ سلاطین ہند کے عام درباروں اور ان کے انتظامی محکموں میں ایک معمولی ہندو کو بھی وہی رتبہ و اعزاز حاصل تھا جو بڑے سے بڑے شریف النسل برہمن اور چھتری کو میسر تھا اکبر کے دربار میں جہاں راجہ مان سنگھ و ٹوڈرمل کو فخر تقرب حاصل تھا وہاں تانبش داس نامی ایک بھاٹ نے بھی وہی عزت پائی تھی۔

کیا اسلام کی یہ مساوات غیر اقوام کے لئے باعث رحمت نہ تھی؟

مسلمانوں کی طرز حکومت میں جو چیزیں ہندوؤں کے طریقۂ حکمرانی سے ممتاز نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں:—

ہندو راجاؤں کے عہد میں راجہ چند برہمنوں کی مدد سے حکومت کرتا تھا عمال اور عہدہ داروں کا باقاعدہ تقرر نہ ہوتا تھا اس وجہ سے ملک میں ابتری اور بدترتیبی پھیلی ہوئی تھی مظلوم و فریاد خواہوں کی داد رسی قطعاً ممکن نہ تھی۔ مسلمانوں نے اس ملک میں قدم رکھتے ہی ہر جگہ کی نگرانی اور حفاظت کے لئے باقاعدہ افسر یعنی منشی - وزیر - امیر الامرا - قاضی وغیرہ کا تقرر کر کے سیاست کا جزو اعظم سمجھا چنانچہ وہ بدنظمیاں جو ہندو ملک کی بدترتیبی کی وجہ سے ملک میں عام پھیلی ہوئی تھیں وہ چشم زدن میں معدوم سی ہو گئیں اور عدل و انصاف حسن معاملگی اور خوش نوعی کا عام شہرہ ہوا۔

اسلامی عہد میں خبر رسانی کا انتظام | کسی ملک پر حکومت کرنیکے لئے ضروری ہے کہ عمال کے خیالات اور ان کی مختلف حالتوں سے حکومت ہمیشہ باخبر رہے تاکہ ان کی غلط فہمیوں اور ان کے عمل فاسد کا وقت پر ازالہ کیا جا سکے اسکے لئے لازم ہے کہ ملک کے ہر گوشہ میں سلسلۂ پیام رسانی اور آمد و رفت کا باقاعدہ انتظام کیا جائے۔ ہندوؤں کے عہد میں اسکا کچھ خاص انتظام نہ تھا یونہی بیتاعدگی کے ساتھ شاہی ہرکارے ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں کبھی کبھی پیغام پہونچا کر اپنا حق ادا کر دیا کرتے تھے چنانچہ سڑکیں موجود نہ تھیں اسکی وجہ سے خوفناک بھیانک جنگلات کے گرم میں نہایت مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا مسلمان جب آئے تو انہوں نے پختہ سڑکیں نکالیں جا بجا ان کے کنارے مسافروں کے عیش و آرام کیلئے سرائیں اور کنوئیں بنوائے اس کام کی ابتدا شیر شاہ سوری کے وقت میں ہوئی چنانچہ اس نے بنگالہ سے سندھ اور آگرہ سے منڈو تک پختہ سڑکیں بنوائیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے قیام کے لئے

سرائیں تعمیر کرائیں اور انواع و اقسام کے میوہ دار درخت سڑکوں کے دونوں جانب لگوائے چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے:-

شیر شاہ آثار پسندیدہ بسیار گذاشت چنانچہ از بنگالہ و سنار گانو تا آب سند کہ بآب نیلاب اشتہار دارد یکہزار و پانصد کروہ است و در ہر یک کروہ سرائی ساختہ چاہ و مسجد از خشت پختہ در ہیچ پرداختہ موذن و مقری و امامی مقرر نمودہ آنہارا وظیفہ معین کرد و در ہر سرا یک دروازہ طعام پختہ و خام برائے مسلمان و دروازہ دیگر برائے ہندوان مقرر نمودہ کہ دائم برسانند تا مسافران عسرت نکشیدہ باشند و در ہر سرا دو اسپ بنام کہ بزبان ہندی ڈاک چوکی گویند نگاہ داشتہ کہ ہر روز خبر نیلاب و واقعات بنگالہ بادمی رسید و در این راہ از ہر دو جانب خیابان از درختان میوہ دار از قسم کھرنی و جامون وغیرہ نہال نشانیدہ بود کہ خلائق در سایہاش آمد و شد میکردند و ہمین طریق از آگرہ تا مندو کہ سی صد کروہ است درخت میوہ دار برپا کردہ بود و سرا و مسجد ساختہ و در عہدش عافیت بمرتبہ بود کہ متردّدین در صحرا و بیابان ہر جا میرسیدند از کالای خود اندیشہ نکردہ بفراغت می غنودند گویند اگر زالی یا سبدی پر از طلا در صحرا شبہا خواب کردی حاجت پاسبان اصلا نبودی۔ ؏۱

شیر شاہ نے بہت سے آثار چھوڑے ہیں چنانچہ بنگالہ و سنار گاؤں سے لیکر دریائے سندھ تک جو کہ آب نیلاب کے نام سے مشہور ہے اور فاصلہ پندرہ سو کروہ ہے پختہ سڑکیں تعمیر کرائیں ہر ایک کروہ میں سرائے بنائی کنوئیں اور پختہ مسجد بنوائی مؤذن اور امام مقرر کیا اور ان کا وظیفہ مقرر کیا اور ہر ایک سرائے میں ہندو مسلمانوں کے لئے پختہ اور خام ہر قسم کا کھانا مہیا کیا گیا تاکہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو اور ہر سرائے میں ایک ڈاک چوکی ہوتی تھی جس کے ذریعہ سے بنگالہ اور دریائے سندھ کی خبریں منگائی جاتی تھیں اور سڑکوں کے ہر دو جانب میوہ دار درخت مثلاً کھرنی جامون وغیرہ لگائے گئے تھے تاکہ مسافر ان کے سایہ میں ہو کر آرام سے سفر کریں اسی طرح آگرہ سے لیکر مندو تک جس کا فاصلہ تین سو کروہ (۳۰۰۰) کروہ ہے پختہ سڑک بنوائی اور اس پر میوہ دار درخت لگوائے مسجد و سرائیں تعمیر کیں۔ شیر شاہ کے ایام حکومت میں امن و امان کا یہ حال تھا کہ لوگ بلا خوف و خطر چٹیل میدانوں اور جنگلوں میں گھومتے رہتے تھے اور بے پرواہ ہو کر زمین پر جہاں چاہتے تھے لیٹ جاتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی بڑھی عورت جو سونے سے لدی ہوئی ہو صحرا میں جا کر سو جاتی تھی تو اسے اپنے مال کی حفاظت کیلئے کسی پاسبان کی ہرگز ضرورت نہ ہوتی تھی۔

شیر شاہ کے وقت میں اس قسم کی سڑکوں پر تیرہ سو سرائیں تعمیر کی گئی تھیں اور تقریباً ۳۴۰۰ گھوڑوں کا انتظام کیا گیا تھا جن میں سے ہر سرائے میں دو گھوڑے ڈاک لیجانے کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ مشہور عربی سیاح ابن بطوطہ نے اسلامی ڈاک کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اسکا بیان ہے "ہندوستان میں قاصد دو قسم کے ہوتے ہیں' پیادہ۔ سوار' موخر الذکر کو عموماً "اولاق" کہتے ہیں سوار چار میل پر قیام کرتے ہیں اور پیادہ کو ہر میل پر ٹھہرنا ہوتا ہے۔ شیر شاہ کے علاوہ مغلیہ سلاطین نے خبر رسانی کا کچھ اعلیٰ اور عمدہ انتظام کیا تھا کہ ان کے ہرکاروں کو دیکھ کر سولہویں صدی کے ایک فرانسیسی سیاح کو کہنا پڑا ہے کہ عہد مغلیہ میں ہندوستان کے راستے انگلی فرانس کے راستوں سے کہیں بہتر تھے جہانگیر کے وقت میں اس قسم کی بیشمار سڑکیں تیار کی گئی تھیں۔ اکبر نے اپنے وقت میں اول اول اونٹ کی ڈاک جاری کی تھی۔ نامہ بر کبوتر کا بھی اچھا خاصا انتظام کیا گیا تھا چنانچہ ایک یورپین سیاح کا بیان ہے:-

؏۱ تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ نولکشور۔

"شہروں کی حکومت میں ڈاک بہت جلد جاتی ہے کیونکہ ان تمام کاروانیوں میں جو کہ ہر بڑی سڑک پر دو تین میل کے فاصلہ پر بنے ہوئے ہیں بہت تیز رفتار آدمی مقرر ہیں" عا

فن تعمیر ۔ تمدن کے سینکڑوں اجزاء میں سے فن تعمیر نقاشی اور صناعی کا بھی خاص طور پر نام لیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ سے قوموں کی ہنرمندی یا فطری استعداد کا امتحان ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے قوموں کے فنا ہو جانے کے بعد ان کی گزشتہ تہذیب و شائستگی کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ بابل و نینوا کے کھنڈر آج بھی زبان حال سے اپنے گزشتہ تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ ہندوؤں کے فن تعمیر اور نقاشی کی بھی بہت کچھ تعریف و مدح سرائی کی جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوؤں کے مذہبی مقامات بنارس پریاگ متھرا اور اودھ پور کے سنگی مکانات مندروں اور اورنگ آباد کے قریب غار اجنتا اور ایلورا کی سنگی عمارتوں اور ان کے دیواروں کی جیتی جاگتی تصویروں کو دیکھ کر آج بھی انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ لیکن واقعہ اور انصاف یہ ہے کہ ان کے مکانات کی عمارتیں بہت تنگ و تاریک واقع ہوئی ہیں کہ رہنے والوں کے حق میں کنج قفس سے کسی طرح کم نہیں کشادگی صفائی کا نام تک نہیں ہوتا اور غربا یا امراء کی عمارت سے یکساں معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ اسلامی تمدن نے فن تعمیر کی حیثیت سے ہندوستان پر احسان عظیم کیا۔ بغداد، مصر و اندلس کے شہروں پر قاہرہ میں مسجد قرطبہ اور غرناطہ میں قصر الحمراء کی بنیاد ڈال کر عربوں نے ایک عالم کو محو حیرت کر دیا لیکن پھر بھی شاہان مغلیہ کے ابتدائی دور جہانگیر و شاہجہان کے زمانہ میں لاہور۔ دہلی۔ آگرہ اور فتح پور سیکری میں جو بے نظیر و عالیشان عمارتیں تعمیر ہوئیں، وہ اپنی عام صفائی کشادگی لطافت اور خوشنمائی کی وجہ سے ہندوؤں کی تمام سنگین، تنگ و تاریک اور بے ڈھنگی عمارتوں سے کہیں بڑھ کر دلفریب اور عمدہ ہیں۔ دہلی کا شاہی قصر موتی مسجد اور آگرہ کا تاج محل اور دہلی کی جامع مسجد یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اسلامی تمدن جس قدر ناز کرے بجا ہے۔ ایک انگریز سیاح کا مقولہ ہے کہ صرف تاج محل آگرہ کی سیر کے لئے یورپ سے ہندوستان کا سفر کرنا جائز ہے۔ غرضکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں شاہان مغلیہ کے آثار اور ان کے عالیشان کھنڈر اسلامی تمدن کا ثبوت دے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں ترک بادشاہوں کو بھی اس قسم کا بیحد شوق تھا چنانچہ علاؤ الدین نے دہلی میں اپنے نام سے ایک دروازہ تعمیر کرایا جسکو دیکھنے کیلئے آج بھی بہت سے یورپین سیاح دور دراز سے آتے رہتے ہیں چنانچہ ایک فرانسیسی محقق کی رائے ہے:-

"آج عربوں کی یادگاروں میں اس عمارت سے بڑھ کر کوئی عمارت نہیں اور باستثنائے چند دروازوں کے جو قصر الحمراء (اندلس) کے اندر واقع ہوئے ہیں میں نے کوئی چیز اس کے مقابل کی نہیں دیکھی" ع۲

ہندوؤں نے اسلامی طرز تعمیر سے بہت کچھ استفادہ کیا، گوالیار۔ مہوبہ۔ کھجوراہو۔ متھرا۔ نیپال اور دکن کی بعض ہندو عمارتوں میں اسلامی طرز بہت غالب ہے مورخ لیبان کا قول ہے کہ اسلامی اثر ہند میں ہر جگہ نمایاں ہے حتیٰ کہ نیپال کی بعض عمارتوں

عا سفرنامہ سر [illegible] صفحہ ۱

ع۲ تمدن ہند صفحہ ۳۴۶ ڈاکٹر لیبان۔

میں بھی جہاں فاتحین اسلام کبھی نہیں پہونچے یہی اثر ہے دکن کی بھی یہی حالت ہے لہٰذا انکے نہر و قصر کو اگر آپ بنظر اول دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ عمارت کسی مسلمان کی صنعت کاریوں کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے ۔

فن نقاشی میں ہندوستان سلاطین مغلیہ کا بہت بڑا احسان مند ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ ابتداً اور اطلاقاً قدیم ہندوستان کی ہندو صنعت گری کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں مگر ان مشہور صناعوں اور نقاشوں کی اولادیں ہمت افزائی اور قدردانوں کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے تقریباً اپنے آبائی پیشہ کو فراموش کر چکی تھیں ۔ اکبر اعظم کو چونکہ نقاشی اور سنگتراشی سے بڑا شوق تھا لہٰذا انہیں بلا کر ان کی ہمت افزائی کی اور انہیں پھر ایک مرتبہ اپنی ذاتی لیاقت اور جوہر کو چمکانے کا موقع ملا

جہانگیری کے مشہور مصوروں میں سے نادر العصر منصور - رام اور ... نے اکبر کے ماتحت تربیت پائی بلکہ بہت کچھ شہرت حاصل کی خصوصاً موخر الذکر اپنے فن کا اسقدر ماہر نکلا کہ مغلوں کے زمانہ میں ہندوستان کی خاک اسکی نظیر پیدا نہ کر سکی - اسی طرح بشن داس دربار جہانگیری کا ایک نامور مصور گزرا ہے جس نے اپنی لیاقت و دانائی کے سیکڑوں آثار دنیا میں چھوڑ رکھے ہیں ۔

پیمائش زمین | ہندوؤں کے عہد میں مالگزاری کے جمع کرنیکا صرف یہ ایک طریقہ تھا کہ پیداوار کا ایک خاص حصہ حکومت کو ملتا تھا ۔ پیمائش زمین کے لحاظ سے جمع کرنیکا طریقہ انہیں معلوم نہ تھا اکبر نے ملک کی باقاعدہ پیمائش کرائی قابل زراعت اور ناقابل زراعت زمین کی تفریق کی اور اسکے لحاظ سے محصول مقرر کیا ۔ بندوبست اور پیمائش کا سارا کام ایک ہندو ٹوڈرمل وزیر مالگزاری کے ہاتھوں انجام کو پہونچا ۔ ہمارے بعض ناولسٹوں نے اسکا مفہوم غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ بندوبست اراضی کا یہ کام محض ہندو وزیر کی جدت پسندی و اختراع کا ایک کرشمہ تھا مسلمانوں سے اسکا کچھ تعلق نہیں ۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسمیں ٹوڈرمل سے کہیں زیادہ اکبر اعظم کی سرپرستی کا ہاتھ کام کر رہا تھا ۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندوؤں کی علمی قابلیت اور انکا جدت پسند دماغ عقلائے فرنگ کے دماغ سے کسی طرح کم نہیں تھا لیکن انہیں عملی قوت کی بہت کمی تھی وہ کسی علمی نظریہ کو قائم کر سکتے تھے مگر اسکو عملی صورت میں کر دکھانا ان کا کام نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ وہ ایجادات و اختراعات کے میدان میں بہ نسبت دوسری قوموں کے بہت پیچھے رہ گئے چنانچہ ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے :-

"ہنود کی دماغی قوتیں کسی طرح یورپین اقوام کی دماغی قوتوں سے کم نہیں لیکن انہیں عملی قوت کی سخت کمی ہے - اور یہی انہیں ہمیشہ اقوام مغربی کا محکوم رکھیگی میں ہمیشہ کا لفظ استعمال کرتا ہوں کیونکہ جو شخص ہندوستان تاریخ عالم کا مطالعہ کریگا اور ترقی اور تنزل کے نتائج پر نظر ڈالیگا اسیقدر یہ ثابت ہوگا کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں عملی استقلال اور عملی قوت کو بہت زیادہ دخل ہے"[۱]

اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ عملی اسپرٹ کے معدوم ہو جانیکی وجہ سے ہنود اپنے تخیلات اور دلی ارادوں کو عملی صورت میں جلوہ گر کرکے دنیا کے سامنے پیش کرنے سے کسطرح عاجز و قاصر تھے ۔ اسلامی عہد میں علمی افزائی تمدنی اور پولیٹکل حیثیت سے جن ہندوؤں نے عملی دنیا میں پہنچ قابل قدر خدمات اور دماغ سوزی کی قوم سے داد لی، درحقیقت انہیں خود ان کی کوششوں اور جہانی قوت سے تعبیر کرنا چاہیئے

۱ تمدن ہند ڈاکٹر لیبان صفحہ ۱۴۹ - ..

بلکہ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ مسلمان سلاطین کی سرپرستی اور ذکی قدردانی کے نتائج ہیں جنہوں نے ان کے ساکت دماغوں اور شل قوت کو حرکت میں لانے کے لئے اپنی بیدار کوششوں سے کبھی دریغ نہ کیا اور ان کی از کار رفتہ عملی طاقت میں از سر نو زندگانی کی روح پھونک دی۔ چنانچہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ بعض صناع کے شاعروں کی داد دینا اپنے آبائی ہنر کو بھول چکے تھے مگر اکبر اعظم کی ہمت افزائی نے انہیں اپنے قدیمی پیشہ کو یاد دلا دیا۔ کیا مسلمانوں کی یہ کوشش غیر اقوام کے حق میں نفع بخش کہی جا سکتی ہے؟

پیداوار زمین ہندوستان چونکہ قدرتاً ایک سر سبز و شاداب ملک ہے اس لئے ہندوؤں کے عہد میں بھی یہاں بکثرت آم جامن اور دیگر اقسام کے پھل پھول پائے جاتے تھے مگر ان کی سادہ پسند طبیعت چونکہ خوشنمائی اور دلفریبی کی خوگر نہ تھی اس لئے پھلوں اور باغوں کی نفاست کا انہیں کچھ احساس نہ تھا۔ بابر اپنے تزک میں لکھتا ہے:

"ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں، اچھا گوشت نہیں، انگور نہیں، خربوزے نہیں، برف نہیں .... باغوں اور عمارتوں میں آب رواں بھی نہیں .... مرد لنگوٹی اور عورتیں لنگی باندھتی ہیں۔[1]

بابر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ مغل ہندوستان میں آئے تھے باوجود اسکے کہ ہندو خلجی، تغلق اور سوری خاندان کی حکومت اور ان کے تمدن سے مستفید ہو چکے تھے مگر پھر بھی قدیمی وحشت و جہالت کی باتیں کچھ اسقدر ہوا گئی ہوئی تھی کہ مہذبانہ طرز معاشرت سیر و تفریح کے سامان اور اصول کاشت سے وہ قطعاً بیگانہ و ناآشنا تھے لیکن سلاطین مغلیہ کا تخت دہلی پر جلوہ افروز ہونا تھا کہ انواع و اقسام کے ولایتی میوؤں، درختوں اور پھولوں سے انہوں نے ہندوستان کو ایک چمن زار بنا دیا۔ جہانگیر، اکبر اور شاہجہان کے عہد میں خود دہلی اور آگرہ کی سرزمین میں سیکڑوں ایسے خوشنما باغ لگائے گئے تھے جو اپنی دلفریبی اور وضعداری میں یورپ کے باغوں سے کسی طرح کم نہ تھے باغوں میں فوارہ، تختہ بندی، جدول اور خیابان کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ایران اور خراسان کے قسم قسم کے پھول شفتالو نرگس و سوسن بنفشہ و یاسمن ریحان خطمی وغیرہ باغوں میں لگائے گئے۔ انگور و [illegible] انناس وغیرہ صندل سرو صنوبر چنار و بید مولہ جو ہندوستان کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے ہونگے وہ کثرت سے شاہی باغوں میں دیکھے جاتے تھے۔ جہانگیر نے آگرہ میں ایک باغ لگوایا جسکا نام گل افشان رکھا تھا وہ ہندوستان کے دیگر شاہی باغوں سے بدرجہا بہتر اور اپنی امتیازی خصوصیت کے لحاظ سے کہیں زیادہ دلفریب و خوشنما تھا اسکے علاوہ شاہی بیگمات کی نزاکت پسندی نے سلاطین ہند کو اس قسم کے تفریحی سامان کے مہیا کرنے پر اور مجبور کر دیا یہی وجہ تھی کہ جہانگیر اور شاہجہان کو نورجہان اور ممتاز محل کی بدولت سیکڑوں عمدہ باغات اور عالیشان عمارتوں کا سامان کرنا پڑا بلکہ نورجہان کی جدت و اختراع پسند طبیعت نے عطر گلاب ایجاد کیا۔ جہانگیر کو بھی اپنے بیٹے کی طرح زیبائش اور ہر چیز میں وضعداری و نفاست کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ [illegible] سنہ جلوس میں اس نے شاہجہان کو لکھا کہ کشمیر میں ایک شاہی باغ تعمیر کرایا جائے چنانچہ نہایت تزک و احتشام کیساتھ باغ شالامار کے نام سے لگایا گیا مگر چند دنوں بعد قدیم نام ہو کر "فرح بخش" [illegible] شعراء نے اسکی دلفریبی و دلکشی ظاہر کر دیکھلا اسکی بہت کچھ مدح کی ہے چنانچہ اسوقت کے مشہور شاعروں میں سے مرزا [illegible] نے اسکی تعریف

[1] تزک بابری بحوالہ مقالات شبلی نعمانی۔

میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

بباغ دولت و رخ یار داده است فراغم   که سنبل سیهش کم ز شاخسار نباشد

مغلوں کے علاوہ تغلق اور خلجی بادشاہوں کو بھی اس قسم کا شوق تھا چنانچہ محمد تغلق نے دہلی کے قریب ۱۲۰۰ سو کے قریب ۸۰ اور چتوڑ کے قریب گرد و نواح میں ۹۴ باغ لگوائے ان باغوں میں چند انگور، سپاری اور کابلی انار اور رنگ برنگ کے خوشبودار پھول لگے ہوئے تھے غرضیکہ اس قسم کے تفریح گاہ سامان کی بہم رسانی اور اراضی پیداوار کو ترقی دینے میں شاہان اسلام نے بہت کچھ کوششیں کیں اور خصوصاً بیرونی دنیا سے نئے قسم کے پھلوں اور دلفریب سدا بہار پھولوں کو منگا کر ہندوستان میں ان کی کثرت سے کاشت کرائی جو ہندوؤں کے عہد میں بالکل ناپید تھیں۔

ترقی حیوانات | متمدن اقوام کا دستور ہے کہ وہ دنیا کے بہترین حیوانات کی نسل کو اپنے ملک میں ترقی دیتے ہیں اور عجائب خانہ کھولتے ہیں یورپین اور مسلمان سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے پیشتر ہندوستان میں اچھی نسل کے گھوڑے اور اونٹوں کی جو حالت تھی مغل جب آئے تو انہوں نے ان کے لئے ایک خاص محکمہ تیار کیا۔ ترکستان۔ عرب۔ عراق اور روم کے عجیب الخلقت گھوڑے کثرت کے ساتھ ہندوستان میں لائے گئے ان کی پرورش کا خاص انتظام کیا گیا چنانچہ قلیل مدت میں اچھا تازی گھوڑا تیار ہوا اور جودھ پور میں ان کی نسلیں کثرت کے ساتھ تھیں ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ایک ایک آدمی کے پاس دس دس ہزار اونٹ تھے۔ شاہان تیموریہ میں جانوروں کا اکبر کو جو شوق تھا وہ کسی کو نہ تھا اردو کے مشہور انشاپرداز محمد حسین آزاد نے اکبر کی سواری کا حال اپنے مخصوص طرز میں یوں دکھلایا ہے۔

" اب دولہا کے سامنے سے عروس دولت کی برات گزرتی ہے۔ نشان کے آگے ہاتھی اس کے بعد اور ہاتھیوں کی قطار پھر ماہی مراتب اور نشانوں کے ہاتھی جنگی ہاتھیوں پر فولادی پاکھریں پیشانیوں پر ڈھالیں بعض کی مستکوں پر دیوزادوں کے نقش و نگار بعضوں کے چہرے پر گینڈے ارنے بھینسوں اور شیروں کی کھالیں کھوپڑیوں سمیت چڑھی ہوئی۔ ہیبت ناک صورت ڈراونی صورت سونڈوں میں گرز، برچھیاں، تلواریں لئے۔ سانڈنیوں کا سلسلہ جن کے سر سے کوس کے دم گردن کھینچی۔ سینے تنے بیٹھے لٹکا کر جو۔ پھر گھوڑوں کی قطاریں عربی ایرانی۔ ترکی۔ ہندوستانی آراستہ پیراستہ ساز و یراق میں غرق۔ چالاکی میں برق اچھلتے کودتے کھیلتے کودتے شوخیاں کرتے چلے جاتے تھے[1]

جانوروں اور سواریوں کے لئے ایک متمدن قوم کے نزدیک جس قسم کے سامان کی حاجت ہوا کرتی ہے مغلوں نے بھی اس کی ضرورت محسوس کی اور اصطبل فیل خانہ اور عجائب خانہ کا انتظام کیا اسی طرح جانوروں کی زیبائش کے لئے سنہری زین اور مرصع فولادی پاکھر، جھول اور گرز وغیرہ کا ان کے یہاں ہر وقت کافی ذخیرہ موجود رہتا تھا۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہان مغلیہ ترقی حیوانات کے کس قدر شائق تھے جہانگیر نے اسکے لئے ایک حدیقۂ حیوانات تیار کرایا تھا اس میں دنیا کے عجیب الخلقت جانور لاکر رکھے گئے تھے اسکے چڑیا خانہ میں ایک مرتبہ ایک عجیب و غریب پرندہ لاکر رکھا گیا جس کی کیفیت وہ اپنے ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

" یکے از خصوصیات ایں جانور آں است کہ تمام شب پائے خود را بر شاخ درختے یا چوبی کہ اورا برآں نشستہ باشد بند کردہ خود را

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۱۹۳ اور ۱۹۴

بیان کرتا ہے حیوانات بما ہماست" سلہ
سوسب کی سادہ و باشعور ہنرمی کہ آب علق تمنی خورد و طبیعت او کار رہ روی کند۔
اور وہ کے آخری تاجدار جہانگیر کو بھی اسکا بڑا شوق تھا چنانچہ اودھ میں انہوں نے انکے لئے خاص اہتمام کیا اور اپنے عجائب خانہ کو
حتی الامکان کامیاب بنانے کے لئے کوشش کی۔ غرض کہ مسلمانوں نے باربرداری اور سواری کے اعلیٰ ترین حیوانات اور جو خوش الحان پرندوں کو
جو قدیم ہندوستان میں بالکل مفقود الخبر تھے بڑی تعداد اور احتیاط کے ساتھ غیر ملکوں سے منگا کر کثرت سے انکی نسلیں پھیلائیں اور چند لوگوں بعد
انہوں نے ہندوستان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اس معاملہ میں کسی غیر ملک کا محتاج دست نگر رہ گیا۔

اسلامی عہد میں سکوں کا رواج

کسی ملک میں مختلف قسم کے سکوں کا رواج وہاں کی تمدنی اور اقتصادی حالت کی بہترین دلیل ہے۔ ہندوؤں کے عہد میں صرف چند سکوں کا رواج تھا صدیوں کے بعد شاید ہی کبھی کوئی راجہ اپنا مخصوص سکہ ایجاد کرتا تھا لیکن مسلمانوں میں ہر بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ خطبہ جمعہ میں اسکا نام پڑھا جائے اور اسکے نام کا سکہ جاری کیا جائے اس طرح سے مسلمانوں کی ہفت صد سالہ حکومت کے دور میں سیکڑوں قسم کے سکے جاری ہوئے۔ مسٹر ایڈورڈ ٹامس نے اپنی لاجواب کتاب میں اسلامی سکوں کو تول کر انکا وزن گرین میں لکھا ہے چنانچہ مختصراً ہم اسکی ایک فہرست پیش کرتے ہیں

قطب الدین ایبک کے عہد میں سونے کے سکوں کا وزن ۹۶، ۶۱، ۳۲ گرین چاندی کے سکے ۹۸، ۴۳، ۷، ۱۳۳، ۲۶، ۱۰۸ گرین
تانبے کے مخلوط سکے ۴۹، ۴۸ و ۵۵ گرین۔
آرام شاہ کے عہد میں تانبے کے سکے کا وزن ۴۵ گرین۔
شمس الدین التمش۔ سونے کا سکہ ۷۰ و ۷۰ گرین۔ چاندی کا سکہ ۴۵ و ۱۴۹ و ۱۵۱ و ۵ و ۱۶۵ گرین تانبے کا سکہ ۴۵ و ۴۴ و ۲۸ و ۴۰ گرین مخلوط سکہ ۴۸ گرین۔
سلطان رضیہ بیگم۔ چاندی کے سکے ۱۶۵ و ۱۶۷ و ۷۴ و ۴۹ گرین۔
غیاث الدین بلبن سونے کا سکہ ۱۶۳ چاندی کا سکہ ۱۶۷، تانبے کا سکہ ۳۴½ و ۶۷ مخلوط ۴۶ گرین۔
ہمایوں۔ سونے کا سکہ ۱۰۹ و ۱۳ گرین چاندی کا سکہ ۱۷۰ گرین۔
شیر شاہ۔ سونے کا سکہ ۱۶۵ و ۱۶۵ گرین چاندی ۱۷۶ گرین تانبا ۳۲۹ گرین۔

ان اقتباسات سے آپ سمجھ گئے ہونگے کہ اسلامی ہند میں اقتصادی ترقی اور تجارت کی گرم بازاری نے کس درجہ اپنا سکہ قائم کر رکھا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ صنعتی و حرفتی کاروبار نے کہاں تک رواج پایا تھا۔

اسلامی صنعت

قدیم ہندوستان میں ہندوؤں نے اپنے لباس و پوشاک کا ایک حد تک کافی انتظام کر لیا تھا باریک و منقش کپڑوں کے بننے پر وہ بہت کچھ قادر ہو چکے تھے چنانچہ ڈھاکہ اور بنارس کی گنڈی کا ڈھاکہ ململ پر انہیں بڑا ناز تھا۔ مگر چونکہ سادہ پسندی کی طرف انکا فطری میلان زیادہ تھا اس لئے بجز ان چیزوں کے اور کچھ بنانا جانتے تھے خوشنما لباس کو اب تک زینت تن کرنا تو درکنار ان کے نام تک سے واقف نہ تھے مسلمان

سلہ تزک جہانگیری، صفحہ ۱۳۳۔ سلہ

فاتحین نے ہندوستان میں اکثر ایرانی صنعت کاریگری کا دروازہ کھول دیا اور کثرت سے ساٹن ایرانی کپڑے بننے جانے لگے۔ صرف اکبر کے وقت میں احمد آباد (گجرات) واحد میں ہزار سے زیادہ کارخانے جاری کئے گئے۔ کاشمیری شال کو اکبر نے بہت ترقی دیا اور اسمیں خاص جدت پیدا کی سلہ پہلے ہم بیان کرچکے ہیں کہ بابر نے ہندوستان کی سوسائٹی ان کی طرز معاشرت لباس اور غذا کی اپنے سفرنامہ میں سخت ہجو کی ہے اور کہا ہے کہ مرد اس زمانہ میں لنگوٹی اور عورتیں لنگی باندھتی تھیں لیکن آج ہندوؤں کے لباس اور پوشاک میں جو عظیم الشان انقلاب اور تغیر پیدا ہوگیا ہے یہ بعض اسلامی تمدن کا فیض اثر ہے جس نے ہندوؤں کو ایک مہذب قوم کے برابر پہونچا دیا۔ اسکے علاوہ انہوں نے رسم و رواج کھانے پکانے سیر شکار اور تفریح طبع کے عمدہ طریقے بھی مسلمانوں ہی سے اخذ کئے۔ چنانچہ اسکی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس فن میں جتنے الفاظ ہیں ان کی اصل عربی فارسی یا ترکی ہے مثلاً

کھانے کے نام ۔ باقرخانی ۔ قورمہ ۔ پلاؤ ۔ زردہ ۔ متنجن وغیرہ ۔

تفریحی اشیاء کے نام ۔ تاش ۔ شطرنج ۔ حقہ ۔ چوگان وغیرہ ۔

کپڑوں کے نام ۔ اطلس ۔ کمخواب ۔ زربفت ۔ تن زیب ۔ مخمل ۔ گلبدن وغیرہ ۔

ان چیزوں کو دیکھکر ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اسلامی طرز معاشرت نے بنی نوع انسان کے لوازمات زندگی کیلئے کن نفیس اور عمدہ چیزوں کو مہیا کیا تھا۔ وہ ابتک اپنے اصلی نام کے ساتھ ہندوستان میں موسوم کیجاتی ہیں۔

فنون جنگ | صدیوں کے جنگ و جدال سے ہندو اگرچہ فنون جنگ میں بہت کچھ ماہر و تجربہ کار ہو چلے تھے مگر مسلمانوں اور ترکوں کے مقابلہ میں وہ بھی ناتجربہ کار و ناآموختہ تھے چنانچہ اسکی بہترین شہادت یہ ہے کہ ہندوؤں کو جب کبھی مغربی قوموں سے جو درۂ خیبر کی راہ وقتاً فوقتاً ہندوستان میں آئی ہیں مقابلہ کرنا پڑا ہے تو ہلا اور ہمیشہ مغلوب اور شکست خوردہ نکلے۔ محمد تغلق کے عہد میں جب چنگیز کے ماتحتوں کا حملہ ہوا ہے تو راجہ ہر لڑائی میں برابر شکست کھاتا رہا چنانچہ چنگیزیوں کو بھگا کر رہا۔ بعض نے اسکی وجہ دریافت کی تو راجہ نے کہا کہ مسلمان تیر اندازوں سے کہیں بہتر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہندو راجاؤں نے کثرت کے ساتھ دکن میں مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا اور اسکے بعد پھر جب انہیں مسلمانوں سے لڑنا پڑا تو وہ ہمیشہ غالب رہے مگر آخر وقت میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد سے پھر انکو فتح و نصرت کا منہ دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا۔ آلات حرب و اسلحہ جات میں بھی مسلمانوں نے بہت کچھ اپنی ایجادات اور اختراعات کا کرشمہ دکھایا تھا۔ مغلوں کی فوج میں ہر قسم کے توپ خانے اور سیکڑوں قسم کے جو آلات حرب ہمیشہ موجود رہتے تھے جو ہندو عہد حکومت کے بالکل مفقود اور ناپید تھے۔

مسلمانوں کی علمی فیاضیاں | علمی حیثیت سے اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو مسلمانوں کے دامن تربیت میں پلکر ہندوؤں نے اسلامی لٹریچر اور علوم معارف کی بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے اپنے تجربہ و مشاہدات سے منطق و فلسفہ کا پیوند چاک کیا ہے [illegible] کی تعلیمی

سلہ مقالات شبلی صفحہ ۳۰۰ ۔

اولادوں کا عمل بہو لیتین پامال کرکے اپنی ذہنی اور دماغی طاقت کو تمدنی دے بے ہیں ایک حیرت انگیز طریقہ پر کامیابی حاصل کی تھی لیکن قبل اسکے کہ ہم داستان کی تفصیل کیجائے ترکوں افغانوں اور مغلوں کی قدیم تہذیب کے متعلق مخالفین کے دلوں میں جو عام غلط فہمیاں داخل ہوگئی ہیں اور جنکی وجہ سے وہ ان کے دور حکومت کی علمی فیاضیوں اور مذہب کے تسلیم کرنے سے عمداً انکار کرتے ہیں انکا ازالہ کرنا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

محمود - ہلاکو اور نادرشاہ کے بہیمانہ لوٹ اور ان کے وحشت آمیز تاریخی حالات نے ان کے اسلاف کی ہمہ گیر تمدنی اور پولیٹکل طاقت کی اہمیت کو عام کوتاہ بین نگاہوں سے بہت کچھ گرا دیا ہے اور اس سلسلہ میں محمود کے جانشین اور چنگیز کی اولاد نے شاہانہ حیثیت سے ہندوستان میں رہکر جو علمی اخلاقی اور تمدنی خدمتیں انجام دی ہیں وہ علمائے اسلام کی نظروں میں بالکل حقیر شمار کیجاتی ہیں لیکن چند ناگزیر واقعات کو سامنے رکھکر محض ایک وہم اور سوء ظنی کے باعث بنی نوع انسان کی سرتوڑ کوششوں اور اسکی ہزارسالہ خدمتگزاریوں کو پس پشت ڈالدینا میرے خیال میں اپنی انتہائی نادانی اور جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے - قوم کی ہنگامہ آرائی نے عالم کائنات میں بہت کچھ انقلاب پیدا کئے ہیں اور بڑی بڑی صاحب جبروت ہستیوں کو غربا اور مساکین کے سایہ عاطفت میں پناہ لینا پڑا ہے مگر مجموعی حیثیت سے قوم کی مادی کارگزاریاں اور دیگر اقوام کے ساتھ انکے حسن سلوک فیاضی اور ہمدردی کی داستانیں صاحب فہم طبقہ میں نہایت عزت سے سنی جاتی ہیں اور جزئی واقعات اور ناگزیر حالات کو ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں دی جاتی غلطی اور غلط فہمی کا مرض کچھ اسقدر مہلک ہوتا ہے کہ جسکی وجہ سے انسان کے اوصاف اور محامد خودبخود پردہ میں چھپ جاتا ہے اور تاوقتیکہ یہ پردہ بالکل اٹھا نہ لیا جائے انسان کا دماغ کسی شخص کی اصلی قدر و منزلت کے معلوم کرنے سے قطعاً محروم اور ناآشنا رہتا ہے ترکوں اور مغلوں کے آبا و اجداد کے متعلق تقریباً تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ انہوں نے باوجود ویرانی میں وحشت اور بربریت کے آثار بہت زیادہ نمایاں تھے دنیا میں بہت سے تمدنی اور علمی کام انجام دیئے ہیں اور اسطرح یہ سلسلہ روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ مغربی ایشیا میں جہاں پر مغل ترک افغان وغیرہ آباد تھیں وہ مشرقی اقوام جو عام آریوں سے کہیں زیادہ مہذب تمدن و شائستگی علوم و فنون کے زیور سے مزین تھیں چنانچہ ترکستان اور خراسان کے شہروں میں علم وہنر کی شمع صدیوں تک جلتی رہی ہے بخارا اور سمرقند کو علمی درسگاہ ہونیکی حیثیت سے بہت کچھ شہرت حاصل ہے اور ان کے فارغ التحصیل طلبہ نے علمی دنیا میں بہت کچھ شہرت پیدا کی ہے مدارس کے نکلے ہوئے طلبہ میں محمد بن عمر خاوند شاہ مصنف تاریخ ایران کے نام سے یورپ آج بخوبی روشناس ہو چکا ہے انوری اور رشیدی کو ادبی دنیا میں بہت زیادہ امتیاز حاصل ہے - بخارا کو شیخ بو علی سینا جیسا حکمت و ریاضی داں فرزند پیدا کرنے پر ناز ہے سمرقند کا کاغذ تمام عالم سے منگایا جاتا تھا تیمور کے دور میں مکانوں میں طرز تعمیر کے معاون کیا جاسکتا تھا اور کثرت سے اسکی مانگ تھی تمدن کے آثار ہر جگہ ظاہر تھے ملک میں ہر طرف بہتی نہریں بہتی تھیں بسیر کے مکانوں کے ذریعہ مہیا سے شہر میں پانی لایا جاتا تھا - تیمور لنگ نے سمرقند کو اپنا دارالسلطنت بنا کر اسے ایک متمدن اور ترقی یافتہ شہر بنا دیا - سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہلاکو خان جو تاریخی دنیا میں بہت بدنام ہو چکا ہے اور جسکا نام وحشت و درندگی کی ضمانت ہے - اس کا علمی و ادبی ذوق اس پایہ کا تھا کہ جسکو دیکھکر انسان کی عقلیں ششدر و پریشان ہو کر رہ جاتی ہیں - اس نے مراغہ میں نصیر الدین طوسی کو طلب کرکے فن ریاضی و ہیئت کی ایک زبردست رصدگاہ تعمیر کرلی اور اسکے لئے اپنی تمام کوششوں کو صرف کردیا محمود غزنوی جیسے شخص کا دربار جس کا دربار فردوسی جیسے باکمال شاعر اور البیرونی جیسے ہیئت داں علما اور فضلا کے حضور سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا - کیا ان حالات اور تاریخی واقعات کے معلوم کرنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں اور مغلوں نے جو وقت ہندوستان پر حکومت کیا اور سلطنت دہلی پر قابض ہوئے وہ ایک جاہل اور وحشی

قوم تھے اور کیا علوم و فنون سپہگری اور انتظامی قابلیت کے لحاظ سے مسلمان ہندوؤں سے فائق و برتر نہ تھے ؟

اسکے ساتھ، تاریخ سے یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ ہندوستان میں آنے کے بعد مسلمان سلاطین نے علوم و معارف، تمدن اور سیاست کو جنکو وہ مغربی ایشیا سے اپنے ساتھ لیکر آئے تھے بڑے ذوق و شوق سے پھیلایا لیکن یہ بات عجیب ہے کہ اسلامی ہند میں شاہی دفتری کرسیوں پر آگے اور جو علم و ہنر سے کچھ بھی نسبت رکھ سب سے تعجب انگیز امر یہ ہے کہ خاندان مغلیہ کا سب سے بڑا بادشاہ اکبر اعظم جو خود جاہل مطلق تھا مگر علم دوست اور قدردان تھا بڑے بڑے علماء ان کی اس علمی ذوق بہت کم نصیب ہوا ہو گا۔ مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ایک مدت تک ہندو ان کے دفتروں اور انتظامی محکموں میں داخل ہو کر کام کرنا یا اسلامی علوم سے استفادہ حاصل کرنا اپنے لئے باعث ننگ سمجھتے تھے چنانچہ اس وہم و خیال کو دراز تعصب نے ہندوؤں کو صدیوں تک اسلامی تمدن کی حقیقت شناسی سے بے بہرہ اور محروم رکھا اور قدرت نے کارخانہ غیب سے ان کے مشاغل زندگی کے لئے جو سامان بہم پہنچایا تھا اس سے وہ قطعاً ناشناسا رہے مگر رفتہ رفتہ ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور میل جول نے دونوں کی اس بعد مسافت کو کم کرنا شروع کیا اور چند دنوں بعد ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔ مسلمان سلاطین میں سے سب سے پہلے سکندر لودھی کو ہندوؤں کی اس حرمان نصیبی پر ترس آیا اور چونکہ شاہی دفتروں کی زبان عام طور پر فارسی تھی اس لئے کثرت کے ساتھ ان کو فارسی کی تعلیم دینی شروع کی۔ ہندوؤں کی تمام قوموں میں سے بعض قوم کائستھ اسطرف متوجہ ہوئی چنانچہ قلیل مدت میں بہتیرے اسلامی علوم حاصل کر کے کامل و فاضل بن گئے اور شاہی درباروں میں وظائف پانے لگے بعضوں نے شعر و سخن کو جو اس زمانہ کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا عام شیوہ تھا اپنا مشغلہ بنایا۔ انہیں میں سے پنڈت ڈونگر مل نے شعر گوئی میں خاص کمال حاصل کیا تھا چنانچہ انکی ایک غزل کا مطلع یہ ہے :-

دل خون شدی چشم تو تیز نشتر مگر ۔۔۔ ہم گشتۂ ز عشق تو ایں ترس سے گر

اسکے بعد سو خاندانوں کے امراء و سلاطین نے ہندوؤں کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ فیروز شاہ کے دربار میں ہندو پنڈتوں کا ایک جم غفیر ہمیشہ موجود رہتا تھا اور وہ ان کو عظمت و قدر دانی کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ کشمیر میں سلطان زین العابدین نے قدیم ہندو لٹریچر کی اشاعت اور ہندوؤں کی تعلیم میں اپنی عزیز عمر کا ایک بیشتر حصہ صرف کیا اسکے دربار میں سوم شاعر کا درجہ حسب اپنے وقت کے ماہرین فن تصور کئے جا سکتے تھے جو فارسی اور سنسکرت سے بخوبی واقف تھے۔ بودی بہٹ نامی ایک ادیب شاہنامہ فردوسی کا حافظ تھا اسکے عہد میں ایک ہندو نے تاریخ ترنگنی کے نام سے گزشتہ شاہان کشمیر کی تاریخ لکھی جسکا فارسی ترجمہ شاہ محمد کشمیری نے اکبر اعظم کے وقت میں کیا۔ سری بھٹ جو کہ نامور طبیب تھا جدید یونانی طرز علاج سے بخوبی آگاہ تھا نیز بادشاہ کی کوشش سے مہابھارت کو فارسی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور کثرت کے ساتھ ملک میں اسکی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔ بنگال میں مسلمان بادشاہوں نے ملکی زبان کی ترقی اور اشاعت میں اپنی انتہائی جانفشانیوں کا اظہار کیا اور ہندو مذہب کی مذہبی کتابوں اور متبرک صحیفوں کا دیسی زبان میں ترجمہ شائع کرایا۔ اس حیثیت سے ناصر شاہ، سلطان غیاث الدین اور حسین شاہ نے ملکی دنیا میں بہت بڑی شہرت حاصل کی۔ ناصر شاہ کے وقت میں وید رامائن اور حسین شاہ کے ایام حکومت میں مہابھارت، قرآن مجید اور تذکرۃ الاولیاء وغیرہ مذہبی کتابوں کا بنگالی زبان میں حکومت کی جانب سے ترجمہ ہوا۔ اسلامی درباروں میں ہندو پنڈتوں کی عزت افزائی اور ان کی اعانت و امداد کیا جاتی تھی بنگال کے عربی و فارسی علوم کے مدرسوں میں سب کا ہر وقت اور ہندوؤں کا ہمیشہ وقت کے ساتھ لیا جانا مسلمانوں کی فیاضی اور کرم گستری کی زندہ مثال ہے۔

شاہان مغلیہ نے ہندوؤں کی تعلیم و تربیت میں بہت کچھ کوششیں کیں اور ارباب علم کی قدر افزائی کرکے ہندوؤں کے بیجان قالب میں از سر نو جان
کی روح پھونکدی اکبر کے دربار میں ہندو اور علما کا بڑا مجمع لگا رہتا تھا کتابوں کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ کرانا اسکا بڑا شوق
تھا چنانچہ اس نے تصنیف و تراجم کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا اور ہندوستان کے علم دوست پنڈتوں اور علماء کا انتخاب کیا گیا۔ ملا عبد القادر
بدایونی۔ فیضی حاجی۔ ابراہیم کمل خان گجراتی فیض خاں اور ہندو ماہرین فن نے ترجمہ و تالیف کے کام کو نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔
ابوالفضل نے آئین اکبری میں دربار کے نورتن ہندو پنڈتوں کا نام لیا ہے جیسے بھٹاچاریہ۔ کاشی ناتھ۔ گوپی ناتھ۔ اور بابا بلاس بہ نسبت اوروں
کے ممتاز ترتھے۔ یہ اشخاص ہندو علوم کے علاوہ اسلامی لٹریچر میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے جہانگیر کے دربار میں فاضل آنی کے بھو بیو بھٹاچاریہ خاص
چدروپ فارسی اور دیگر زبانوں کی بھی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ شاہجہان کے زمانہ میں پنڈت جگناتھ کا دربار کے ہر دلعزیز پنڈتوں میں شمار تھا۔ اسی طرح منشی
ایک شخص عہد عالمگیری کا ملک الشعرا اور عربی و فارسی کا ایک جید عالم تھا۔ شعراء الہند کے مشہور ارباب علم کے تذکرے آج فارسی اور اردو زبان میں کثرت سے
موجود ہیں ان میں ہزاروں ایسے ہندو پنڈتوں کے نام آئے ہیں جو اپنے وقت کے مشہور انشا پرداز اور فارسی کے بہترین شاعر تھے۔ چنانچہ اسکی تفصیل پیش ... حضرات
کا نام پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں کی علمی فیاضیوں کی بہترین مثال ہے۔

منشی لچھمی نرائن شفیق، عہد اکبری کے نامی اشخاص میں سے تھے خصوصاً فارسی ادب میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ آزاد بلگرامی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔
انہوں نے خلاصۃ الہند کے نام سے فارسی میں شعرائے ملک کا ایک دلچسپ تذکرہ لکھا اسکے علاوہ [illegible] بھی ایک انکی مشہور کتاب ہے۔

منشی ایسری داس کایستھ فارسی کے شاعر تھے فارسی میں انہوں نے ایک لاجواب مثنوی لکھی ہے جسکی ابتدا اس شعر سے کی ہے

مبارکباد مرغان چمن را   نوا سنجان رنگین انجمن را

منشی گوپال تفتہ عربی و فارسی کے کامل استاد تھے فارسی زبان میں فن انشا کی اکثر کتابیں انہیں کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔

رتن سنگھ فارسی کے ادیب تھے فارسی میں سلطان التواریخ کے نام سے خاندان اودھ کی ایک مکمل تاریخ لکھی غالباً لکھنؤ کے مہاراجہ سے تعلق رکھتے تھے

منشی منالال شاہ عالم کے زمانہ میں ملک کے معروف ادیبوں میں سے تھے۔

راجہ بلوان سنگھ آصف الدولہ کے دربار میں باریاب تھے۔ لالہ جی داس عہد شاہجہانی کے مشہور سوانح نگار و تذکرہ نویس تھے۔

کشن چند نے فارسی کے شاعر تھے انہوں نے ہمیشہ بہار تصنیف کیا جس میں عہد جہانگیری سے لیکر محمد شاہ کے وقت تک کے ہندوستانی شعرا کا ایک
دلچسپ تذکرہ لکھا ہے۔ علاوہ اسکے فارسی تذکروں میں سے ہزار سے زیادہ ہندو شعراء و مصنفین کا نام آیا ہے جنکو بخوف طوالت ہم یکجا کرنے سے عاجز ہیں لیکن فی زمانہ
فارسی کے ہندو مصنفین کی کتابیں عموماً آسانی سے دیکھنے میں آتی رہتی ہیں جنمیں بالا رجیا ناتھ۔ جگت چند۔ درگا داس۔ ساد رام اور منشی سرب سکھ خاص طور پر قابل ذکر
ہیں مسلمان اساتذہ کی شاگردی میں رفتہ رفتہ ہندوؤں کو عربی و فارسی کے علاوہ اردو شاعری سے بھی ذوق پیدا ہو گیا تھا چنانچہ بہت سے صاحب دیوان بھی
ہو گئے چنانچہ ہم اس موقع پر ان کے کلام کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

ماسٹر [illegible] اپنے وقت کے مشہور شاعر تھے لکھنؤ کے اکثر شاعروں خصوصاً مرزا محمد تقی حسرت اور میر حیدر علی حیران صاحبان کی شاگردی
کی تھی ان کے کلام سے استادی کا رنگ چھلکتا ہے۔

فرماتے ہیں :-

بزم میں رات بہت سادہ و پرفن تھے وہ لے — گرمیٔ بزم کہاں اس سے بہت بیٹا ز غیر
دیکھ بیمار کو تیرے یہ طبیبوں نے کہا — ہو چکی اس کو شفا شربت دیدار بغیر
جس کی خاطر کے لئے یار سب اغیار ہوئے — کیونکر ہو تو آہ مجھ کو ہے اس سے یاد فقیر [1]

لالہ کنور سنگھ مضطر، مصحفی کے تلامذہ میں سے تھے۔ مصحفی نے اپنے تذکرے میں ان کا ہے چند منتخبہ اشعار درج کر کے کلام کی داد دی ہے، کہتے ہیں

دشمن لیتا ہیں تم مجھ کو ہوا اور غیر کو دوست — ہم نے بس دیکھ لیا آپ کی مروت کو
اسکے خال لب تمہارے پہ مجھے آتا ہے رشک — لیکے بیٹھا ہے تو کیا گوشۂ تنہائی کو
رشک ہے رنگ حنا پر کہ یہ کس پردے میں — بوسہ دیتی ہے سر دست ہاتھ کی زیبائی کو

منشی نبداین راقم، حضرت میر سے اصلاح لیتے تھے۔ بعد ازاں سودا کو کلام دکھانے لگے۔ انشا پردازی اور عبارت آرائی میں بے نظیر تھے۔ [2] نکات الشعرا میں میر صاحب نے ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔ مثلاً :

دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سرزمیں نہیں — پر تجھ دل یہ کہ سبز جہاں ہو کہیں نہیں

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض — مجھکو قسم ہے غنچہ و برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں یار حسب طلب — آپس میں درد دل کہیں تک بیٹھ کر کہیں

راجہ جسونت سنگھ پروانہ، ان کے باپ راجہ بینی بہادر نواب شجاع الدولہ کے متوسل تھے۔ کبھی کبھی اپنے اشعار اصلاح کی غرض سے رائے سرب سنگھ دیوانہ کو دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مصحفی لکھتے ہیں :-

"راجہ جسونت سنگھ پروانہ تخلص عرف کاکاجی پسر راجہ بینی بہادر کہ نوکری نواب شجاع الدولہ مرحوم بود۔ جوان خلیق و ذی شعور است پیش ازیں شعر فارسی میگفت و از نظر سرب سنگھ بہادر دیوانہ میگذرانید۔ چنانچہ اشعارش تا بہ شمس پیشما ... جہان آباد بوساطت مرزا قتیل ... بودند .... درین ایام عطف عنان فکر از شعر فارسی بطرف ریختہ کردہ شب و روز در گفتن شعر ہندی مصروف داشت ...... در گفتن قصیدہ و غزل طور زبان فصیح مسلم میدارد" [3]

فرماتے ہیں :-

کیا تیغ نگہ جیب ترے گھائل کو غش آیا — گویا دم نزع ہمیں بسمل کو غش آیا
کیا کیجئے ہمدم کو اسے دیکھ کے ہم تو — ہر چند سنبھالے رہے پر دل کو غش آیا

---

[1] تذکرۂ گلشن ہند صفحہ ۲۰۲ — [2] تذکرۂ مصحفی ہمدانی قلمی کتب خانہ ندوۃ العلماء

دیکا پرشاد مضطرب شاہجہان آباد کے رہنے والے تھے شعر گوئی میں اچھا ملکہ رکھتے تھے مصحفی لکھتے ہیں۔
"باوصف قابلیت شعور و سلیقہ شعر فہمی کہ بسیار درست واقع گشتہ گاہے گاہے بسبب موزونی طبع فکر شعر میکند" کہتے ہیں

کہا میں کچھ تو کیجئے میری خاطر — کہا خاطر تمہاری کر چکے، بس
شتابی مضطرب وہ رشک گل بولا — لہو آنکھوں سے جاری کر چکے، بس

مہتاب رائے کشمیری تاب۔ ایک کہنہ مشق شاعر تھے نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے ان کے کلام پر تنقید کی ہے لکھتے ہیں۔

یا تنگ نظر نا سمجھ ناداں مجھے سمجھا — یا چلکے دکھا دے دہن اپنا کہ ایسی سے

بھوانی لال دہلی کے ارباب سخن سے تھے۔ انکا ایک شعر ہے۔

رنگین بنیں ہیں قطرہ شبنم یہ باغ میں — بادہ بانے سے بھرا ہے ایاغ گل

جمنا داس کالیتھ مضطرب تخلص نوازش حسین لکھنوی کے شاگرد تھے مرثیہ گوئی میں بھی کمال پیدا کر لیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

معطر اس کے نہانے سے لب گنگ آب ہوا — حباب بحر بر اک شیشۂ گلاب ہوا

امیر سنگھ عرف بسنت سنگھ نشاط تخلص۔ انشاء اللہ خان کے خاص شاگرد تھے۔ فرماتے ہیں۔

کوئی تڑپتا ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا — ترے کوچہ میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

ان کے علاوہ گنگا پرشاد لکھنوی تلامذہ جرأت رام سنگھ عاشق گنگا داس ضمیر گنپت رائے نظیر منگل سین الفت نرائن داس تجوید کنور سنگھ جام شاگرد غلام محی الدین۔ رائے پریم ناتھ کھتری مندرابن راقم تلامذہ مرزا مظہر جان جاناں وغیرہ فارسی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے جنکے دواوین ہندوستان کے قدیم اور یورپ کے بعض کتب خانوں میں اب تک موجود ہیں۔ اردو شعرا کے اس سلسلہ میں پنڈت دیا شنکر نسیم مصنف مثنوی گلزار نسیم کا نام نامی دنیائے شاعری میں ہر خاص و عام کی زبان پر جاری ہے جو آتش مرحوم کی آخری یادگار ہے۔ غرض سلاطین مغلیہ کے پچھلے زمانہ کے ہندو شعرا کا نام تذکرہ نویسوں نے اس کثرت سے لیا ہے کہ اگر انکو یکجا کرنیکی زحمت گوارا کیا جائے تو اسکے لئے ہزاروں صفحہ درکار ہونگے۔ یعنی جس وقت کہ یہ مضمون لکھا جا رہا تھا مسٹر ۔ کے نریمان ایک پارسی عالم کے قلم کا نکلا ہوا ایک مضمون جسکو اردو کے ایک اخبار نے ناظرین کی دلچسپی خاطر سے ترجمہ کیا تھا میری نظر سے گزرا موصوف نے اس میں چند ہندو مصنفین کے نام گنا کر ان کی علمی خدمات کا زبردست اعتراف کیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس موضوع پر مستقل تذکرہ کا دامن سے کام لیا جاوے تو ایک قلیل مدت میں تعلیم یافتہ اشخاص کے مطالعہ کے لئے ایک اچھا ذخیرہ معلومات جمع ہو جائیگا اور اسکے ضمن میں مسلمانوں کی علمی فیاضی کا ایک مکمل باب ہوگا۔ بیسویں صدی عیسوی کے اس ابتدائی دور میں دو چار ہندو جنہیں اسلامی لٹریچر اور اردو شاعری سے کچھ ذوق ہے دراصل ان کے آبا و اجداد کبھی ان علوم کے لئے مسلمان اساتذہ کے منت پذیر رہے ہونگے۔ اور آج نسلاً بعد نسلٍ ان کی ہنرمند اولاد کو یہ شرف حاصل ہو رہا ہے یہ سب کچھ سلاطین اسلام کی توجہ خاص اور ان کی شفقت شاہانہ کے نتائج ہیں یہ انہیں کا طفیل ہے کہ اس دور انقلاب میں جہاں تک

---

۱ گلشن بے خار صفحہ ۱۹۸۔ ۲ تذکرہ گلشن بے خار ۔ ۳ ایضاً

کو حکومت کے زوال کے ساتھ تاریخی ادب کا مذاق ہندوستان سے بالکل اٹھ گیا۔ وہاں دہلی، لکھنؤ اور لاہور اور بنارس کے گرد و نواح میں دو چار نام آتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح نظر آجاتے ہیں۔ یہ بات بالکل مسلم ہے کہ دنیا میں جتنی قومیں ترقی کر گئی ہیں وہ مخصوص قوم میں اپنی ہی لٹریچر اپنے ہی علوم و فنون اور اپنے ہی مقاصد کی اشاعت کرتی رہی ہیں مسلمانوں نے بھی اس بات کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ علمی حیثیت سے ہندوؤں کو جو فیض ان سے حاصل ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے تاریخی لٹریچر کا استفادہ ہے۔ قدیم ہندو دور میں فن تاریخ و سیر کی کوئی ایسی کتاب موجود نہ تھی جس سے عہد عتیق کے تمدن اور طرز معاشرت پر کچھ روشنی پڑتی ہو البتہ وید، پران اور مہابھارت وغیرہ مذہبی کتابوں کا ایک ایسا ذخیرہ تھا جس سے بدقت تمام ان کے قدیمی خصائل عادات اور عقائد کا پتہ لگانے کے لئے کسی قدر حال معلوم ہوتا ہے۔ اور ان کی گزشتہ عظمت و شوکت کے سارے کارنامے ان کتابوں میں افسانہ کی طرح مخفی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

لیکن مسلمانوں کے عہد زریں میں فن تاریخ کی سیکڑوں ایسی کتابیں تصنیف کی گئیں جن سے سارے واقعات تاریخ کی روشنی میں آگئے اور انسانی ذخیرۂ معلومات میں کافی حد تک وسعت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ سلطان زین العابدین کشمیری کی کوشش سے راج ترنگنی کے نام سے سنسکرت زبان میں گزشتہ شاہان کشمیر کی ایک مکمل تاریخ لکھی گئی اور اکبر کے عہد میں جا کر عبدالقادر بدایونی نے اسکو فارسی کا جامہ پہنایا۔ اسیطرح شاہان تغلق - توزک بابر، شاہجہان اور جہانگیر کے دوران حکومت میں آئین اکبری - اکبرنامہ، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ، عبدالحمید لاہوری، مآثر رحیمی - اور سیر المتاخرین جیسی اور بیش بہا اور مفید عام کتابیں تصنیف ہوئیں جو اپنی معنی خیز عبارت سلاست اور روانی کے لحاظ سے اپنی نظیر میں

"بیرونی دنیا سے تعلقات کا قائم کرنا"

قدیم ہندو عہد میں اشوک اعظم - چندر گپت - اور کنشک وغیرہ نے بیرونی دنیا سے گہرے تعلقات قائم کئے تھے - یونان - ایشیائے کوچک اور مصر کے امراء و سلاطین سے صلحنامے بھی کئے مگر زمانہ بدھ کے بعد ابتدائی ممالک سے ہندوستان کے سارے تعلقات منقطع ہوگئے اور تبادلہ خیالات امداد باہمی اور تجارت جیسی سودمند چیزوں سے ہندو بالکل محروم ہو چکے تھے مگر مسلمانوں نے اپنی حکومت میں ان قدیمی تعلقات کو از سر نو قائم کیا۔ تجارت کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ چنانچہ اکبر، ہمایوں اور طہماسپ شاہ ایران کے مابین ہمیشہ دوستانہ تعلقات قائم رہے اور غلام، خلجی و تغلق وغیرہ ہر دور میں بیرونی دنیا کے خلفائے اسلام سے سلاطین کے نامہ و پیام کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

اسلامی حکومت کے مختلف ادوار میں غیر اقوام کے جو مذہبی حریت و آزادی اور مکمل حقوق عطا کئے گئے ان کی تفصیل کی گئی۔ ہندوؤں کے حق میں سلاطین کے جو کارنامے ظلم و ستم اور ناانصافی قرار دئے جاتے ہیں ان کی کما حقہ تحقیق کی گئی اور یہ دکھلایا گیا کہ اسلامی تمدن و شائستگی نے ہندوستان کے کن باشندوں ان کے مزاج ان کی طرز معاشرت ان کے اخلاق و عادات اور ان کے علمی مذاق پر جو مفید و خوشگوار اثر ڈالا ہے اس سے وہ کہاں تک متاثر و مستفید ہوئے ہیں ان واقعات کے دیکھنے کے بعد ہر شخص خود فیصلہ کرسکتا ہے کہ ہندوؤں کی بد اعتقادی دیانتداری اور مؤرخین کی دیدہ و دانستہ غلط بیانی اگر تنگ دلی اور کوتاہ نظری اور تعصب مذہبی کی بنا پر نہیں تو اور کیا ہے۔ (نگار، اپریل مئی ۱۹۲۹ء)

(محمد یوسف اعظمی متعلم ندوہ لکھنؤ)

نوادر

تحفۂ مہر الٰہی صاحب

تفسیر سورۂ فاتحہ و سورۂ اخلاص

خدا بخش خاں

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ

لکچر

متضمن

تفسیر سورۂ فاتحہ

و

سورۂ اخلاص

مصنفہ

عالیجناب خان بہادر مولوی خدابخش خانصاحب

چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

مطبع مفید دکن واقع حیدرآباد میں چھپا

[illegible]

... و رشور سے بنی اسرائیل کو تھی۔ اور پیغمبران بنی اسرائیل اشاعت و اعلانِ خدا پرستی
مین بہتیری کوششیں کرتے تھے۔ اِسوقت جو توریت و زبور ہلوگون کے ہاتھون مین ہین
اُنسے طریقۂ پرستش اوتعالے صاف طور سے پایا نہین جاتا۔ مگر دیکھنے سے اُنکے اِسقدر
بخوبی ظاہر ہے کہ پرستش جناب باری تعالے تھی اور توحید بھی تھی۔ مگر یہ بات بھی
ظاہر ہوتی ہے کہ وہ محض ابتدائی حالت تھی اور خیالاتِ عالی اور بلند کو وہ تکمیل نہین تھا ہوا
جو فرقان مجید کے ذریعہ سے پرستش جناب باری تعالے کا ہوا اور توحید بالمعبودیت کی
تکمیل بھی کیگئی۔ تسبیح تہلیل تھی اور یہ تسبیح و تہلیل ساتھ نغمہ اور ساز کے پائی جاتی ہے۔
انگریزی مین جو ترجمے توریت اور زبور کے ہین اُنمین دو لفظ اکثر استعمال کیئے جاتے ہین
یعنے ہم (Hymn) اور سام (Psalm) ہم کے معنی تسبیحات یا حمدیت
ہین اور سام کے معنے مزامیر کے۔ چنانچہ زبور کا ایک حصہ مزامیر داؤدؑ ہے ہمس
(Hymns) نغمہائے مقدس ہین جنکے ساتھ موسیقی کا برتاؤ ہوتا ہے اور یہ قدیم زمانے
سے چلے آتے ہین۔ اور قبل و بعد ولادت حضرت عیسیٰؑ کے اِس قسم کے نغمے و مزامیر بھی
عبادت تھے۔ اور مورخین کی تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اولاً نغمہ سرائی
عبادت کے ساتھ کی گئی ہے وہ حضرت مریم بہن نے حضرت ہارون کی بعد مصر سے
خلاصی پانے کے کی ہے۔ اور اُنکے ساتھ دَف بجاتی ہوئی اور لڑکیان بھی بنی اسرائیل
کی شامل ہوئین تھین بعد اِسکے یہ نغمہ سرائی حضرت داؤدؑ نے کی اور اُنکے ساتھ بنی اسرائیل
کی لڑکیان اس کار روائی مین شامل تھین۔ اسی طرح مزامیر داؤدؑ ہمیشہ ساتھ نغمہ کے

گاے جاتے تھے۔ جب معبد بیت المقدس کا جسکے ساتھ انٹیاکس ابی فینس (Antiochus Epiphanes) نے بے ادبیان کی تھین ساتھ معبود اصلی کے خاص کیا گیا تو اوسوقت بھی یہی مزامیر ساتھ نغمون کے گاے گئے تھے یہ رواج برابر جاری تھا۔ یہانتک کہ جس شب کو حضرت عیسیٰ گرفتار ہوے ہین خود اُنھون نے بعد کھانا کھانے کے مزامیر نمبر ۱۱۳ و نمبر ۱۱۴ و نمبر ۱۱۵ کو حسب قول علماے نصرانی اپنی آخری عبادت مین پڑہا ہے۔

مزامیر سیمین (Simeon) اور اقوال حضرت زکریا مقدس مزامیر سمجھے جاتے ہین نصرانی علما اور اہل مذہب نے بہت سے مزامیر اس قسم کے ترتیب دیئے ہین اور اسوقت وہی مزامیر گرجون مین پیانو (Piano) کے ساتھ گاے جاتے ہین دوسرے صدی مین حضرت عیسیٰ کے بھی بہت سے اس قسم کے نغمے گاے گئے۔ مگر ایک شخص جسکا نام پال (Paul) تھا اُسنے ان نغمہ سرائیون کو روکا۔ مگر (Council of Antioch) یعنے انطاکیہ نے جو ۲۶۹ء مین ہوا تھا اُسکی مزاحمت کو ناجائز سمجھا۔ مگر مابعد کی کونسل نے جو لیوڈیسیا (Laodicea) مین ہوا یہ تجویز کی کہ عموماً اشخاص جو مزامیر ترتیب دین وہ قابل استعمال نہین ہین۔ (Greek Church) یعنے یونانی نصرانیون مین جو ہمس اسوقت گاے جاتے ہین وہ آٹھوین اور نوین صدی عیسوی کے بنے ہوے ہین اور (Western Church) یعنے مغربی عیسائیون مین جو ہمس استعمال کیے جاتے ہین وہ [illegible]ء مین بنے ہین اور اُسکے بعد اور بڈہ نے اُسپر افزود کیے اس قسم کے ہمس کے مصنفین جو اب استعمال مین ہین بہت سے ہین۔ اُنکی تفصیل کی حاجت

نہین ۔ مین یہان بطور نمونہ اقتباس کرکے پہلے اُس مضمون کا ترجمہ کرتا ہون جو حضرت مریمؑ حضرت ہارونؑ کی بہن نے گایا تھا ۔ بعدہ بعض مزامیر داؤد کے ترجمے کردیتا ہون پھر اپنے مقصود اصلی سے بحث کرونگا ۔

کتاب سفر باب (۱۵) فقرات (۲۰ و ۲۱) یون ہین "حضرت مریمؑ نے جو بہن حضرت ہارون کی تھین دَف اپنے ہاتھ مین لیا اور زنان بنی اسرائیل نے بھی دف ہاتھ مین لیکر ناچنا شروع کیا اور حضرت مریمؑ نے یہ کہکے گانا شروع کیا کہ اُس خداوند کی حمد گانا چاہئے جو نہایت عظیم ہے جسنے گھوڑون اور اُنکے سوارون کو سمندر مین ڈبو دیا"۔

حضرت داؤد کے مزامیر (۱۴۹) ہین اور بعض روایت سے (۱۵۰)۔ اُنمین سے چوتھے مزامیر کا مضمون یہ ہے "جب ہمنے رجوع کیا ۔ خدائے منصف نے ہماری طرف توجہ کیا ۔ خدایا تو ہمیشہ ہماری مصیبت مین کام آیا ۔ ہمپر رحم کر اور ہماری دعا کو سن ۔ اے بنی آدم کب تک تمہارے قلب شست رہینگے اور کبتک تم نخوت کو پسند کروگے ۔ جانو اس بات کو کہ خداوند پاک عجیب ہے ۔ جب ہم اُس سے فریاد کرینگے وہ سنیگا ... الخ"

چھٹا مزامیر یہ ہے "او خداوند ملال سے ہماری چشم نمائی نہ کر اور نہ غصہ سے ہماری تنبیہ فرما ۔ خدایا ہمپر رحم کر ۔ ہم کمزور ہین ہمکو تندرست کر ۔ ہماری روح کو سخت تکلیف ہے خدایا ہماری طرف توجہ کر اور ہماری روح کو بچا ۔ بہ تصدق اپنے رحم کے ہمکو بچا ... الخ"

مزامیر نمبر ۱۱ – خدایا ہماری سن اور ہماری دعا پر توجہ کر۔ یہ لبھاسے فریب آلود سے نہیں ہین۔ ہمارا ٹھکانا اپنی توجہ سے فرما دے ... الخ

مزامیر نمبر ۱۳ و نمبر ۱۴ و نمبر ۱۵ وہ ہین جو حضرت عیسٰی نے بعد کھانا کھانے کے تھوڑا قبل اسکے کہ وہ ہاتھ مین دشمنوں کے آدین پڑا تھا۔

مزامیر نمبر ۱۳ – حمد کرو خدا کی اے بنی آدم۔ اور ثنا کرو اسکے نام کی ہمیشہ نام خدا کا پاک ہے اور رہیگا۔ طلوع آفتاب سے غروب تک نام پاک کی خدا کے ثنا کرو .... الخ

مزامیر نمبر ۱۴ – ہمنے اسکو پیار کیا کیونکہ خدا ہماری دعا سنیگا۔ اسنے ہماری طرف توجہ فرمائی ہے اور ہم روزانہ اسکو پکارینگے۔ موت کے غم نے ہمکو گھیرا ہے اور خوف دوزخ ہے۔ ہمپر درد و غم لاحق ہین اور ہم خدا کے نام کو پکارتے ہین خدایا میری روح کو اس سے بچا۔ خدا ئے پاک رحیم اور منصف ہے ہمارے خدا ہم پر رحم کر ... الخ

مزامیر نمبر ۱۵ اس ترتیب سے ہے کہ زبان عبرانی کے حروف تہجی کا ابتدا سے انتہا تک ایک ایک حرف بہ ترتیب ہر جملہ کے ابتدا مین آتا ہے۔

"خوشا بحال آنکے جو اس خدا کی راہ مین چلتے ہین اور اسکے احکام کی پابندی کرتے ہین۔ خوشا بحال آنکے جو اسکے احکام کو ڈھونڈھتے ہین اور دل سے اسکی تلاش کرتے ہین" ... الخ

ایسے ہی قریب قریب مضامین تمام اُن مزامیر مین ہین - اگر کوئی شخص ان فقرات کو
پورے طور پر صحیفۂ سجادیہ سے مقابلہ کرے جو منسوب بحضرت زین العابدین سے
ہے تو بے تکلف اُن دعاؤنکو بہت کچھ ترقی کرتا ہوا پاے گا -
اب وہ دعاے خاص جو حسب قول سینٹ میتھو (Saint Mathew)
حضرت عیسےٰ نے فرمایا تھا اُسکو باب چھہ کے دفعات ۹ سے ۱۳ تک مین پاے گا
اُسکا مضمون یہ ہے - خدا سے یون دعا مانگنی چاہیئے - ہملوگونکا باپ جو آسمان مین ہے
اُسکا نام پاک رہے - تیری سلطنت دنیا مین آئی - اور تیری مرضی زمین پر ہوگی
جیساکہ آسمان پر ہے - ہملوگون کو آجکے دن روٹی دے - خدایا ہمارے دیون معاف
کردے اور ہمارے مدیونون کو معاف کردے ہوا و ہوس سے بچا - برائیون سے
محفوظ رکھ" سینٹ لیوک (Saint Luke) نے روٹی کا مفہوم رسم سکرامنٹ
(Sacrament) کو سمجھا ہے -
مجکو یہ بات بتحقیق ایک ایسے شخص سے معلوم ہوئی ہے کہ جسنے برسون
نصرانیون کے ساتھہ عبادت کی ہے کہ یہ جملے اُسیطرح سے ہر عبادت مین نصرانیونکی
شامل ہین جیساکہ سورۂ فاتحہ ہملوگون کی نماز مین -
ان مزامیر خواہ ادعیہ مین جس لفظ سے چاہیئے تعبیر کیجیئے - بڑا امر خیال کرنیکا
یہ ہے کہ وسعت قدرت باری تعالےٰ کی ہر ہر خاص کام کے احاطہ مین ہے اور
ادعیہ جسمین بھی خود حمد و دعا و متعلق امور دنیاوی سے ہین - حالانکہ مقصود دعا کا اعلاے

ہمیشہ طلب نعمت کامل ہے نہ کوئی نعمت خاص ۔ نعمت کامل اُس واحد کامل کی شناسائی اُسکی
اور حفاظت نتیجہ نافرمانی سے اُسکے ہے ۔ اسیلیے جناب باری سے کہ جسکی وحدانیت
کامل ہے اُس سے نعمت کامل کی طلب یہ ہے کہ وہ اپنے کو پہچنوا دے اپنی راہ
پر چلا دے اور خطر گمراہی سے محفوظ رکھے تاکہ اُسکے غضب مین نہ پڑین ۔

اسلام نے عبادت سے غنا اُٹھا دیا ۔ اور سماعت غنا عموماً ممتنع ہے ۔ اِس
باب مین امام غزالی نے ایک مطول بحث کو اپنے دو بابون پر منقسم کیا ہے ۔ پہلے
باب مین اباحت سماع اور اُسکی حلت و حرمت کی حالتین بیان کی ہین ۔ دوسرے
باب مین آثار سماع اور اُسکے آداب ہین ۔ اِس تحریر کے احاطہ سے اِس بحث کو طول دینا
باہر ہے ۔ مگر مختصر سی وجہ عبادت سے غنا کے منقطع کر دیے جانے کی بیان
کیجاتی ہے ۔ اسمین کچھ شک نہین کہ غنا تغذیہ روح ہے اور عمدہ خیالات والون
کے خیال کو اعلےٰ درجہ پر پہنچاتا ہے لیکن جیسا کہ اچھے خیال والون کی
روحانی قوت کو بڑھاتا ہے ویسے ہی شہوانی خیالات والون کے خیالات کو ترقی
دیتا ہے حسب قول مولوی ؎ آنچنان را آنچنان تر میکند ۔

اور عبادت و صلوۃ مین تنقیح و تنقید مختلف طبایع کی مشکل تھی اسیلیے اِس سے بالکل
علحدگی مناسب سمجھی گئی ۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ گانا بھی ایک عمدہ فن ہے ۔
اسیقدر عبادت و صلوۃ مین اِسکا داخل ہونا عموماً مانع خضوع و خشوع ہوتا ۔ اگرچہ
خاص طبایع کے عبادت مین مفید پڑتا ۔

عبادت سے متعلق دو لفظ قرآن مجید مین پاے جاتے ہین تسبیح اور صلوٰۃ۔ لفظ
تسبیح کی نسبت امام راغبؒ نے اپنے مفردات مین لکھا ہے کہ اصل معنی اس لفظ کے
گزرنا یا چلنا سُرعت کے ساتھ ہے۔ یہ ستعارہ سرعت فی العمل سے ہے اور عبادت کے لیے
یہ لفظ قولاً و فعلاً موضوع کردیا گیا۔ شارح قاموس نے اپنے شیخ کے کلام سے باستدلال
نقل کیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سُبحانَ اللہ جملہ خبریہ ہے اور مقصود اس سے اظہار عبودیت
و اعتقاد تقدس و تقدیس باریتعالے ہے۔ اسکا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ نسبت قدس کی
جمیع فعل مین اُسکے کیجا سکتی ہے اور یہی اس لفظ سے سلب نقایص اُسکے مقصود ہین
صلوٰۃ کا مفہوم اُس عبادت سے ہے جسمین رکوع اور سجود شامل ہین۔ اور سید مرتضیٰ
شارح قاموس فرماتے ہین کہ ھٰذا حقیقۃ شرعیۃ وقال الصلوٰۃ فی اللغۃ مشترک بین الدعاء والتعظیم
والرحمۃ والبرکۃ" قرآن مجید نے جیسا کہ توحید بالذات بتایا ہے اُسی تکرار کے ساتھ توحید بالمعبودیت
بھی سکھایا ہے۔ پیرایۂ قصص مین حضرت لقمان کی نصیحت اپنے بیٹے کو نسبت توحید
بالمعبودیت کے فرمایا یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ہ اور ایک دوسری آیۃ بعض بشر
مین بطور امر فرمایا وَمَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا بعد
اِن آیات کے سورۂ فاتحہ کے مضمون کی وسعت خیال فرمائیے اور اس سورہ کی نسبت
جو کچھ ہمارے مفسرین کی راے ہے مین انکو بطور اختصار گزارش کرتا ہون۔

سورہ فاتحہ وہ سورۃ ہے کہ جو ہر صلوٰۃ پنجگانہ کا ایک جزو ہے اور اُسکی بڑی وجہ
یہ ہے کہ اُس سے مقصود طلب نعمت کامل ہے۔ پہلا جملہ اس سورہ کا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے

ارباب تصوف کا ایک نکتہ ملیح ہے کہ جناب باری نے احمد فرمایا نہ اَحْمَدُ بصیغہ امر کیونکہ
اگر امر فرما دیتا تو واجب الاذعان ہو جاتا اور نہ کرنا اسکا عصیان ۔ لہذا اَلْحَمْدُ فرمایا یہ بھی
ویسا ہی ہے جیسا مہربان باپ بیٹے کو کسی کام کی فرمایش نہ کرکے کنایتاً یا مصلحتاً ہدایت
کرتا ہے ۔ علما کی راے یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ مین الف لام استغراق کا ہے ۔ اگر الف لام استغراق کا
قبول کیا جاے تو اُسکے معنی یہ ہونگے کہ کل حمد ۔ مگر صاحب کشاف کی راے یہ ہے کہ یہ
تعریف جنس ہے اور چونکہ وہ معتزلی ہے اسلیئے اُسنے استغراق سے کنارہ کیا ۔ اسمین
بحث مطول ہے کہ جو احاطے اس تحریر کے باہر ہے ۔ اشاعرہ کی راے یہ ہے کہ
بقول آیہ کریمہ واللہ خلقکم وما تعملون کل فعل کا بندون کے خالق حق ہے ۔ پس جو فعل قابل
حمد ہے ۔ اُسکی نسبت طرف اُسکے خالق کے ہونی چاہیئے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرجع کل حمد کا
حق سبحانہ تعالے ہے ۔ اور اس قول آخر پر اتفاق ہے ۔ اَلْحَمْدُ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے
کہ حمد اُسکی غیر متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے ساقط کیجیئے تو صرف غیر متناہی باقی رہجاتا ہے
پس حمد غیر متناہی لفظ اَلْحَمْدُ سے مقصود ہے ۔ چونکہ جناب باری واجب کامل اور خالق کل ہے
اُسیکو استحقاق ذاتی کل محامد کا ہے اور وہی مبدا اور معاد کل صفتہاے جلالی وجمالی کا
خواہ وہ سری ہون خواہ ظاہری مستحق ہے اسلیئے لفظ اَلْحَمْدُ استعمال کیا گیا ۔ نحویین کی راے
کے موافق للہ کا لام چار معنون پر دلالت کرتا ہے ۔ اول تملیک اور اُسکو لام اضافت
بھی کہتے ہین ۔ یعنے حمد ملک جناب باریتعالی کی ہے یعنے اُسی واحد محض کی ملک ۔ حمد ہے
دوسرا لام استحقاق اُسکے یہ معنی ہونگے کہ جو صانع ہے وہی مستحق حمد ہے ۔ تیسرا لام اختصاص

اور وہ دلیل انقطاع شرکت ہے یعنے اسکی حمد مین کوئی شریک نہین وہی واحد محض قابل حمد بلا شرکت ہے۔ چوتھا تمام استیلا وقدرت ہے کیونکہ مفہوم الحمد للہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مستوی ومستعلی کل ممکنات پر ہے۔ پس حمد شایان اُسی ذاتِ اقدس کے ہے کہ جسکی صفات مین استیلا وقدرت موجود ہے اور وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرا نہین ہے اسلیے الحمد للہ اُسیکے لیے موضوع ہے۔

رب کے معنے مربی کے ہین۔ تربیت عالم کہ عبارت ماسوا اللہ سے ہے یدِ قدرت مین جناب باری کے ہے کہ محض بے غرض وعوض تربیت فرماتا ہے اور ماسوا اللہ ممکنات مین سے ہے جسکے لیے وجود اور عدم دونون شامل ہین اور موجودات ممکنہ مین وجود ذاتی نہین بلکہ اُسمین صلاحیت معدومیت ہے۔ اگر وہ مربی حقیقی تربیت نفرمائے تو ایک نشان بھی ان موجودات کا باقی نرہے لہذا کوئی ممکنات مین سے وجود سے مستغنی نہین ہے محتاج تربیت کا اُسی مربی حقیقی کی ہے۔ اِسلیے آیہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ مین لفظ رب کا استعمال کیا گیا۔ عَالَمِیْنَ جمع عالم کی ہے اور اسمین کل مخلوقات کہ جسکی تفصیل احاطہ تحریر سے باہر ہے شامل ہے قرآن مین یہ لفظ اکثر جگہون مین استعمال ہوا ہے جیسا کہ اِس آیہ مین تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ عالمین کے مفہوم مین آسمان وزمین اور جو کچھ اُسمین ہے سب شامل ہین۔

بعد اسکے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیا۔ اِسکا مقصود یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دعوی مجمل ہے اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ صفات حسنہ مفصل بجائے برہان کے ہین رحمٰن کا مقصود یہ ہے کہ اُسکے آثار رحمت بہت ہون اور رحیم کا مفہوم یہ ہے کہ قوت مرحمت اُسکی ہمارے وہم وگمان سے

زیادہ ہوا اور اسی رحمت و رحمانیت کا نتیجہ ہے کہ ارباب [illegible] جنہوں نے کہا
و موجودین اور رحمت و رحمانیت وسیلۂ معاد بندگان ہے۔ اسیلئے رحیم کا مفہوم مخصوص بھی ہے
بعضے علما کی رائے ہے کہ لفظ رحمٰن رحمت عظیم پر اور رحیم رحمت عمیم پر دلالت کرتا ہے اور
بعضے علما کی رائے یہ ہے کہ رحمٰن دلالت عطائے نعمت پر کرتا ہے اور رحیم محبت اور الطاف
پر۔ رحمٰن سے بعضوں نے مصدر فیوض ازلی اور رحیم سے منبع الطاف ابدی خیال کیا ہے۔
مگر رحمت رحمانیت باعث وجود موجودات ہوئی اور رحمت رحیمیہ سبب فوز و نجات ہوگی۔ رحمٰن و
رحیم اسکا شاہد ہے کہ استحقاق حمد شایان اسی ذات کے ہے۔ بعضے مفسرین کی رائے یہ ہے
کہ ربّ العٰلمین کے مقارن رحمٰن لایا گیا۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ رحمٰن جو اسمائے جمالی سے ہے
اور اس سے تربیت عالم مقصود ہے وہ مقارن لفظ عالمین رب ہے اور رحیم کی صفت
مالک کے شامل کیجائے کہ جس سے الطاف سرمدی بروز ابدی ظاہر ہو۔

بعد الرحمٰن الرحیم کے مالک یوم الدین آیا۔ یہ بھی اسی محمود حقیقی اور معبود اصلی کی صفت ہے
یعنے وہی قادر بالذات موصل نفع و ضرر۔ خیر و شر۔ ثواب و عقاب کا ہے لفظ مالک سے مراد
قادر تام القدرت ہے یعنے قدرت اسکی محیط ہے جمیع موجودات و ممکنات کو۔ یوم الدین یعنے روز قیامت اور وہی
روز جزا ہے اور وہ وہ روز ہے کہ جسدن اضداد کا امتیاز ہوجائیگا کیونکہ عالم امثال میں محسن
مطیع مسلم و کافر مخلص و منافق۔ مخالف و موافق سب ایک صورت کے ہیں اور وہ وہی روز ہے
کہ صفت رحمت رحیمیہ جو مختص ابد کے لئے ہے اپنا جلوہ دکھائیگی۔

جب یہ صفات باری تعالےٰ اوپر سطے کئے گئے تب خصوصیت عبادت و معاونت

کے ساتھ ذات واجب الوجود کے یہ آیہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی گئی ۔ یعنے موافق کلام اَلْحَمْدُ لِلّٰہ
جمیں الف لام استغراقِ محامد کا اور لِلّٰہ میں لام اختصاصِ شاہی کا ثابت ہوا اور رَبِّ الْعٰلَمِیْن
نے یہ ثابت کیا کہ سب کا مربی وہی سب ہے اور مضمون اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم سے رحمت محض اسکی دنیا
اور آخرت میں اور مٰالِکِ یَوْمِ الدِّیْن نے قوت و قدرت اسکی روز جزا ثابت کی تو بوجہ خضوع و
خشوع یہ ضرور ہوا کہ اسی معبود اصلی کو بکلمہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ خطاب کیا جاسے ۔ لفظ اِیَّاکَ
سے تخصیص مراد ہے یعنے لَا نَعْبُدُ غَیْرَکَ ۔ صاحبِ کشف الحقایق نے لکھا ہے کہ اِیَّاکَ کی تقدیم
اس جہت سے ہے کہ اِیَّاکَ عبارت ذات سے ہے اور تقدیم ذات واجب سے ہے ماسوا پر
اور وجوب اسکا ثابت اور امکانِ ماسوالازم اسلیئے واجب ممکن پر مقدم ہے ۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے
مستفید ہوتا ہے کہ عبادت میں اُسکی عابد نے ماسوا اللہ سے کنارہ کرلیا ۔ اور جب عبادت
اور عبودیت کے مستحق وہی ہے تو وہی معینِ اصلی بھی ہے اسلیئے بعد اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے اِیَّاکَ
نَسْتَعِیْنُ وارد ہوا ۔ اور نَعْبُدُ کی تقدیم نَسْتَعِیْنُ پر اسلیے ہے کہ پہلے بندگی پیش کیجاسے کیونکہ
تقدیم وسیلہ لازمی ہے اُسکے بعد حاجت ۔ صاحبِ تیسیر کا قول ہے کہ تذلل از معارف تعزز
است بہ وہرکہ ذلیل او باشد پیوستہ عزیز بہ گشتہ ۔ سے

خود را پئے آنکہ خوار و عاجز یابی		مقصود محال است کہ ہرگز یابی	

بعد ان مراتب ضروریہ کے جنکا عرض حاجت کے لیئے بطور مقدمہ پیش کیا جانا ضروری
اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ فرمایا ۔ بزمانِ خلافت خلیفۂ دُوم اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر نصرانیوں نے یہ
اعتراض کیا تھا کہ جب خود حاجتمند راہِ راست کے ہو تو ہماری دعوتِ اسلام کیوں کرتے ہو

جنابِ امیر نے یہ فرمایا کہ اِہدِنَا کے معنی قایم و ثابت رکھنے کے ہین ۔ اسکے جواب مین نصرانیون
نے یہ کہا کہ جب راہِ راست انسان پاگیا تو اُسکے ثبات کی کیا حاجت ہے ۔ اسپر حضرت مرتضیٰ علی
کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ چونکہ ہر نجمہ کے ساتھ شبہ ہے اور ہر نفس کے ساتھ توہمات ہین اسلیے
ہدایت ثانی اُسکی ضرور ہے اور وہی ہدایت ثانی قایم کرنیوالی ہے ہدایت اولیٰ کی امام راغب
نے اپنی کتاب مین لکہا ہے کہ اِہدِنَا کے معنی وَفِّقنَا کے ہین یعنے توفیق دے مجکو رفتار کی
راہِ راست پر ۔ دوسرے معنی اِہدِنَا کے اِعصِمنَا اور اَحرِسنَا کے بھی ہین یعنے نگاہ دار مارا اور
حضرت عباس کی راے یہ ہے کہ اِہدِنَا کے معنی اَلہِمنَا کے ہین ۔ بعضون کی راے یہ ہے کہ
اِہدِنَا کے معنی یہ ہین کہ کشش مارا بسوے خود و بصراطِ خود بپیوند ۔ لفظ اِہدِنَا کا استعمال زبان
عربی مین بہت معنی مین ہے مگر ایک معنی اُسکے اثبات بر اہتدا ہے ۔ اور وہی معنی ہین جو بجگہہ
ہم عوام کی سمجہہ کے موافق زیادہ ترجیح ان ہے ۔ صراط کے معنی راہ کے ہین ۔ اور اس صراط کے
ساتھ لفظ مُستَقِیم آیا ہے مُستَقِیم کے معنے یہ ہین کہ جو کجی سے پاک ہو اور مُستَقِیم یا تو صراط کے
ساتھ ضم ہے یا سالک کے ساتھ یعنے چلنے والے کے اور صراطِ مُستَقِیم سے غرض اُس راہ سے
ہے کہ جس راہ کا چلنے والا نہ بھٹکے یعنے روش اُسکی اداے حق اللہ و حق عباد کی مستقیم و مستقل ہے
صراطِ مُستَقِیم کا مفہوم یہ ہے کہ سالک اخلاقِ متضاد مین نہ پڑے یعنے بدل منجر بہ بد نہو اور خواہش
روحانی خواہشِ نفسانی و حیوانی سے تبدیل نہو ۔

طلب نعمت مین قید آیۂ مابعد سے ہے ۔ یعنے صِرَاطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیهِم غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیهِم
وَلَا الضَّالِّینَ اور اس سے طلب نعمت کامل ہے کہ جسکا نتیجہ بندہ کا بوجہ احسن ہو ۔ چنانچہ

امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ نعمت توفیق کامل ترین نعمت ہے اور اس سے اوصاف حمیدہ و اخلاق ستودہ و اصناف طاعات و انواع عبادات مقصود ہے۔ چونکہ یہ آیہ روش دینی و دنیوی کے درست کرنے کے لیے با مداد باری تعالےٰ مقصود ہے اسلیئے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فرمایا

سورۂ فاتحہ کی ایک خلاصہ تقریر یہ ہے کہ ہر چیزون کے لیئے ایک قوت کمال ہے کمالِ انسانی عمل صالح و معرفتِ او تعالےٰ ہے اور استکمال قوت نظریہ علم حقایق اشیا ہے اور استکمال قوت نظریہ کہ جس سے علم حقایق اشیا ہوتا ہے وہی منبت علم باریتعالےٰ ہے انسانی ترقی کے تین مرتبہ ہین اول معرفتِ مبداء۔ دوم وسط سوم معاد۔ علم وسط سے غرض مرتبۂ عمل ہے۔ اسکے دو مرتبہ ہین۔ پہلا مرتبہ ہدایت کا اور دوسرا نہایت کا۔ مرتبہ ہدایت اشتغال توحید بالمعبودیت ہے مرتبہ نہایت قطع نظر عن الاساب وتفویض الامر کلہا اسلئے مسبب الاسباب ہے۔ اور اسی مرتبۂ نہایت کا نام توکل ہے۔ مرتبۂ وسط مین پہلا امر اشتغال بالمعبودیت ہے۔ اسم اللہ منبع خلق و ایجاد و تکوین و ابداع اور لفظ ربّ بہ لحاظ تربیت مصالح دنیا اور رحمٰن بغرض مصالح مبداء اور رحیم بلحاظ معاد اور مالک دال اوپر اس قوت کے جسکا ظہور بعد انتقال طرف دارِ جزا کے ہے اسلیے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہ فرمایا گیا اور نستعین کی توضیح اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ نے فرمائی۔ صراط کی تخصیص صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ہ سے کر دی۔

مجکو مقصود معجزۂ قرآنی بالمعنی دکھلانا ہے۔ اسلیئے مین نے بعض مرزا مبرد اور دگا

اور فقرات انجیل جو بجائے سورہ فاتحہ عیسائیون کی عبادت مین استعمال کیئے جاتے ہین اِس تحریر مین درج کیئے ہین ۔ جیسا کہ مین اوپر لکھ چکا ہون نہ کسی فقرہ مین توسیع قدرت اوتعالیٰ ہے ۔ نہ استدلال بر وجوب وجود ہے ۔ نہ طلب کامل ہے کہ جو کافی واسطہ درستگی مبدا و معاد کے ہو ۔ نہ اِس وضاحت کے ساتھ توحید بالمعبودیت کہ جو شایانِ ذاتِ واجب الوجود ہے اہلِ اسلام کے ہر مختلف خیال والون کا بھی فرقان مجید کی برکت سے توحید بالمعبودیت پر اعتقاد راسخ ہے ۔ چنانچہ ہمارے زمانہ کے یگانہ عصر اسد اللہ خان غالبؔ جو نہایت آزادانہ مشرب رکھتے تھے انھون نے بھی نہایت ہی خوبصورت عاشقانہ خیال مین اِس مضمون کو ظاہر کیا ہے ؎

	رند ہزار شیوہ را طاعتِ کس گران نبود لیک صنم بسجدہ در ناصیہ مشترک نخواست	

اے نام ہمایوت طغراے دیوانہا

خورشید صنعت طالع از مطلع عنوانہا

چند روز قبل اِس جلسہ مین جناب شمس العلما مولوی محمد شبلی صاحب نے جنکی لیاقت و شہرت علمی مشہور کالشمس فی نصف النہار ہے بعضے مضامین عالیہٗ قرآنی پر ایک خطبۂ بلیغ فرمایا تہا۔ فی الحقیقت اِس متانت اور لیاقت سے اپنے مقصود کو اُنھون نے ارشاد فرمایا کہ زبان آسکی تعریف سے قاصر ہے۔ مگر مولانا کو وقت کافی اِسکے بیان کا نہین ملا بعضے احباب نے اِس ہیچمیرز سے استدعا کی کہ بطور تتمہ اپنے خیال کے موافق اُسی باب مین مین بھی کچھ گزارش کرون۔ مگر مین اپنی کم لیاقتی سے معترف بعجز ہون کہ کچھ بھی مضامین عالیہٗ قرآنی کو عرض کرسکون بہرحال بخواست الامر فوق الادب اُنکا برا ساتذہ سے خوشہ چینی کرکے آپ حضرات کی سمع خراشی کرتاہون میرے نقصانون پر نظر کرم سے نگاہ فرمایئے گا اور میری غلطیونکو اپنی توجہ خاص سے تصحیح فرمائیگا۔

عنوان اِس گزارش کا ہمارے مشہور شاعر حکیم سنائی کا ہے سہ

عروسِ حضرتِ قرآن نقاب آنگہ براندازد

کہ دارالملک ایمان را مجرّد بینی از غوغا

حضرات! معجزۂ قرآنی دو حیثیت سے ہے پہلی حیثیت اُسکی حُسنِ عبارت کی ہے اور دوسری حیثیت اُسکی لطایف معنی کی حسن عبارت پر بحث کے لیئے آدمی کی حیثیت علی سحبان ابن وائل اور حسان ابن ثابت کی ہونی چاہیئے قرآن مجید کی لطافتِ عبارت بنائے علم معانی و بیان ہے اسپر گفتگو دو وجہون سے محض فضول ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ تمامی علماے اسلام از سلف تا خلف اسپر متفق علیہ ہین۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بحث بخوبی کتب متداولہ علم معانی و بیان مین بہ توضیح تمام مندرج ہے۔ یہان اسقدر گزارش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نصرانی علما قرآن مجید کے حُسنِ عبارت پر یہ اعتراض پیش کرتے ہین کہ اگر قرآن مجید کی حُسن عبارت دلیل اُسکے خدا کے کلام ہونے کی ہے تو نسبت ہومرس البلا[illegible]

ور انینڈ (Wirgils Eneid) ملٹن پراڈ ایز لاسٹ (Miltons

Paradise Lost) شاہ نامۂ فردوسی اور مہابھارت کے کیا کہا جاے گا

یہ تصنیفین زبان یونانی ولاطینی ۔ انگریزی ۔ فارسی اور سنسکرت کی اعلےٰ درجہ کی

سمجھی جاتی ہین ۔ مگر یہ اعتراض نصرانی زباندان علما کا بے بنیاد معلوم ہوتا ہے کتب

مذکورہ مین صرف ایک قسم کا مبحث ہے اور ایک ایک فرد کی سرگزشت ۔ واردات

اور کارروائیون کا ذکر ہے ان ہر ایک کتاب مین رزم و بزم ہے اور اسی آحاطہ

مین طیران طائر خیال کا ان شعرا کی ہے ۔ بخلاف قرآن مجید کے کہ یہ نظم ہے مجموعۂ

ضوابط و قواعد ہے کتاب عبادات ہے ۔ توحید اعلےٰ درجہ کی سکھاتی ہے

اور بپیرایۂ قصص مین مواعظ و نصائح ہین ۔ ہر مضمون کے لئے لازمی ہے کہ عنوان عبارت

بدل جاے ۔ مگر قرآن مجید کی عبارت مین تغیر و تبدیل کسی طرح سے واقع نہین ہوتی اور اسنے

ہر بحث کو ایسی عبارت مین بیان فرمایا ہے کہ جسکے تتبع سے اہل زبان قاصر ہین ۔ مادۂ

معجزہ کا عجز ہے جسکے معنی یہ ہین کہ دوسرے ویسا نہ بنا سکین یا کر نہ سکین پس عبارت

کلام مجید کا جواب حسب ادعاے علماے نصاریٰ وہ بحث نہین ہوسکتی جو مین نے گزارش کی

مضامین قرآنی کا اثر بلا جانے زبان عربی کے جو سمجھنے والے کے دل پر ہوتا ہے

وہ اِس واقعہ سے ظاہر ہوگا جو مین عرض کرتا ہون گیٹی (Goethe) ایک جرمن

فلسفی جو انیسوین صدی کے اکابر علماے یورپ مین گنا جاتا ہے عربی زبان سے محض

ناواقف تھا ۔ اُسنے ترجمہ قرآن کا بزبان لاطینی پڑھا پہلی مرتبہ وہ گھبرایا مگر اپنی ہمت قائم رکھکے

چنہ ہا۔ اُسنے اِس ترجمہ کو خوب غور سے پڑھا اور اخیر مین اِسکو قبول کیا کہ یہ کتاب ایک نہایت
عظیم الشان چیز ہے۔ اور بہت بڑی عظمت اِسکی اُسنے تحریر مین ظاہر کی۔ چنانچہ راڈ ول صاحب
نے (Rod well) جو ترجمہ قرآن کا بزبانِ انگریزی کیا ہے اُسکے خطبہ مین اُسی کی
عبارت کو نقل کرکے زیب عنوان کیا ہے۔ وہو ہذا

How ever often we turn to it at first dis-
gusting us each time afresh, it soon att-
racts, astaunds, and in the end enfor-
ces our reverence. Its style in accor-
dance with its contents and aims is
steem grand, terrible, ever and anon truly sub-
line.

حضرات! قابلِ غور ہے کہ ایک عالم یورپ کا جو زبانِ عربی سے محض ناواقف او
جسنے تربیت بچپنی سے مذہب عیسائی کی پائی تھی اُس کے دل پر قرآن مجید کے ترجمہ کی
پڑھنے سے کیا اثر ہوا۔ اب آپ حضرات غور فرمائین کہ اُن مسلمانون کے دلو نپر جنھون نے
قرآنِ مجید کو زبانِ مبارک سے رسول کریم صلعم کی سُنا ہوگا اصل زبان مین جسمین یہ نازل
ہوا ہے کیا اثر ہوا ہوگا۔ یہان نصرانی علما کا دعوے یہ ہے کہ مسلمانون نے بطمع غارت
وحصولِ مالِ غنائم جہاد کیا تھا کسقدر غلط خیال ہے۔ یہ معجزۂ قرآنی تھا جو اُسکے دل پر کام کر رہا تھ
اور اِس سحرِ حلال کے اثر سے بقولے اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْراً خدا کی راہ مین جان دینی اہم

زندگانی جاویدانی سے بہتر تھا۔ اشٹین ایس (Stein Eass) جو اسوقت کے زندہ عربی دانون مین سے ہے وہ اسکو قبول کرتا ہے کہ جب قرآن نے غیر معتقد قلوب سامعین پر یہ اثر دکھلایا تو مجکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعی اور غیر تکراری کل نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ہے۔ واضح ہو کہ اشٹین ایس بھی جرمن کے نصرانی علما مین سے ہے۔ انکا دعوے یہ ہے کہ راستی کے قریب پہونچنا اور بت پرستی کا اوٹھا دینا بھی بڑی راست بازی ہے۔ اِس قول مین اشٹین ایس کے وہی اثر تنصر ہے جو واقعی راستی عظیم الشان کو رسول اللہ کی قبول نہ کرکے قران مجید کو قریب بہ راستی بمقابلہ انجیل پہونچاتا ہے۔ مذہب کی پہلی راستی جو لوگون پر منکشف ہونی چاہیئے وہ توحید باریتعالے ہے۔ قرآن مجید کی ایک بہت بڑی آیت یہ ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ پہلا حصہ تکملۂ دین کا توحید باریتعالے ہے۔ کتب مقدسۂ قدیم تورات و زبور ہین وکتاب جدید انجیل ہے۔ آپ تورات زبور اور انجیل پڑہنے والون سے پوچھیئے کہ ایک مضمون بھی کتب عہد العتیق والجدید سے توحید مین مثل اِن آیتون کے نکالین۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ خواہ سورہ حشر کے رکوع آخر کی یہ آیت هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ الخ۔

حضرت موسٰے کو بارہ احکام عنایت ہوے تھے جسمین پہلے جناب باری نے انکو یہ ہدایت فرمائی کہ مین تیرا خدا ہون اور مین نے تجھکو غلامی سے چھڑایا ہے۔ تو غیر خدا کی پرستش نہ کر۔ یہ معین ہر احکام تورات مینی ہین۔ اور انجیل مین صرف اقوال اور آثار حضرت عیسی کے مجتمع کیے ہوے ہین۔

آیات مذکورہ کی خوبیان مین اُسکے بعد بیان کرونگا ۔ پہلے آپ لوگون کو یہ جاننا ضرور
کہ پریسبٹیرین منک (presbyterian Monks) لوگون نے انواع طرح کے
اعتراضات مذہب اسلام اور ذات اقدس پر رسول کریم صلعم کے برپا کیئے تھے ۔ اول شخص
یورپ مین فرنچ عالم پوکاک (pococke) ہے جسنے مسلمانون کی تصانیف سے
ترجمے زبان فرنچ مین شروع کیئے اور گبن (Gibbon) نے اپنی تاریخ کا ماخذ اکثر
ترجمون کو پوکاک کے کیا ۔ گبن بھی اُن لوگون مین ہے جسکی ابتدائی تعلیم مذہبی مذہب عیسائی کی
تھی ۔ اور اُسکو زبان عربی سے ناواقفیت تھی ۔ قرآن کا ترجمہ زبان فرنچ خواہ لاطین مین اُسنے
بھی پڑھا ہے ۔ بنسبت توحید باریتعالے کے اُسنے اپنی تاریخ مین صاف لفظون مین یہ لکھا ہے
کہ:۔ Koran is a glorious testimony on the
unity of God. یعنے قرآن ایک شہادت عظیم الشان توحید پر
باریتعالے کی ہے ۔ یہان غور فرمانے کے قابل ہے کہ آیا آیتین توحید کی جو قرآن مجید مین جنمین
سے بطور نمونہ چند مین نے پیش کی ہین ۔ اُنکی خوبیان کیا ہین ۔ توحید کا بیان ایسا جیسا کہ مین
عرض کرچکا نہ کتب مقدسہ عتیق مین ہے نہ جدید مین ۔ اور پھر خوبی یہ ہے کہ غیر تعلیم یافتہ
اپنی زبان مین ترجمہ کرکے اُسکو بلا معاونت کسی عالم کے بخوبی سمجھ سکتا ہے ۔ اور عالم کیا
مسایل حکمیہ اور منطقیہ کو اُن آیات سے بہ ثبوت اثبات واجب الوجود اور توحید باریتعالے
مین بحث کرسکتا ہے ۔ حکماے مشائین و اشراقین باہم بے سعت اپنے براہین عقلیہ کا
اُس سے مبنی پا سکتے ہین اور حکماے مادیین بھی جو موجد ہین اور جو اسوقت یورپ مین شہرت

[illegible] مین بے تامل بہرہ اندوزہین۔

ایک بڑا بحث حدوث وقدم کا ہے جسکے مضامین عالیہ سمجھنے سے عوام الناس اور غیر تعلیم یافتہ کے باہر ہین۔ اِس بحث کی بناکو پیرایۂ حکایت مین لپیٹے صاف لفظون مین قرآن نے بیان کردیا کہ ہر اعلےٰ وادنےٰ اور ہر جاہل وعالم بے تکلف واقعۂ روزانہ سے سمجھ سکے۔ میرا مطلب اِن آیاتِ شریف کی طرف آپ لوگون کی توجہ کو مصروف کرنیکا ہے۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا ۚ قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مین نہین عرض کرسکتا ہون کہ کس سیاق سے ترجمہ اِن آیاتِ کریمہ کا لاطینی یا فرانسیسی زبان مین ہوا ہے۔ مگر گبن نے اِنہین آیاتِ کریمہ کے ترجمہ کو پڑہکر یہ عبارت اپنی تاریخ مین لکھی ہے۔

The prophet of Mecca rejected the worship of idols & men of stars & planets on the rational principles that whatever rises must set that whatever born must die, that whatever is corruptible must decay and perish.

ترجمہ اسکا یہ ہے۔

رسول مکی نے پرستش اصنام۔ اشخاص اور سیارہ کو اِس معقول دلیل پر ممتنع کردیا کہ جسکو عروج

اُسکو زوال بھی ہے جس شئے کے لیے طلوع ہے اُسکے لیے غروب بھی مقرر ہے۔ ہر تولد کے لیے موت ساتھ لگی ہوئی ہے اور ہر انقلاب ہر ہر چیز کے ساتھ مادۂ انحطاط و فنا قوام ہے اِسکے بعد وہ یہ لکھتا ہے کہ مذہب اسلام وہ مذہب ہے کہ جسکو ایک موحد فلسفی بطوع خاطر قبول کرسکتا ہے۔ درحقیقت اِسکے اُصول ایسے عالی ہیں جنکو ہمارے موجودہ قوائے عقلیہ درک نہین کرسکتے۔ قابل لحاظ ہے کہ حادث یا قدیم ہونے کی بحث کی حاجت ایسے واقعات بین کے مقابلہ مین اُن اشخاص کے سامنے جنہیں ذرا بھی عقلِ سلیم ہے نہین ہے۔ اور علما اپنے اُصول کل متغیر حادث پر بے تکلف دفتر سیاہ فرماسکتے ہین۔ سادگی اور متانت۔ جاہل کے لیے صاف اور عالم کے لیے نغلاق ایک عام خوبی قرآن مجید کی ہے۔

مین نے اوپر عرض کیا ہے کہ سورۂ اخلاص اور آیاتِ رکوع آخر سورۂ حشر سے بڑھکر جامع و مانع بیان توحید کا نہین ہوسکتا۔ پہلے سورۂ اخلاص کے نکات بیان کرتا ہون اُسکے بعد دوسری آیات کا ذکر کرونگا۔ معمولی ترجمہ سورۂ اخلاص کا یہ ہے۔

"توکہہ اللہ ایک ہے۔ اور ایسا ہے کہ عقل اُسکی کیفیت کو نہین پہونچتی ہے۔ نہ کسی کو جنا اور نہ کسی سے جنا اور نہین اُسکے جوڑ کا کوئی"۔ یہ ایک صاف معنی ہین جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا ایک ہے عقل اُسکو درک نہین کرسکتی۔ نہ کسی سے پیدا ہوا نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ کوئی اُسکے برابر ہے۔ اگر علما کی روش سے اِس سورۂ شریف کو لکھا جاوے تو ہر ہر حصہ اِس سورہ کا بلکہ ہر ہر لفظ بنائے بحث اثباتِ واجب الوجود ہے مختصر طور سے مین صرف اِس سورۂ پاک کے الفاظ جسمے جو مباحث پیدا ہوتے ہین اُنکی طرف حوالہ کرتا ہون بیشیخ الرئیس:

اس سورۂ پاک کی ایک علیحدہ تفسیر لکھی ہے اور دیگر علمائے مفسرین دقیقہ رس ونکتہ شناس اسکی تفسیر مطول فرماتے ہین شیخ الرئیس کی تقریر یہ ہے کہ کل اعیان موجودات ساتھ مراتب ثلثہ یعنے ماہیت۔ وجود۔ وتشخیص کے متصف وملتبس ہین۔ اعیان ممکنہ مین وجود وتشخیص ممتاج غیر ہین۔ اور بلا وجود ماہیت وجود وتشخیص کا موجود ہونا محال ہے۔ ایسی حالت مین دیکھنا چاہیئے کہ وہ کسکا وجود ہے جو محتاج غیر نہین۔ وہ وجود واجب الوجود ہے اور وہ وجود لذاتہ ہے نہ لغیرہ۔ کیونکہ اعیانِ ممکنہ مین وجود غیر ماہیت ہے اور ذات واجب الوجود مین وجود عین ماہیت ہے۔ لوازم اور اضافات انتسابیہ سے ہر چیز کی ہویت پہچانی جاتی ہے اور چونکہ ہویت او تعالیٰ وتقدس کی لوازم اور انتساب غیر سے پہچانی نہین جا سکتی اور ماہیت اسکی جنس وفصل سے مرکب نہین ہے بلکہ وہ واحد محض اور بسیط محض ہے اسلیئے او تعالےٰ وتقدس نے اپنی ہویت محضہ اور ماہیت عین وجود کو لفظ اللہ سے تعبیر فرمایا۔

اعیانِ ممکنہ مین چونکہ مضمون کثرتِ امثال۔ اجناس وفصول۔ مادہ وصورت۔ قوت وفعل۔ اشکال والوان۔ موجود ہین او تعالےٰ وتقدس واحد محض ہے اور ان حدود سے بری اور منزہ ہے اور ان حدود کو احاطت آسیر نہین ہے اسلیئے آسنے اَللّٰہُ اَحَد فرمایا۔

چونکہ جناب باری نہ جسم ہے نہ عرض ہے۔ نہ صاحب مکان نہ جہت و نہ صاحب ماہیت ہے بلکہ وجود اسکا عینِ ماہیت ہے۔ اسلیئے آسنے اَللّٰہُ الصَّمَد فرمایا۔

چونکہ خدا وند تعالےٰ وتقدس مبدا فیاض۔ وجود حقیقی ہے اور ...کل اشیا ہے محتاج

ا دہ نہین بس وہ متولد نہین ہو سکتا اور جب متولد نہین تو کسیکا والد بھی نہین اسیلئے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

فرمایا

خداوند تعالے وتقدس ہویتِ محضہ اور وجودِ محض رکھتا ہے۔ اور ہویت اُسکی اعتبار غیریت پہچانی نہین جاسکتی کیونکہ وجود اُسکا عین ماہیت ہے۔خود نہ جوہر ہے۔ نہ جسم ہے نہ نہ محدود نہ زمان ہے نہ بمکان تب لامحالہ یہ بات حاصل ہوئی کہ اُسکا کوئی برابر وہمسر نہین اسیلئے

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فرمایا۔

یہان ایک بحث اور پیدا ہوتی ہے کہ انواعِ شرک اور اشتراک آٹھ ہین نقص تقلب۔کثرت وعدد۔ علت ومعلول۔اشکال واضداد۔حق سبحانہ تعالے نے بقولِ قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ نفی کثرت وعدد فرمایا اور تقلب ونقص کی رد اَللّٰہُ الصَّمَدُ سے کی۔ اور علت ومعلول کی نفی لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ سے کی۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ نے اشکال واضداد کو معدوم کردیا۔آخر مین شیخ نے اِس جملہ پر ختم کیا ہے۔ فَہٰذَا مَا وَقَفْتُ مِنْ اَسْرَارِ ہٰذِہِ السُّوْرَۃِ وَاللّٰہُ مُحِیْطٌ بِاَسْرَارِ کَلَامِہٖ۔

خسرو نے اِس خیال کو نہایت خوبی سے ظاہر کیا ہے، اور وہ یہ ہے ؎

رخشِ علل در پیش افگندہ ہم

علت ومعلول در وہردو گم

دوسری آیتین سورۂ حشر کی مین نے لکھی ہین اور وہ یہ ہین۔ ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ ۚ ہُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ

السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

ترجمہ ان آیات کا یہ ہے ۔

وہ ہے اللہ جو نہین کوئی معبود مگر وہ ۔ جاننے والا پوشیدہ کا اور حاضر کا ۔ وہ ہے بخشش کرنیوالا ۔ مہربان ۔ وہ ہے اللہ جو نہین کوئی معبود مگر وہ ۔ بادشاہ ۔ پاک ۔ سلامت سب عیب سے ۔ امن دینے والا ۔ نگہبان ۔ غالب زبردست ۔ تکبر والا پاکی ہے اللہ کو اُس چیز سے جو شریک لاتے ہین ۔ وہ ہے اللہ پیدا کرنے والا ۔ درست کرنیوالا ۔ صورتین بنانیوالا ۔ واسطے اُسیکے ہین نام اچھے ۔ اُسکی پاکی بیان کرتی ہے ہر چیز جو درمیان آسمانونکے اور زمین کے ہے اور وہ ہے غالب حکمت والا ۔

ان آیات کریمہ سے جمیع صفات اور تعظیم جناب باریتعالے کی اور نہین مساوی ہونا کسیکا اُسکے ساتھ ثابت ہوتا ہے ۔ مین اسوقت پھر دعا کرتا ہون کہ پہلا مسئلہ مذہب کا توحید باریتعالے ہے اور قرآن مجید مین سوا ان آیتون کے اور بھی آیتین بہ ثبوت وحدانیت او تعالی و تقدس ہین ۔ اور وحدانیت کا پورا بیان جیسا کہ قرآن مین ہے ویسا کسی کتب مقدسہ مین پایا نہین جاتا عام ہے اس سے کہ وہ کتاب عہد العتیق ہو خواہ کتاب عہد الجدید ۔ پس یہ دعوی اشین اپس کا قریب بہ "اسی ہین" غلط ہے ۔ بلکہ جیسا کہ جناب احدیت نے فرمایا کہ الیوم ۔ الخ ۔ وحدانیت کو پہلے اس ملت حنفانیہ کے کامل کردے ۔ اور کتب مقدسہ قدیمہ وجدیدہ بہ قریب اسکے پہونچ ٹھہر گئے تھے انکا حکم اس قرآن ناسخ نے فرمادیا ۔

معجزہ بالمضامین قرآن کا بھی بہت بڑا ہے کہ غیر قایل دلون کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے
اپنی عظمت و شان کا اقرار کرا دیتا ہے۔ اگر ہمنے ایام طفولیت سے مذہب اسلام کی
تعلیم پاکر عظمت و شان کو قرآن کی قبول کیا۔ تو وہ تقاضاے تعلیم ہمارا ہے۔ مگر اس کتاب
عظیم الشان کی عظمت و جلالت پر جب فلسفی غیر مذہب کے قایل ہون تو وہ معجزہ زوان اس
کتاب کا ہے۔

جب تک اہل یورپ کو مسلمانون کے تصانیف پر وقوف نہ تھا اوسوقت تک
اُنکے خیالات نہایت محدود تھے اور باعث تشدد اُن لوگون کے جو اُنکے مذہب کے
پیشواتھے اُنکو مواقع تحقیق و تفتیش کے نہ ملتے تھے۔ اب زمانہ بدل گیا اور کسی طرح مزاحمت
مذاہبی آئین باقی نہین رہی۔ مین بخوبی خیال کرتا ہون کہ معجزۂ قرآنی کا اثر اہل یورپ پر اور
اور صاحب عقل سلیم پر اُس سے زیادہ ہوگا جو کیتی پر ہوا اور ہمین اس پر ہے۔

انشاء اللہ جلسہ آیندہ مین ایک تحریر دوسری متعلق بہ توحید بالمعبودیت
پیش کرونگا۔

انتخاب

تحریرات انجمن علمیہ آرہ متعلقہ بابت ماہ جنوری تا ماہ جون سنہ ۱۸۶۹ عیسوی

بغرض فوائد عوام

حسب الحکم عالیجناب منشی سورج مل صاحب ڈپٹی انسپکٹر اسکول پریسیڈنٹ انجمن علمیہ

بحسن اہتمام

خواجہ سید فخر الدین حسین سخن دہلوی سکرٹری انجمن علمیہ و وکیل عدالت دیوانی ضلع شاہ آباد

فہرست مضامین

صفحہ

نمبر اول ترجمہ تحریر لارڈ بیکن صاحب در باب مطالعہ مترجمہ مولوی خدا بخش خان صاحب ممبر انجمن علمیہ ... ۲

نمبر دوم ترجمہ تحریر لارڈ بیکن صاحب بابت راستی مترجمہ مولوی خدا بخش خان صاحب ممبر انجمن علمیہ ... ۳

نمبر سوم تحریر منشی سورج مل صاحب ڈپٹی انسپکٹر ضلع پٹنہ و ترہت در باب تصریح [illegible] ... ۹

نمبر چہارم انتخاب غزلیات خواجہ سید فخر الدین حسین سخن سکرٹری انجمن علمیہ ... ۱۳

نمبر پنجم ترجیع بند سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی ممبر انجمن علمیہ ... ۱۴

نمبر ششم خاتمہ ... ۱۶

قصبہ آرہ

... باہتمام منشی جگو بندھ ... کے چھاپا گیا



بسم الله الرحمن الرحیم

ترجمه تحریر سر لارد بیکن صاحب در باب انتقام ترجمه مولوی خدا بخش خان صاحب

انتقام یک نوع عدالت وحشیانه است هر قدر طبیعت انسانی بطرف او بیشتر رجوع کند همانقدر بر قانون لازم است که او را بیخ کنی کند چرا که جرم اول فقط

شما نیکن خلاف قواعد مجاریه ملک است مگر بعوض کردن حق ضرور است قانون را اصلح کرد نسبت انتقام گرفتن

با خصم برابر میکند مغرور میشود بلند میگردد چه هوا صفات شما است لیکن ... بادشاهانه است که از عفو در گذرد

کار گذشته مبدل نمیشود و عقلا بکار حال و آینده مشغول میشوند و آنکه در باب امور گذشته فکر میکنند

کسی که ظلم میکند به سبب آن ظلم نمیکند که ظالم است بلکه به سبب آنکه ازان فایده یا تسکین حاصل کند یا عزت یا منفعت

حاصل کند و غیره پس اگر کسی بسبب محبت ذات خود به من بدی میرساند چرا ناراض شوم که او ذات خود را

از ذات من زیاده دوست میدارد و اگر کسی به سبب خبث طبیعت کسی ضرر میرساند پس آن کس مثل خار است

که از خلیدن کاری دیگر نمی آید چرا که قابل تحمل باشد آن خصلت که از قانون مروجه ملک علاج نتوان کرد

بالکل انتقام گیرنده باشد (قانون) (وقات خصم) نسبی هست از زمان کردن اسم مخالف را

نه تنها از خصم انتقام کشیده شود بلکه آن کسانی هم که در رسانیدن ایذا دست داشته اند

از تمن ... که از جرم صادر شده بود و لیکن انتقام گیرنده ... عجب ... باید

که ... حساب ... داند ... که ... نمیکنند

... عیش ... که ... دشمنان ... اگر

... که ... کار ...

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] از دست [illegible] بنابر [illegible]

[illegible]

[illegible] صحبت [illegible] ان [illegible]

[illegible] پاشید [illegible] صحبت [illegible] لطف صحبت [illegible]

[illegible] کوچک بالاتفاق [illegible] آبادی [illegible]

می نماید بالطور باین معامله هم متفق شده اند که [illegible] صحبت [illegible] نمی زند مگر [illegible] ساخته اند

آدم [illegible] صحبت [illegible] بزرگ که [illegible] وقت [illegible] امری است [illegible] شده

[illegible] عوارض احتیاس [illegible] صحبت مبارک [illegible] علامت است [illegible] جگر

[illegible] کلفتی الحال [illegible] باستعمال [illegible] [illegible] بستگی [illegible]

[illegible] از کران سنگی [illegible] می شود

[illegible] مگر اینکه مریض [illegible] خوف [illegible] شکوک و شورش

[illegible] باد صحبت [illegible] آمده [illegible] که هر کس [illegible] نتوانست [illegible] جان

[illegible] دوستی [illegible] خود [illegible]

[illegible] غلط می انداختند و انگشت های [illegible] است [illegible] آن را

[illegible] دوستی [illegible] آن شخص [illegible]

[illegible] از قدیم و الیان ملک عهد جدید [illegible] بالا انگشت [illegible] می نماید

[illegible] پادشاه [illegible]

[illegible] شرکت است که [illegible] دوست [illegible]

[illegible] است [illegible] پادشاهان

... تحقیق ... پیش از این ... که ... سلطنت ...

... کلمات تعظیم ... تا چه ...

... دل مردمان ... ساخت ...

... سلطنت ... خواست که ... با برای شخص ...

پاسخ ... عالم ... مشهور است که آفتاب ...

پرستند ...

شرح — ... کونسل ... میان ... با اختیار خاندان شاهی ... قیصر از

میدان معرکه ... مردم ... بعد از ... سال ... حکومت ... گرفتند و هر یک از ایشان ملقب به کونسل

ملقب میشدند ... این ... سلطنت ... پانصد و ... سال قبل ولادت حضرت ... اسلام

آغاز شد ... که اول شاهنشاه ...

جولیس سیزر ... املاک ...

انچه ... هیچ شخص ... قیصر ... داشت ... کشان ...

... فی الحقیقت ...

... گفت که شاید قیصر ...

... عرض کرد ...

... قیصر ... چون ...

... اگر یارا اختیار چندان ...

کرده ...

شرح — ۲ جولیس سیزر که از عرب قیصر اول گویند ... شاهنشاهان روم ... خطاب مخاطب شدند ...

اوایل حال ... پس از این ...

... سلطنت ...

...

...

[illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] استقلال [illegible]

[illegible] [illegible]

شرح ۲۲ [illegible] انتقامی [illegible] [illegible]

[illegible] سال پیش از ولادت حضرت عیسی علیه السلام [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

شرح [illegible] [illegible] متصل زبان لاطینی [illegible]

[illegible] سال پیش از ولادت حضرت عیسی [illegible] [illegible] آوردند [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] ۲۳ [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] آوردند

شرح [illegible] [illegible] گلستان [illegible] دست او فتح شد

شرح [illegible] بود و [illegible] فضل و کمال در زبان لاطینی [illegible] تصنیفها دارد [illegible] [illegible] شهید

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] پادشاهان [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] احوال [illegible] بگوید [illegible]

[illegible]

[illegible]

دانایان فراوان زحمتهای کشیده‌اند [illegible] منسوب است [illegible] که راز خود

از دل بیرون نمی‌کنند [illegible] فی الحقیقت [illegible] المعنی [illegible] گفتن راز

دنیا [illegible]

اگر [illegible] احوال چیزی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

باری اگر انسانی [illegible]

گشتن [illegible]

...ساوس گوید که اینها بنصیب ... حکیم هندسی ... [illegible] ... حکمت ...
[illegible] ... ریاضی ... متعلق ... [illegible] ...
[illegible] ... مزاج ... [illegible] ...
[illegible] ... تمام نگفته ... [illegible]

... اسکلپیوس ... یونان ... اسکندر ... [illegible] ... یونانیان ... پادشاهان ...
[illegible] ... شهرت ... [illegible] ...
[illegible] ... پادشاهی ... [illegible] ...
[illegible] ... [illegible] ...
[illegible] ... یونانیان ... [illegible] ...
[illegible] ... برادران ... ناملایم ... [illegible]

هراقلیطس ... سال قبل از ولادت حضرت عیسی ... [illegible]
یونان است ... خلقت ... حالت ... [illegible] ...
[illegible] ... داشت ... آتش است ... [illegible] ...
اقوال او ... [illegible] ... واقع شده چون ... [illegible] ...
[illegible] ... خلاف دیگر فلاسفه است ... خلقت انسانی ... [illegible]

شوره ... [illegible] ...
[illegible] ... کتب ... اخلاق ... [illegible] ...
[illegible] ... [illegible] ...
[illegible] ... صلاح و ملامت ... [illegible] ...
[illegible] ...
... چاپ ایشان ... کیفیت حال



... کسان ... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...

تماشاییان بسیار در میان معروف یکسان بسیار است تا با برقی ببارد و بنیاد هیچ جاییست که
بسیار بهر نهند و بکار خویش بیخود است نیست در اصوات حیث آن هم سخن را ضروری است در خصوصیت
تحصیل کمال کار پیشتر بلکه ز اینها ضروری است کار ابن شود بهتر است کار ار مقصود است
بنیاد لیکن ضروری است که احتیاج است و بیرون بیارد لغیر ممکن باخبر از آدمیان اصول دیگر کند
یک کار اصلاح اینکه به پیوند دیگر از دیگری اینچنین مشهور است تا خوش نشستن بهتر این فعل را بدنا
دست پیش اول انعکاس نیک حاصل نگردد چه کسانی که بسیار است بیشتر از آنست که نشود این جا
اندوه است مخلص آمده اند اوقات شیرازی که به روش منفعت و ضرر خویش بجهد و مراعات حد نیست
هم دارد و از افراط تا تجربه ها نمایند وقوف در صورت حال چیست گوید تا بعد از آن معتقد و این نیز بیان نما
کرد لیست از کوائف مزاج مریض هنوز نا واقف مانده و در دفع مرض تمام نموده کرده تا شفا یافت اگر ببالین ما
بجانب دیگر ریخت پس کار مریض چونکه معالج اندر طب و باب بدان نیز بهتر است تکرار شود دوست که
احوال بازنموده وقوف کامل دارد دیده اند که درمان منفع شدن است چه از پیشتر پیدا باید و لا تسبیح و هر که
تا کسی که مستغرق را سبب است دلیل اصوات ساختن نشاید چه داشتن شغل تمام گردد که کار تباه
تمثیل دوم مقدار کرد پیشتر تجربیات نفعت دیگر که هیچ سبب بیشتر ضرر است یافت می شود و آن هم استعمال است
در جمیع مهمات و کل مواقع تا اینکه دوست و چندین ضرور با بعید است که را حکم ایشان در کدامی امورات
خویش پرداختن توانند و یکی بعدی احتیاج آرد چنانچه گویند که دولت دوست عین ذات خود است
من گویم که چیزی بیشتر از این مردمان هنوز به ساحل مقصود نارسیده اند میان ببینید چنانکه تربیت اطفال و
تمام تصانیف بیخبر از آنکه اگر مخلصی داشتند بعافیت بسر می بردند چه ور جو فرو روی بیش قائم مقام خود می گردانست
که اوقات خود را وقف تمام مهمات شان میکرد و کار را بانجام میرسانید گفت کسی که دوستی دارد گویا دو جان
در قبضهٔ اختیار دارد هر کس را یک تن است و آنرا باید سپاهی فدا الیک مرتبه دیگر دوستی است رفع امکان
زیادی بسهولیت ممکن دید از جان آدمی انگیختن پای ما منظاهر
[illegible] لیاقت
خود هم یکسانی تن زبان خویش بدی نماید خواستن چیزی
انجنین کار اما الفود معرفت است همچنین التفات خود
بسعادت چیزی میل بناموس گردیده شهر بود شد

با هر کس همچو [illegible] صحبت ... بگذارد صحبت ... در وقت بنگر و طبع مرد آنکه ... بیت
بود تا بیست آسایش نگیرد ... بهتر از خود نیابی لازم است کفایت گزینی که با تو نشینی حالا ... چگونه
اینک بیم کند ... بعضی مقامات دوستی چه [illegible] را نغمه ... تندها ... ببیدلت ...
و دعا گفتن انشا ... بعضی ... آید ... دوست چنانکه ... کیقباد شیبانی ... مانند
کرده اند دوستی ... نیست ... نمی ... دوستی اتفاق و وفاق ... پایند ... باقی است اگر اتفاق آید
یافت در کنار ... گرفت ... ماوراء النهر ... غرافت ... لشکر ... محروم ... اهل ... صوفی ...
حکیم سنائی غزنوی ... چه ... الدین ... رجب ... تا اسناد معروف ... دوست ... شعر
ملا ... بود سنائی ... آمدیم وجامی ... شعر ترک ... کرده ... این ... نام
از حکیم غزنوی بشنو ترنم در حدیقه خود قطعه ... فصاحت و متانت بسته ... قطعه با رفیقان سفر ... باشد
بی رفیقان سفر ... باشد راه چون یار غار داد ... یار در غار ... مصطفی را ... هر که
یار باید همچو یکرنگ آب اگر نه آتش است یار خاک لعل است و هوا آثار
و ... ... نیست دوست ... عیب ... اگر ... صفت ... نیست دوست نیست
انشای ... ترین ... عظیم ... حکیم ... گفته ... باب
... آرم ... حکایت سخن کنم

نظم

آن شنیدی که گفت ... یا ... گفت این راز ... گفت ... راز
سر ... بر ... دوست محرم ... دراز ... پیش محرم ... باید راز
پیش نامحرمان ... محرم ... شاید ... سخنی گفته ... کہ نا گفته

تحریر جناب ڈپٹی سورجمل صاحب مہتمم پریسیڈنٹ انجمن علمیہ

بیان فصاحت

... لغات فارسی لغوی مشہور ... از حروف ... ہے

... لفظ ... شعرا ہوا ... بات ... کی ... پر منحصر ہے
... سبب ہوتا ہی اور بعضوں کی کتابی ... [illegible]

بعض حرف پیتا نہ تھا یعنی شانا شیشۂ شکست **غرابت** یعنی وہ کلمہ اپنے معنی میں بہ استعمال اہل فن کے غیر مانوس ہو

استعمال اہل زبان کا نہ ہو **مخالفت قیاس لغوی** یعنی وہ کلمہ خلاف قاعدہ صرف اور لغت کے

خلاف ہو اور اسکی کئی قسمیں ہیں **نوع اول** یہ کہ بنظر ضرورت شعری کلمہ کی صورت بدل دیں

مثال فارسی سے انبہ گہ رو آب نیلوفل شد سراز عبیر دشک بہل یعنی یہاں نیلوفر کو نیلوفل کیا ہی

مثال اردو **آتش** ع [illegible] تو دیکھا ہی الصاحب

میں کچھ نہ کہ کہ کیا اور یہ شاعر اشارہ کرتا ہی تو بہ نقص مجموع ہوتا ہی مثال فارسی **قطعہ** بعضے معرفت

چند [illegible] [illegible] خانہ کردہ [illegible] [illegible] یعنی سبب مثال اردو

مصحفی ہمدانی ع جانا [illegible] سنگے کہتی ہیں خاش زمین پہ تلاشی تراشی کا قافیہ کیا ہی حالانکہ خاص

لغت ہی **نوع دوم** [illegible] موقع بالا مثلاً شکستن کی جگہ گسستن چون [illegible] چنانچہ **نوع سوم** کے

لفظ میں ایک حرف بغیر [illegible] قافیہ زیادہ کردیتا [illegible] سے بود سے

می بیا کنعان [illegible] بیش تخون یعنی بجن **نظامی عروضی** ع بسا کا خاک [illegible]

[illegible] سے [illegible] [illegible] ایک قرینہ تھا اوسکی ادائی

سخت وہ نا چاہتا تھا اصل میں [illegible] کو سب کہتے ہیں اور دوال [illegible]

فصاحت کلام [illegible] جسمین ضعف تالیف تنافر کلمات تعقید ہو **ضعف تالیف** وہ ہے

کہ کلام برخلاف [illegible] زبان ہو **تنافر کلمات** وہ ہی کہ دو تین یا زیادہ کلمے ایسے جمع ہو جاویں کہ

سب [illegible] مثال فارسی ع بقرب قبر غریبان [illegible] شود مثال اردو از **انشاء اللہ خان**

سے لیلی کا [illegible] قیس ہو [illegible] گر الجھے اسوات خار مغیلان کی [illegible] **تعقید** وہ ہے کہ

کلام میں جو مراد شاعر کی ہی [illegible] فکر سمجھ نہ جاوی تعقید کی دو نوع ہیں **تعقید لفظی** و **تعقید معنوی**

تعقید لفظی وہ ہی کہ بعض لفظوں کی [illegible] مثال فارسی سے [illegible] گداف بخشیان

[illegible] گذاف کی معنی [illegible] شاعر کی [illegible]

تعقید معنوی وہ ہی کہ [illegible] استعارہ و کنایہ استعمال

[illegible] ایک [illegible] اور اشارات خفی [illegible]

عیوب سے پاک ہو جیسے قول عرب فصیح ہے

بیان بلاغت

کلام بلیغ وہ ہی کہ جو فصیح بھی ہو اور مقتضای حال کے موافق ہو یعنی جیسا مقام ہو اور جیسی حالت مخاطب کی ہو
ویسی ہی بات مختصر یا مفصل کہی جائے جیسا کہنا چاہیے ویسا ہی کہا جائے [illegible] بات کہے
بہی معلوم ہوتی ہی اور اوسکا اثر پیدا نہیں کرتی مثلاً جب مخاطب کا دل [illegible]
حال میں قسمیں کہا تا اور گواہ بتاتا اور جس حالت میں کہ مخاطب [illegible] ہو اور اوسکا ذہن [illegible] بات
جبھی جبکی ہو سیدھی سیدھی بات بلا ثبوت و تاکید کہدینا اور ذکی سے [illegible] باتیں کہنا اور غبی کے
سامنے باریکیاں چھانٹنا اور جو بات مختصر کہنے کے لایق ہو اوسکا طول کر کے کہنا اور جو بات کہ طول
کہنے کے لایق ہو اوسکے [illegible] سا کر دینا یہ عیب ہے جو بات مخل بلاغت ہی اور کلام بلیغ کی [illegible] فصیح ہونا
لازم ہی اور فصیح کلام کا بلیغ ہونا لازم نہیں

بیان علم معانی

علم معانی سے وہ اصول اور قاعدے مراد ہیں جنکی ذریعہ سی کیفیت تعبیر کلام کی مقتضای حال کی مناسبت
ہوتی ہی یعنی یہ جانا جاتا ہی کہ کونسی بات کس جگہ کس طرح کہنا چاہیے اور کلام خبریہ ہوتا ہی یا انشائیہ [illegible]
یا قصیر سادہ ہوتا ہی یا موکد مخفی ہوتا ہی یا واضح مختصر ہوتا ہی یا مفصل کلام خبریہ کا بیان پہلے کیا جاتا ہی
واضح ہو کہ کلام خبریہ وہ شی کہ جسمیں کسی چیز کا کسی چیز کے ساتھ پیوند لگا ہو یا جدا ہو اور وہ دونوں شی علحدہ ہوں
مثلاً زید عالم ہی عالم ہونا اور شی ہی اور زید اور شی پر جب عالم کا زید کے ساتھ لگاو پایا گیا جملہ خبریہ ہوا اور پیوند
لگاو کی قید اسلیے ہی کہ بعض وقت لگاو ہوتا ہی پر سامع کو پوری بات نہیں معلوم ہوتی مثلاً زید کا ہاتھ ہی اور ایسے
لگاو کو ادھورا لگاو سمجھنا چاہیے اب کلام خبریہ کی جزو اعظم تین ہیں مسند و مسند الیہ و نسبت جسکو فارسی
اصطلاح میں مبتدا و خبر و رابطہ کہتے ہیں اور لگاو ہر طرح کی ہوتی ہیں ایک یہ ہی کہ متکلم کی ذہن میں مسند الیہ میں
ایسی صفت ہو کہ مسند کا لگاو اوسکی ساتھ مناسب ہو مثلاً آسمان سے مینہ برستا ہی تو آسمان کی ساتھ مینہ
برسنے کو لگایا کیونکہ [illegible] مینہ برسانا کی ہی اور متکلم کے ذہن کی آسانی ہے کہ اگر حقیقت میں
مسند الیہ [illegible] کیونکہ کلام عوام کا سلیقہ ہی اور محقق کا مل بہت کرنا [illegible]
[illegible] کی ساتھ لگایا کیونکہ اوسکی رای میں بھیشہ میں [illegible]
[illegible] کا تو برباد کر دیا شمشیر اوسکا کہتا ہی کہ موت [illegible]

بنا دکہا یا جس مین ایک کا کلام دوسری عقل کے موافق نہ ہو اور [illegible]

لگاو کی یہہ ہی کہ متکلم کی نظر مین خود مسند الیہ مین ایسی ایسی صفت نہو کہ مسند کا لگاو اوس سی ہوتا جب معلوم ہو

لیکن مسند الیہ سی جو اور بات یا نسبت رکہتی ہی اوس مین ایسی صفت ہو جو مسند سی تعلق رکہتی ہو کے اوسکے نسبت

خواہ تامہ یا غیر تامہ جاہی ہو نہر جاری ہی نہر وہ شی ہی کہ جسمین پانی بہتا ہی اصطلاحی پانی بہتا ہی نہ نہر

مگر پانی اور نہر مین نسبت ظرفیت کی ہی اسیطرح کہتی ہین کہ فوارہ چہتا ہی چہ اصل مین پانی فوارہ سی چہتا ہے

اسیطرح کہتی ہین کہ سوال کہلا حالانکہ اصل مین غنچہ کہلتا ہی اور اسیکو مجاز عقلی کہتی ہین پر خبر مین خواہ حقیقت عقلی

ہو یا مجاز عقلی بلاغت کی پایہ سی نہین گرتی بشرطیکہ قواعد بلاغت سی خارج نہو

اغراض جملہ خبریہ

جملہ خبریہ پانچ مقصدون مین سی ایک یا زیادہ کی حاصل ہونی کی لیے بولتی ہی اول یہہ ہی کہ مخاطب ناواقف ہو

اوسکو واقف کرنا منظور ہو مثال سے اس دشت مین شیر ہی نہ جاو پہنچتا ہون بازآو دوم اپنی واقفیت کا

عیان کرنا منظور ہو خواہ مخاطب ناواقف ہو یا نہو مثال سے خدا ازلی ہی تپنیگا مجہکو ای آتش اوسکی

عبادت سی بہی شرم اپنی عصیان پر سوم جو کوئی جان بوجہ کر عمل نکری اوسکو یہہ یاد دلانا مثال از میر حسن

سے جو ہو کوئی برعکس شرع شریف وہ ہی اپنی ملت مین اپنا حریف چہارم صرف مکالمہ کے

لذت کی لیے خبر دین جیسے اپنی صفات ظاہر کرنیکو علانیہ باتون سی خبر دین مثلا میر حسن سے ہر ایک جیسے

واقف ہی برنا و پیر کہتی نام میرا شہہ بی نظیر اور ان اغراض سی جو کلام کیا جاتا ہی اوسکے لیے قواعد

مندرجہ ذیل کا لحاظ ضرور ہی

قاعدہ اول جب مخاطب خالی الذہن ہو یعنی اوسکے دل مین کوئی بات مخالف اوس بات کی جو کہنا منظور ہے

پہلی سی نجمی ہو اور متکلم کیطرف سی اوسکو شک و تردد کچہہ نہو اس حالت مین بات سیدہی سی کہنا مناسب ہے

قاعدہ دوم اگر مخاطب کے ذہن مین اور کچہہ بات سمائی ہوئی ہو اور متکلم کو سچا نہ سمجہتا ہو موکدات سی مضبوط

کرنا چاہی اور موکدات کئی طرح کی ہین موکد اول یہہ ہی کہ وجہ بات [illegible] توسط یہہ ہی کہ گواہی

اور شہادت سی ذہن نشین کرین موکد اعلی یہہ ہی کہ قسم اور [illegible]

وہ جزو اعظم ہین مسند و مسند الیہ اور ہر ایک کے واسطے [illegible]

آئندہ کیا جاویگا

انتخاب غزلیات جناب خواجہ سید فخر الدین حسین صاحب سخن دہلوی سکریٹری انجمن

تحسین قطعۂ تاریخ مثنوی بحر العشق مصنفہ مولوی اقبال علی صاحب [illegible] متخلص [illegible] بیان [illegible] جناب منشی [illegible] علی اللہ [illegible] بجلسہ تحریر [illegible] غزلیات [illegible] نظم کردہ

بجلسہ [illegible] خواندہ شد

قطعہ

اذا [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible]

و زمین غزلیات طبع آزمائی ارباب انجمن

مجھکو [illegible] ہوتا
[illegible] ہوتا

بہر [illegible] تربت پر
[illegible] ہوتا

قتل عاشق [illegible] نسیان حسین
[illegible] ہوتا

آن [illegible] بیٹھا
[illegible] عشق [illegible] ہوتا

ولہ

یار بھی کہتا ہے تقریر سیماب و آئینہ
اے خوشا [illegible] سیماب و آئینہ

قطرہ افشاں [illegible]
[illegible] تصویر سیماب و آئینہ

میں [illegible] عاشق [illegible]
میری آنکھ [illegible] سیماب و آئینہ

[illegible] ہم
دیکھا [illegible] تصویر سیماب و آئینہ

ہیں اسیر الفت [illegible]
[illegible] سیماب و آئینہ

آہ مجھ عاشق کی [illegible]
اے پری [illegible] سیماب و آئینہ

[illegible] خیال [illegible] سخن
ایک جا [illegible] ہے تصویر سیماب و آئینہ

[illegible] مجھے
میری [illegible] اور [illegible] مجھے

[illegible]
ہاتھ میں [illegible] تلوار [illegible] اور [illegible] مجھے

[illegible]
[illegible] بھی [illegible] مجھے

[illegible] شہادت [illegible] پر [illegible]
[illegible] ادا [illegible]

ضعف ایسا ہی محسن پاس کی گر تک بہ گئے
سو جگہ ہم رہ رفتار [illegible] بیٹھے

اب صبح شب وصل ہے گھر سے کہیں جائے
کس طرح میں [illegible] کہیں نہیں جائے

[illegible] کی ہر کس [illegible] لیں ہمارے
سینہ [illegible] کہیں نہیں جائے

[illegible] زخم تو سینہ کہیں نہیں جائے

لکھتا ہی محسن پاس کی گھر میں نہیں سکتا
کیوں [illegible] کیوں نہیں جاتے

ترجیع بند جناب سید فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی موسوم بہ پنج بند

بند اول

کیوں نہ [illegible] کی شکل [illegible] نقاب ہے
ہوتا ہی [illegible] فزوں تابش آفتاب ہے

مجھکو پسند [illegible] عشق
مجھکو نہ [illegible] کا ذوق ہی نہ شراب سے

عشق تصور [illegible] کام وقت پر
سیرا [illegible] تیری حجاب سے

خواب [illegible] اگر وعدہ کرے تو [illegible]
ہم [illegible] ایک گھڑی کی خراب ہے

موسم گل [illegible] بلبلوں کا ہجوم ہے
چل سوئے باغ تو بھی آج [illegible]

عمر دوبارہ جلوہ دہ قامت دلنواز را
چون قد خود بلند کن پایۂ قدر ناز را

بند دوم

اکتسب [illegible] کی سند کچھ [illegible] نام ہے
در دو قدح کی [illegible] جام ہے

[illegible]

[illegible] غضب ہوا

[illegible] طرح [illegible]

چاند سا [illegible]	آج [illegible] مصطفیٰ کی [illegible] ہے

خیز و بنما جلوۂ قامت بلند آوازہ را
چون قد خود بلند کن پایۂ قدر تازہ را

بند سوم

[illegible] عشق [illegible] ساتھ	[illegible] گیا [illegible] کے
وصل [illegible]	[illegible] کی [illegible] کے
[illegible]	[illegible] کے
[illegible]	[illegible] کے
[illegible]	[illegible] کے

خیز و بنما جلوۂ قامت بلند آوازہ را
چون قد خود بلند کن پایۂ قدر تازہ را

بند چہارم

تخت [illegible] سبز و رنگ	[illegible] آج [illegible] رنگ ہے
وہ [illegible] گیا [illegible]	[illegible] بہت [illegible] رنگ ہے
وصل کی [illegible] رشک ہو گیا	[illegible] ہے
ساقی [illegible]	وقت [illegible] رنگ ہے
میلاد [illegible] آج [illegible]	وہ حسینوں کا [illegible] رنگ ہے

خیز و بنما جلوۂ قامت بلند آوازہ را
چون قد خود بلند کن پایۂ قدر تازہ را

بند پنجم

[illegible]	[illegible] لا الٰہ کو
[illegible]	[illegible] کو
[illegible]	[illegible]

راست ہی کہ مناسب جہری جلسی ہو ابھی مہربان کی طرح سہیر بلو صغیر ہو		اوسکا بھی نظم جا بجا اس میں کہ گلکاری رہا وصل کی ملتی ہمیں گستی کا گیا ہاب ہے
	خیزو بہ ناز جلوہ دہ قامت دلنواز را چمان قد خود بلند کن پایہ قدر ترا	

خاتمہ

چونکہ یہ تحریرات جنکو اب انجمن علمیہ آرہ نی وقت انعقاد جلسہ ماہانہ پڑہا تہا اس مرتبہ پہلی بار چہپتی ہیں اسلئے مناسب متصور ہوتا ہی کہ کچھ کیفیت اس انجمن کی بہی شائقین علم کی خدمت میں گذارش کی جاوی

واضح ہو کہ صوبہ بہار میں قصبہ آرہ حاکم نشین ضلع شاہ آباد ہی ہرچند کثرت آبادی میں ہم جنب بعضی بڑے شہروں مثل بنارس وغیرہ کی نہیں ہی پھر بہی خوش سوادی مسلمان کی چند شرفا ہی جو ترقی ہندوستان اور ترویج علوم و فنون و تہذیب و اخلاق کی دل سے خواہان ہیں بہت عرصہ سے ایک انجمن قائم کی ہی ہر مہینی اتوار کی دن مجلس مذاکرہ منعقد ہوتی ہی اور جسکو جس فن میں استعداد ہوا ہی وہ اپنی تحریر پڑہتا ہی جو صاحب ممبر اس انجمن کے دوسری شہروں میں رہتے ہیں اکثر بسبب بعد اس جلسہ میں شریک ہوتی ہیں او تحریرات اپنی بہیجتی ہیں اگر چہ اشہری کسی نہیں متعدد ہوتی ہیں تحریریں اپنی بذریعہ خط معہ فیس چندہ کے واسطے مصارف متعلقہ انجمن کے یہ چار آنہ ماہواری مقرر ہی بہیجدیتے ہیں کہ سکرٹری انجمن ان تحریرات کو پیش کرتے ہیں شریک اس انجمن کی جو لوگ ہیں اور آئندہ ہوتی ہیں کہ جنکا میلان طبع ترقی علوم و فنون و تہذیب و اخلاق اہل ہند کیطرف ہی اب تک اس مذاکرہ علمی سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتی تہی جو اس انجمن میں تشریف لاتی تہی بہ طلب رای ممبران انجمن یہہ قرار پائی کہ جو جو تحریرات مفید عام تصور کی جاوین وہ رسالی کی اخیر بہ زیور طبع کا پہن کر باعث سرور شائقان نزدیک و دور ہوں اور ضخامت اسکی بنظر اختصار ایک جز کی قریب اور قیمت بہت کفایت سی ۲ آنہ فی جلد مقرر ہو تا کہ ہر طالب علم اسکی پڑہنے کا خریدار ہو سکے اور مفصل حال اس انجمن کا انشاء اللہ تعالی کسی صحیفہ آئندہ میں درج کیا جائیگا فقط



اشتہار

واضح ہو کہ اس انجمن خیریہ میں ایک چھوٹا سا یعنی کتب خانہ عام قائم ہوا ہے تا [illegible] اکتوبر ۱۸۹۳ [illegible]
میں ممبران انجمن خیریہ [illegible] میں تشریف رکھتے تھے تخمیناً [illegible] بندوبست ہوا [illegible]
حسب صراحت ذیل ہیں

اول عموماً ہر شخص کو کتاب کتب خانہ سے دی جا سکتی ہے بشرطیکہ کتاب لینے والا وعدہ کرے کہ بصورت گم ہونے
یا خراب ہونے کتاب کے دو چند قیمت اسکی ادا کریگا

دوم یہ کہ کتاب [illegible] شخص کے پاس مہینے بھر سے زیادہ نہ رہ سکیگی

سوم یہ کہ جب تک کتاب [illegible] کتاب لینے والا [illegible] ایک آنہ [illegible] فیس [illegible]
[illegible] جو لوگ شریک جلسہ خیریہ میں [illegible] بغیر ادائی فیس کتاب کتب خانہ [illegible]

اشتہار دیگر

یہ کتاب [illegible] میں [illegible] قیمت [illegible] علاوہ [illegible] حسب [illegible] محصول [illegible]

[illegible]

خاتمة الطبع

الحمد لله والمنة که انتخاب تحریرات [illegible] بلاغت نشان [illegible] رفیع المکان [illegible]
انجمن [illegible] منشی [illegible]
[illegible] منشی سنت پرشاد [illegible] سید وارث
بتاریخ بست و سوم [illegible] بزیور طبع مزین گشت فقط
[illegible] منشی سنت پرشاد [illegible]
[illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۴	بلقب	بلقب	۴	۳	نکانو نام	نکانو نام
،	۱۵	قیصر	قیصرِ ما	۳	۹	ہرگل لعل	ہر گل لعل
،	۲	خودار	خوددر	۳	۱۴	کیپا	آنچا
،	۲۲	کاروبار	بکاروبار	۱۵	۱	تریقا	تریاقا
۸	۱۴	ایشان	انسان	۱۹	۹	مسلمان	مہمان
صحت نامہ جو بعد چھپنے کی نظر ثانی کیوقت اصل کتاب سے بمقابلہ تصنیف کی دستکمی کی چھپا ہی							
۲	۳	ہستم مستحق ا ت	مستحق است	۷	۲۴	تحیۂ منق	زیادتی
،	۸	خانقیش	خار و خیش	،	۳	سخن تعلق	سخن کی تعلق
،	۹	شہباز و دشمن	ورد مستقر با دشمن	۱۰	۱۰	بسبحان	باں
۴	۷	بر قرار تنہائی	ہزاران ہزار تنہائی	،	۲۳	ضرور ما	ضرورت!
،	۱۰	پیوستہ رنگی	پیکر سر رنگی	۹	۳	نستبا	تنہا
،	۱۲	مریضہ ببیر	مریض ببیر	۱۰	۲۳	لکھی عجب	لکھی ہوئی عجب
،	۱۵	دوستہ بند	دوست خواہند	۱۱	۲۳	جس سی	جس میں
۵	۲۲	پیچیمتن	براگیختہ	،	۲۶	مناسب ہو	مناسب حال ہو
۹	۱۵	بیعقل	ترعقیل	،	۱۸	کی ہی	کی حسب رائے کی تھی
،	۱۷ و ۱۸	گفت او	گر گفتگو	۱۲	۲	حقیقہ	عقلی
،	۱۹	دبند	دہر	،	۲	سوکہ ادنی	سوکہ اول
،	۲۱	خوب تر	خوردتر	،	۲۰	سوکہ متوسط	سوکہ دوم
،	۲۲	صد	جد	،	۲۱	سوکہ اعلی	سوکہ سوم
،	۶	کسی پیدستی	کسی بالا زردستی	۱۳	۲۰	سبیار	بیمار
،	۵	بیدستیان	یونانیان	۱۵	۲۱	[illegible]	[illegible]
،	۱	ہنس	لہیس				
،	،	[illegible]	کہ نہ صفات				
،	۲	[illegible]	پیشتر				

۲

Selections from

the

Proceedings of the Arrah Lite-
rary Society for the 3rd quarter of
the year 1866

Printed under the management of
Khaja Syud Fakhuroodden, F.D.
sein Secretary to the Society and Re-
der of Shahabad Judge's Court and
at Arrah Litirery Society and at
Patna Dy. Inspector of Schools

Printed at Moonshee .... Press

Arrah

1866

عشق کی سوغاتیں

نظم نثر میں

عشق نے کہے : میں خونریز ہوتا ہوں اور غبار و شگفتگی سے بھرپور ہوتا ہوں۔ میں ایک مختصر سا دن میرے لیے ہے اور کچھ نہیں ، اور وہ بھی غم و مصیبت کی حکایت کہنے کے لیے۔

ایک نامعلوم اثر ہے جو آنکھوں کے سامنے تمام امنیات کے پردے کھول دیتا ہے۔ بھولی ہوئی محبت تازہ ہو جاتی ہے۔ پھر بھولے ہوئے زخم کہنہ خون دینے لگتے ہیں۔ اے وہ عالم جو آنکھوں سے غائب ہوا۔ یعنی وہ عالم جو کبھی میرا تھا۔

کیا ہم کبھی درد و آلام سے آزاد ہوتے ہیں۔ کیا واقعاً ہم کبھی افکار و ہموم سے نجات پاتے ہیں اور کیا در اصل ہم کبھی سکھ اور آرام پاتے ہیں؟ نہیں۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بس خدا پر چھوڑ دو اپنے کو۔ کون تقدیر سے کشتی لڑ سکتا ہے۔ ہاں بس اپنے کو خدا پر چھوڑ دو۔ یہی تمام بنی نوع انسان کی قسمت میں ہے کہ اُسے تقدیر پر صابر و شاکر ہونا پڑتا ہے۔

تقدیر کا چکر کس طرح گھومتا ہے : کس طرح اُسکے تاسو پود بنتے اور اینٹھتے ہیں۔ ہاں بتاؤ کہاں ہے آزادیِ عزم۔ یہ تو صرف فلسفیوں کا ایک تجربہ ہے۔ بتاؤ کہاں ہے انسان کی عزم والی طاقت۔

عشق کے لیے کونسا تحفہ قیمتی ہے۔ کون سی قربانی اسکے لیے عزیز و گرامی ہے۔ آہ۔ یہ اپنی دلِ امیدوں پر گامزن ہوتا ہے۔ یہ آہنی دیواروں کو توڑ دیتا ہے۔ یہ دنیا بھر کے کہنے کو ہوا بتاتا ہے۔ یہ روحِ انسانی میں شعلہ آفرینی کرتا ہے۔ اے عشق تیری قربان گاہ میں کیسی کیسی شکست پسند

تباہیاں اور کیسی کیسی بربادیاں بکھری پڑی ہیں۔ ساتھ ہی کیا استقلال، کیا شجاعت، کیا شہادت، اور کیا جاں بازی کے کارنامے ہیں جو منتشر ہیں۔

اگر خدا ہے تو میں اُس سے صرف ایک ساعت مسرت و طمانیت کی بلا کسی خرخشہ کے مانگتا ہوں۔ میں صرف ایک لمحہ خوشی کا اُس سے چاہتا ہوں۔ ہاں یہی میری تمنا ہے۔

جوانی کی صبح خنداں صرف ایک بار آتی ہے۔ موت کو بھی ایک ہی بار آنا ہے۔ رہا بھلا دن آفتابی شعاعوں اور ترشح کا ہے۔ پھر اسکے بعد دوامی نیند دائم الوقت شب میں ہے۔ اور عشق کا استہزا بھینی ہے۔ لے دیکے انسانی حیات کی یہی کائنات ہے۔

یہاں زندہ رہنے کا کچھ طور نہیں ہے۔ کسی چیز سے محبت نہیں کرنا ہے۔ کوئی کام ایسا نہیں ہے جسکے لیے دردسری، زحمت اور تعاقب پسندی ہو۔ سب دھوکا اور سراب ہے یعنی مشاغل اور انہاک ہیں۔ حد سے زائد المناک تماشاے بے اصل ہے۔

تمام بنی نوع انسان ایک ہی قسم کا افسانۂ زندگی رکھتا ہے۔ ایک ہی طرح کی امید و بیم، تمنا و یاس، اور موت کا بھی ایک ہی قسم کا قصہ ہے۔

جب میں نہ ہوں تو مجھے یاد کرنا۔ آہ یہ حماقت آمیز خیال ہے، یہ طفلانہ تمنا ہے۔ کچھ ٹھنڈی آہیں ہونگی، کچھ آنسوؤں کے قطرے ہونگے۔ شاید یہی وہ چیزیں ہیں جن کی ہم توقع کر سکتے ہیں۔ اسکے ماسوا جو کچھ ہے وہ ایک سراب اور تاریکی ہے۔

صلاح الدین خدا بخش ایم اے بی سی ایل بیرسٹر
لکچرر کلکتہ یونیورسٹی

(مستفاد از کلکتہ ریویو)

آثار علمیہ و ادبیہ

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب گرامی

از مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب، سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور،

اوراق پارینہ کی جستجو و تلاش کا یون تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خوردہ اوراق کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی ہے، خاندانی اور پرانے گھرون مین ابتک سیکڑون ایسی چیزین موجود ہین جنکو اگر منظر عام پر لایا جائے تو یقیناً صاحب تحقیق و تدقیق کے لئے اضافہ معلومات نیز نئے ابواب پر بحث و تحقیص کے دروازے کھل جائین، اور ایسی بہت سی یادگارین جو ہمارے بزرگون کے لئے سرمایۂ فخر و نازش تھین، اور جنکے نہ ہونے سے اسلاف کے تاریخی حالات تاریکی مین پڑے ہوئے ہین، انکا انکشاف و اظہار دونون کے لئے باعث تعریف و تشکر ہے، لیکن اس خیال کے لوگ ہین بھی تو معدودے چند اور اگر کہین نظر بھی آگئے تو وہ ان نادر مجموعون کی اشاعت تو علٰحدہ چیز ہے، کسی کو دکھانا تک پسند نہین فرماتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابین اور خطوط الماریون اور صندوقون مین پڑے پڑے کرم خوردہ ہو کر دیمک یا آگ کی نذر ہوجاتے ہین،

یون تو ہمارے ہان کے نادرات بھی تلف ہو گئے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ مین نے ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگارون کو سینے سے لگانے لگا، قلمی کتابین اور پرانے خطوط جہان بھی پایا بحفاظت تمام رکھ چھوڑتا، رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے، اور آخرکار ان قدیم کتابون اور خطوط کا کافی ذخیرہ مہیا ہو گیا، چنانچہ انہین ذخائر مین ایک تاریخی خط بھی مل گیا جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے،

یون تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہو کہ جو ٹکڑا بھی آپکی تصنیف و تالیف کا ملجائے ہم لوگون کیلئے باعث صد نازش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا رہا ہے آپ جیسے متقدمین و متبحر فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جسمین وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہین کیون نہ قابل قدر و لائق عمل ہو۔

اسلیے مین ارباب ذوق و تفحص کی دلچسپی کے لیے اس نمیقۂ انیقہ کو درج ذیل کرتا ہون:۔

نقل خط حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ بنام احمد یار خان صاحب ساکن کشن گنج لکھرا

"از فقیر عبد العزیز بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر ذکا تخمیر باد، کہ عنایت نامۂ سامی بار دیگر در مقدمۂ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمودہ، آنچہ درین باب معمول فقیر است می نویسد از ہمین جا قیاس باید کرد در تمام سال دو مجلس در خانۂ فقیر منعقد میشود، یکے مجلس ذکر وفات شریف، دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام در روز عاشورا یا یکروز دو روز پیش ازین قریب چار صد یا نصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند و درود میخوانند بعد ازان کہ فقیر می برآید و می نشیند ذکر فضائل حسنین علیہ السلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و آنچہ در احادیث اخبار شہادت این بزرگان و بدحالی قاتلان ایشان وارد شدہ نیز مذکور میشود و باین تقریب بعضے رؤیا کہ بر جناب ایشان گذشتہ از روے احادیث معتبر بیان کردہ میشود، وہم درین ضمن مرثیہ ہا نیکہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدند نیز مذکور میشود، بعد ازان ختم قرآن و پنج آیت خواندہ بر ماحضر فاتحہ نمودہ می آید و درین وقت اگر شخصے خوش الحان سلام میخواند یا مرثیۂ مشروع شروع میکند اتفاق شنیدن کا شود، و ظاہر است کہ درین اکثر حضار مجلس را و این فقیر را ہم رقت و بکا لاحق می شود، پس اگر این چیزہا نزد فقیر بہمین وضع جائز نمی بود اقدام بران اصلا نمی کرد، و آنچہ امور دیگر نامشروع است تا حاجت بیان ندارد و امام شافعی ؒ می فرماید لو کان رفضا حب آل محمد فلیشہد

التعلات الی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات چہ برنگارد

مہر | ۱۱۸۹ هو العزیز الولی الرحیم

نواب احمد یار خان صاحب کون بزرگ ہیں اس کا مجھے پتہ نہ ملا اور نہ اس کی تحقیق کی چنداں ضرورت ہے۔ مقصد تو ایک مقدس ہستی کے خط اور عمل سے ہے، جو اس مکتوب گرامی سے ظاہر ہو رہا ہے، کہ آپ کے ہاں مجلس عزا اور مجلس وفات ہر سال قائم ہوتی تھی جس میں محدث علیہ الرحمۃ خود بنفس نفیس بیان فرماتے تھے، نیز سلام اور مرثیہ مشروعہ بھی سنتے تھے،

مناظر احسن گیلانی

کوچۂ عشقِ رسولؐ میں

پیارے محمدؐ جگ کے سجن — تم پر واروں تن من دھن

تری صورتیا من موہن — کبھیو کرا ہو تو درشن

(کبھی کرا دیجیے ۱۲)

جیا کلپھڑے، دلوا ترسے

(کڑھتا ہے ۱۲ — دل ۱۲)

کرپا کے بدرا کبھیا برسے

(بادل ۱۲ — کب ۱۲)

تری دواریا کیسے چھوڑوں — تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں

تری گلی کی دھول بٹوروں — ترے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے

اٹھوں پھر اب دھیان یہی ہے

صلی اللہ علیک نبیا — ترے دوارے آیا دکھیا

بھنیا اکی پکڑ ہو راجا — اپنے حسین و حسن کا صدقا

(بازو اس کا پکڑ لیے — اے راجہ ۱۲)

ڈھوا گھیریں ناؤ کو اس کے

(موج عظیم ۱۲)

اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

سیس پہ اکے پاؤں دھر ہو　　پیت کی اگیا من میں بھر ہو
سر۱۲　پاؤں۱۲　محبت۱۲
بھلوہوا پہ تن کر پا کر ہو　　سپنو میں ایسن کر گجر ہو
ہم سے زیادہ منحوس و بدبخت ذرا مہربانی کیجیے　　خواب میں ہی ایسا کر گذریے
راجا تری دیوڑھی بڑی ہے

رحمت ترے نام بڑی ہے

ان دھرا کے تم رسیا بتا ہو　　ہر دے کا اکے جوت جگا ہو
تم بے انصاف ہے کو بتایئے۱۲　　قوی باطنی۱۲
ڈگری پہ اپنے اکو چلا ہو　　بُدھوا کے تم بُدھی بنا ہو
راستہ۱۲　　بیوقوف کو آپ دانشمند بنادیجیے
کھینچو اکو پاپ نرکھ سے

دھو دیہو کا لیکھ منہ کا اکے
پاہی

ترے پیا کی اونچی اٹریا　　ہمری نے ہی واں پہ گجریا
بٹلا بٹلا رہی نجریا　　پکھلٹی ہے اک تری دواریا
بھٹک بھٹک کر رہی نظر　　دیکھی ہوئی ہے۱۲
ان کھر پتوا ترے سے چلی ہے
ان کا پتہ تم سے چلے گا
کھوجوا بھی ان کا ترے سے ملی ہے
سراغ ان کا آپ ہی سے ملے گا
پی کی پتیا تم ہی سے لیو　　ان گھر بتیا تم ہی سنی لیو
محبوب کا خط آپ ہی پڑھ لیجیے　　ان کی باتیں آپ ہی نے سنائیں
ہمنی کے نندیا سے تم جگے لیو　　مرل تھکلبی تم ہی جلے لیو
ہم لوگوں کو نیند سے آپ ہی نے جگایا　　مرے ہوئے تھے تم ہمارے جلایا

دھرتی ہے تو تیری دیا سے
محزون ہوئے ہو جو پایا نہ سوالی تے
مکتی بھی ہوا ہی ہے تیری دوا سے
نجات بھی ہوگی آپ ہی کی دعا سے

تیری دوار یا کیسے چھوڑوں تیرے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تیری گلی کی دھول بٹوروں تیرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے

———X———

سفرنامہ حج سے ماخوذ

مرآت الکاملین

(یا)

آئینۂ کاملی

تقدیم

الطاف حسین خاں شروانی

فجہور

مقدمہ

بڑے سائز کے ایک سو پچھتر[۱۷۵] صفحات پر مشتمل یہ مخطوطہ ساڑھے دس انچ لانبی اور چھ انچ چوڑی تحریر میں لکھا گیا ہے۔ سرورق پر سادہ سی گلکاری ہے۔ ہر صفحہ میں سترہ سطریں ہیں۔ طرز کتابت قدیم ہے۔ کاغذ سفید دبیز جو پرانا ہونے کی وجہ سے زرد پڑ گیا ہے۔ مصنف ـــــ خواجہ عنایت اللہ ساکن کالپی نے ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں تصنیف کیا۔ نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے دوسرے نسخہ کا پتہ نہیں چل سکا ہے٭۔

مصنف رقمطراز ہے :

" یہ خاکپائے عباد اللہ خواجہ عنایت اللہ بن حشمت علی کہ بزرگوار اس ننگ خاندان کے بخطاب خواجگان معروف ہیں۔ حسب طلب نواب زین العابدین کے عظیم آباد عرف پٹنہ سے دار الفضیلت کورہ جہان آباد میں آئے اور اس حقیر نے بمقتضائے آب و خورش سکونت کالپی اختیار کی . . . آج کل ۱۳۰۵ھ میں مختصر حالات . . . معتبر کتابوں سے انتخاب کر کے تحریر کیا اور نام اس کا " مرأت الکاملین " رکھا۔ . . .

اس کتاب میں ایک پند اور چار باب ہیں۔ باب اول بیان میں حالات کے کہ کتبہائے معتبرین سے و نسب سادات بنی فاطمہ و سادات علویہ کے درج ہوئے۔ باب دوم بیان میں کاملین کالپی کے حالات مع بعض تصرفات سماعی کے تحریر ہوئے۔ باب سوم بیان میں دیگر کاملین کے کہ حالات کتبہائے سابقہ سے منتخب کر کے لکھے گئے۔ باب چہارم بیان میں چار پیر چودہ خانوادے مع حالات دیگر نقل بزرگان وغیرہ اور پند میں مولف کی طرف سے ایک نصیحت ہے[۱]۔ "

---

[۱] " مرأت الکاملین (مخطوطہ) ص ۵-۶

٭ آئینۂ کالپی کے نام سے خدا بخش میں کوئی قلمی نسخہ محفوظ ہے جو ۱۹۳۲ء کے مطبوعہ نسخے کی نقل ہے۔

۴

باب دوم میں کالپی کے بزرگان دین کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے مزارات آج بھی پُر رونق حالات میں موجود ہیں جن میں سے چند کے نام ملاحظہ ہوں :

۱ ۔ حضرت میر سید محمد ترمذی قدس سرہ
۲ ۔ حضرت میر سید احمد قدس سرہ
۳ ۔ حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہ
۴ ۔ حضرت سید سلطان مقصود قدس سرہ
۵ ۔ حضرت سید سلطان ابوسعید قدس سرہ
۶ ۔ حضرت سید محمد یوسف قدس سرہ
۷ ۔ حضرت سید محمد اشرف قدس سرہ
۸ ۔ حضرت سید محمد آصف قدس سرہ
۹ ۔ حضرت سید فخر الدین احمد قدس سرہٗ
۱۰ ۔ حضرت احمد سعید قدس سرہٗ
۱۱ ۔ حضرت سید حسن علی قدس سرہٗ
۱۲ ۔ حضرت شاہ خیرات علی قدس سرہٗ
۱۳ ۔ حضرت سید نور احمد قدس سرہٗ
۱۴ ۔ حضرت سید شاہ ظہور محمد قدس سرہٗ
۱۵ ۔ حضرت شاہ احمد علی قدس سرہٗ
۱۶ ۔ حضرت حاجی سید سلطان احمد قدس سرہٗ (پیر طریقہ مصنف مخطوطہ)

اس باب میں ذکر اسمائے بزرگانِ سلسلہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور مداریہ (جن کا تعلق کالپی سے رہا ہے) کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں :

۱ ۔ حضرت شیخ سراج الدین سالار سوختہ مصری قدس سرہٗ
۲ ۔ حضرت شیخ احمد ناگوری قدس سرہٗ
۳ ۔ حضرت شیخ قاسم چشتی شاہ ولایت قدس سرہٗ
۴ ۔ حضرت بہاء الدین گنج رواں قدس سرہٗ
۵ ۔ حضرت سید علاء الدین قریشی گوالیری قدس سرہٗ
۶ ۔ حضرت شیخ ابوالفتح قریشی قدس سرہ
۷ ۔ حضرت مولانا احمد تھانیسری قدس سرہ
۸ ۔ حضرت مولانا خواجگی قدس سرہ
۹ ۔ حضرت مولانا شاہ ابراہیم مکیؒ قدس سرہ
۱۰ ۔ حضرت سید شاہ عبدالوہاب قدس سرہ
۱۱ ۔ حضرت سید مقیم شاہ حیدر قدس سرہ
۱۲ ۔ حضرت ملک در آج قدس سرہ
۱۳ ۔ حضرت شیخ عبدالغفور قدس سرہ
۱۴ ۔ حضرت میر خیرو قدس سرہ
۱۵ ۔ حضرت سید عیسیٰ قدس سرہ
۱۶ ۔ حضرت بہادر خاں شہید قدس سرہ
۱۷ ۔ حضرت دیوان اولیاء قدس سرہ
۱۸ ۔ حضرت سید احمد علی شاہ شہید قدس سرہ
۱۹ ۔ حضرت پیر چھنگا قدس سرہ
۲۰ ۔ حضرت قاضی شیخ عظمت اللہ جونپوری قدس سرہٗ
۲۱ ۔ حضرت آغا اسمٰعیل قدس سرہ
۲۲ ۔ حضرت بہاء الدین شاہ قدس سرہ

تین بھائی تھے جو اللہ والے بھی تھے اور تلوار کے دھنی بھی۔ ایک راجہ ایک برہمن لڑکی سے محبت کرنے لگا اور اس سے بہ جبر شادی کرنا چاہی۔ یہ کام ان تینوں بھائیوں کے سپرد کیا گیا کہ وہ لڑکی کو راجہ تک پہونچائیں۔ برہمن اٹاوہ کے قریب کہیں رہتا تھا۔ تینوں بھائی اس کے گھر پہنچے اور برہمن کو بہت سمجھایا دوران گفتگو وہ لڑکی ان کے سامنے آئی اور انھیں بھائی کہکر مخاطب کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ان تینوں نے اس لڑکی سے کہا کہ تم ہماری بہن ہو اب تم کو کوئی کہیں نہیں لے جا سکتا۔ جب راجہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اس کام کو انجام دینے کے لیے فوج بھیجی اور جنگ ہوئی۔ ان بھائیوں میں سے دو نے اس جنگ میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور تیسرے بھائی زخمی ہو گئے۔ زخمی بھائی اپنے گھر پہونچے اور اپنی بیوی سے اپنی زندگی بھر کی کمائی لیکر اس برہمن کو بھجوادی تاکہ وہ اس سے لڑکی کی شادی کا انتظام کر سکے اور خود زخموں کی تاب نہ لاکر انتقال فرما گئے۔

آخری حصّے میں کالپی کی مفصّل تاریخ لکھی ہے۔ کالپی کے صوفیا کرام کا یہ تذکرہ اس لائق ہے کہ اس کی تصیح کر کے شائع کیا جائے تاکہ بزرگان دین کے تذکروں میں اس تذکرے سے مفید اضافہ ہو سکے۔

جہاں تک کالپی کی تاریخ بیان کی گئی ہے مصنف نے عجیب عجیب واقعات درج کئے ہیں، لیکن بات یوں بھی بیان کی ہے کہ کالپی کا نام کالپ دیو کے نام سے منسوب کیا ہے۔ دوسری بات یہ بتائی ہے کہ تاریخ فرشتہ میں کیشوراج بن مہاراج کا تذکرہ ملتا ہے۔ وہ کالپی کا پہلا راجہ تھا۔ جس کا عہد ایران کے فریدوں و منوچہر بادشاہوں کا تھا۔ اسی قسم کی باتیں بیان کر کے قادر شاہ کا تذکرہ شروع کرتا ہے۔ یہ کالپی کا پہلا بادشاہ تھا۔ تیمور کے حملہ کے وقت دہلی کے علماء و صوفیہ براہ جمنا کالپی چلے آئے تھے۔ قادر شاہ بڑا علم دوست بادشاہ تھا۔ اس نے یہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں اور یہاں ایک بڑا مدرسہ بھی قائم کیا جس میں تعلیم دی جاتی ہے۔ پھر کالپی کے کئی ادوار کا تذکرہ ہے۔ جس میں ہندو راجاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کے وقت میں حالات بگڑے تو دکن۔ بنگال حکومت دہلی سے خارج ہو گئے، لیکن کالپی حکومت دہلی کے ماتحت رہا۔ اس سلسلہ میں راجاؤں سے جنگ کے واقعات بھی ملتے ہیں، اس کے بعد سلطان محمد عرف محمود شاہ لودی کا پورا تسلط ہوا۔ اس نے کالپی میں بہت سے عمارتیں بنوائیں، یہیں وفات پائی اور چوراسی گنبد میں دفن ہوا۔ اکبری عہد میں کالپی دہلی کے ماتحت رہا۔ جب محمد شاہ بادشاہ ہوا تو کالپی محمد خاں بنگش کو ٹھیکے دی گئی۔ اس نے

۲۳۔ حضرت بھنڈی شاہ قدس سرہٗ
۲۴۔ حضرت شیخ عبدالغفور زنجانی قدس سرہٗ
۲۵۔ حضرت قائم خاں متوکل قدس سرہٗ، وغیرہ

اس مخطوطہ میں جن کتب "معتبرین" سے مصنف نے مدد لی ہے۔ اس میں سے چند ذیل میں درج ہیں:

۱۔ سفینۃ الاولیاء
۲۔ تذکرۃ الاولیاء
۳۔ نزہت الارواح
۴۔ ہدایت الطالبین
۵۔ ارشاد الطالبین
۶۔ تواریخ کالپی مصنفہ خدا بخش رہ
۷۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
۸۔ تحفۃ المدارقی مناقب قطب المدار

مصنف نے تاریخ کالپی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس نے دوران گفتگو اشعار بھی درج کئے ہیں مثلاً سید ضیاء اللہ بلگرامی کے دو شعر لکھے ہیں ؎

کالپی مکہ بلگرام یمن — احمد و من اویس قرن
کالپی را کم از مدینہ مداں — کہ ظہور محمد است دراں

مولانا خواجگی رحمہ (سال ولادت ۹۰۰ھ وسال وفات ۹۶۷ھ) خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کی ایک مشہور رباعی لکھی ہے ؎

برائے خدا اے عزیزان من — نویسید بر گور من این سخن[1]
کہ ہیچ خواجگی از جہاں پاک شد — نکو شد ز علم جہاں پاک شد

ایک موقع پر حضرت شاہ اشرف جہانگیر سمنانیؒ کا ایک شعر بھی درج کیا ہے ؎

ترک دنیا گیر تا سلطاں شوی[2] — ورنہ ہم چوں چرخ سرگرداں شوی

دل پر اثر کرنے والے کچھ واقعات بھی مخطوطے میں شامل کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے ہندو مسلمانوں کی محبت کا متاثر کن ثبوت ملتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ

[1] کڑہ (ضلع الہ آباد) کے مزارات کی تحقیق کے سلسلہ میں لب گنگا ایک مزار ملا جس میں یہ رباعی لکھی تھی اور اس مزار کو مولانا خواجگی کی مزار بتایا گیا لیکن معلوم نہیں کیوں اس مخطوطہ کے مصنف نے مولانا خواجگی کی مزار متصل مزار قاسم چشتی قلعہ ولایت کالپی درج کی ہے۔ [2] مکتوبات اشرفیہ (مخطوطہ، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں پوری غزل درج کی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر وحید اشرف نے اپنی کتاب حیات سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ (لکھنؤ ۱۹۷۵ء) میں اسی بحر میں سات اشعار کی ایک غزل ان کی طرف منسوب کی ہے۔

احمد خاں کو اپنا نائب بنا کر دوسرے علاقوں کی طرف راغب ہوا۔ بعد میں مرہٹوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر پنڈت خاندان کالپی پر مسلط ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں شجاع الدولہ نے کالپی کو امراؤ گر گوسائیں کو جاگیر میں دیدیا جو بعد میں انگریزی کے تسلط میں آیا۔ ۱۸۶۰ء میں کالپی پورے طور پر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

جہاں تک میرا علم ہے، اور میں نے وہاں خود جا کر دیکھا، یہ عجیب جگہ ہے، حد نظر تک بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ یہ دریائے جمنا کے کنارے آباد ہے۔ جمنا کے دوسری طرف کانپور ملتا ہے، جہاں بھگونتی پور ہے۔ تیمور کے دہلی حملہ کے بعد ہزاروں علماء اور صوفیہ بذریعہ کشتی جمنا کے راستہ کالپی آ گئے تھے اور انھیں یہاں پر سکون ماحول ملا تھا۔ کالپی میں ایک قلعہ بھی ہے جو اچھی حالت میں ہے اور اس کے اندر بھی مزارات ہیں۔

●●

نقل ہے قبل تولد آپ کے حضرت امیر سید عبد الواحد نے آپ کی بی بی مسعودہ کو کہا مولود الکبیر ہوگی شفقت
بادہ ہی بیعت آپ نے بزرگ عالی امیر سید حضرت شیخ محمد یونس … عالم او محدث
تھے … آپ … نزہت الارواح پڑھا اپنی او کیفیت ہوی کہ اطراف میں قصد تحصیل
علم کا کیا اور اپنی والدہ کو کہ سوائے اپنے اور فرزند نہ تھا کمال محبت تھی باجازت والدہ کے آپ پہلے قصبہ جھونسی گئے
وہاں سے بوانہ الفضیلت کو جہاں اباو جد آپ کے اور جد شیخ المشائخ حضرت شیخ جمال اولیا تھے
پہنچے اور وہاں حضرت شیخ سے بیعت حاصل کی اور اجازت سلسلہ قادریہ و سہروردیہ و مداریہ سے پائی
اور کہتے ہیں کہ … خدمت تھی کہ وضو کو پانی دیتے اور جب شیخ جمال اولیا مسجد کہ مکان … سے
حجرہ … جب … چلتے اپنی اکثر ایسا ہوا کہ وقت ہوتی کہ مکان … شیخ … دروازہ
دروازہ پر … شیخ کی بعد غلبہ نیند کے تہجد کے وقت جب شیخ ہوا … اور حضرت
… شیخ … کو … شیخ کی نظر شفقت آپ پر بہت تھی … وقت آخری
شیخ … آپ … سے اپنی شیخ نے دونوں … آپ …
ہاتھ … دامن … پیالہ شیخ نے … دونوں
سے دامن میں … تمہاری نسل میں کرامت کی … رہے گی
… سید ابو العلا اکبرآبادی کے … بعض … سات … بعض
… بعض کا بیان ہے کہ گیارہ … دو کرامت آپ کی خاندان میں چلی جاتی
ہے … وقت شیخ … سب تقسیم … خالص رحم … کر دو زنان
… باجازت شیخ … میں اپنی جد … میں حالات
حضرت امیر ابو العلائی … فاضل … بعد … اکبر آباد … نقشبند
ولایت طریقہ نقشبندیہ حضرت ابو العلا … طریق خواجگان میں مشغول … پیر
کی پیر … حضرت امیر العلا … اوائل میں …

سے اس شہر میں آیا اور یہیں کے ہو رہے تھے مالدار بے جو اغلب عجم میں مشہور ہوئے اور حسین حسن کے بیٹے محمد
مذحج شاہ نام فرزندی اونکے سید حسن کی اونکے سید حسین اونکے سید علی کمالی وجہ تسمیہ کمالی کی یہ کہ
اہل حجاز کو آپ نے مال تقسیم کیا تھا اونکے بیٹے سید احمد تختہ مثال رسول مدفون لاہور میں ہیں
اور وجہ تسمیہ مثال کی یہ تھی کہ آپ ہر جمعہ کو نماز پڑھانے کو تخت پر سوار ہو کے ہوا پر مکہ معظمہ کو جاتے
تھے اور سید احمد پسر محمود کو مدینہ میں چھوڑ کر لاہور میں تشریف لا کر انتقال فرمایا اور ایک بزرگ نے حضرت
سرور کائنات سے یہی انجام حصول بشارت کیسے کہ جہاں پر انوار تجسیم و املائی دیر ہی اپنا ہوا کہ ایک تمہی
فرزندان میری کے ترستے میری جگہ ہر نماز جمعہ کو تخت پر سوار ہو کر ہوا میں مکہ معظمہ کو آتا ہی اگر او سکو
کوئی بھی گو بارات تیری لی چنانچہ حسب ایما حضرت کے اوسید حسن اونکی دیکھا اور بیٹے سید احمد
سے سید محمد اونکے سید محمد اونکے سید عمر اونکے سید ابو بکر اونکے سید حمزہ اونکے سید احمد زاہد
کہ جنہوں نے مدینہ میں کہ شہر نوران سے ہی سکونت رکھتے تھے سلطان سبکتگین غزنوی نے طلب کر کے اپنی
دختر سے نکاح کر دیا تین پسر پیدا ہوئے اول سید حسین دوم سید حامد اولیا اور سوم زید جد
کہ جب سلطان محمود تخت پر بیٹھا سید احمد نے انتقال کیا اور بیٹے ان کے فرزندان و چاکر
و رفقا کہ دو ہزار آدمی تھے ہمراہ غزنوی سے لاہور میں آکر مزار متبرکہ حضرت احمد تختہ پر جد امجد نے بشارت
کو قیام کیا بشارت دی کہ تمہارا انتقام قصبہ ہوانہ کہ نواح لاہور میں ہے اور مسجد و اوپر کنگرہ
ہے وہ سنبھ پر گیا اور آیا وہ جنگ ہوگا لیکن تمکو فتح ہوگی اور علامت اوسکی ان کی یہ کہ تیر
زمین میں مارنے سے خون الودہ نکلی آئے گا جب آپ وہاں آئی اور راجہ پر فتح پائی اور اسی جگہ
قیام کیا فرزند اوسکے ارمی سید حامد مشہور بہ اولیا اور اونکے سید عمر اور اونکے سید شہاب الدین
اونکے سید شمس الدین اور اونکے سید حمید الدین اور اونکے سید سیف الدین اونکے سید اکبر اونکے سید عماد الدین
اونکے سید بہاؤ الدین اونکے سید ابو سعید دانشمند والد ماجد حضرت سید محمد مسرور کے تھے بیٹیاں میں سے
سے ایک کی نسبت قصبہ سکھیا تھا اس بستی میں سکونت کا تھی بعہد اکبر شاہجہان بادشاہ نے بغداد بیٹیوں

ما مشغول ایسی امام احمد حنبل رح کی قبر شریف پر پہونچ کر ایسے بابت کہ جنہیں لیتی بھی انکی یہی دعوہائی ہے تب
دستگاہی ہوا اب بغداد میں رہتی تھی گھر بولی بغداد کی بھی نہ تھی قبر حضرت عبداللہ کو امیر المومنین
حضرت عمر رض یہ نماز پڑھنی دریشلی وقف کیا تھا بوسیل ہی دو شیخ مشغول کرتا تھی بیٹا انکا صالح نام
اصفہان میں قاضی تھا زہد تقوی میں آراستہ اور مادام اللہ رہو قائم اللیل تھا الطون آپنی خادم سے
دینی پوچھا کہ ہر دن سے ایسی روٹی ملتی آج نہیں ہے اسکا کیا سبب ہے تو سنی عرض کیا کہ خمیر انکا فرزند صالح کے
گھر سے [illegible] آپنی فرمایا وہ قاضی تھا اوسکی بیان کیا خمیر میں نے تھا اونگا جو کوئی مال اوسی پر دیا
دو [illegible] کہ انا محمد نے ہر کا او خمیر صالح کی گھر کا ہی اگر جانو تو نیوتی میں دریا بس دن تک [illegible]
کی مناج نہیں آخر لا مر دریا میں ڈالدی آپنی خادم سے پوچھا کہ وہ روٹی کیا ہوی اوسنی کہا
[illegible] میں [illegible] سے آپنی اس دریا سے مچھلے نہ کہائی اور آپنی فرمایا [illegible] قسم میں [illegible]
[illegible] زبانیہ [illegible] ہی دوسری [illegible] حلال سے [illegible] قاضی کیا [illegible]
[illegible] خدا کو بہ ولی یہ زہد عارفوں کا ہی — باب دوم

— بیان میں کاملین کالپی کے ذکر زبدۃ العارفین خلاصۃ الواصلین احمد
خلق ابراہیم حلم یحیی مروت یوسف طلعت خضر حال
مسیح قال کلیم کلام سلیمان مقام نتیجہ تجلیات الازل
والابد قطب الاولیا حضرت میر سید محمد ترمذی الکالپوی قدس سرہ

بیان نسب مبارک کا یہ ہے کہ حضرت امام زین العابدین رض کی دو زوجہ مشہور تھیں ایک فاطمہ بنت
حسن [illegible] سے [illegible] بڑے حضرت امام محمد باقر اور چھوٹے حضرت حسین [illegible] الا—
[illegible] حسین [illegible] نام [illegible] عرب و عجم [illegible] معروف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] عالم [illegible] کی کرامات [illegible] [illegible]

القصہ فاقہ [illegible] کیا [illegible] عالم کا در [illegible] چلی ہوا چلے

انتہائی زادہ [illegible] سمعان کو دل [illegible] کیا کہ [illegible] حکم [illegible] فرمایا کہ ملک مغرب جا کر

گوادر [illegible] تغیر [illegible] قدر [illegible] راہی ہی اور [illegible] میں جا کر نماز جو ادا کی اور سمعان پر

[illegible] عالم کی انتقال [illegible] اور احیا [illegible] غسل اور وضو [illegible] فردوسات کو

ہوا سے پانی دریا لیے اور استعمال [illegible] میں آپ [illegible] نشست کا العاقبت [illegible]

[illegible] حلیت [illegible] وہاں سے پانی [illegible] سے لاکر جاتا کہ غسل وضو [illegible] ظرف پانی

مجبور ہمہ [illegible] گیا اور پانی [illegible] دریا کے پانی [illegible] نقل ہے کہ آپ ہمیشہ دریا سے

[illegible] پانی استعمال کرتے تھے اتفاقاً ایک دن آپ دریا سے پانی لینے [illegible]

[illegible] امتحاناً ایک [illegible] آپ [illegible] حضرت

[illegible] زندہ [illegible] اور [illegible] فرمایا

[illegible] اللہ اکبر کہا [illegible] جان نکل گئی [illegible]

[illegible] نماز [illegible] جب [illegible] فرمایا [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

بھی میں آکر بحکم حقیقی آثار یاد ... جان بحق تسلیم ہوئے تاریخ وفات انکی سنہ ۱۰۰۲ ہجری

روز دوشنبہ دہم شعبان سنہ ہجری ... سال ... العادہ گنبد مدینہ منورہ

بمقابل مسجد ۲۲ گز قطعی بنا ہے چونکہ ... عوض ... ہوئے جانب چشم انکا اور جانب

ہمی صاحبزادہ سید احمد کا بھی اندر گنبد دونوں مزار ہیں دونوں مزار پر ... عمدہ بنی ہیں

روایت ہے انکی تصنیفات بہت سی رسالہ توحید و عمل معمول وغیرہ مشہور ہیں اور بعض رسالہ زبان عربی

میں بھی ہیں اور انکی شعر بھی تصنیفات میں ہیں سب ... زبان عشق مرا است ...

گر گیر بر سر ... سر برزد + قلم شکستم و اوراق شستم و دیدم + کہ غیر یاد تو ای دوست جملہ بیکاری

خلفاء حضرت ... مشہور ... میں ... لکھے ہیں ... ایک

سید شیخ محمد ... الہ آباد ... عالم ... اور ... ذی الحجہ ...

دوم حاجی جمشید ... قریب میں متصل الہ آباد کے ... دریا ... سوم شیخ ...

... رحمۃ اللہ علیہ چہارم شیخ لال رحمۃ اللہ علیہ فاضل و کامل تھے پنجم شیخ عبد ... الہ آباد

ششم محمود ... الہ آباد ہفتم شیخ لال ... ہشتم حاجی ولی محمد نہم ...

دہم سید ضیاء اللہ ... قدس سرہ ... انکی ... اور ... [illegible]

باقی ... روضہ منورہ ... انتقال ... صاحبزادہ ... سید احمد ...

تحریر ... تاریخ ... ملک ... [illegible]

... ذکر قطب العرفا تاج الکملا منہاج العالمین

برہان الواصلین یگانہ بارگاہ رب احد سلطان اولیا حضرت میر سید احمد قدس سرہ الصمد

آپ خلیفہ و سجادہ نشین اپنے والد ماجد کے تھے تربیت و تعلیم شیخ محمد افضل الہ آبادی سے پائی جب آپ میں
اپنے والد کے کمال کو پہنچے تو بیس برس کی عمر میں بعہد عالمگیر بادشاہ قائم مقام اپنے باپ کے ہوئے آپ کی
جوش الٰہی میں یہ کیفیت تھی کہ جس کسی پر آپ نظر ڈالتے مست و بیخود ہو جاتا وقت رحلت حضرت
سے آپ کے والد ماجد نے کہ آپ ہمراہ تھے فرمایا تھا کہ خواجہ نے دستار سر پر سید احمد کے باندھا مجلس
چشت حشمت کے کریں کہ بعد معاودت کے مجلس سرود کی کی اور ہر سال آپ عرس میں قطب الاولیاء کی [illegible]
گھڑا اور بڑی بالی کی دریا سے لاتے راہ میں قوالان حقانی گاتے نقل ہے ایک مرتبہ اپنی ہرد ماریہ [illegible]
لوٹنے لگے پانی میں ڈوب جاتی تھی بسمل صفت لوٹتی تھی یہ حال سنکر شیخ محمد فضل الہ آبادی نے کہہ بھیجا
کہ تماشہ عرس قطب الاولیاء میں تمام ہوا کہ سر بسر مہوش ہیں وہ سکتا اور خلاف روتی ہیں [illegible]
تا کہ آ آپ نے سجادہ نشین شیخ کو بلا بھیجا وہ آئے تین دن تک کہا کہ کیا اگر بیہوش ہو شیخ سے اجازت
سے قوالان نے بعد نماز مغرب حقانی گایا تھیں یہ کیفیت ہوئی کہ ایک مست و بیخود ہوا اور شیخ
گرے کی یہ حالت ہوئی کہ تسبیح ہاتھ میں لئے بیخودی سے پڑی ہوئی اور لا الٰہ الا اللہ کہنے لگی اور رقت
میں آئی اور صوت اپنی گوشہ اختیار کیا خلوت نشینی سے یہ آواز آئی ہے

این سفر ہمرہ بمیخانہ اقامت نکند ۞ ۞ این سفر گشتہ است سند
این سید محمد ابن حنفیہ گفت ۞ ۞ نغمہ مطرب بہ کرامت نکند
تو بہ از این شیوہ مخوا ہیم کرد ۞ ۞ گو کہ ہمہ خلق بد انست

نقل ہے کہ آپ میں چار دیواری مدرسہ منورہ و دالان مجاذی مسجد و مکان واقعہ مدرسہ
ہوئی اور ہوا مکان مزار مشرقی میں جانب بالو تر رنگ محل کی جب بنا ایک شیشہ جو بنا
برا آپکی اولاد سے ایسا ہوا کہ مکان میں ہو گیا بعض خلفا آپکی یہ ہیں شیخ محامد جونپوری شاہ جمال
سر دیکھی

قاضی سید غلام علی

صحبت [illegible] مقدوم علی نقی ... شیخ صاحب اللہ علوی بلگرامی شیخ عبد الحفیظ مسوی
بلگرامی قاضی احمد ... محمد سعید شیخ محمد ... سید لطف اللہ معروف شاہ لدّھا بلگرامی پیر و مرشد
سید مقدوم علی آزاد بلگرامی ہے آپ کے جد ادھر قاضی جاند ... کسی ہوئی وصال آپکا وارد ... زو ...
... ہجری کو عہد عالمگیر بادشاہ میں عمر ... سال خلافت ... سال رہی قطعہ
تاریخ وفات ... نسب حاجی ... دین + آمد بود اہل صفا ز ناموس + سال نقلش جہان احمد جاں — ناموس
... احمد جہان ... ذکر شہسوار مضمار علم و یقین شہنشاہ
اقلیم طریقت و دین حقائق و معارف آگاہ سید شاہ فضل اللہ
معروف ... لبشاہ صاحب قدس سرہ آپ خلیفہ و سجادہ نشین
و خلف الرشید سلطان الاولیا سید احمد کے ہیں آپکی خوارق بہت مشہور ہیں اور
ذوق و شوق ... تواضع و انکسار و حسن خلق و جمیع شمائل رضیہ و عادات
مرضیہ میں ... مثل ... آپکی وصف میں شیخ محمد افضل الہ آبادی نے کہا ہے
تمام فضل سید فضل اللہ ہست ؎ ؎ ؎ بر شان فقیری ... — حلم
... صبر و ... استقلال ؎ ؎ ؎ ... فصاحت ... — احتمال
... نصیب ... دات ... ؎ ؎ ؎ وائم ... — نصیب
نقل ہے ... راتوں میں ... — رات میں
... المقدور تھا جو بہت کچھ حیرت کیا ... جلدی دفع ہو گیا ... یاد ...
... تھا کہ اکثر خدام وقت نماز الا ... آپکی ...
... بعہد عالمگیر بادشاہ ... آپکی ... موضع ...
... ان مواضع ... نقد ... ہو گئی اور ... — ایک
... کثرت ... خلفا ... — لیے پورہ
... معروف ... آپ ... ہے — تا ہنوز

بعد ہزاروں بیروں اور نعش برکات سے اعداد الاولی کی اکثر ہر کس شل شاہ آل احمد آپ ہی صاحب

صاحب کشف وکرامات ہوئی بیشتر حضرت شاہ اوم دوم کو نسبت طریقت ورکات سے صاحب نسبت تھے

صاحب اجازت آپکی کوچ میں اخبارات اخبار ہے جنس اجماعت کی محرم ہی تھیہ آپکی نام کوچ میں مشہور

ہوا آپکو صاحبی ہو دوست محمد جانشین ہے تخت آپ کی چار بیٹی تھی اول سلطان سید ابو سعید معروف

السلطان صاحب دوم سید محمد یوسف سیوم محمد اشرف چارم سید محمد آصف

ولادت آپکی سنہ ۱۱۰۶ ہجری اور وصال ہر اسی ذیقعدہ ۱۱۸۱ ہجری کو ہوا مزار پر انوار آپکا ذیقعدہ

بارہ دری میں متصل ولوا شستہ مدرسہ ہونے کی واقع ہے جانب مغرب آپکا در جانب جنوب

کسطرف پہلو میں برابر حضرت سید سلطان مسعود برادر کلان آپکا مزار واقع ہی قطعہ

تاریخ یہ ہے چون سید زجهان سید شاہ فضل اللہ + خلق غم فراق او گفت ای وا

تاریخ وفات او ساخت از سوز ۔ ٤ ٤ ٤ فردوس برین مقام او شد آہ رسا

ذکر حضرت سید سلطان مقصود فرزند دوم سلطان الاولیا

آپ بھی صاحب کشف وخوارق تھے تخت اجانشین میں ہوئی لیکن بیٹے سید سلطان محمد عظیم

آپکی تھی کہ ہمہ صفات موصوف تھے آپ بھی بعہد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی تھے وفات

سنہ ۱۰۲۳ ہجری میں ہوئی بعہد بادشاہ مزار آپکا گنبد بغدادی میں کہ مقابل گنبد

مزار فیض آثار الاولیا کے جنوب میں واقع ہے اور اوسی گنبد میں مزار آپکی بیٹے سید سلطان محمد عظیم

کا جانب جنوب مقابل رہی اور آپکی گنبد کے دروازہ جنوب میں حصار مدرسہ میں قبر نواب

سعادت علیخان ناظم بابل ہے جو مرید حضرت سید شاہ ظہور محمد تھے کہ وہ اوسی سے

ذکر حضرت سید سلطان ابو سعید خلف اکبر سید شاہ فضل اللہ قدس سرہ

فرزند معظم

بہت ضعیف ہوگئے بزرگان کے بعد موت تھی بعد حضرت شاہ فضل اللہ والد ابی کے سجادہ
نشین خلافت ہوئی نہایت ذوق شوق عشق الٰہی کا تھا اور ہزاروں آدمی آپ کے فیضیاب
ہوئے نقل ہے کہ آپ کسی مجلس میں سوار نواب محمد خان بنگش کے سبب عقیدہ و نہایت
بد اعتقاد تھے بعد بطور طعن کے باتیں کرتے کہ آپ کو معلوم ہو گیا برو عرس قلب اللہ و نیاز کو والا ان جتلائی
گانی اور مریدان گاگرین سر پر دم جاتے ہیں اور وہ سواران بد عقیدہ سر کش نزدیک
سے دروازہ موجود تھے آپ نے ایک نعرہ اللہ اکبر مارا اور اسی وقت سب بیخود ہوگئے اور سواران کی کیفیت بہ
بسمل سب کی ہو گئی تھی اور سب مست ہو گئے بعد ازاں سب سواروں نے مولوی سے پشیمان ہو کر قصور معاف
کرایا اور سب بیعت ہوئے اور خوارق اور کرامتیں آپ کی دیکھ کر نواب محمد خان بنگش نے بھی مرید ہوا اور
ہر بیت دعا آپ کی سبب ہفت ہزاری پر پہنچا سبب حسن اپنی خدمت گزاری کے کر
بیارہ موضع اپنی جاگیر سے علاوہ نقدی کے نذر کرتا تھا لگا دی اور سند اوسکی جہانگیر محمد شاہ کے
بادشاہ سے حاصل کر کے آپ کی پاس بھیج دی جب ضعف سلطنت ہند نہایت میں ہوا اور بھیج دی
پورب پورب کے ملک میں عمل بنگش کا نہ رہا اور پورب ہندوستان کے [illegible] کی تقسیم ہوئی اور مقبوضات ہوئے بند ملیور (مرحوم)
اور وقت آپ نے قصبہ ملک پور اور وہ محلہ سید واڑہ میں ایک مکان کی بنیاد ڈالی اور [illegible]
میں مسجد کے ایک مکان تعمیر کرایا جس وقت کوئی فساد بر پا ہوتا آپ قصبہ [illegible] میں
تشریف لے جاتے اور جب قصبہ میں کوئی ایسا واقعہ ہوتا آپ [illegible] اپنے ارادہ قیام موضع [illegible] کو کر
کر اور سکونت میں آباد تھا اپنی ایک مسجد اور [illegible] الحرمین [illegible] سر
اور سید مکانات پختہ بنا کر آپ کی اور ارشاد الطالبین و اسطی خلف ارشد سید احمد شہید کے اپنی آپ نے
نا بجائے [illegible] اور آپ حضرت قاضی محمد حسن بن قاضی معصوم او سط جانشین تھی ایک مختصر [illegible]

سید محمد ... ہجری میں واقع ہوا ... بعد ... سال انتقال ... قطب
تاریخ وفات ... سید محمد علی ... سلطان الہند قطب دوران
شد منزلش ان سید اکمل فردوس ... قرآن مجید ... تاریخ نوشتم ... فردوس
دروازہ گنبد قطب الاولیا جانب مشرق واقع ہے ذکر حضرت سید محمد یوسف
فرزند حضرت شاہ فضل الله قدس سرہ آپ جامع کمالات صوری و معنوی
کے تھے ... مراد اہل طریقت بلباس ظاہر نسبت + کمر بحب سلطان ہند بیوی بچون
اپنی اوائل میں نوکری اختیار کی اور حضور بادشاہ سے خطاب بہادری اور خانی کا ہوا الفضل یہ
کہ ایک ملازم ممتاز شاہی ہندو کے عوض نوکر بجہ نیابت مقرر کیا اور جو شخص کو ذبح کر
جاتا اور ... سر ... مشقت کو اوس کی ذات ... رہتا اس ... کوئی ... کہ
یہ ... شاہ کو ... بادشاہ اپنی ... واقف تھا ... کی ... کیا
جب آپ اوسکی پاس ... سلام و تحیات کی اور کہا آپ ... میں
بیٹھے ... آپ ... اور ... مارنا ... تنگ کردو ... سبب
گزرنے کی ... جناب سرور کائنات میں رجوع کی کہ حضرت
کرم الله وجہہ ... جو ... صورت
صحبت ... اور آپکی خدمت میں ... تنگ کر ... حضار
... اور نوکری ترک کرکے خلوت اختیار کی ... دروازہ ... درمیان مزار ... ہوئی ... بعد
شاہ فضل الله ... ذکر سید محمد اشرف پسر سوم حضرت
شاہ فضل الله قدس سرہ — آپ نہایت ذوق و شوق ... مرید ... کی الغرض
... حضرت شاہ مجذوب کے تکیہ ... شہر فرخ آباد میں ... اونکی ...
... شہر ... مجذوب ... اونکا ...
... شہر ... مہینہ ... شاہ ... سوم ... شاہ

[illegible] حضرت [illegible] آپ [illegible] نقل ہے [illegible] فرخ آباد [illegible]

[illegible] سید احمد سعید [illegible] آپ بہ القبول [illegible] والی

[illegible] اپنی [illegible] وعزت [illegible] معاف کیا [illegible] آپ [illegible] شریف [illegible]

اور مسلمان [illegible] تھا [illegible] شہر [illegible] کہ آپ [illegible] ہو گئی اور [illegible] نکلے

[illegible] عقیدت [illegible] لوگوں کی [illegible] میں شامل ہوئے [illegible] دعا [illegible] آپ [illegible] ہوئی

[illegible] مسجد [illegible] اوقات میں [illegible] اللہ [illegible] کر [illegible] گڑھا

[illegible] پانی [illegible] آپ [illegible] جب عمارت شہر کی [illegible] وہ لوگ [illegible]

[illegible] شہر [illegible] آیا [illegible] حضرت [illegible] نکال [illegible] آپ [illegible]

[illegible] سلطان مسعود [illegible] سید احمد سعید [illegible]

میر اصف فرزند چہارم حضرت شاہ فضل اللہ قدس سرہ

[illegible] مزار آپکا [illegible] واقع [illegible]

فخر الدین احمد خلف حضرت سید سلطان مسعود قدس سرہ

آپ [illegible] ذوق وشوق [illegible] عجیب وغریب [illegible] الفتر

[illegible] بیعت [illegible] سکندرہ [illegible] نقل ہے [illegible] قصبہ [illegible] رئیس

بیمار ہوا اور علاج [illegible] فائدہ نہ ہوا [illegible] کرامات [illegible] کچھ

[illegible] روضہ انکا [illegible]

حضرت سید احمد سعید خلف اکبر سید سلطان [illegible] قدس اللہ سرہ

[illegible] بعد انتقال اپنے والد ماجد [illegible]

[illegible] آپ [illegible] القول [illegible] دل [illegible] مریدوں [illegible]

تعلیم [illegible] فرماتے [illegible] باطنی [illegible] تمام [illegible]

شوہر ہوئی اور انکی شادی دختر قاضی اشرف الدین بن قاضی محمد حسین بن قاضی محمد معصوم اوسا جا تمہاری ہوئی
وفات انکی ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری بعہد عالمگیر ثانی میں ہوئی مزار انکا مدرسہ میں بالین مزار سید محمد کے
زیر پائے مزار والدین کے واقع ہے تاریخ وفات نبیرہ حضور سید احمد سعید ۲؎ گفت جان نبیرہ امام
پیر سالار بہشت گفت ۴؎ ہاتف بعز و شرف مقام قیام ۴؎

ذکر حضرت سید حسین علی خلف سید احمد سعید قدس الله سرہما

+ آپکا حسن خلق اور جود و سخا اور مروت
و وفا وغیرہ و زیادت مشہور ہے انکی شادی دختر قاضی نجیب الله ابن ... سے کہ خدمت قضا کی برابر ہوئی
اور رنگ محل و دولتخانہ قاضی مرحوم کے بزرگونکا ہوا باعث ہوا ایک لڑکی ہے گوئی نفاد ہوا انکا جہیز میں
دختر کو دیا صاحب مرحوم کا محل ملکیت دختر کے بعد میں انکی کہ انکی تحت تصرف میں ہوئی سیر تقسیم و سیر کے
سنہ بعد ہا و تصرفا اور ملک سب پر قبضہ کر لیا اسباب امیرانہ رکھتی تھی ہوتے تشریف قم ... تھے
لقل ... ساہ ... شاہ میں رہتی تھی اور کھا بیان ہے کہ میں اپنی دالمین کہتا تھا کہ سید حسین علی
امیر ... رہتی میں فقیر سے رہے بالبت جے عجائب ہو دن کیا اسکی کہ بی بی ... میں ... میوہ
باغ ہے جو میرا کہی خدمت میں پیش کرون جس سے باغبان بہت امیدہ ہوئی کہ باغ میں سے ... باغ عالی ... میں
جو ... ہیں میوہ دار درخت ہے جس درخت کیطرف جاتا ہوں دیکھتا ہوں کہ ایک محافظ سفید پوش موجود
ہے لوٹ ... دیکھیا ہی پاتا ہے اسے سید حسین علی موجود ہیں لوٹ آیا اور یہ معاملہ دیکھکر میری بدن میں لرزہ پڑا
اور اپنی خیال سے بہت نادم و پشیمان ہوا اور حجوب آپکے پاس اللہ تبارک مریدان کئی میں مجھکو بھی حضور میں جانا ہے
مجبور ہو کہ آپ نے فرمایا کہ صبح باغ دیکھا کسی نے بہی نہ مانا تو باغ دے گئے اور شامل گروہ کا اشغال میں بیعت ہوا
اور اپنی زبان با عمل سے اسکی تقصیر معاف کر دیا اور بیعت حاصل کئے ہزاروں مرید اب ... دیوانخانہ کو علی موجود
میں ہوا با ایک تھی عمر انکی پنجاہ سال و ماہ ۲۰ رمضان سنہ ۱۲۰۷ ہجری مزار مدرسہ کا لیکی بی بی میں ...

نی کا پیش

تاریخ وفات

بود حسین با علی رحلت ؛؛ در محل برین بقصر فایق ؛؛

تاریخ وفات از سال گفت ؛؛ [illegible] ؛؛ در مدفن شد محقق رسا [illegible]

ذکر شریف حضرت سید ابوسعید عرف شاہ خیر العلی صاحب

خلف سید حسین علی قدس سرہما آپکی والد ماجد نے آپکو کہ عمر سو[illegible] سال

کی تھی خلافت عطا کی بعد انتقال اپنی والد کے اپنی تکمیل و تکمیل بخوبی حاصل کی [illegible] رضا

اور [illegible] و سجادہ [illegible] مسکینوں کو تقسیم کرتے اور ایک ساعت میں [illegible] لقل کی

[illegible] اپنا [illegible] حاصل کیا [illegible] کرامت [illegible] میں [illegible] گذار تے

[illegible] کو منہ ہاتھ [illegible] [illegible] جاتی [illegible] جلسہ

[illegible] صاحب [illegible] ایسی [illegible] مقام [illegible] نے

[illegible] اس [illegible] اضطراب [illegible] شکر خدا کا [illegible]

آپنی [illegible] فرزند چہارم حضرت سید سلطان احمد وجود [illegible]

[illegible] قبل انتقال تین سال کی باوجود [illegible] تعلق [illegible] علی

[illegible] میں [illegible] اختیار کر کے خلوت نشین میں عبادت و تلاوت قران [illegible]

[illegible] تلاوت قران [illegible] حفظ ہو گیا آپ فرماتے کہ انشاء اللہ تعالی [illegible] میں یاد کر [illegible]

[illegible] کہ عزیزان [illegible] حضرت [illegible]

[illegible] معمول [illegible] اور [illegible] خدام [illegible] منو

[illegible] شریک محفل میلاد حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] مکان [illegible]

[illegible]
ساتشا [illegible]
بصحت [illegible]

چھوین ۲ ربیع الثانی کو بعد برخاست محفل میلاد دو دن بعد مبارک پر تپ محسوس ہوئی اور
اور ہوئی کو ہر ربیع الاول سنہ ۱۲۱۳ ہجری کو وصال ہوا۔ نقل ہے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب
آئے تھے ہین آئی اور کہا اسکی کہ ہم جلکر الیسی ہے گفتگو کرین انکا ہمراہ اور بیعت سے تو مجھے بھی لکر آپ
پڑھتے تھے بعد مغرب نفل نہ پڑھتی تھی کو مغرب کے وقت پہونچی اور نماز مین شامل ہوئی یہ کیفیت مولانا کی ہوئی کہ
پڑھتے رہے جب تک آپ نماز پڑھتی رہی مولانا بھی نفلین پڑھتی رہتی چنانچہ بعد نماز کے مولانا سے کیفیت کیا کہ آپ
بعد نماز مغرب کے نفل تک نہ پڑھتی تھی آج خلاف معمول آپ بھی نفلین پڑھین مولانا نے فرمایا یہ لتقس
بھروہ بزرگ شیخ فاتحی اگر رات بھر وہ پڑھتی میں بھی پڑھا کرتا خلفا آپکے یہ ہین سید سلطان عالم و حضرت عالم
آپ سے مارہرہ میں معروف کسب کمالات کر وقت انتقال والد ماجد کے کم سن تھی آپ سے بیعت کی اور حافظ علی رضا
ابن شاہ لوذی ابن شاہ برکات مارہروی انس ارادہ سے جاتی آپکو اجازت عالم سید حسین علی سے حاصل
حاصل کرین چنانچہ مارہرہ سے روانہ ہوئی قبل پہونچنے پاپ سید حسین علی کا انتقال ہو گیا اور قیمت عمر آپکی آل
ستائیس تھی اور جانشین اپنی والد کی تھی ایک شخص کو آپنی خواب میں دیکھا کہ آپکی والد نے ہاتھ اور سکا پکڑ کے آپکی ہیر
کیا یہ کیفیت خواب کی آپنی سے ہو کسی بیان فرمائی جس وقت حافظ علی رضا پہونچی آپنی جیسا کہ خواب
مین دیکھا تھا ویسا ہی ناموافق پایا اجازت عام دی وہ فیضیاب ہو کر روانہ ہوئی اور مرزا احسن صاحب لمدت
رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت نقشبندیہ ابوالعلائیہ الیسی دی اور مرید آپکی بہت ہین کہ اونکا حساب نہین
اور آپکی اولاد سے دختر و پنج پسر اول سید نور احمد دوم حاجی قدرت و غیرہ سید ظہور محمد سوم
حضرت علی چہارم حضرت عارف عارف و حاجی و عالم رشید و سلطان احمد پنجم حضرت شاہ
مراد صاحب ذکر حضرت نور احمد قدس سرہ آپ بڑی صاحب کشف تھی
انگوٹھی نقل ہے ایک انگوٹھی کم ہوئی بہت ڈھونڈا نہ ملی آپنی کیفیت سے دریافت کر کے فرمایا کہ اندھیارے میں محل سے
کر کھڑی کو ٹھی میں پڑی ہے چنانچہ لا کر دیکھا اور ایسی ہی روایت ہلال رمضان المبارک میں خلاف
اور سب لوگون نے دیکھا نہ نظر پڑا آپ نے فرمایا کہ فلان طرف دیکھو بالکل آئی او فرمایا کہ آج ہلال ہی چنانچہ

دیکھا اور سب نے دیکھا

[illegible] بار آکر یہ لقب [illegible] سید [illegible] محمد [illegible] اپنی سے فرمایا کہ لوات و ذوالفقار میاں
خاندانی [illegible] سے پہ [illegible] دیا اپنی [illegible] ہوتی ہی [illegible] میں اول [illegible] آگیا ایسے خوارق انکی خوارق
بہت [illegible] میں وصال آپکا ۱ جمادی الاخر [illegible] ہجری کو ہوا اور مزار [illegible] برابر مرقد والد ماجد خود کی واقع واقع
اپنی [illegible] تاریخ حسین احمد [illegible] قطب [illegible] را + [illegible] از [illegible] { { {
بزوال [illegible] مودراہ + [illegible] فردوس [illegible] + ذکر شریف سلالہ خاندان محمدی سوز داد
ونقاوہ دودمان احدی صاحب مقامات صدق و صفا بالیقین بے نو
ولی ربا رامنی برضا راضی بالقضا برگزیدہ بارگاہ رب احد
مولانا حاجی سید شاہ ظہور محمد قدس سرہٗ
آپ عالم باعمل اور محدث بے بدل اور کامل تھے اور خوارق انکی بیشمار ہیں کہ حیطہ تحریر میں نہیں آ سکتے اور سند
حدیث سنہ [illegible] ہجری میں مولانا جمال الدین محمد حسن [illegible] سے حاصل کی اور [illegible] میں مولانا
محمد عابد سندی سے سند صحیح حاصل کی کہ دونوں سندیں موجود ہیں اور سفر حج میں [illegible] اولیا
آلعا کی اتفاقات سے دست بیعت ہوئی بعد آنے حج کے اپنی خلوت اختیار کی اور [illegible]
ہوئے کہ نہایت [illegible] ہزاروں آدمی آپکے مرید ہوئے اور آپ شریعت پر [illegible]
اپنے کو بالکل ترک کر دیا انتقال ہی آپ سید کاظم علی برادرزادہ اپنے کی تعلیم اشغال جاریہ میں [illegible]
ہوگئے کہ کامل ہوں چنانچہ کاظم علی شاہ ایکدن باغ سیر میں شامل ہوئی اور [illegible] آواز اپنی سنا [illegible]
پیلانی خرقتی میں [illegible] جاری ہوگیا اور آیکدن برہنہ پیلانے [illegible] بانداز [illegible]
شبیہ کیا سید کاظم علی شاہ [illegible] میں معروف ہوئے اور [illegible] سے آپکی
متحیر پیدا ہوا اور [illegible] کاظم علی [illegible] خلعت [illegible] عطا [illegible]
اور سید کاظم علی شاہ کو [illegible] ہوئی اور [illegible] رجب [illegible] ہجری کو نواب امیر [illegible]
مرض الموت میں گرفتار ہوئے [illegible] پہنچی [illegible]

[illegible] کرتا اور [illegible] ہو کر [illegible] لیتا تھے آپکی صحبت میں ہیچ کی گیا کہ [illegible]
تو ہر ایک ولی کی تربیت کا نے [illegible] مزار تھا [illegible] آپکی محافل میں لانے اور [illegible] آپ [illegible]
دیکھکر [illegible] سلام کیا اور باتین ہونے [illegible] کرنے لگا اور کہا کہ ایکر [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] اوسکی اور لوگ متعجب ہوئے آپنی ایک تعویذ اوسکو دیا مسلمان ہو کر چلا گیا اور ایک ہندو
[illegible] تعویذ کو لیکر صحت آپکی پاس لایا چنانچہ جنون اوسکا جاتا رہا اور بیعت اوسکو لیلیا اور مرید
آپکی بہت ہین اونمین سے اول مرید اجل [illegible] نواب الدولہ سعید الملک خواجہ محمد سعید الدین خان بہادر ریاست — [illegible]
باؤنی کے دوم فخر مریدان سید [illegible] علی صاحب برادر خرد سید امیر علی [illegible] ریاست [illegible] سوم محمد نعیم
ولایتی کہ بعد حصول بیعت سفر حج کیا چہارم [illegible] مریدوں سے مولوی [illegible] الہ آبادی پنجم
احمد علی [illegible] سید ضیاء الدین بلگرامی ہے کہ تلمیذ رشید حضرت قطب اولیاء کے [illegible] — رسالہ
آپکی [illegible] دو سو سال [illegible] آپکی ولادت سے کی ہی وہ یہ ہے بلیت [illegible]
مزار پر انوار کہ ظہور محمد است [illegible] مزار پر انوار آپکا گنبد میں [illegible] ہی واقع ہے —

ذکر حضرت سید شاہ احمد علی احمد خلف سوم حضرت شاہ خیر اللہ قدس سرہ

آپکا ورع اور تقوی اور زہد و فنا مشہور تھا
آپ [illegible] ہجری کو ورسطی سیاحی وفراقت [illegible] علی پور چوہڑ [illegible] شیخ [illegible] علی [illegible]
کہا [illegible] اول شیخ [illegible] انتقال کیا [illegible] آپنی وہین انتقال فرمایا مرقد منور [illegible]
مین تکیہ شاہ مین واقع ہے شادی آپکی دختر مولوی [illegible] علی [illegible] آباد سے ہوئی [illegible]
ہجری فرزند اول [illegible] حسن [illegible] اور فرزند اوسط سید [illegible] مصطفی [illegible]
[illegible] فرزند سوم سید محمد [illegible] عالم

[illegible]

ذکر [illegible] عرفا عظام وہ جو وہاں فقر اکمل زمان و غوث دوران مقبول بارگاہ احد مولائی و مرشدی حضرت مولانا حافظ و حاجی سید سلطان احمد قدس سرہ الصمد

خلیفہ اپنے والد ماجد حضرت سید ابو سعید عرف شاہ حروف علی کے ہیں نام آپکا سید سلطان احمد عرف چھوٹے میاں تھا آپ عالم باعمل اور قاری و حافظ قرآن اور حاجی تھے اور مقامات فقر و قناعت و تسلیم و رضا و تخلص و تسلیم سے موصوف تھے اور آپ خلیفہ اصحاب شریعت اور طریقت ہیں اور قدوہ و اصحاب معرفت اور حقیقت کے تھے فقر و قناعت انکا یہ تھا کہ صبر و رضا میں مستقیم تھے تجرد و انکسار مستغرق دنیا میں رہتے تھے منقبت سلام کی کوئی ان سے تقریر تا انجام تقریر کیفیت تحریر کی کو بڑا ہوا کیسے ہی کو دے بیان حقیقت ماسوا قلب آپ ہی تو موجود تھا اور شان ان سے ظاہر تھا کہ حال و قال ختم ہو خاندان پر گئے اگرچہ حال حصہ بر اولیاء کرام ان کا ہی تھا اور قال حق انکا تھا درمیان دونوں کے میاں یکے فرق نہ تھا تو اعتقاد ہے کہ ایک فائق تھے تو دوسرا لائق تھے وہ خیر تھے تو یہ سعادت سے وہ بحر جلالت سے یہ کان نبالت سے دونوں برگزیدہ دین لعل ایمان کے ہیں اور جان و جگر اہل یقین تھے [illegible] آپکی دختر سید میر علی بخاری سے قنوج میں تھی اور آپکی خوارق و کرامات کا حوصلہ تحریر سے باہر ہے گویا پورا حسن ان سے مالیس نا پسند تھی مگر بے ساختہ خوارق ان سے ظاہر ہو جاتی تھی **نقل ہے** ایام طفلی میں آپکی والد ماجد نے باغبان سے تاکید کی کرا انار کے درخت میں کہ [illegible] کوئی توڑنے پاوے اتفاق سے وہی انار آپ ہی توڑ لیا باغبان نے جا کر عرض کیا چنانچہ آپکی والد نے آپ سے پوچھا تمہیں کیا ہے انار میں کرایا باغبان جو ماہی صحبت میں دو انار تھے ہیں جب دیکھا تو تھی پایا اور تو آپنی حالت کو پایا چھپا کر ایسے خیال ہی تب [illegible] تا کہ راز ظاہر ہو اور عقیدت سے آپکو ظاہر ہی [illegible]

پوچھا

... نقل ہے کہ ... [illegible]

[illegible] ... دنیا ... [illegible]

[illegible] ... استغراق میں ... [illegible] ... دونوں ...

آپ ... کی کیفیت میں ... جیسا کہ ... اور ... سے ... [illegible]

مینی کہ دو روپے کو اس وقت آپ نے بھیجا اور فرمایا کہ دنیا ... انجان کو ... | ہیں

نے فرمایا کہ آپ دریا میں ... تمہاری ... ہیں کہ ہم پہچانیں نقل ہے کہ ... مولانا مولوی

اور ... سید مظفر الحسن ... موضع ... ضلع فتحپور میں ... [illegible]

مولانا ... فرمایا اور ... رستہ ... جانا ... [illegible]

... آپ ... ہیں کہ پہچانوں اگر ... حضرت ... | ایسی

وہی ہیں اور آگے ... اگر گھوڑی سواری میری ... راہ ... | اچھا

بیعت ... جب اس ... گھوڑی ... جانب ...

کہ میں گر پڑا ایک شخص نے گھوڑی پکڑ کے ... جا کر ... نقل ہے کہ حافظ

عبد المجید ... حافظ ... کہ میری احباب میں ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد ... میں ...

... ختم قرآن کی تھی ... میں چار پارہ پڑھے ... السلام ... حضرت ...

... اور فرمایا کہ بچ گیا بچ گیا ... آپ ... استغراق میں ...

... حضرت آپ نے ... فرمایا ...

موسی ... مگر ... تاریخ ... حافظ موسی ... | کجاوہ

... بیان کیا ... تاریخ ... آپ نے فرمایا اور تاریخ ... نقل ہے کہ شاہ ...

... اور ... [illegible]

... حضرت ... [illegible]

میں حال کیا [illegible] حضرت کی جانب [illegible] تھا [illegible] گیا تھی [illegible] کی [illegible]

کہ حضرت [illegible] ظاہر ہوتی تھی [illegible] حال [illegible] لوگوں نے پوچھا سبب [illegible]

دریافت [illegible] تو لوگوں نے [illegible] جناب [illegible] موافق بیان [illegible] حال پریشانی [illegible]

ویسی اسکا بیان کیا نقل ہے ایک [illegible] میں [illegible] اور لوگوں نے کہا کہ باحضرت

ہے [illegible] دیکھی [illegible] ہزاروں بیت میں

بالکل [illegible] نسبت [illegible] یہ نقل بہت مشہور ہے [illegible] عجب

[illegible] دست [illegible] یہ نقل بھی مشہور ہے کہ بارہ دن تک آپ حالت استغراق میں

[illegible] نام [illegible] دو دن [illegible] روایت ہے کہ لوگوں نے سمجھا کہ آپ نہیں ہیں

چند [illegible] باقی ہی [illegible]

[illegible] کیفیت رہی آخر [illegible] تعجب [illegible] — بیٹھے

[illegible] خیال کیا کہ حضرت والد ماجد جو خیال کیا تھا [illegible] پوچھا فرمایا کہ [illegible]

خاندان — اللہ تعالیٰ کی [illegible] فرمایا [illegible] یہ کیفیت رہی اور [illegible]

[illegible] اشعار [illegible] **غزل** [illegible] بالا شود پیدا + [illegible] قطرہ

آیۃ الکبری — [illegible] شود پیدا + [illegible] طلوع آفتاب آیۃ الکبری شود پیدا +

آسمان — [illegible] + [illegible] شود پیدا + [illegible] آسمان [illegible]

[illegible] شود پیدا + [illegible] جان [illegible] + [illegible] شود پیدا — ادنی

غزل دیگر [illegible] + [illegible] باشد + [illegible]

[illegible] + [illegible] بیدل [illegible] + [illegible]

اگر نہ ہجر تو جانم ز دود بیش ظالم + ز روح آہ تپش تو امین باشد + براہ عشق سرک بی تیر قدم سلطان

کہ گذرد ہمین یادگار من باشد + غزل ہر چند غم درین مکان ہست + لیکن دل من ہنوز دیوانست

در شوق حجت زوقت ہجرت + مرغ دلم قبیدہ خوانست + آئی آہوی نوشیں صیدہ من

زخم نگشت و باشتو انست + ای آہ گل جنون رسیدہ + بنگر بہ نسیم کہ بو سوزانست

آشفتہ شدی ز عشق سلطان + در بستہ عشق او جانست + لو ڈالا گیا جو بکستی سے شیر گوا

مارا اور جنگل سے روپیہ ما تیر نے کر دیا اور جنید کا لگی نعرہ اللہ اکبر سے بھاگ گیا کہ و بابا کل قات ہی مشہور

اور نقل ہی ایک دن بیشتر رحلت آپ کی چھو ناکسار کسی قاضی احمد حسین نے کہا کہ حضرت کی طبیعت نہ نماز ہے

چورہ کسی میں بادی و اسطے لینے او دویات کی آیا ہوں سنتی ان حضرت کی طبیعت کو نہایت تردد ہوا اور گری سے بلند آواز

عزم کر دیا کہ چورہ جانا دن چنانچہ مات دیا جس آمد و رفت سے بند ہو گیا تھا سخت مجبور رہا تو نہایت انتقال ہی

دی آپ نے بیمار نہ ان کسی کی اس سن ہیں نہ لگی تھی اور دیکھتا تو دو ایک طشت پور کسی شیر شتل سے شیرینی ہی ہو گی سے

بھرا ہوا حضرت نے دو سرور رہا گئے آپنی میاں فضل الدین احمد سے فرمایا کہ یہ سب کو تقسیم کر دو میاں

فضل الدین احمد نے سب تقسیم کر دیا آخر کو حضرت نے فرمایا کہ جو طشت میں ہو تو دیتی ہے سب کو بی جو اخترو دیر تو

چنانچہ حسب ارشاد رکھی یعنی رکھا گیا اور بیالہ دی وہ نکل گئی لستر کسی طرف چورہ جا گا تاریخ بھی نہار دے گئے

مجبور کی چلتے تھا قاضی احمد حسین نے کہ چورہ کسی لستے ہی فرمایا کہ وہاں حضرت کا نہایت جلد مر ہوا کہ بیان کسی کا ہر جگہ

ان کی دو صاحبزادے بلند اقبال اول حضرت سید شاہ فضل الدین احمد کہ جمیع صفات کاملین میں نامور

مشہور ہیں دوم حضرت سید شاہ افضل حسین کہ جنگلی شاہ میں آپ کی جات صغر سن میں قریب ہم

سے کسی ناہم خالق ما متوکل فی پیشگوئی فرمائی تھی دوم صاحبزادے حضرت روشن بھی ہو گئے

وحی بچی میں چنانچہ جمیع صفات مالک موصوف ہیں سن وصال حضرت کا ماہ شعبان ہجری

مزار مبارک باغ چورہ ضلع کا ئیں اندر گنبد واقع جو مغربی بند لوت سے جنید ہے

ذکر اکسیر یا زمان

ذکر نسبهای بزرگان سلاسل چشتیه و قادریه و نقشبندیه

و سهروردیه و مداریه قدس سرهم که جناب فیض مآب جناب سید السادات قطب الاولیاء حضرت
میر سید محمد قدس سره نیز اولا بیعت سلسله چشتیه بحضرت شیخ جمال الاولیاء کوروی قدس سره العزیز
نسبت چشتیه بدین قدم این سلسله که ابتدای بعجز و نیاز سید کونین سید الثقلین احمد مجتبی محمد مصطفی
صلی الله علیه وسلم که بالوراثت اینها بعجز و نیاز امام المتقین امیر المومنین اسد الله الغالب حضرت
علی بن ابی طالب کرم الله وجهه که بالوراثت اینها بعجز و نیاز سید الواصلین حضرت خواجه حسن بصری بعجز و نیاز حضرت عبد الواحد بن زید
و بعجز و نیاز مورد فیض فیاض حضرت خواجه فضیل عیاض و بعجز و نیاز سلطان التارکین حضرت ابراهیم ادهم و بعجز و نیاز
حضرت حذیفة المرعشی و بعجز و نیاز حضرت هبیرة البصری و بعجز و نیاز حضرت علو ممشاد دینوری
و بعجز و نیاز حضرت ابو اسحاق شامی و بعجز و نیاز حضرت ابو احمد چشتی و بعجز و نیاز حضرت ابو محمد بن ... چشتی
و بعجز و نیاز خواجه مودود چشتی و بعجز و نیاز حضرت حاجی شریف زندنی و بعجز و نیاز حضرت عثمان هارونی
و بعجز و نیاز حضرت خواجه معین الدین سنجری و بعجز و نیاز حضرت خواجه قطب الدین بختیار اوشی
و بعجز و نیاز حضرت خواجه فرید الدین شکرگنج و بعجز و نیاز حضرت سلطان نظام الدین اولیا و بعجز و نیاز
حضرت نصیر الدین محمود و بعجز و نیاز حضرت سید الدین طبیب دہلوی و بعجز و نیاز حضرت شیخ فتح الله اودهی و
بعجز و نیاز حضرت شیخ محمد عیسی و بعجز و نیاز حضرت بهاء الدین جونپوری و بعجز و نیاز شیخ ساره ... ی
کوروی و بعجز و نیاز حضرت شیخ بهاء الدین و بعجز و نیاز حضرت مخدوم جهانیان و بعجز و نیاز حضرت جمال الاولیا
کوروی و بعجز و نیاز قطب الاقطاب حضرت میر سید محمد کالپوی و بعجز و نیاز سید احمد و بعجز و نیاز حضرت
سید فضل الله و بعجز و نیاز حضرت سلطان ابو سعید و بعجز و نیاز حضرت سید احمد سعید و بعجز و نیاز حضرت
سید حسین علی و بعجز و نیاز حضرت سید ابو سعید عرف شاه خیر علی و بعجز و نیاز سید السادات حضرت سید سلطان
احمد عرف چهوٹے صاحب قادریه مولانا و مرشدی که ...

شجرہ خاندان قادریہ عالیہ الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت سید سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ
کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز حضرت سید ابو سعید درویش شاه جرد لقبی کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز حضرت
سید حسین علی کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز حضرت سید احمد سعید کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز حضرت سید ابو سعید کہ با او داشت
الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت شاه فضل اللہ کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز حضرت میر سید احمد کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز
سید السادات میر سید محمد بن میر سید ابو سعید کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشایخ حضرت شیخ جمال اولیا
کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشایخ حضرت شیخ ضیاء الدین المعروف بقاضی جیا کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز
شیخ المشایخ حضرت شیخ جهاری کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت میر سید ابراہیم
ایرجی کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشایخ حضرت شیخ بہاء الدین کہ با او داشت
الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت میر سید احمد جیلانی الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت میر سید حسن
الٰہی بعجز و نیاز حضرت میر سید موسیٰ الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت میر [illegible] الٰہی بعجز و نیاز
حضرت میر سید محمد الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت میر سید حسن الٰہی بعجز و نیاز سید السادات
حضرت میر سید محمد الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت میر سید محی الدین ابو نصر الٰہی بعجز و نیاز
سید السادات حضرت میر سید ابو محمد صالح الٰہی بعجز و نیاز سید السادات حضرت میر سید عبد الرزاق
الٰہی بعجز و نیاز قطب عالم غوث اعظم صاحب [illegible] سبحانی سید السادات حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر الحسنی
الحسینی الجیلانی الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشایخ حضرت شیخ ابو سعید مخزومی الٰہی بعجز و نیاز
شیخ المشایخ شیخ ابو الحسن علی ابن محمد الہکاری ابن علی محمد ابو [illegible] الٰہی بعجز و نیاز
شیخ المشایخ حضرت شیخ ابو الفرح یوسف طرطوسی الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشایخ شیخ

[illegible]

عبد الواحد بن عبد العزیز

احد بن عبدالعزیز تمیمی الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشائخ حضرت شیخ ابوبکر شبلی الٰہی بعجز و نیاز
شیخ المشائخ حضرت شیخ جنید بغدادی کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشائخ حضرت
شیخ سری بن سقطی کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشائخ حضرت شیخ معروف کرخی
الٰہی بعجز و نیاز شیخ المشائخ حضرت شیخ ابوسلیمان داؤد طائی کہ با او داشت الٰہی بعجز و نیاز امام
موسیٰ علی رضا الٰہی بعجز و نیاز حضرت امام موسیٰ کاظم الٰہی بعجز و نیاز امام جعفر صادق الٰہی بعجز و نیاز
حضرت امام باقر الٰہی بعجز و نیاز حضرت امام زین العابدین الٰہی بعجز و نیاز حضرت امام حسین علیہ السلام
الٰہی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الٰہی بعجز و نیاز سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شجرہ خانوادہ سہروردیہ

سید سلطان احمد وہ ابوسعید عرف شاہ خیر الحلی وہ والد خود سید حسین [illegible] اور وہ والد خود حضرت
سید احمد سعید سے اور وہ والد خود حضرت سلطان ابو سعید کی اور وہ والد خود حضرت
شاہ سعید فضل اللہ سے اور وہ والد خود حضرت سید احمد سے اور وہ والد خود حضرت
میر سید محمد کالپوی سے اور وہ شیخ المشائخ حضرت شیخ جمال اودھی
اور وہ شیخ قیام الدین سے اور وہ شیخ قطب الدین سے اور وہ شیخ اوحد سے اور وہ
شیخ بہاؤالدین جونپوری سے اور وہ شیخ علاؤالدین سے اور وہ حضرت راجو قتال بخاری سے
اور وہ برادر خود سید جلال الدین بخاری معروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے اور وہ
شیخ رکن الدین ابوالفتح سے اور وہ والد خود شیخ صدر الدین سے اور وہ والد
خود شیخ بہاؤالدین زکریا قریشی سے اور وہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے اور وہ عم
خود شیخ ابوالنجیب سہروردی سے اور وہ شیخ وجیہ الدین ابو حفص عمر سے اور وہ حضرت شیخ

شیخ احمد دینوری سے اور وہ شیخ ممشاد علو الدینوری سے اور وہ شیخ ابو القاسم جنید بغدادی سے
اور وہ شیخ سری بن سقطی سے اور وہ حضرت شیخ معروف کرخی سے اور وہ حضرت داؤد طائی سے
اور وہ شیخ حسن بصری سے اور وہ امام المسلمین امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے
اور وہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے

شجرہ خاندان مداریہ

حضرت سید سلطان احمد وہ والد خود حضرت سید ابو سعید عرف شاہ خیر الغنی سے وہ پدر خود حضرت
سید حسین علی سے وہ پدر خود حضرت سید احمد سعید سے وہ پدر خود حضرت سید ابو سعید سے وہ پدر خود حضرت
شاہ فضل اللہ سے اور وہ والد خود حضرت سید احمد سے اور وہ والد خود حضرت سید محمد جامع سے اور وہ
حضرت شیخ جمال اولیا کوڑوی سے اور وہ شیخ قیام الدین سے اور وہ شیخ قطب الدین سے اور وہ حضرت
سید جلال بن عبد القادر سے اور وہ حضرت سید محمد مبارک بن محمد سے اور وہ حضرت سید اسمٰعیل
بن احمد سے اور وہ حضرت شیخ المشائخ شاہ بدیع الدین سے کہ لقب شاہ مدار سے اور وہ
حضرت شیخ عبد اللہ شامی سے اور وہ حضرت شیخ عبد الاول سے اور وہ حضرت شیخ امین الدین سے
اور وہ حضرت علی سے اور وہ حضرت خاتم النبیین سے۔

شجرہ خاندان نقشبندیہ

الہی بحرمت بہار بلبل گلزار رسالت و نکہت گل بہار نبوت بادشاہ ولی عالم و لاسد تاجدار لولاک لما
خلقت الافلاک باعث ایجاد عالم مبداء ارواح محمد و آدم مرجع اولیاء جہان رسول انس و
جان شفیع المذنبین ختم المرسلین احمد مجتبی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم الہی بحرمت و بجاہ
معدن صدق و صفا منبع نور و ضیاء واقف اسرار نبوی عالم رموزات مصطفوی العشق و المحبت
رکاز الشوق و المودت الامام الاول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ الہی بحرمت و بجاہ
ما فاز جواح فی السبیل المجتہد فی الجہاد وصل بہ افضل الاواصل و الاقارب حضرت سلمان

فارسی رضی اللہ عنہ

[illegible] رضی الله تعالی عنه الٰهی براز و نیاز افضل التابعین علی التحقیق قاسم ابن محمد ابن حضرت صدیق [illegible]
رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز سر اولیاء الله [illegible] الناس عاشق حضرت امام جعفر صادق رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز سید
العاشقین سلطان العارفین عالم الحقائق الاشیاء والاسامی بایزید بسطامی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز
مجدد و ارادات سبحانی حضرت ابو الحسن خرقانی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز مظهر انوار ربانی حضرت
ابو القاسم گرگانی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز واصل مراتب اویسی شیخ ابو علی فارمدی طوسی رضی الله عنه
الٰهی براز و نیاز مودع ودایع رحمانی حضرت خواجه یوسف همدانی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز مظهر
کلمات سبحانی حضرت خواجه عبد الخالق غجدوانی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز حضرت خواجه عارف ریوگری
رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز خواجه محمود انجیر فغنوی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز خواجه علی رامیتنی رضی الله عنه
الٰهی براز و نیاز خواجه محمد بابا سماسی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز حضرت سید امیر کلال رضی الله عنه الٰهی براز و
نیاز حضرت خواجه بزرگ بهاء الحق والشرع والدین رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز حضرت [illegible]
[illegible] خواجه یعقوب چرخی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز عبید الله احراری رضی الله تعالی عنه الٰهی براز و نیاز
خواجه عبد الحق رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز خواجه محمد یحیی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز مقبول بارگاه [illegible]
[illegible] عبد الله رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز خلاصه اخفاد نبوی زبده امجاد مرتضوی مالک ممالک صدق و صفا
حضرت سید امیر ابو العلی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز کاشف اسرار خفی و جلی حضرت میر سید
محمد [illegible] رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز عاشق جمال الله الصمد حضرت میر سید احمد کالپوی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز
[illegible] حضرت شاه فضل الله کالپوی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز حضرت سلطان ابو سعید رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز حضرت
سید احمد سعید رضی الله تعالی عنه الٰهی براز و نیاز حضرت سید شاه حسن علی رضی الله عنه الٰهی براز و نیاز [illegible] ابن حضرت
شاه ابو سعید عرف شاه [illegible] رضی الله عنه کالپوی الٰهی براز و نیاز حضرت سید شاه [illegible]
عرف چهوٹے صاحب رضی الله تعالی عنه تمام شد

باب دوم بیان کاملین گجراتی کا کہ حالات اونکی مع بعض تصرفات سماعی کی تحریر ہوتے

ذکر شیخ سراج الدین سالار رحمۃ اللہ مصری

آپ حافظ قرآن اور بڑے صاحب خوارق تھے صحبت مخدوم جہانیان سے فیض حاصل کیا تہا اور ہر فن میں صاحب
ہی کمال تھے اور بہت سی کرامتیں اور خوارق وقوع میں آئی ہر چند اخفا اوسکا بہت چاہتے تھے مگر اکثر
ظاہر ہو جاتے تھے چنانچہ نقل ہے کہ ایک بار اپنی لڑکے بیمار کو لیکر آپکی خانقاہ میں وضو اوسکی
قضا آ پہونچی وہ مر گیا لیکر روتے ہوئے کہنے لگا کہ ای شیخ میں لڑکا زندہ لایا تہا یہاں مر گیا اب مردہ لیجاتا
ہون آپنے اوسکی پاس پہونچکر تیز نگاہ سے دیکھا اوسیوقت اوسکی بدن میں جان آگئی اور
ہشیار ہو کر اوٹھ بیٹھا اور [illegible] مرض جاتا ہے آپنے اوس سے فرمایا کہ [illegible] برا ہو
یہ [illegible] بیہوش ہو گیا تہا اوسیوقت ایک مرید موجود تہا اوسکو آپنے منع کیا
کہ یہ حال کسیکو معلوم ہو اور لوگون سے کہنا چند روز تو وہ چپا رہا ایک روز ایک شخص کے روبرو
مفصل حال اوس سر کا ظاہر کر دیا شیخ کو یہ خبر پہونچی جسوقت اوسنی یہ ظاہر کیا تہا اوسیوقت
تمام اوسکی بدن میں مرض جذام کا پیدا ہو گیا کسیکو طاقت نہ تھی کہ شیخ سے اوسکی خطا معاف کرا دیتا
آخر کو اوس شخص نے اپنا حال ہندی میں بطور گیت کے بنا کے قوالون کو سکہا دیا اور کہا کہ حضرت
شیخ کا مزاج خوش دیکہو اسکو گاؤ اونہون نے ویسا ہی کیا آپنے قصور معاف فرمایا اور اپنی خصوصیت
لعاب [illegible] اوسکی بدن [illegible] اچہا ہو گیا بہ حضرت زمانہ نادر شاہ [illegible] میں بادشاہ
کے [illegible] گنبد آپکی مزار کا [illegible] میں [illegible] جلال [illegible] گنبد یہ
حضرت خلیفہ رشید مخدوم نور الدین جہانیان جہان گشت کے ہیں بموجب تحریر [illegible] تاریخ گجراتی اور بعض
نے لکہا ہے کہ آپ مرید و خلیفہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ہیں نقل ہے کہ [illegible] چار ماہ

فرماتے ہیں رحمہ

آئے ان
ستاہی اگر چہ مشائخ شیخ کا بجا لائی جس وقت شاہ مدار یہاں آئے اور شیخ کی ملاقات کو گئے
شیخ نے ایک پیالہ شربت کا دیا شاہ مدار نے ایک پھول گلاب کا ڈال دیا مطلب اس کا بعضے یوں کہتے ہیں
کہ شیخ نے یہ ظاہر کیا کہ جیسا کہ یہ شربت پیالہ میں ایسا ہی مجھ کو لوگ یہاں جانتے ہیں اور بعضے یوں کہتے ہیں
کہ جیسا کہ یہ پیالہ بھرا ہوا ہے اسی طرح یہ زمین اولیاء اللہ سے بھری ہے اور اس میں یعنی شاہ مدار نے جو پھول ڈالا آپ نے
وہ مطلب اس سے یہ کہ شیخ کی بزرگی کی اور تعظیم کی اور دوسری بات یہ کہ میں ایسا ہوں جیسے پھول اوپر پانی کے
اور میں بھی بہت [illegible] اگرچہ یہ اشارہ کا مضمون چشتی شاہ ولایت سے ہو [illegible] درمیان [illegible] گنگا
کی تھی وہاں جا کر جونپور [illegible] شیخ محمود شاہ کا ہی کہ خاندان میں سلطان فیروز شاہ دہلی کا تھا مرید
شیخ سراج الدین [illegible] سے توقیر شاہ مدار کی چندان نہ کرتا اور آپ کی خدمت میں توبہ کرتا تھا
ہمیشہ [illegible] شاہ مدار کا ہندوستان میں مشہور ہوا جب آپ کی خدمت میں مکان سکونت [illegible] آپ کی
اور [illegible] اطلاع [illegible] لیکن بسبب منع کرنے شاہ مدار کے بادشاہ دہلی [illegible] نہیں
کیا [illegible] اس [illegible] اور وقت [illegible] اپنے مخدوم سے کہا [illegible] شہر میں [illegible] نہ ہی
چنانچہ [illegible] شاہ مدار [illegible] ایسا [illegible] اس وقت شاہ مدار نے فرمایا کہ وہ اپنی [illegible] کبھی
کہا [illegible] بیان [illegible] اطلاع کرنا اور قصد [illegible] جس وقت شاہ مدار [illegible] ہوئے
اور [illegible] شاہ کی [illegible] آگ پکڑ گئی اور نہایت جلن پیدا ہوئی کہ اپنے پیر کے پاس رجوع کی شیخ نے
پیراہن اپنا پہنایا اور جس وقت [illegible] شاہ مدار [illegible] حال بیان کیا اور جس وقت شاہ مدار کی
پاس [illegible] سراج الدین [illegible] اس [illegible] شیخ سراج الدین [illegible]
[illegible] زیادہ ہوئی [illegible] شیخ [illegible] سلسلہ شاہ مدار [illegible] ابن سراج الدین
[illegible] مصنف تواریخ [illegible] شاہ مدار [illegible] حال معلوم [illegible] سے
یہ لکھا کہ [illegible] واللہ اعلم [illegible] شاہ [illegible] انتقال [illegible] ملفوظات

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے [illegible] شیخ ربیع الدین کو خلیفہ [illegible] کا کوئی [illegible]
سے بیعت [illegible] ہی شاہ مدار [illegible] ناخوش ہو کر کہا کہ میری اولادیں [illegible] ولایت
والیتی منقطع کیا یعنی الغرض بعد زمانہ [illegible] سلطنت قادر شاہ میں [illegible] ہوا اور [illegible]
میں ہوا [illegible] ہر سال ہوا اور ہنستی ہیں کہ آواز نقارہ جو مکان چلہ شاہ مدار پر بجاتے ہیں آگے گنبد
میں [illegible] دیتی با وجودیکہ گنبد چلہ شاہ مدار کی تھوڑی فاصلہ پر ہے لیکن [illegible] آپ نے نیت نماز ظہر
فرض کی ادا کیے اور پیچھے آپ کے قادر شاہ اور مرید آپ کے فقیر فیروز شاہ مرید شاہ مدار ودیگر اشخاص نے نیت باندھی
مسجد میں آپ نے اسقدر دیر کی کہ آفتاب قریب غروب ہوا تب فقیر فیروز شاہ مرید شاہ مدار کہ نانی لودی شاہ کا تھا
اور علاوہ قادر شاہ کی اور بعض لوگوں نے بھی نیت توڑ کے چلی گئی چنانچہ آپ نے نماز ختم کی فیروز شاہ ولی شاہ مدار آپ سے
کہا لوگوں نے فرمایا کہ سبب کیا پوچھتے ہو چنانچہ فیروز شاہ نے پوچھا کہ آپ نے کس سبب سے سجدہ میں دیر کی
آپ نے فرمایا کہ جو میری نگاہ سے [illegible] تھا جب نظر [illegible] چنانچہ فیروز شاہ نے [illegible] شیخ
کی ادب کعبہ شریف کو ادب سے [illegible] کعبہ شریف میں [illegible] دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایسا طوفان تھا
کہ کعبہ شریف اور شیخ کو باہر نظر [illegible] حالت سجدہ نظر آیا اور [illegible]
بیان کیا فیروز شاہ [illegible] نادم ہوا ۔ **شیخ احمد ناگوری** مزار آپ کا محلہ حیدری پورہ میں واقع ۱/۴
ہے آپ بڑے درویش کامل و صاحب تصرف تھے [illegible] آپ کے شیخ سراج الدین [illegible] کی ہیں بعض
کا مقولہ ہے [illegible] بعد آپ [illegible] شیخ حمید الدین صوفی السعید ناگوری کی ہیں کہ وہ خلیفہ معین الدین چشتی
ولی ہند کی ہیں آپ کی گنبد و لنگر خانہ عمارت پختہ اندر ایک احاطہ چار دیواری [illegible] میں [illegible]
اور ایک حویلی [illegible] محمد [illegible] میں پختہ [illegible] ایک چھوٹی [illegible] نام
میں [illegible] ہیں اور آگے [illegible] شیخ عبد الرحیم [illegible]

مشہور ہے۔ آپ کا خاندان کئی پشت اور اندر احاطہ چاردیواری میں بہت قبریں خاندان اونکی
مریدوں میں ہے۔ آپ کی قبر مسجد سے ملی ہوئی ہے کہ اندر احاطہ واقع ہے۔ کہتی ہیں کہ آپ شیخ عبدالرحیم
رہی صاحبزادی کو واسطے تربیت کسب کمال کے حجرہ میں رہتی تھی اور انکو یہ ارشاد تھا کہ زنانہ کی
مستور میں تھا شیخ عبدالرحیم ایک دن حالت استغراق میں حجرہ سے نکل کر زنانہ میں چلے گئے جن
عورتوں نے نگاہ آپ پر پڑی سب نابینا ہو گئیں شیخ کو کہ صاحب کشف تھے ظاہر ہو گیا جا کر دیکھا کہ سب
عورتیں نابینا ہیں دعا کی اوسی وقت بینا ہو گئیں اوسی وقت شیخ عبدالرحیم نے عزم کیا کہ
اور ہمیں قبر میری اور ان سب عورتوں کی قبریں آپ نے منظور کیا ہو گئی قبریں اندر
اور کہتے ہیں کہ آپکی بالک ایک عورت قبول صورت ہو ایک مدت تک
آپ فرماتے کہ ... ابھی ایک عورت حسین ...
... جب تک ... ہوا جب ... میں ... ہو ...
بات مشہور ہے اور آپ کی بہت عمارات پختہ اور شدہ ہوئی ہیں موضع سے ضلع ... میں ایک مکان
مسجد اور مقبرہ موضع ... متصل ... ضلع ... میں بڑی عمارت ...
اور ... ریاست ... میں ایک حویلی بڑی ... کر دیا اب ... عمارت ...
نقل ہے موضع ... میں علاوہ عمارت اور ایک ... ہوا ...

ابی لطرف سی ایک [illegible] ذرات [illegible] دستان [illegible]

ایک دیکھ کر آئی [illegible] آپ معلوم ہے [illegible] اور [illegible] جنگلا [illegible]

گھڑی [illegible] صاحب ہو رہا تھا اور [illegible] صاحب محمود شاہ [illegible]

جسند مولانا شیخ [illegible] آئی جو بی [illegible] مولانا شیخ جی کی [illegible] سنی [illegible]

رانکو [illegible] مردودی کی [illegible] جو بی جانی [illegible] گنبد [illegible] اکثر [illegible] محمود

کی امراج [illegible] یہ یا سبب [illegible] اور سنی [illegible] شیخ [illegible] شاہ ولی [illegible]

منادی کرا دی یا کہ تیل کوئی نہ بیچی جو بیچی گا [illegible] تیل [illegible] لوگ [illegible]

کسی کی گھر میں چراغ نجلی را جون مرد و زن [illegible] تیل [illegible] شیخ بے

پیالو میں [illegible] پانی ڈال کے روشن کر دیا اور [illegible] میں [illegible]

سنی محمود شاہ [illegible] پیادہ [illegible] کشف [illegible]

[illegible] خادم [illegible] پیادہ [illegible] حسین [illegible]

محمود شاہ کو [illegible] معتقد ہوا اور حکم دیا کہ [illegible] حضرت

کے جو بی [illegible] یعنی [illegible] واللہ اعلم بالصواب

قاسم چشتی شاہ ولایت [illegible]

[illegible]

[illegible]

آپ جنگل میں [illegible] پادشاہ وقت

[illegible]

[illegible] عبادت الٰہی میں مشغول رہتے اور [illegible]

[illegible] اجازت ہو تو امیر [illegible] کو

[illegible] زین الدین گنج رواں ہیں اور [illegible]

ہی اجازت [illegible] آباد کیا اور نام [illegible]

[illegible] السیفی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] زین الدین گنج رواں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سید علاؤالدین قریشی گوالیری

انکا مزار بیرون قلعہ متصل گوالیری دروازہ وسط بازار میں موجود ہے آپکی مزار پر ہمیشہ خوشبو آتی ہے مزار پر گنبد بنا ہوا
تھی ہی اسکی ہر طرف دیوار تھی مکانات بنے ہوئے ہیں ایک طرف کا دروازہ بنا ہوا ہے اسکے اوپر ہر ستائی پانی کا بھی بہہ گیا
اور نہیں ہے مگر ایام برسات میں عجب خوشبو آتی ہے بعض آنا ہیں مشہور تواریخ مالوہ میں خدا بخش نے تحریر کیا ہے اور آپکا حال
کو سب جانتے ہیں اور یہ لوگ اکثر بیت مشہور ہے اور یہ نقل بہت صحیح ہے کہ آپ سے منقول ہے کہ نیر سے حج کو گئے اتفاق
سے ایک جزیرہ ریگستان میں تنہا اسباب رکھا اور جہاز چلا گیا تب سیر کرتے آپ کو ایک خیمہ درختوں کی چھاؤں میں دیکھا جو ایک سوار
آیا اور سلام کیا جا کر دیکھا کہ ایک مکان مثل بہشت کے ہے دروازہ پر قفل کو اور کھولنے کا اشارہ کیا کھل گیا اندر گیا تو دیکھا آدمی
مشغول بیٹھے ہیں سب کی مزاج پرسی کرکے واپس آیا اسنے پوچھا کہ جواب دیا اور سر پر ہاتھ رکھا
وہ سب تمام تمہارے حال اپنا کہا اور خوش وقت ہوا اور سماعت کیا اور نہیں جو بادشاہ تھی اور ان نے فرمایا کہ
بھیجا دلوں چنانچہ آپ اسکے پاس آئے اور وجد دیدار حاصل کیا کہ ہمارا گذر یہاں ہی لوگ گئے اور نہ ہی اور ان کے پاس
سالار ہے میں اور حق تعالیٰ کا بلایا اور یہ کہا کہ اگر کوئی یہ عمل کرے تو حاجات جو بھی سے کہیں گے وہ عطا کر دیا کیونکہ اسی لوگ
کہ یہ مکان مشکل ہے اور یہ حاجات جو لکھی ہیں ان میں الگ لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ سب شہید ہیں بعد بادشاہ سید
حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہیں اور یہ مکان شہیدوں کا ہے اور یہ سب سید ہیں بعد سفر کشتی جاب
بادی طرف سے روانہ فرمایا پرسی ہوا آپکی اور سامان میں یہاں موجود ہے اور بیان کیا ہے تحقیق نہ ہو سکی
کہ سید نفیس کی تعلیم آپ ہوئی انکی قبر یہاں ہے یا نہیں اور وقت یا حضرت سید عبدالرحمن تمام تمام حمد
میں ہیں اور یہ حال آپکی کشف سے بیان فرمایا اور جگہ برابر کی جگہ قبر کی گنبد سے ملی ہوئی
کہ وہ دیا ہوا لوگ کہتے ہیں کہ حضرت یہاں ہو رہے ہیں قبر بنے ہیں یا قریب ہے کہ دیا ہے ان کی قبر موجود ہے
کو لکھا ہے ان پر شیخ ابو الفتح قریشی آپ کے خلیفہ سید محمد گیسو دراز کے ہیں شیخ ابوالفتح قریشی ۵
ہیں مرید و خلیفہ سید محمد گیسو دراز کے ہیں ہمیشہ ان کی مزار ہے وہاں ہی دفن کیا
کہ انکی نسبت کی قریب بیان کیا اور ان کی اولاد ہیں ایک سید ترک برلا وہ اور حاکم وقت سے نظر تھی

[illegible] شیخ [illegible] انہی [illegible]

سپرد ہوئی [illegible] آپ [illegible]

شیخ ابو الفتح کی نسبت کچھ [illegible] گئی اور [illegible]

خدا رسیدہ زندہ [illegible] شیخ [illegible] کی [illegible]

بھیجتے [illegible] کی نام سے مشہور ہے **مولانا احمد تھانیسری**

ہیں یہ اور خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ہیں فضایل [illegible] حضرت [illegible]

دہلی میں آئی اور [illegible] مولانا [illegible] مجلس میں [illegible]

[illegible] اور [illegible] **مولانا خواجگی** ہیں حضرت خلیفہ [illegible] شیخ نصیر الدین محمود [illegible]

دہلی کے ہیں ابتدا میں مشایخ اور [illegible] (ذکی مرحوم)

[illegible] شیخ نصیر الدین [illegible]

[illegible] دفع [illegible] بات [illegible]

شیخ ممدوح [illegible] طعام [illegible] دستر خوان [illegible] موجود تھا مولانا خواجگی کو

دیکھکر [illegible] شیخ نے کہا [illegible]

[illegible] مولانا خواجگی قبل [illegible] دہلی میں آئی تھی اور [illegible] فوج

کی آنے سے [illegible] سید محمد گیسو دراز [illegible] مولانا [illegible]

چشتی [illegible] رباعی [illegible] **رباعی** [illegible]

زلیسید [illegible] این سخن + که چون خواجگی از جهان پاک شد + [illegible]

نمبر ۸ **مولانا شاہ ابراہیم مکی** مرید حضرت مولانا [illegible] علی ناروں کے تبحر کے عالم تھے مرید
حضرت حسب اللہ شاہ [illegible] بادشاہ ولایت سے تھی کہ قدیم میں اور مرید حضرت [illegible] کے تھے
مالکی کی ہیں گنبد اسی مزار پر [illegible] نہایت عمدہ بنا ہوا مزار متصل مزار شاہ ہاشم چشتی شاہ ولایت کی ہی اسی میں لے جا رہے
شد وقت ان دونوں مزارات میں بنا ہے درمیان [illegible] وجہ [illegible] زبانی ایک عارف کامل کے
کی زمانہ دراز سے لوگ سنتے چلے آئے ہیں کہ ایک جنازہ خود کا موقع اٹھایا ہے انہیں گنبدوں کے درمیان سے
جو وقت نماز [illegible] لے جاکر [illegible] جاتی تھی کہ خلاف [illegible] نکلتا تھا مجبور ہو کر ویسا ہی دریا میں بہا دیا
نقل ہے کہ بعد انتقال آپ کے دو شاگرد [illegible] مزار [illegible] اتفاق سے ظاہر ہو گیا آپ نے شاگردوں سے
کہدیا کہ تم چلے جاؤ چنانچہ وہ چلے گئے

نمبر ۹ **سید شاہ عبد الوہاب** آپکا مزار [illegible] گنبد
ہی متصل چبوترے گنبد کی [illegible] ہے اور اسکے متصل نواب صاحب [illegible] کی ایک مسجد پختہ اور مقبرہ قبور خان
نواب صاحب [illegible] آپ [illegible] شاہ لودی کی [illegible] آپکے مزار پر انوار پر پڑی [illegible] القرآن [illegible]
[illegible] اپنی [illegible] چادر [illegible] آپ [illegible] کامل [illegible] اور آپکی [illegible]
گنبد عبد محمود شاہ [illegible] بادشاہ نے [illegible]
بادشاہ [illegible] بادشاہ [illegible] ویسا ہی رہی
دیا اور گنبد نام رہا [illegible] **نقل ہے** [illegible] موجود [illegible] گنبد [illegible]
چھتری [illegible] خواب میں بشارت دی اور [illegible] گنبد [illegible] مزار [illegible]
بر سر [illegible] سایہ [illegible] بادشاہ کو بھی خواب میں بشارت دی تھی تو

نمبر ۱۰ وہ چھتری نہ بنا دی [illegible] آسمان [illegible] ہی **مقیم شاہ حیدر عرف** [illegible]
آپکا مزار [illegible] متصل [illegible] قریب [illegible] شفاخانہ [illegible] تعمیر [illegible]
چھتری [illegible] تاریخ [illegible]
[illegible]

[illegible] ہم جون [illegible] گفتگو ہوئی

[illegible] ہیبت سے کئی [illegible]

کمالی

[illegible] کمال [illegible] شاہ [illegible]

[illegible] کی [illegible]

[illegible] زیادہ [illegible]

[illegible] ملک وراج

موجب تحریر [illegible] ملک [illegible] ملک جیمال

راجہ ہریا

[illegible] کی بیبی چاروں

[illegible] جشن [illegible] کہ [illegible]

کی مو منفصل آمادہ [illegible] ایک تعداد [illegible] دربار کے

[illegible] کوئی البتہ سردار [illegible] سردار لوگ تھا اوس [illegible] ملک دراج

وغیرہ چاروں بہائی بیٹوں نے [illegible] اپنی اپنی گہوروں پر سوار ہو کر آمادہ ہوکے منفصل

اوسکا [illegible] وہ [illegible] ساتھ [illegible] جا کر تبھی موقع وقت

پا کر ملک دراج [illegible] کہا کہ ہم [illegible] تیری لڑکی [illegible]

[illegible] ہیں وہ [illegible] تیری [illegible] استحکام سے انکار [illegible] تو میں

تمکو [illegible] بہمن کی [illegible] کل آیا کہ [illegible] وہ آپکے لڑکی

حاضر ہی [illegible] بہمن [illegible] کہا کہ خاطر جمع رکھو [illegible] تیری تو میں

[illegible] مسلمانوں کا [illegible]

[illegible] فوج [illegible] گرفتار کیا

[illegible] فوج [illegible]

[illegible] فوج [illegible]

[illegible]

[illegible] ابھی وصیت [illegible] کر دیا [illegible] اوس کے [illegible] ہوگا اور لوگ [illegible]

اوس بیری لڑکی کی شادی کر دینا یہ کہکی جان حق تسلیم ہوئی گنبد اونکی مزار کا پختہ و سیع [illegible] آبادی

[illegible] موجود ہے **سید محمد زنجانی** بموجب تحریر [illegible] تاریخ [illegible]

ہی حسب [illegible] بادشاہ [illegible] سے بیان آئی تہی گنبد [illegible] آبادی سے جانب [illegible]

موجلال [illegible] اوس گنبد کی [illegible] ہوئی تہیں [illegible] حکومت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ شیخ عبد الغفور [illegible]

حاکم [illegible] اونکا [illegible] سرو [illegible] یہ تاریخ اوس کنوئیں میں [illegible]

[illegible] **قطعہ تاریخ چاہ** شیخ عبد الغفور زنجانی + حاکم شہر [illegible] +

زائر سید محمد [illegible] + [illegible] +

تاریخ قدیم ہالپی اہل ہنود سی نقل ہی کہ شیخ عبد الغفور

حاکم ہالپی [illegible] اضیار [illegible] خوارق [illegible]

دیکھا [illegible] حاکم [illegible] عاشق ہو گیا [illegible] تاریخ [illegible]

[illegible] حاکم [illegible]

ہولا کر [illegible] حفاظت [illegible] خدمت [illegible] جب [illegible]

جب [illegible] عاشق [illegible] معلوم [illegible]

[illegible]

بانی [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible] بیان [illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] آپ [illegible]

آپ [illegible] سید عیسیٰ [illegible] سندھ میں آئے [illegible] شمال میں [illegible] دریا

[illegible] اور لوگوں نے [illegible] قوم سندھ و ملتان شیخ [illegible]

[illegible] سندھی کلام [illegible] حضرت سید عیسیٰ

[illegible] چار [illegible]

[illegible] حضرت [illegible] سید عیسیٰ [illegible] شیخ [illegible]

[illegible] ملتان [illegible] شیخ بہاؤالدین [illegible]

[illegible] سید عیسیٰ [illegible] نقل [illegible] آپ [illegible]

[illegible]

[illegible] آپ [illegible] بہادر خان شہید

[illegible]

[illegible] شہادت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تھے [illegible] نے انکے گرد جمع ہو کر ان کی بات مانی
ولادرخان اپنے گھر سے باہر آیا ولادرخان کو اور ان کے مرید کے ہاتھ ولادرخان کی بہت اور دوستی
ان لوگوں کی آدمی بہت سے جلے جاتے ہیں حضرت کا پیچھا کرنے کو گھر کا حال بھی اور اور دوسرے بھی
پیر مرشد کے ہیں یہ بھی ساتھ اور زین مشہور ہو گئے موسیٰ بابا کا ہمراہ ہوئے جیسا کہ ولادرخان نے موسیٰ بابا کو
بیٹے پیر مرشد راستے میں جا کر کئی تیرے ہمراہ رات آکر وہ کچھ دیر رہے موسیٰ بابا کے مکان میں
بہت سے لوگ اس طرف دوڑ پڑے ایک سوار جا کر کہا کہ دو گھوڑے ولادرخان کے ہاتھ میں باندھے اور موسیٰ بابا کے
سوار پر مرید حاکم دیوان کو بیان کیا اور ان کے ساتھ حاکم نے حکم دیا کہ ولادرخان کے پیر کو باندھ کر کشتی میں سوار کر
نیچے فوج کے بیچ دریا میں ڈال دو تمام شہر میں یہ خبر ہوئی اور ہزاروں آدمی آئے شیخ عبدالغفور اور مرید
مسجد میں فرار ہو گئے سراج الدین اور موسیٰ بابا کے ایک آدمی جان بچا کر پہنچے اور کہا کہ
ولادرخان کو بیچ دریا میں بہت سے کشتی ڈال دیا قدرت خدا سے اور اتفاق سے ولادرخان
نیچے جاکر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بابا کو پکڑ لیا اور موج نے دوسری طرف کشتی کو لے گیا دونوں پیر حاکم نے
کہ جا کر دیکھا ان دونوں کو پیر زندہ کنارے پر ہیں دونوں غائب ہو گئے اس سے مجبور ہو کر شیخ مسلاد
کنارے کنارے چلے گئے گجر کے کنارے پر دونوں آنکھیں اپنی بند کر کے چلے گئے تمام شہر
پیر صاحب کنارے پر آیا اور کہا کہ حضرت نے ڈالا دونوں ایک جگہ ہیں
حاکم دیوان نے گھوڑے بھیجے اور سوار لے کر ہمراہ ہو کر آئے
فرمان بادشاہ کا آیا کہ سب فوج کو لے کر دہلی جاؤ
دہلی کو جا کر ہیں شیخ عبدالعزیز نے حمید کو
مرید

دیوان اولیا [illegible] نسل [illegible] کی [illegible] اوقوں [illegible] ہیں [illegible] محمد علی [illegible]

آپ طالبانہ زمین [illegible] لنبد بنایا اور تربت بھی اور [illegible] طالبانہ کی [illegible] زائرین [illegible]

بہت محمود جگہ ہی ہے **نقل** ہے کہ ایام غدر میں دو چار آدمیوں نے جایا کہ آپ کی قبر [illegible] طالبانہ میں اسباب [illegible] مذکور [illegible]

کر کے چلے جاویں چنانچہ اندر ہی اندر جا کر دیکھا کہ جس طرح آج کفن [illegible] ہوں بیٹھے ہیں اور قرآن [illegible]

وہاں پر رکھا ہے یہ معاملہ دیکھ کر [illegible] طالبانہ اصل مزار [illegible] بند کر دیا [illegible] تربت کی زیارت ہوتی ہے

اور آپ کی [illegible] گنبد کے ایک بزرگ کا مزار ہے [illegible] کہتے ہیں کہ [illegible] کی قبر [illegible] لوگ [illegible]

۱۷ **سید احمد علی شاہ شہید** گنبد آپ کی مزار کا [illegible] میں ہے [illegible] متصل [illegible]

آپ کی مزار پر نقارہ [illegible] تھا [illegible] حاجت [illegible]

حاصل کر دیا [illegible] نقارہ نہیں بجتا لیکن اکثر [illegible] ہیں **نقل**

ہے اکثر لوگ آپ کی مزار پر [illegible] اور [illegible]

[illegible] تھا [illegible] سکتا تھا دوسری [illegible] احمد علی شاہ [illegible]

۱۸ اور [illegible] **پیر چنگا** آپ کا مزار [illegible] موری [illegible]

[illegible] نقارہ [illegible] آپ [illegible] پہلوان [illegible] لوگ کی مزار [illegible] متصل [illegible]

[illegible] آپ کی [illegible] پانی [illegible] ہیں **نقل** ہے کہ ایک [illegible]

[illegible] آپ کی مزار [illegible] کہا کہ میری [illegible]

درست [illegible] مزار [illegible] چنانچہ [illegible]

[illegible] پیر [illegible] شریف کے [illegible] چنانچہ

[illegible]

بکری

چرت

مچھلی (بحری) کے کانٹے

کیفیت مسجد کہ پابند روزہ و نماز ہیں کیونکہ [illegible] باطن کی حالت [illegible] تھا [illegible] اصلی [illegible] کتاب [illegible]
[illegible] بعض بعض تواریخ کتابی [illegible] کی ہیں کیا گیا تتمہ کتاب و در بیان حالات محمد بعض مقامات
ماہی و مقامات ظاہری [illegible] سبب [illegible] ہیں [illegible] آبادی

[illegible] عیسیٰ [illegible] افضل بیگ [illegible] افضل ہی [illegible]

[illegible] دو جہان [illegible] رجوع [illegible] اور [illegible] اکثر لوگ [illegible]

[illegible] اور وہ نگریاں [illegible] نقل [illegible] پیر [illegible] نگریاں [illegible] ہو جاتے اور عقیدہ [illegible]

ہو کر نماز جاری بند ہوا [illegible] جب بیمار ہوا [illegible] نماز [illegible] دفن [illegible]

بیچ افضل کو معلوم ہوا [illegible] اور کہا کہ جب میں مر جاؤں تو [illegible] میرے پاس [illegible]

باہر جا [illegible] دفن [illegible] مجھکو پیر [illegible] جب [illegible] مزار پر لیجا [illegible] گیا [illegible]

[illegible] جب [illegible] لوگ [illegible] آیا [illegible]

[illegible] دفن کریں [illegible] اس میں لوگوں نے کہا کہ [illegible] پیر [illegible]

[illegible] پیر [illegible] غائب ہو گیا اور لوگوں نے دیکھا [illegible] دونوں [illegible]

[illegible] موجود ہے اور دوسری قبر [illegible] بعد دفن کرادی گئی [illegible]

رحمت شاہ

آپ مرید حضرت سید محمد اشرف [illegible] حضرت سید شاہ فضل اللہ [illegible] قدس سرہ [illegible]

[illegible] درویش [illegible] حال [illegible] کیفیت [illegible]

[illegible] آدمی [illegible]

[illegible] جب آپ [illegible]

[illegible] کیفیت [illegible]

قاضی شیخ عظمت اللہ جونپوری

آپکا مقبرہ [illegible]

اوس کشتی پر سوار تھے پہر لہری دونوں بڑی ہی کشتی میں آ حضرت سید نعمت اللہ کا گذر ہوا تھا بیچ دریا پانی میں تشریف رکھتے

حاصل ہوئی یہ طرف آپکا مشہور ہے کہ جو جو بزرگ پانی سے اون میں تھا طرف آتی تھی مقبرہ انکا مشہور ہے

۲۱ نور محمد شہید یہ دونوں بہائی مدفون ہے بزرگ ہیں یہ طرف انکا مشہور ہے کہ جو وقت انکی والدہ سے

انتقال کیا اور جنازہ انکی مزار کے پاس جس جگہ وہان جگہ قبر کیے تھی ایک شخص نے کہا کہ جنبہ تمہاری والدہ نے انتقال کیا ہے

الحسن جگہ ہمین ہی اور بہوت دونوں قبرین کر لی تھی مخدوم پر لیکن جا کہ درمیان دونوں قبرون کی اب تک مزارات

۲۲ ہیں متصل مزار رحمت شاہ صاحب سمال واقع ہیں مخدوم حکیم الدین طبیب ونکہا

آپکا مزار صاحب تخت واقع ناگ نیچ میں ہے اور اسکے متصل ایک مسجد مختصر لداؤ کیے بنی ہی بہت رونق کا مکان ہی زمانہ

سابق مین ہر سال عرس انکا ہر روز پنجشنبہ باجتماع عمامہ و پیشانہ ہیر شہر ہوتا تہا اور قریب مزار انکی سید محمد پیر محمود شاہ

۲۳ باوشاہ کہا اور چند مزار ہیں فتح خان شہید انکا مزار پر انور متصل سرائی واقع ہیں بہت

۲۴ مشہور ہے حسن شہید و چندن شہید مزار انکی محلہ حیدر پورہ واقع ہیں اور مشہور ہین

پیر غیب مزار انکا محلہ حیدر پورہ میں ہے چبوترہ مزار انکا بلندی پر ہے اور ایک نشست باہر چبوترہ

۲۵ بنے ہی ایک بڑے بزرگ ہیں کروڑ پتا پیر انکا مزار محلہ لسوری میں متصل سرکٹ قدم شاہ ہی کہتے ہیں کہ بڑے قوی ہیں کرم فرما

ہت قبر انکی سبز ہے ہی ہی اور ہمیشہ ہت بہر ہو جاتے ہی لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے لحد چہ مین سکو ہوت بیتے ہیں ✕ چہم ہینہ

نقل ہی انکی مزار کے قریب ایک برتن نقال کا تہا ہیرا انکا ان پر نہا کیتی مزار کے طرف سے شہر کے بھی بستی کیونا لی

قریب نالے ہی بنیا کچہہ گرد تبا لوگون نے منع کیا کہ قریب نالے نہ بنی وہی نہانا اور تب سالہا ہو گیا آب اوسکا ہم

۲۶ سے وہلانہ رہا مکان برابر ہو گیا آغا اسمعیل یہ بڑی بزرگ ہیں مزار انکا بلند قریب مسجد شیر بن سے

۷۵ والدین

[illegible] ضیاءالدین شاہ [illegible] ہندی [illegible]

صہ ۲۸ [illegible] بہندی شاہ

[illegible] سید [illegible] کے [illegible] مزار [illegible] ہیں اسے گئے ہیں —

صہ ۲۹ شیخ عبدالغفور رنجانی [illegible] سید [illegible] شاہ

صہ ۳۰ [illegible] لنگا شاہ [illegible] سید [illegible] شاہ [illegible]

[illegible] سبزہ [illegible] بال [illegible] اور [illegible]

صہ ۳۱ [illegible] مشہور ہے مزار [illegible] ماتوں بہانجہ کہتے ہیں یہ دونوں [illegible]

[illegible] نام جمال الدین اور دوسرے کا نام کمال الدین [illegible] شیخ [illegible]

صہ ۳۲ [illegible] ہی شہید [illegible] مزار [illegible]

[illegible] نقل [illegible] قریب [illegible] سال [illegible]

سبب [illegible] مزار [illegible] حاجت [illegible]

[illegible] بالکل [illegible] وہاں [illegible]

[illegible] برکت [illegible] حکم [illegible]

[illegible] نام [illegible]

[illegible] نام [illegible] بہت [illegible]

[illegible] کیفیت [illegible] برکت ہوئی

[illegible] زیارت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] سید [illegible]

[illegible] واقع ہے شاہ فیروز آپکا مزار [illegible]

[illegible] واقع ہے سونا شہید نام آپکا سید احمد عرف پیر سونا [illegible] آپکا قریب [illegible]

[illegible] واقع ہے سید بڈری آپکا مزار [illegible]

[illegible] واقع ہے شاہ نگرا صاحب متصل دوکان [illegible]

آپکا مزار واقع ہے قریب جامع مسجد [illegible] حضرت شیخ برہان

ساکن مدینہ منورہ آپکا مزار [illegible] واقع ہے — فتح خان

قادر شاہ ہمشیرزادہ احمد شاہ [illegible] آپکا مزار [illegible]

[illegible] قاضی لدو صاحب و حاجی حسن صاحب

[illegible] میاں [illegible]

بابیسا پیر [illegible]

[illegible]

[illegible] محبت شاہ [illegible]

[illegible] ذکر بندگی جلال محمد

واصل صاحب [illegible]

[illegible] بنا بحجرہ حضرت

غوث ... [illegible] ... بعد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ... حسین ... [illegible]

حال اپنا ظاہر کیا ... [illegible] ... محمد غوث گوالیری نے بھی ... [illegible]

میں اجارہ ... [illegible] ... بعد وفات انتقال محمد غوث گوالیری کے بعد

جمال ... [illegible] ... اپنی سلوک کا ...

اختیار ... [illegible] ... خلوت کے زمانہ میں محمد غوث گوالیری کا انتقال ہوا ... [illegible]

... [illegible] ... شیخ حسن نجانی معروف

بہ شیخ جھنجھا آپ ... مولانا خواجگی ... مزار ... شیخ جھنجھا ... قاسم خان صاحب

متوکل ... حضرت سید ابو سعید ... شاہ خیر ... [illegible]

اکثر ... نسبت ... [illegible] ... ترک

... اختیار کیا ... متوکل رہتے اور ... اپنے پیر ... [illegible]

کے ... اپنے پیران طریقت ... [illegible] ... انتقال آپ کا

سنہ ... ہجری میں واقع ہوا ۹۴۵

اس ... میں ... [illegible] ... لوگ صاحب ... [illegible]

... [illegible] ... اکثر ... [illegible]

دیکھا ... تمام ہوا ... کیا اللہ تعالیٰ بطفیل جمیع بزرگان ... [illegible]

... [illegible]

وآلہ وسلم ... [illegible] ... اور جمیع مسلمانان کو ... آمین یا رب

[illegible]

[illegible] تاج [illegible] پایان [illegible]

[illegible] صفات [illegible]

صفات میں [illegible] شامل [illegible]

صحیح [illegible] نشان صفات نے اجمیر کو [illegible] مقتضے [illegible]

لیا ہے [illegible] سے اہل ہند میں اکثر عقائد و صفات ایسے پائی جاتی ہیں [illegible]

ہر سال [illegible] تین [illegible] زبان ہندو [illegible]

میں اور یہ وجہ [illegible] سندھ آبادی قدیم [illegible] تاریخ فرشتہ میں [illegible]

حکومت [illegible] سلطنت [illegible]

بعدہ [illegible] ذکر حکومت [illegible]

راجہ [illegible] راجہ [illegible]

میں [illegible] بادشاہ ہندوستان میں آیا چنانچہ تاریخ فرشتہ میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] احداث [illegible]

[illegible]

[illegible] سلطان محمود غزنوی [illegible]

[illegible] سلاطین [illegible] کا قیام ہندوستان میں [illegible]

ہندو [illegible] حکومت [illegible] راجا [illegible] - زمانہ حکومت

سلاطین [illegible] سلطنت [illegible] ہندوستان میں [illegible] مالوہ اور گجرات

[illegible] سلطنت [illegible] ہجری [illegible] ۱۳ [illegible] میں سلطان [illegible]

[illegible] سلطان ابراہیم شرقی [illegible]

[illegible] سلطان ابراہیم شرقی [illegible] سلطان ابراہیم نے

[illegible] سلطان [illegible] بادشاہ دہلی [illegible] مالوہ [illegible]

[illegible] حکومت [illegible] مالوہ [illegible] سلاطین

[illegible] بادشاہ [illegible] چند [illegible]

استیصال کیا [illegible] میں اختیار کر [illegible]

جامع مسجد بنائی [illegible] حضرت شیخ سراج [illegible]

[illegible] بادشاہ [illegible] علم دوست [illegible] علما و فضلا مثل مولانا خواجگی و مولانا ابراہیم

[illegible] علوم [illegible] بادشاہ [illegible]

[illegible] ذکر حکومت [illegible]

[illegible] بادشاہ [illegible] العزیز [illegible]

[illegible] شاہ [illegible] دریائے [illegible]

[illegible] ذکر حکومت [illegible] سلطان محمود [illegible]

[illegible] سلطان تغلق [illegible] شاہ بادشاہ [illegible] سلطنت دہلی میں [illegible]

[illegible] سلطان محمد تغلق

[illegible]

[illegible] سلطان فیروز شاہ [illegible] سلطان محمد [illegible] شاہ [illegible]

[illegible]

پر چڑھائی کی تب راجہ پاپائی ہو کر قلعہ بند ہو گیا دشمن کی آمد سے بہت گھبرایا اور باوجود حملہ بادشاہ کو روکنا
شروع کیا اور بعض زخمی ہوا تب مخالف جب مقام ہو گیا تب ہزیمت پائی تو کھائی میں فرار ہوا محمود شاہ با فوج علیہ
قصبہ کے قریب پہنچا تو قلعہ پر تسلط ہوا ہیکل سے بہرام اور ان کے کھانے میں آیا یہاں راجہ کا قصبہ بھی بنا
کر ناپاک سردار اور زنان معہ اولاد کے ہمراہ تھا اور اراده سے کسی کو قصد تھا ہو اور لڑکر
لگا اور تسلیم کیا محمود شاہ بادشاہ نے فتح پائی اور راجہ گرفتار ہو گیا بادشاہ نے اوسکا سر لگوا کر
لکھی معاہدہ میں کر بنیاد میں دفن کرایا اسکی سال تاریخ ہجری فتح فیروز ہے یعنی سات سو اکانوے ہجری میں
یہ واقعہ وقوع میں آیا مشہور ہے کہ راجہ کے ساتھ رانیاں تین جب مارا گیا تو ساتوں رانیاں ستی
ہوئیں چنانچہ موضع مذکور میں جو لوگ مندو کی جانب لوٹ کر ستارہ دیکھیں کے واقع ہی سات ستیہ
بیچہ اسکے موجود ہیں اوسکو ستی کا ستارہ کہتے ہیں زمان اسکے ہر سال مہینہ مانگ میں ایک میلہ موسوم ہو جاتا ہے
لگتا ہے سلطان محمد عرف محمود شاہ لودی کا بجز نے تسلط ہوا تو اوسنے اس کام کی تعمیر و ترتیب
آبادی اس کے باوجود میں مشغول رہے اور محمد آباد نام رکھا اور اپنا پایہ تخت قرار دیا اور میں بادشاہان تیموریہ
تحتیہ میں محمد آباد عرف کا یہ لکھا ہے **اشعار** ایک لودان محمد آباد - در عرف کا لبیت بنیاد -
شہریان وسیع و بزرگ - در بیضہ بلکہ ہفت کشور + در فتح ہی کر محمود شاہ ہو گئے کا بانی ہیں وفات پائے
اور جو اسی کے بیچ میں دفن کیا گیا ذکر حکومت لگا بعد اکبر شاہ بادشاہ اول جب کہ اکبر شاہ بادشاہ
تخت نشین ہوا اور حیثیت یہ ملک متعلق دہلی کے تھا اور عبد الرحمان اوسکے حکمران ہوئی سنا اکبر شاہ دوبارہ
کو بھی میں آیا - عہد اکبر شاہ میں فرامین و غیرہ کا عدالت شاہی میں پرگنہ لوز ستہ سرکار کا بی ستور
چھوڑا اور تقسیم کیا گیا نور بگہ ایک محکمہ کا مدعی ہی گرداں نام اسکا تبدیل ہو گیا ایک بار سمت ۱۶۰۵ مطابق ۱۵۴۸ء میں آیا
اور موضع الوہ میں کرنا ہی ہے لوا مدتیں کہ جانب جنوب سے ایک تالاب و مندر موسوم با استان گرونڈ بنا
پختہ عمدہ تعمیر کرایا مشہور ہے وہ پروہت کہ زر وین لگا کر جو کچھ اس میں کیا تو تعمیر ہو گیا تھا اوسنے اوسی مقام پر

محکمہ آبادی

[illegible] میں [illegible] سال [illegible] کا

کے مدتوں [illegible] بنگش [illegible] ہوئے [illegible] بنگش سردار ہوئے

لڑتے رہے [illegible] حکومت [illegible] فرخ آباد [illegible] بنگش بادشاہ ہوا

اور ایک زمانہ [illegible] کی [illegible] نواب [illegible] فوج کے آدمی [illegible] قوم

رہے [illegible] تعلق [illegible] اور [illegible] میں [illegible] ہوئی اور [illegible] حاکم [illegible] کیا

اور [illegible] بادشاہ [illegible] وقت یہ معلوم ہوا [illegible] خاطر [illegible] راجہ [illegible] کر دیا

اور ملک [illegible] جب [illegible] اوسکی جاگیر میں دیا اور اوسکو اپنی [illegible]

[illegible] اوسکی اولاد میں [illegible] بادشاہت [illegible] متوفی ہوا تو اولاد [illegible]

اختیار کیے اور [illegible] حکومت کے [illegible] اور احکام بادشاہی [illegible] ضعف [illegible] اور [illegible] عہدہ [illegible]

[illegible] آئی [illegible] اوسکی ایک غلام [illegible] کا [illegible] اور ایک [illegible] فقیر کے ساتھ [illegible]

[illegible] عالم [illegible] طاقت [illegible] اوسکی [illegible] چار [illegible] اوسکی [illegible]

اوسکی [illegible] اور [illegible] اور [illegible] مشہور [illegible]

لیکر اوسکی [illegible] میں [illegible] گفتگو [illegible] ہوئی [illegible] اوسکو [illegible]

[illegible] کر دیا [illegible] قتل ہوئی اور [illegible] کی [illegible] میں [illegible]

نواب محمد خان بنگش [illegible] فرخ آباد [illegible] زمانی حکومت محمد شاہ کی [illegible] میں آیا [illegible] محمد شاہ [illegible]

محمد خان بنگش [illegible] فرخ آباد [illegible] امیر الامرائی کا [illegible] اوسکو [illegible]

[illegible] ہوئی اور [illegible] فرخ آباد [illegible] آخر [illegible] یورش کی

جگہ [illegible] قصد [illegible] کا [illegible] محمد خان بنگش [illegible]

[illegible] آیا اور [illegible]

[illegible] افغان [illegible] شاہیت

تفصیل اوسکی یہ ہی [illegible] بطریق [illegible] بیجا اوس [illegible]
کو [illegible] فوج [illegible] جلدی [illegible]
[illegible] سال [illegible]
سال [illegible] ہوگیا [illegible] لیکن [illegible] چونیان [illegible]
جو [illegible] تعام [illegible]
لہذا اور [illegible] کوئی کام [illegible] مین [illegible]
موافق [illegible] تازہ اخراج کیا [illegible] افغانوں کی جماعت [illegible]
[illegible] محمد خان اور کل
سرداران لشکر [illegible] مین [illegible]
غفلت [illegible] دروازہ قلعہ کا بند [illegible] لشکر [illegible]
کر فرخ آباد مین [illegible] سرداران لشکر [illegible] محمد خان بنگش کے قلعہ مین قید ہوگئی - جبکہ قائم خان
[illegible] محمد خان کو یہ خبر معلوم ہوئی [illegible] لشکر [illegible]
جانب [illegible] محمد خان بنگش [illegible]
[illegible] محمد خان بنگش [illegible]
[illegible] اثنای راہ مین قائم خان کی [illegible]
فرخ آباد [illegible]
[illegible]
[illegible]

پیشکش کر دیا اراکین دربار نے بحال اپنے اقتدار کی قول و عمل کو بذریعہ رنجو دیوان صاحب پر کے حکومت
ہر کس و ناکس نے قبول کر لیے تبھی تب بارہی راولپنڈی بولے کہ پنڈت اپنی بادشاہی رستم کی نذر کو بیہ ملک
دیکر کوچ کا ارادہ کیا اور بارہ ہزار سوار و پیادہ ہمراہ کر پنڈت کو گیا پھر وہ پنڈت آدمی فہیم
اور مدبر تھا اور رحم سے درے سے ملک کو جیسے سنبھالے وقت تھا اور اسی ایام ماہ کابل میں مقرر کیا
نفوذ ہو گئے معاملات میں دار مرزی میں پیش آیا اور اپنی حد حکومت کو بڑھایا تھا نیک نیت و قربت
ایک بزرگ زادہ تھے اور اسکی ہمت کا نام ہو پہنچا تھا اور ہمیشہ رکوع میں کار گذاری کسی اپنی رہتا اور بعد
ملک کس کا رہی نمایاں رہا کہ اسکی حسب راجی راولپنڈی الغرض کشمیر ہندوستان میں آیا اور وہ
خود لیے نواح پایۂ تخت میں کیا محاصرہ ہرات پھر گو ہند پنڈت پنتیم رسید رستے تھا اور اسلام آباد عرف متھرا میں
صنم
دمیت افغانیوں کسی نمایاں گیا اور ہر پہاں عمل ہند ہو گیا اور ہو گیا عملداری پنڈت لچھمن راؤ سنگھ ناتھم دہنی وغیرہ کے بعد
اسکی ہمت امین پر پنڈت لچھمن راؤ جی سنگھ ناتھم کابل میں عمل دخل ہوا یہ شخص نہایت نستعلیم تھا
آ ر
اسکی انتظام کا اس کا اچھیں تر اثر ہوتا اور اسی کابل کی مہت کرا اپنی ایلچی ترتیب حکومت سے
لیکر پڑا اسکی لیکر پنڈت داد اما جب اس کابل میں عامل ہو کر آیا یہ ہمت ۱۰۸۰ تیسے سال میں و تباہ
عملی ہوا اور نوبت شجاع الملک اسپار ہو گیا جمع آئی اور کابل وغیرہ میں پرگنہ کو القاب شجاع الدولہ
لئے امرا کو تر لو ساتھ کر جاگیریں دیا اسکی ایک حویلی کچہ وہ ہوئی ہر سات تو میں زمین ایک
نو لکھا نام کا لکھتا اور اسکی بعد مسجد ہامع بمعمارت کنندہ تھی ایسی بار کے تو اکثر معبری کالکھ اسکی تو میں بعد لے
سرکار و نعمت ماں اکثر زیادہ سال ۱۰۸۲ میں انعام کابلی قند دالیں شکین لکھ دہمت ۱۰۸ میں شجاع الدولہ
کی طرف لو ریت اسمعیل بیگ خان کو کابلی وغیرہ میں برپا سے کی خدمت ہوئی اور اسکی بد نسبت
مورد مہربانی تمکین سال ہو کر کابلی میں آیا ذکر عملہ رتب بالا جی نار دو شتاد مہر بان اسکی

بعد سمت [illegible] کی سالمین پنڈت بالاجی ملہار و گنگادہر راؤ کے دونوں مرگئے بعد اوس پنڈت [illegible]

بچے تہی عمل ہوا کمین [illegible] بالاجی راؤ نے اپنا کالپی مین رہا کر نانا راؤ گنگادہر کا قیام ساگر مین تہا بالاجی ملہار کی

[illegible] اپنا صاحب نام تہا پنڈت [illegible] اور صاحب اقبال [illegible] تہی اور فی الحقیقت آدمی عقلمند

و صاحب فہم تہا اپنی ہمت مین [illegible] کیا تہا اور اکثر [illegible] جمع [illegible] مکانات [illegible]

سامنی متصل حویلی شیخ احمد کی اوسکی بنائی تہی اور اوسکی قریب اوسکی ایک محمد ابراہیم آباد بہی تہا اب

بہی اوسکا نام [illegible] جاتا ہی [illegible] اوسکی زندگی ہی مین [illegible] اپنی باپ کے [illegible] مرگیا تو [illegible] انگریز بہادر

بعد بالاجی راؤ [illegible] بیٹا [illegible] کا عمل ہوا اور [illegible] مین سرکار انگلشیہ [illegible] طرف ہوا

اور ملک [illegible] دولت آصف الدولہ اور سعادت علیخان سے [illegible] صلح نامہ آیا اوس وقت [illegible] انتقامی

حال [illegible] سرکار کو منظور ہوا [illegible] فوج کشی [illegible] مصلحت معلوم ہوئی [illegible] متعلق [illegible]

[illegible] شامل [illegible] جاتی [illegible] فوج انگریز کے

[illegible] اور [illegible] کالپی اور [illegible] قیام کیا اور [illegible] لشکر مقیم رہی اور [illegible]

صلح ہوئی [illegible] کالپی [illegible] سرکار انگریزی [illegible] اپنا قیام جالون مین اختیار

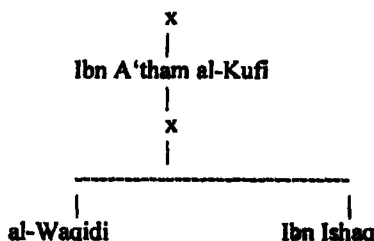
کرنی پر [illegible] سرکار کو [illegible] ہوا [illegible] سمت [illegible] سالمین عمل [illegible] انگریز

کالپی مین ہوا اور [illegible] وغیرہ [illegible] اپنا قیام جالون مین اختیار کیا اسکی بعد سمت [illegible] سے

ملک جالون وغیرہ قبضہ مین سرکار انگلشیہ کے آیا

[illegible]

true author - the other main source being Ibn Ishaq, from whom the information trusmitted (1) through (4), who took material from al-Waqidi and Ibn Ishaq and synthesised it to create the present account. My opinion is that the author is probably Ibn A'tham al-Kufi (2) as the composition of this text is not unlike that of this Kitab al-Futuh in form. Thus the reduced isnad or path of transmission of material, using only the names of critical source and compilers, is as follows:



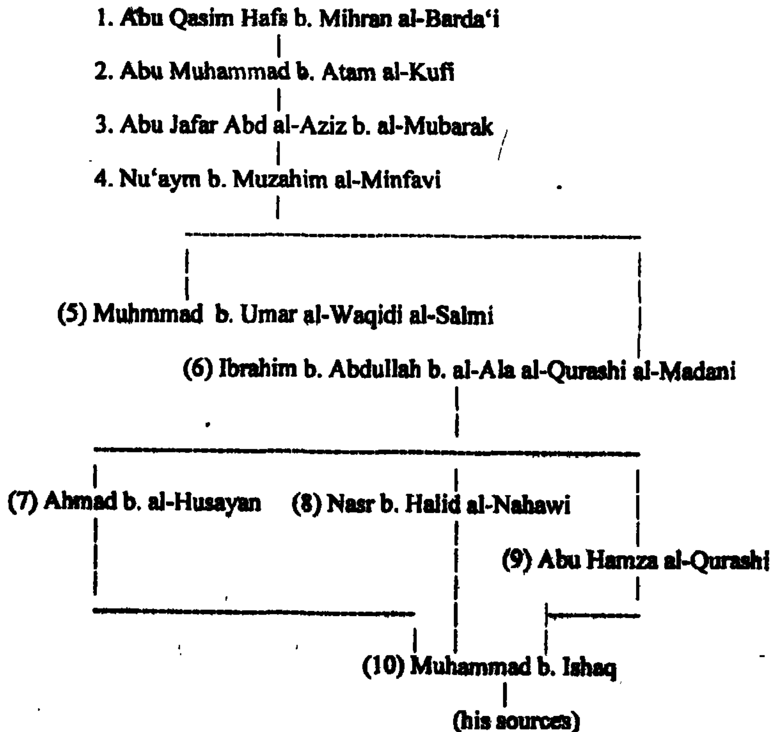
The imprssion that this is a work of Ibn A'tham al-Kufi is strengthened by the heading found on folio 41b. which reads "Fragment of a notice about al-Muthanna b. Harita al-Shaybani, which is the first of the conquests after the battle Against the people of the Ridda. It is also in the transmission of Ibn A'tham al-Kufi". In order to be absolutely certain of the identification of this work with that of Ibn A'tam, however, it will be necessary to compare the present text [especially the Saqifa incident and the raids of al-Muthanna, which are I believe treated in the Kitab al-Futuh] with corresponding passages in the Arabic text of Ibn A'tham's Kitab al-Futuh, and by investigating Ibn A'tam's use of the isnad, his authorities, and chains of transmission to check for similarity with the isnad of the present MS.

If my judgement is correct, the Kitab al-Ridda manuscript comprises a monograph by Ibn A'tham al-Kufi on the Ridda, which may originally have formed a part of his Kitab al-Futuh. As it seems to rely on very early authorities, viz. al-Waqidi and Ibn Ishaq, whose works on this subject are lost to us, we can expect the MS to be very valuable as a source for the history of the Ridda and for our understanding of early Arabic historigraphy.

June 17, 1976
Patna

and making little or no attempt to synthesise these short ahbar into a longer, continuous narrative account. In the MS presently under consideration, however, the authorities are cited only once, at the beginning of the works, and the entire text of 44 folios which follows is one continuous account, composed synthetically by the author from the various sources listed in the isnad. It is therefore my opinion that the Kitab al-Ridda is not an authentic work by al-Waqidi, as the compilers of the Bankipore Library Catalogue alleged.

The true identity of the Kitab al-Ridda can, however, be determined by careful investigation of the text. The opening isnad provides the following crain of transmission for the text:



It can thus be vividily seen that al-Waqidi is not the author of the present text, but is one of the two main sources of information used by the

An early source for Arab Histriography

A Note concerning the **Kitab al-Ridda**, Arabic MS No.2290 B
in the collection of
the Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna (Bihar Prov.), India.

— By *FRED M. DONNER*
Assistant Professor of History
Yale University
New Haven, Connecticut, U.S.A.

This interesting manuscript describes the events of the Ridda Wars and includes a description of the nomination of Abu Bakr as the Prophet's frist successor in the famous episode of the "Saqifa Bani Sa'ida" (fol.2a-6a). It also includes at the end a section describing the first raiding activities of al-Musthanna b. Harita al-Shaybani which properly from a prelude to the Muslim conquest of large [fol.41b-44b].

In volume XV of the Bankipore Oriental Library Catalogue this work is ascribed to Muhammad b. Umar al-Waqidi on the basis of the opening isnad, which is cited in that place. The Kitab al-Ridda MS, howrver, is not constructed in the same manner as other authentic works of al-Waqidi, such as the Kitab al-Magazi. In the latter, we find that al-Waqidi assembled a great number of short accounts, or ahbar giving each one with its own isnad

word is originally plural, now used in the singular sense. Cf. Heb. elohim (Pl. in form) God.

یک : (yak) One. Phl. aēvak, O.P. aiva, Sans. eka.

یوغ : (yūgh) Same as (jūgh).

***

**

هفتاد : (haftād) Seventy. Phl. haftād, O.P. haptāiti, Sans. saptati, Av. haptaiti.

هفت اورنگ : (haft-aurang) Ursa-major. Av. haptōi-ring.

هفت کشور : (haft-kishwar) Seven countries. Av. haptō karshvarin.

هفت هندو : (haft-hindū) Seven seas, the Punjab. Av. hapta-hindu.

هلاهل : (halāhil) Mortal, deadly, deadly poison. Sans. halāhala, poison.

هم : (ham) Toghether, same, equal, with. Phl. ham, O.P. hama, Av. hama. Sans. sama; Gk. homos, same, homoios, like.

همایون : (humâyūn) Blessed, fortunate, august, imperial. Phl. humagūn, humā, phoenix + gūn, colour, indicating likeness or relation.

همه : (hama) Whole, all. Phl. hamāk, O.P. hama, Av. hama Sans. sama.

هندسه : (hindisa) Geometry, engineering. Arabicised form of Pers. (andaze), measure, proportion.

هندو : (hindū) A Hindu, black, slave. Phl. hindūk, O.P. hindu, Av. hindu, Sans. sindhu, sea, river. Av. hapta-hindu, corresponding to Sans. sap sindhu, the seven seas, i.e. the Punjab.

هندوستان : (hindūstān) India, northern India. Phl. hindūkstān. See (hindū) and (sitān).

هنر : (hunar) Skill, art, virtue. Phl. hūnar, Av. hunara.

هور : (hūr) Sun. Av. hvare, Sun, Sans. svar, suryya, sun.

هوشیار : (hushyār) Intelligent, clever, skilful. Phl. hōshayabār. (hosh) from Av. ushi, intelligence and Phl. ayabār from Av. avo-bāra, helper, friend, companion.

هیزم : (hīzum) Fuel. Phl. ēzum. Av. aēsma.

ی : (ye) For relation corresponds to Sans. ī.

یادگار : (yādgār) Memorial. Phl. eyādkār.

یار : (yār) Friend, helper. Phl. ayabār. Av. avobāra.

یاور : (yāwar) See (yār).

یزد : (yazd) Angel. Phl. yazad, angel, god, Av. yazata, angel, god, worthy of adoration, Sans. yajata, a being which deserves worship, adorable one.

یزدان : (yazdān) God. Phl. yazatān, Pl. of yazad, angel, God, Av. yazatanām, angels, gods. The

		Phl. rūbān (Mod. Pers rawān) soul, Av. urvan. The Arabicised form anūshirwān is closer to the original.
نُه	: (nuh)	Nine. Phl. nāho, Av. nava, Sans. nava, Lat. novem.
نهم	: (nuhum)	Ninth. Phl. nahūm, Av. naoma, Sans. navam.
نیا	: (niyā)	Ancestor, grnad-father, forefather. Phl. niyāk, Av. nyāka.
نیاکان	: (niyākān)	Ancestors, forefathers, Pl. of (niyā). Here the Phl. pural form (niyāk + an) is retained like 'bandagan'. Phl. bandak + an, 'K' has been softened into 'g'.
نیک	: (nīk)	Good. Phl.nēvak, O.P.naiba, good, Sans.nīka.
نیل	: (nīl)	Indigo, blue. Sans. nīla.
نیلوپر، نیلوپل نیلوفر، نیلوفل	: (nīlūpar/nīlūpal/ nīlūfar/nīlūfal)	Lily. From Sans. nilōtpal. In Phl. there is one letter for both 'L' and 'r' sounds.
نیم	: (Nīm)	Half, Phl. nēmak, Av. naēma.
وند	: (wand)	Like, possessing. Phl. vand, āvand, Av. vānt, Sans. vanta.
هخامنشی	: (hakhāmanishī)	Achaemenian. O.P. hakhāmanishiya, adj. from hakhāmanish, hellenised into achaemenes, eponymous, ancestor of the first historical dynasty of the rulers of Persia.
هر	: (har)	Each, every. Phl. har, O.P. haruva, Av. haurva, Sans. sarva, all.
هرمز	: (hurmuz)	See (urmuzd)
هرگز	: (hargiz)	Ever. Phl. hakarch, hakarj, Av.hakara-chit even, once.
هزار	: (hazār)	Thousand. Phl. hazār, O.P. hazanra, Av. hazanra.
هست	: (hast)	Is. Av. asti, Lat. esti. Sans. asti.
هسته	: (hasta)	See (asta).
هشت	: (hasht)	Eight. Phl. hasht, O.P. & Av. ashta, Sans. ashta, Lat. octo.
هشتاد	: (hashtād)	Eighty. Phl. hashtād, O.P. ashtaiti, Av. ashtaiti, Sans. as'iti.
هشیار	: (hushyār)	See (hoshyār).
هفت	: (haft)	Seven. Phl. haft, O.P. hapta, Av. hapta, Sans. saptam, Lat. septem.

میش : (mish) Sheep, ram. Av. maesha, Sans. mesha.
میغ : (migh) cloud, Av. maegha, Sans. megha.
مینو : (minū) Heaven, the invisible world. Phl. minōē, the invisible world, Av. mainyu.
میهمان : (mīhmān) See (mihmān).
ناخدا : (nākhudā) Captain of a ship, boatman, combination of (Nāv), boat, ship and (khudā) master. See (Nāv) and (khudā).
ناخن : (nākhun) Nail, talon, claw. Sans. nakha.
ناف : (nāf) navel, middle. Sans. nābhi.
نامه : (nama) Book, letter. Phl. nāmak.
ناو : (nāv) Boat, ship. Av. nāvo, Sans. naus, Gk. naus, Lat. navis, Guj. nāv, Beng. nāo Cf. Phl. nāv, dāk navigable, Av. nāwaya, Sans. nāvya.
ناهید : (nāhīd) Venus. Av. anāhita.
نبیره : (nabira) Grandson. Phl. navīrak, grandson, Av. napat, naptar, Sans. napāt, Lat. nepos, neptis.
نخست : (nakhust) First. Phl. nukhust, Av. mazdishta, Sans. nedishta. The O.P. and Av. superlative ending 'ista' (corresponding to Sans. ishta) is preserved here.
نخستین : (nakhstīn) See (nakhūst).
نر : (nar) Male. Phl. nar, Av. nere, nara, Sans. nara.
نزدیک : (nazdīk) Near, Phl. nazdīk, Av. Nazda, Sans. neda.
نگاه : (nigāh) Look, watch, care. Phl. nikās.
نماز : (namāz) Prayer. Phl. namaz, Av.namak, Sans. namas. (bowing).
نو : (nau) New. Phl. nōk, Av. nava, Sans. nava.
نواده : (nawada) Grand child. Phl. navadak, Av. napat, naptr, Sans. napāt, Lat. nepos, neptis, grandson, nephew.
نوبهار : (nau-bahār) (i) A buddhist monastery of Balkh, wrongly supposed to have been a fire temple or idol temple. Sans. nava-vihāra, a new monastery, (ii) New spring. See (nau) and (Bahār).
نود : (nawad) Ninety.Phl.navat, O.P.& Av.navaiti, Sans.navati.
نوشیروان : (nūshirawān) Nūshīrwān (not nawshīrwān). Phl. anōshak-rubān, of immortal soul. Phl. anōshak, from Av. anaoshō, immortal, Phl. osh from Av. aosha, death, 'an' privative prefix.

(agar), if, that not.

مگس : (magas) Fly. Av. makhshi, Sans. makshi.

منوچهر : (mīnuchihr) Name of a person. Phl. manūsh-chehr, Av. manush-chithra.

موبد : (mūbad) A Zoroastrian priest. Phl. magopāt, a wise man, a divine, a priest. O.P. magupati, Av. moghu-paiti.

موبدموبدان : (mūbad-i-mūbadān) See (mūbad) Mobad of the Mobads a high priest. Phl. magō-patān, magōpat.

مور : (mūr) Ant. Phl. mūr, Av. maoiri.

موز : (mauz) Banana, plantain fruit. Sans. mōchā.

موزه : (mūza) Boots, stockings. Phl. mōchak[1].

موش : (mūsh) Mouse. Sans. mushika, Lat. & Gk. mus, Ger. maus.

مه : (meh) Great, large. Phl. mēs, Av. masyah, Sans. mahat.

مهر : (mehr) Sun, friendship, Love, affection. Phl. mithro, Av. mithra, Sans. mitra.

مُهر : (muhr) Seal. From Sans. Mudrā.

مهرجان : (mihrjān) Arabicised form of (mihrgān).

مهرگان : (mihrgān) Autumnal festival of ancient Iran, festival of Mithra, the sun-god. Phl. mithrangān, mihr-kān, Kan being a suffix for nisbat (relation).

مهمان : (mihmān) Guest. Phl. mēh-mān, Av. maēthman. Cf. vedic maitra, friend.

می : (mai) Wine. Phl. mādyān, Av. madu, maidya, Sans. madhu, madya.

میان : (miyān) Middle. Phl. mēyān, Av. maidhyana, Sans. madhya.

میردا : (mīrdā) Officer of justice, judge. (mīr) for (amīr) (Ar.), chief and (dād), justice.

میرده : (mirdah) A commander of ten soldiers. (mīr) for (amīr) (Ar.), chief and (dah), ten.

میرزا : (mīrzā) Prince. contraction of (amīrzāda) lit. Prince-born.

میزبان : (mizbān) host, mēz, mīz, table, (bān), keeper.

1 From this is derived the word mochi (shoe-maker, cobbler) of Indian vernaculars.

	mugh, Phl. magō, O.P. magu, Av. moghu. Latinised magus (s) magi (pl).
مر : (mar)	Number. Phl. marak, mar, Av. mere, to remember, to count. Cf. Sans. Smr, to remember.
مرد : (mard)	Man. Phl. mart, O.P. martiya, Av. maretan, mashya, Sans. martya.
مردم : (mardum)	Mankind. Phl. martum, Av. maretan.
مُردن : (murdan)	To die. Phl. murdann, Av. mere, to die, Sans. mr. Lat. mori.
مُردہ : (murda)	Deed. Phl. mūrdak, Av. mereta, Sans. mrta.
مرز : (marz)	Borderland, border, edge, march. Phl. marz, Av. marez, borderland. Cf. Eng. march, in the sense of boundary, frontier.
مرزبان : (marzbān)	Frontier-governor, warden of the marches. Phl. marzpan, Av. mareza-pāna, guardian of the frontiers, warden of the marches, Av. mareza, borderland and pāna (suffix), protector from the root pā to guard. Cf. Eng. marquis which literally means the ruler of the march.
مُرغ : (murgh)	Bird. Phl. murv, murūk, Av. meregha. Cf. Sans. mrga, orginally 'animal', later on restricted to the 'deer'.
مرغزار : (margh-zār)	pasture ground, meadow. (margh), a kind of grass and (zār), place. The Phl. forms of (zār) are chār and jār.
مرگ : (marg)	Death. Phl. marg, Av. mahrka.
مست : (mast)	Intoxicated. Phl. mast, Av. masta, Sans. matta.
مُسَلمان : (musalmān)	Musalmān, Muslim. A corrupted form of Muslimān, the Persian plural of Ar. Muslim used as singular.
مشت : (musht)	Fist, handful. Av. mushti, Sans. mushti.
مُشک : (mushk)	Musk. From Sans. mushka.
مغ : (mugh)	A Magian. Phl. magō, O.P. magu, Av. moghu.
مغز : (maghz)	Marrow, brain. Phl. mazg, Av. mazga, Sans. majjā.
مگر : (magar)	But, except. Form Aram. mā, not and Pers.

گنج :	(ganj)	Store, hoard,tressure. Phl. ganj. Cf. Sans. Kunja.
گنجور :	(ganjūr/ ganjwar)	Treasurer. Phl. ganjobar, treasurer.
گندم :	(gandum)	Wheat. Sans. gōdhuma.
گنهگار :	(gunahgār)	See (gunāhgār).
گواه :	(gawāh)	Witness, evidence. Phl. gukās.
گوزهر :	(gauzahar)	The dragan's head and tail, the sphere of the moon. From Phl. gao-chilr, Av. geush-chithra.
گوسپند :	(gūspand)	Sheep, goat. Phl. gōspand, a domestic animal, cow, goat, sheep, etc., Av. gāushspentō.
گوسفند :	(gūsfand)	See (gūspand).
گون :	(gūn)	Colour. Phl. gunak, Av. gaona.
گیاه :	(giyāh)	Grass, green herbage. Phl. gayāh. Cf. Sans. ghāsa.
گیتی :	(gītī)	World. Phl. gētīk, gēthī, Av. gaēthya.
گیسو :	(gesū)	Braided hair. Phl. gēs, Av. gaēsu, Sans. kes'a, hair.
گیومرث :	(gayūmarth)	Adam of the Zoroastrians. Phl. gayōk-mard, Av.gayo-maretan.
گیومرد :	(gayūmard)	See (gayūmarth).
گیهان :	(gayhān)	World. Phl. gēhān. Av. gaēthanam Pl. in form, used in the singular sense.
مادر :	(mādar)	Mother. Phl. mād, mādar, O.P. mādar, Av. mātar, Sans. mātar, Gk. mētēr, Lat. mater, Ger. mutter, kelt. Mathir, Ital. madre, Fr. mere.
ماده :	(māda)	Female. Phl. mādak, Av. mātar, Sans. mātar.
مار :	(mār)	Serpent. Phl. mār, Av. māra.
ماست :	(māst)	Sour, coagulated milk. Sans. mastu, sour cream, whey.
مان :	(mān)	House. Phl. mān, house, household, Av. n(e) māna, house, family.
ماه :	(māh)	Moon, month. Phl. māh, Av. mah, maonha, Sans. māsa, Lat. mensis, Fr. mois, Ger. monat, Goth. mēna, Eng. month and moon.
ماهی :	(māhī)	Fish. Phl. māhīk, Av. masya, Sans. matsya.
مجوس :	(majūs)	(Ar.) Magi, Zoroastrians. Pers. mōgh,

گژدم : (gazhdum) Scorpion. Phl. gajdūm (gazh) = (kaz) = (kaj), crooked, (dūm), tail. (gazhdum) literally means having a crooked tail. Mr. E.S.D. Bharucha derives the word from .... (guzidan), to bite and makes it mean 'having a biting tail', Phl. dumb, tail, Av. duma tail.

گستاخ : (gustākh) Proud, impudent, haughty. Phl. vistākhv.

گستردن : (gustardan) To spread. Phl. vistartann, Av. vi + stere, Sans. vistṛ, to spread.

گشتاسپ : (gushtāsp) Name of a king of Bacteria, Hystaspes of the Greeks. Phl. vishtasp, Av. vishtāspa, hellenised into Hystaspes. The sanskrit form will be ishtas'va.

گفتار : (guftār) Speech. Phl. gōftār, speaker, gōftārīh, speech.

گل : (gul) Flower, rose. Phl. gūl, Aram. ward. Ar. Ward. The philologists suggest that the 'w' and 'r' of word have changed into 'g' and 'l' respectively. This apparently seems to be far fetched. The change of 'w' into 'g' has many instances in many languages, e.g., Eng. war is, Fr. guerre. Eng. William is Fr. Guillaume, Av. vīshtaspo is Neo-Pers. gushtāsp, Ar. al-wādil kabīr is Span. Gua dal quivir, etc. Similarly instances of the change of 'r' into 'l' can be multiplied at one's will. Below are given a few of them. Sans. karataka is Phl. kalīlag and Ar. kalila, Sans. s'ṛingavera is Ar. zanjabīl, Lat. peregrinum is Eng. pilgrim and Fr. pilerin and so on. And in Phl. there is one letter for both 'r' and 'l', dīwār amnd dīwāl are different readings of the same word.

گلنار : (gulnār) Pomegranate flower. Orig. gul-i-anār, flower of the pomegranate.

گلو : (gulū) Gullet, threat. Av. grīva, Sans. grīvā, galá.

گمان : (gumān) Doubt, suspicion. Phl. gūmān. Av. vīmanahya.

گناه : (gunah) Sin, crime, offence, transgression, Phl. vinas.

گناهگار : (gunāhgār) Sinner, transgressor, criminal. Phl. vin[illegible].

کی : (kay) When. Av. kadha, Sans. kadā.

کیخسرو : (kaykhusrau) Name of a king. Phl. kaē-khūsrōb, Av. kavi-husrava.

کیش : (kish) Religion. Phl. kēsh, religious law or doctrine or belief or custom.

کیقباد : (kaiqubad) Name of a king. Phl. kaē-kawād, Av. kavī-kawāta.

کین : (kīn) Enmity, ill-feeling. Av. kaena.

گاو : (gāv) Cow. Phl. go, Av. gēush, gao, Sans. gō, Ger. kuh.

گاهواره : (gāhwāra) Cradle. Phl. gāsvārak, (gāh) place, from Phl. gās, O.P. gathu, Av. gatu, place.

گبر : (gabr) Guebre, a Zoroastrian, a parsee. Phl. (Aram) gabra, man. A zoroastrian is so called by the Muslims of Persia.

گذردن : (gudhardan) To pass away. Phl. witartann, Av. vitere.

گرد : (gird)[1] Around, round. Phl. vart, Av. weret, Sans. vṛt, Lat. vertere, to turn, Ger. werdeu.

گرده : (gūrda) Kidney. Phl.gurtak, Av. veretka.

گردیدن : (gardīdan) To turn, to revolve. Phl. vartitann, to turn, Av. weret, Sans. vṛt, Lat. vertere, Ger. werdeu

گرز : (gūrz) Mace, club. Phl. varz, Av. vazra, club, battle axe, Sans. vajra, thunderbolt.

گرفتن : (giriftan) to take, to hold, to seize. Phl.griftann, Av. garew, Sans. grabh, grah.

گرگ : (gurg) Wolf. Phl. gurg, Av. vēhrka, Sans. vṛka, Lat. vulpes.

گرم : (garm) Warm, hot. Phl. garm, O.P. garma, Av. garema. Cf.Sans. gharma, grishma.

گره : (girih) Knot, joint. Sans. granthi.

گریبان : (girībān) Collar. Phl. garīv-pān, throat-protector, collar, Av. grīva-pana, Av. griva = Sans. grīvā, throat and Av. pāna, from the root pā = Sans. pā, to protect.

گزیت : (gazīt) See (jizya).

1 Instances of the change of V or W into g are given under (gul)

کرباس	: (karbās)	White cotton garment, fine linen, muslin. Sans. karpāsa, cotton.
کردار	: (kirdār)	Action. Phl. Kardār, doer, maker.
کردن	: (kardan)	To do, to make. Phl. kardann. Av. kere. Sans. Kṛ.
کرم	: (kirm)	Worm. Av. kerema. Sans. kṛmi.
کروه	: (kurūh)	Road, measure of about two miles. Sans. krōs'a.
کژدم	: (kazhudum)	Scorpion (lit. Crook-tail) (kazh) for (kaj), crooked . (dum), tail. Phl. dūmb, Av. duma.
کش	: (kash)	Armpit, groin. Cf. Sans. kukshi.
کشت	: (kisht)	Sown field, tillage. Cf.Sans. kshetra, field, H.and Beng. khet, field.
کشف	: (kashaf)	Tortoise. Av. kasyapa, Sans. kachchhapa.
کشور	: (kishwar)	Region, country. Phl. kēshwar, Av. karshware.
کشیدن	: (kashīdan)	To draw, to drag. Phl. kashīdann. Av. keresh, Sans. karsh.
کف	: (kaf)	Forth, foam, scum. Av. kafa, Sans. kapha.
کلاغ	: (kalāgh/kulagh)	Crow, rook, raven. Phl. wilāk, Sans. kāka.
کلیله	: (kalīla)	Name of a jackal in the 'kalila wa Damna', Corrupted Arabicisation of Sans. karaṭaka, through pahlavi in which there is only one letter for r and l. In the old syriac translation of the original pahlavi version the form is still kalilag.
کندن	: (kandan)	To dig. Phl. kandann. Av. kan = Sans. khan, to dig.
کنیز	: (kanīz)	See (kanīzak).
کنیزک	: (kanīzak)	Damsel, girl. Phl. kanīch, kanīchak, damsel, Av. kainika, kaini, girl, maid-servant, female slave, Sans. kanyakā, kanyā.
کودک	: (kūdak)	Boy, lad, child. Phl. kutak, Av. kutaka, little. Cf.Sans. kshudraka.
کوز	: (kūz)	Hump. Cf. kubja.
کوزپشت	: (kūz-pusht)	Hump backed. See (kūz) and (pusht).
کوه	: (kūh)	Hill, hillock, mountain. Phl. kōf, O.P. kaufa, Av. kaofa.
کی	: (kay)	King, kayanian. Phl. kaē. Av. kavi, king.

فریدون : (farīdūn) Farīdūn, the victor of Ḍaḥḥaq. Av.thraētaon the name of a legendary king of ancient persia.

فسان : (fasān) Whet-stone. Sans. pāshāna, stone.

قانون : (qānūn) (Ar.) Canon, Law. From Gk. kanōn.

قباد : (qubād) Qubād, name of a king. Arabicised form of Phl. kawād, Av. kawāta.

قبط : (qibṭ) (Ar.) The copts. copt. gyptios, kyptaios; Gk. Aiguptious, Egyptian. The term is only another form of Egypt.

قرنفل : (qaranful) (Ar.) Clove. From Sans. karnapul Lit. ear-flower.

قلزم : (qulzum) (Ar.) Clysma, sea.Arabicised form of Gk. klysma.

قلم : (qalam) (Ar.) pen, reed. Gk. kalamos. Lat. calamus, O.H.G. Welsh kalaf.

قیصر : (qaiṣar) (Ar.) Emperor. Arabicised form of Lat. caesar.

کار : (kār) Work, act, deed, Phl. kār, Av.kāra, kairya, Sans. kārya.

کارد : (kārd) Knife. Phl. kārt, Av. kareta, Sans. krit, to cut, kartarī, scissors, knife.

کاشتن : (kāshtan) To sow, to till. Phl. kāshtann. Av.keresh, Sans. kṛsh.

کافور : (kāfūr) Camphor. From Sans. karpūra.

کالبد : (kālbud) Body. Phl. karp; Av. kehrp, kerefsh, Lat. corpus.

کام : (kām) Desire. Phl. kām, kāmak, O.P. kāma, Av. kāma, Sans. kāma, desire.

کان : (kān) Mine. Sans. khani. Av. kan = Sans. Khan, to

کبوتر : (kabutar) Pigeon. Sans. Kapota.

کتخدا : (katkhudā) See (kadkhudā).

کدبانو : (kadbānū) Lady of the house. See (kada) and (bānū).

کدخدا : (kadkhudā) Master of the house. Phl. kadak khōday. See (kada) and (khudā).

کده : (kada) House. Phl. kat, katak, kadak, Av. kata, house.

---

1. Russian 'Foedore' for 'Theodore' is another instance of the change of 'th' into 'f'.

the Shahnama as an oppressive king. The word is preserved in the root sense in azhdahā, dragon. Av. azhi = Sans. ahi, serpent, Av. dahāk' = Sans. dangs'aka, biting. This word should not be confused with the indegenous Arbic word (ḍaḥḥāk), one who laughs much-often being used as a proper name.

فارس : (fārs) See (pārs).

فارسی : (fārsī) See (pārsī).

فرّ : (farr) Splendour: Phl. khurrak, Av. hvarena, luminous, glory.

فر : (far) prefix, meaning forth, before etc. phl. fra, far, par, Av. fra, para, parā, pairi, O.P. fra, Sans. prā, Lat & Gk. pro.

فرات : (furāt) Euphrates (river). Baby. Purattu, hellenised into Euphrates[1].

فراز : (farāz) Forth, further, upto. Phl. frāj, Av. frācha, O.P. frāch, Sans. prāch, prāk.

فردم : (fardum) First. Phl. fratūm, O.P. fratama, Av. fratema, Sans. prathama.

فرزانه : (farzāna) Wise, knowing, learned. Phl. farjānak, Av. fra + zan, to know, Sans. pra + jna, to know. Cf. Sans. prajnā, wisdom, prājna, wise.

فرزند : (farzand) Progeny, offspring, child. Phl. frazand, Av. frazainti.

فرسنگ : (farsang) Parasang, League, a distance of twelve thousand cubits. Phl. frasang.

فرشته : (firishta) Angel. Phl. fristak, Av. fraēshta, O.P. frāishayam. Av. root fra + ish = Sans. pra + ish, to send. Cf. Sans preshita, sent.

فرّ کیان : (farr-i-kayānī) The splendour of the kayānī rulers. Phl. khurrak-i-kayān., Av. kavaēm hvarenō.

فرمان : (farmān) Mandate, order. Cf. Sans. pramāna.

فرنگ : (farang) Europe, Europeans. From 'Frank' which term was introduced into the East during the crusades and was applied to all Europe and Europeans.

فرنگی : (farangi) European. See (farang).

[1] The Babylonian Legend of the creation. P.9.

pers. bān is from Phl. pān which is from Av. pāna (suffix) protector from the root pā to guard.

شتر : (shutur) Camel. Phl. ushtur, Av. ushtra, Sans. ushtra.

شش : (shish) Six. Phl. shash, O.P. & Av. khshvash, Sans. shat, Lat. Sex, Gk. hex.

شصت : (shast) Sixty. Phl. shasht, O.P. khshvashti, Av. khshvasti, Sans. shashti.

شغال : (shaghāl) Jackal. Sans. S'rgāla.

شکر : (shakar/shakkar) Sugar. From Sans. S'arka'ra, Av. sukkar, Gk. sakkharon Fr. sucre.

شگون : (shugūn) Omen, augury. Cf. Sans. S'akuna, the vulture.

شمار : (shumār) Number, counting. Phl. hamār, hūshmār, Ōshmār, Av. mere, to count. Cf. Sans. smr, to remember.

شمردن : (shumurdan) To count, to reckon. Phl. hōshmōrdann, Av. mere, to count, Sans. smr, to remember.

شمشیر : (shamshīr) Sword. Phl. shamsher.

شنا : (shīna) Swimming. Phl. ashnāk Cf. Sans. snān, to bathe.

شنبه : (shanbah) Saturday. The old form was: shanbadh, from Heb. (Aram) shabbāth.

شهر : (shahr) Town, city. Phl. shathrō, country, town city. Av. Khshathra, Sans. Ins. shatari. Cf. Sans. kshetra, land.

شهریار : (shahryār) Ruler, king, governor. Phl. shathrōyār, shatrō-yār, Av. shoithra, city and avobāra, helper.

شهنشاه : (shahanshāh) See (shāhanshāh).

شید : (shayd/shid) Ruler, chief, brilliant, resplendent. Av. khshaēta, O.P. khshāyathiya, king.

شیر : (shir/sher) Lion, the sign Leo. Phl. shēr, Av. kshshathrya

شیر : (shīr) Milk. Phl. shīr, Av. khshīr, Sans. kshīra.

صد : (sad) Hundred. Phl. sat, O.P. sata, Av. satem, Sans. S'atam, Lat. centum, Gk. hekaton. (old scholars like Al-Biruni connected the word with Gk. sophia, wisdom, others with safa, purity).

ضحاک : (dahak) Arabicised form of Av. azhidahāka, originally a mythological figure, appears in

he holds a very exalted rank. He stands between God and man. He instructs the prophet in the good religion, shows the way to heaven and pronounces judgement on human actions after death.

سرون : (sarūn) Horn. Cf. Sans. s'ṛanga.

سرین : (surīn) Buttocks. Av. saraoni, hip, Sans. 'sroni.

سفید : (safīd) See (sapīd).

سگ : (sag) Dog. Phl. sag. Cf. Sans. sunaka.

سگستان : (sigistān/sagistān) Sīstān, a province in persia; possibly Av. ishkatā, skythia, Cun. Saka, tribes of skythians, Sans. S'aka, s'aka-dwipa, skythia.

سنگ : (sang) Stone. Phl. sang. O.P. athongaiana, Sans. 'san, a'sman.

سوار : (sawār) Horseman, cavalier. Phl. asōbār, O.P. asabāra, Av. aspobāra.

سوزن : (suzan) Needle. Sans. sūchī.

سوسمار : (sūsmār) A kind of lizard. Cf. Sans. 'sis'umāra, porpoise, dolphin.

سوگند : (saugand) Oath. Phl. sōgand, Av. saokenta.

سه : (sih) Three. Phl. se, O.P. thri, Av. thri, Sans. tri.

سی : (sī) Thirty. Phl. Sīh, O.P. thrisat. Av. thrisat, Sans. trinsati.

سیاه : (siyāh) Black. Phl. siyak. Av. syāva. Sans. 'syāma.

سیستان : (sīstān) See (sagistān)

سیمرغ : (sīmurgh) A fabulous bird. Av. saenameregho.

شاپور : (shāpūr) Shapur. Phl. Shāhpuhr, Shāhpūr lit. king's son. See (shāh) and (pūr).

شاخ : (shākh) Branch. Phl. shāk, Sans. sākhā.

شادمان : (shādmān) Joyous, glad. Phl. shatmān, Av. shātōmano.

شام : (shām) Evening. Av. khshafnya, Sans. sāyahna.

شاه : (shāh) King. Phl. shāh, O.P. Khshāyathiya', khashayathiyanam, Aram. malkanmalka.

شاهنشاه : (shāhanshāh) Emperor. O.P. Khshayathiya Khshayathiyanam; Aram. malkanmalka.

شایگان : (shāygān) Kindly. originally (shāhgān) from Phl. shāhikān. Phl. kān for nisba [relation] has been softened in neo-Persian into gān.

شب : (shab) Night. Phl. shap, shaw. O.P. Khushap Sans. S'apā.

شبان : (shubān/shabān) Shepherd. Phl. shapān, Av. fshu-pāna. Fshu = Sans. pas'u = Lat. pecus. Mod.

سپاه	: (sipāh)	Army, militia. Phl. spāh, O.P. spāda, Av. spādha.
سپاهبد	: (sipāhbud)	Commander of an army. Phl. spāhpat, O.P. spāda-pati, Av. spādha-paiti.
سپنج	. (sipanj)	Guest house, inn, hotel. Phl. aspanj, hospitality. The word comes from the Av. root spanj, to delay, to defer, to break the journey. Not si, se, three + panj, five.
سپنج سرای	: (sipanj sarāy)	Guest house, inn, hotel. Both the words are synonymous.
سپهر	: (sipihr)	Sphere. Phl. sphir, O.P. spithra.
سپید	: (sapīd)	White. Phl. spet, Av. spaeta, Sans. S'veta.
ستاره	: (sitāra)	Star. Phl. star, stārak, Av. stār, Sans. tārā, tārakā, nakshatra, Gk. aster, Lat. stella.
ستان	: (sitān)[1]	Place, Phl. stān, O.P. and Av. stāna = Sans. sthāna.
ستَرب	: (sitarb)	Satrap. Av. khshathrapāvan, Sans. kshatrapa.
ستور	: (sutur)	Animal, quadruped, cattle, beast of burden. Phl. stōr, Av. staora, big, cattle, beast of burden, Sans. sthūra, strong, Goth. stiur, Ger. stier.
ستون	: (sutūn)	Pillar, post, column. Phl. stūn, Av. staona.
سخن	: (sakhun/sukhan)	Word, speech. Phl. skhūn, Av. S(pl) Sākhvēnī, sah.
سد	: (sad)	Same as (ṣad).
سر	: (sar)	Head, Chief, end. Phl. sar, Av. sara, Sans. 'siras, 'sīrsha.
سرخ	: (surkh)	Red. Phl. sūkhar, Av. sukhra, O.P. thukhra.
سرد	: (sard)	Cold. Phl. sart, Av. saret, O.P. tharda. Sans. sarat, autumn.
سرشت	: (sirisht)	Creation, Constitution. Cf. Sans. srshti, creation.
سرشف	: (sarashf)	Mustard seed. Cf. Sans. sarshapa.
سرشک	: (sirishk)	Tear. Phl.sarishk, Av. sraska, sraschinti, Sans. as'ru.
سروش	: (sarūsh)	Angel, Gabriel. Phl. sarōsh, name of a Yazata. Av. sraosha (obedience to Divine will, Av. root sru = Sans. 'sru, to hear). An archangel vested with very high powers. Among the angelic hierarchy of zoroastrianism,

1. This is only used as a suffix in Persian.

زمین : (zamīn) Earth, land. Phl. jamīk, earth, Av. zem, Gk. ge, Fr. chemin.

زن : (zan) Woman, wife. Phl. zann, Av. jenī, jaini, ghenā, ghna, Sans. janī, janitrī, Lat. genitrix.

زند : (zand) Zend. Av. āzainti, explanation, commentary or meaning. Originally the word signified the explanation given in the original language of the Avesta but afterwords the same term came to be applied to the Pahlavi translation and explanation of the sacred texts also. The correct phrase is Zend-e-Avesta, the commentary on the Avesta.

زندگان : (zindagān) (pl) Living beings, the living. Phl. (pl) zevandakān, Av. (sing) jwant, living, Sans. (sing) jīvanta.

زنده : (zinda) Living. Phl.zevandak, Av.jawant, Sans.jīvanta.

زندیقی : (zindiqi) Heresy, infidelity.Phl. zandikīh "thinking well of the devils".

زندیک : (zandīk) Heretic, a Manichaeean. Phl. zandīk lit. a follower of the interpretation (zend) as opposed to the orthodox text. According to another view it is the persianised form of Aramaic saddiqī = Ar. Siddīq, faithful by which terms the fully initiated Manichaeans were meant. But this derivation is unwarranted, the change of the initial "s" into "z" is inexplicable.

زنگبار : (zangbār) Zanjibār. (zang) Negro, (bār) land, coast land, lit. the land of the Negroes.

زور : (zūr/zör) Power, strength, energy. Phl. zōr, Av.zaothra.

زیر : (zīr) Down, below, under. Phl. ajer, ajīr, Av.adhairi.

زیره : (zira) Cumin-seed. Sans. jīra, jīrak.

زین : (zīn) Saddle. Phl. zīn, Av. zeena.

ژرف : (zharf) Deep. Phl. zōfak, zōfar, Av. jafra.

ژند : (zhand) See (zand).

سال : (sāl) Year. Phl. sāl, year, Av. saredha, "Year commencing from the vernal equinox". Sans. sarat, autumn, Year.

سالار : (sālār) Leader, general, commandar, O.P. saradara.

سایه : (saya) Shade, shadow. Sans. chhāyā.

روز	: (rūz)	Day.Phl. rōj, rōch, O.P. raucha, Av. ruch, to shine, Aram. rochik, Sans. rochi.
روزن	: (rauzan/rozan)	Window. Phl. rōchann, Av. raōchana.
روشن	: (raushan)	Bright, shining, clear. Phl. rōshann, Av. raokhshna, Sans. rochi.
روشنی	: (raushāni)	Brightness, light. Phl. [illegible], Av.raokhshani.
روغن	: (raughan)	Oil. butter, ghee. Av. raoghna.
روم	: (rūm)	Greece, Byzantine Empire. Phl. arūm.
رومی	: (rūmī)	Greek, Roman, Byzantine, Anotolian. Phl. arūmīk.
روی	: (rūy)	Face. Av. raodha.
ری	: (ray)	Ray, name of a city in persia near the modern capital, Tihran. Phl. Rag. O.P. Ragā, Av. Ragha.
زاد	: (zād)	Birth. verbal noun from (zādan). Phl.zādann, to be born, to give birth to, Av. root zan, zā, Sans. Jan, ja.
زادبوم	: (zādbūm)	Birth place. See (zād) and (būm).
زاده	: (Zada)	Bron, offspring. Phl. zādak; Av. zāte = Sans. jāta.
زانو	: (zānū)	Knee. Phl. zānūk, Av. zānu, zhnu, Sans. jānu, Lat. genu.
زبان	: (zābān)	Tongue, language.Phl. Zūfān, hūzvān, zūbān, hōzvān, ōzvān, O.P. hizuvam, Av. hizvā, Sans. jihvā.
زبر	: (zabar)	On, above. Phl. ajpar, Av. hachauparādh.
زر	: (zar)	Gold. Phl. zar, Av. zairi, zairita, zarana, Sans. hiranya, hiran.
زرد	: (zard)	Yellow, green. Phl. zard, zart, Av. zairita, Sans. harit, green.
زرتشت	: (zartusht)	Zaroaster. Phl. zartūsht, Av. Zarathustra.
زردشت	: (zardusht)	See (zartusht).
زره	: (zirih)	Cuirass, armour. Phl. zrih, Av. zrāda.
زریون	: (zaryūn)	Anemon, green and pleasent, Yellow. Phl. zargūn lit. Gold-coloured.
زلو	: (zalū)	See (zulūk).
زم	: (zam)	Cold, as in (zamistān). Av. zimō, Sans. hima.
زمستان	: (zamistān)	Winter. Phl. damastān, winter, Av. zimā, Sans. hima, Lat. heims, winter, Slav.Zima

دهان : (dihān/dahàn) Mouth, Phl. zafar, mouth, Av. zafar, zafan.

دهقان : (dihqān) Country, square, farmer, peasant. Arabicised form of Persian (dihgān) from Phl. dēhkān, Phl. dēh, village, O.P. dahyu and Phl. kān for nisbat (relation). This kān appears as gān in neo-persian.

دهم : (dahum) Tenth.Phl. dahūm, Av. dasema, Sans. das'ama.

دهن : (dahan) See (dahān/dihān).

دیر : (dīr/dēr) Late. Phl. dēr, O.P. darga, Av. darghya. Cf. Sans. dhīra, slow, dirgha, long.

دیگر : (dīgar) Another, next, anymore. Phl. dati-gar; O.P. dvitiya-kara, making second, Sans.dwitīya.

دیو : (dīv/dev) Devil, demon. Av. daēva, deman. Same as Sans. deva in root but opposite in sense.

را : (rā) (Postposition) For, for the sake of, on account of. Phl. rāy; O.P. rādiy.

راز : (rāz) Secret. Phl. rāj, Av. razah, Sans. rahas, rahasya.

راست : (rāst) Right, true, straight. Phl. rāst, Av. razishta, eresh, Sans. ṛju, rajishtha, Lat. rect.

رامشگری : (rāmishgarī) Music. Phl. rāmishn, joy, pleasure, Av. root ram = Sans. ram.

راه : (rāh) Way, path. Phl. rās, Av. raithyā, Sans. ratha.

رایگان : (rāygān) A thing obtained gratis, gratis. The original Persian form was (rāhgān) meaning a thing picked up on the road, (gān) being a suffix for relation.

رستاخیز : (rastākhīz) Resurrection of the dead. Phl. ristākhīz, rist, ristak, dead. Av. irista, dead, khīz, imperative of (khāstan), to rise (Av. khaez-añuha). To connect it with (rustan), to grow (as grass or plant) is wrong.

رستخیز : (rastkhīz) See (rastākhiz).

رشک : (rashk) Envy, malice, jealousy. Phl. arashk, Av. araska, from aresh = Sans. irshā.

رنجور : (ranjūr) Afflicted, sorrowful, sick. Phl. ranjbar, lit. affliction-bearer. "B" has been transformed into "W" in neo-persian.

روان : (rawān) Soul. Phl. rūbān, rōbān, Av. urvān.

رود : (rūd) River. Phl. rōd, Av. urudh.

دروغ : (durūgh) False, untrue. Phl. darog, Av. draoga.

درویش : (darwīsh) Darwish, a poorman, beggar. Phl. daryōsh, poor, needy. Phl. drivish, poverty, Av. drighu. Sans. daridra.

دریا : (daryā) Sea, river, ocean. Phl. Zarch, drayāk, drayāv, O.P. drayah, Av. zrayah.

دزد : (dūzd) Thief. Phl. duzhd, Av. duzdāh.

دژ : (dizh) Fort, fortress. Phl. dij, fort, fortress, Av. daeza, building, Construction.

دست : (dast) Hand. Phl. dast, O.P. dasta, Av. zasta, Sans, hasta.

دستور : (dastūr) High priest. Phl. dastōbar.

دُش : (dush) Evil, bad. Phl. dush, Av. dush, Sans. dush, dosha, evil.

دشمن : (dushman) Enemy, foe. Phl. dushman, dushmainyu, evil minded. Av. duzh, dush, evil, Av. mainyu = Sans. mana, mind.

دل : (dil) Heart. Phl. dil, Av. zareshaya, zared, Sans. hridaya, hird, Lat. cor, cordes, Fr. coeur, Ger. herz, Eng. heart.

دندان : (dandān) Tooth. Phl. dandān, Av. dantānō (n. Pl.); Sans. danta, Lat. dens, dentis, Fr. dent.

دو : (dū) Two. Phl. do, Av. dva, O.P. dva, Sans. dwi.

دود : (dūd) Smoke. Phl. dūdak, Sans. dhumra.

دور : (dūr) Far, distant. Phl. dūr, O.P. dūraiy, Sans. dūra.

دوزخ : (dūzakh) Hell, Phl. dushahū, dushakhv, a bad abode, hell; Av. daozhanuha, daozhauhva, Sans. Ins. dūshaūi.

دوست : (dūst) Friend. Phl. dōstār, O.P. daushtā.

دوش : (dūsh) Last night. Phl. dōsh = Av. daosha, to-night, Sans. dōshā, at night.

دول : (dūl) Acquarius, bucket. Phl. dōl. Arabicised into dalv by transposition of letters.

دولاب : (dūlāb) Wheel, especially for drawing water. Combination of (dōl) and (āb).

دویست : (duwīst) Two hundred. O.P. dve-sata, dve is the dual of dva.

ده : (dah) Ten. Phl. dah, O.P. dasa, Av. dasa, Sans. dasa, Gk. deka, Lat. decem.

the word with dād, justice and wrongly make the word mean just. The Avestan root dā (Phl. dādann, dātann) means to produce, form, create, hence dātār means maker, creator.

دار : (dār) (1) (Suffix) keeper, possessor' as in (zamīndar) landlord, Av.dere = Sans. dhṛ, to keep.
(2) Stake. Av. dauru, tree, Sans. dāru, wood.

دارا : (dārā) Name of several kings of the Achoemenian dynasty (550-330 B.C.) O.P. Dārayavush.

دام : (dām) Snare, net Cf. Sans. dāman, rope, string.

داماد : (dāmād) Son-in-law. Phl. dāmād, Av. zāmātar, Sans. jāmatar.

داور : (dāwar) Just, judge. Phl. dātobar, judge, Av. dāta, law.

دایه : (dāya) Nurse. Cf. Sans. dhātrī.

دبستان : (dabistan) School. Phl. dapīr, dawīr, writer, scribe. pers. dabīr, scribe. Phl. dapīrīh, writing, calligraphy, Cuneiform, dipi, Sans. lipi. Cf. pers (daftar), book, volume, register. Pers.istān, place. Phl.stān, place.

دبیر : (dabīr) Writer, secretary. Phl.dapīr, dawīr.

دختر : (dukhtar) Daughter. Phl. dukht, O.P. dukhtar, Av. dughdhar, dugedar, Sans.duhitar, Gk. thygater, Teut. daughter.

دخمه : (dakhme) Tower of silence. Phl.dakhmak, catacomb, sepulchre, tomb, Av. dakhma.

در : (dar) (1) Door.Phl. dar, O.P. duvarā, Av. dvara, Sans. dvāra. (2) In, see (andar).

دراز : (darāz) long. Phl. drāz, length, Av. drājah, darega, Sans. dīrgha, long.

درازا . (drāzā) See (drāzī).

درازی : (darāzī) Lenght. Phl. darāna, lengh, Av.drājah.

درخت : (dirakht) Tree. Phl. darakht.

درست : (durust) Proper, correct. Phl. dūrust, Av. drwa, Sans. dhurūva.

درفش : (dirafsh) Cobblers awl, standard, banner. Phl. drafsh, Av. drafsha.

درنگ : (dirang) Delay, procrastination. Phl. dirang, from Av. daregha, Cf. Sans. dīrgha, long.

خسر : (khusur) Father-in-law. Av. khvasur, Sans. s'wasura, Gk. hekyr, Lat. socer.

خسرو : (khūsrau) King. Phl. Khusrōb, Av. husrava.

خشت : (khisht) Brick, Phl.khishtak, Av.ishtya, Sans.ishtaka.

خشک : (khushk) Dry. Phl. khushk, Av.hushka, O.P.hushka, Sans. Sushka.

خفتن : (khuftan) To sleep. Phl .khūftann, Av. khaf, Sans. swap.

خم : (khum) Jar. Phl. khûmb, Av. khumba, Sans. kumbha.

خمب : (khumb) See (khūm).

خواب : (khwāb) Sleep, dream. Av. khvafna, Sans. swapna, Lat. somnus, Gk. hypnos.

خواسته : (khwāsta) Goods, wealth, property. khvāstak.

خواهر : (khwahar) Sister. O.P. khvahar, Av. khvanhar, Sans. swasar, swasr.

خوب : (khūb) Good. Phl. khvavi, O.P. U, Av.hu, Sans. su, Gk. eu. Cf. Av.havapah.

خود : (khud) Self, oneself, Phl. khvat, Av.khvato, Sans. swatas, Av.khva = Sans. swa, own.

خور : (khūr) Sun. Phl. khūr, Av. hvare, Sans. Swar, sūryya, Lat. Sol.

خوردن : (khūrdan) To eat. Phl. khūrdann, Av. khvere, to eat.

خورشید : (khūrshīd) Sun. Phl. khūrshēd, khūrshīt, Av. hvarekh-shaeta, hvare, sun, kshaeta, ruler, chief, brilliant.

خوش : (khūsh) Good, pleasant. Phl. khōsh.

خوشبو : (khushbū) Fragrance, sweet-smelling. Phl.hū-boē, Av. hu-baodhi.

خوشنود : (khūshnud) Pleased, happy. Phl. khashnūda, Av. khashnūta.

خوک : (khūk) Pig. Cf. Sans. s'ukara.

خون : (khūn) Blood. Phl. khūn, Av. vōhuna, Sans. S'ōna, S'ōnita.

خوی : (khay) Sweat, Cf. Sans. Sveda.

خویش : (khish) Self, own.Phl.khvēsh, Av. khavaetush, Av. khva = Sans. swa, own.

دادن : (dādan) To give, Phl. dādann, to give, to bestow, to create, to produce, Av. dā. dath, Sans. dā, dhā, Lat. dare.

دادار : (dādār) Creator, God. Phl. dātār, creator, Av. dātar, Sans. dhātr. Persian lexicographers associated

چرم	: (charm)	Skin, hide. Phl.charm, Av.chareman, Sans. charman.
چشم	: (chashm)	Eye. Phl. chashm, Av. chashman.
چغوک	: (chughūk)	Same as (chutūk).
چندل	: (chandal)	Sandal wood. Sans. Chandana. Arabicised into sandal which has travelled west.
چندن	: (chandan)	Same as (chandal).
چنود	: (chinūd)	See (chinawad).
چوگان	: (chaugān)	The game of polo. Phl. chuvigān.
چهار	: (chahār)	Four. Phl. chihār, O.P. chathuvār, Av. chathvar, Sans. chatur.
چهل	: (chihal/chihil)	Forty. Phl. chahal, O.P. chatvaresata, Av. chathvaresatem, Sans. chatvarinsat.
چیز	: (chīz)	Thing. Phl. thich; O.P. chishchity.
چین	: (chīn)	China. Phl.chīn, Av. Sāini.
چینود	: (chīnawad)	The bridge across hell. Phl. chīnīvād, chīnvad, Av.chinvato-Peretu, the bridge of chinvat mentioned in the Gathas.
خاشاک	: (khashāk)	Straw. Cf. Sans. Kus'a.
خاشه	: (khāsha)	See (khashāk).
خانمان	: (khanamān/ khanuman)	House and home (khāna), house, (mān), house, Phl. mān, house, Av.nmāna, house, household, family.
خدا	. (khudā)	God. Phl. Khwadāy or khwatāy, Av.khavadā, khavadāta lit. self-governed, corresponding to Sans. Swadhā. Swadhāta.
خر	: (khar)	Ass, Av.khara. Cf. Sans. khara.
خراسان	: (khurāsān)	Khurāsān, a province in the east of persia. Phl. khūrāsān, east, khurāsān.
خرچنگ	: (kharchang)	Crab, cancer. Phl. karchang, kalachang. Cf. Sans. Karkata.
خرد	: (khirad)	Wisdom, knowledge, intellegence, insight. Phl. khard, khirad, Av. kharatu, Sans. kratu. Cf. Gk. kratus.
خُرد	: (khurd)	Small, little. Phl. khūrdak. Cf. Sans. kshudraka.
خرّم	: (khurram)	Cheerful, joyous, glad. Phl. khuram, Av. urvāsmana.
خریدن	: (kharīdan)	To buy. Phl. kharītann, Av. khri, to buy, Sans. krī, to buy.

تارک : (tārak) Top, crown of the head. Cf. Sans tālu, palate.

تاک : (tāk) Tendril of a vine, vine Cf. Sans. drākshā.

تپ : (tap) Fever. Av. tap = Sans. tap, to be hot.

تخم : (tukhm) Seed, origin, lineage, parentage. Phl. tōkham, Av. taokhman.

ترس : (tars) Fear. Phl. tars, Āv. teres, Sans. trās.

تشنه : (tashna/tishna) Thirsty. Phl.tishnak, thirsty, Av.tarshna, thirst, Sans. trshnā.

تن : (tan) Body. Phl. tann, Av. tanu, Sans. tanu.

تنها : (tanhā) Alone. Phl. tanīhā. Īhā is an adverbial suffix.

تور : (tūr) Tūr, the legendary ancestor of the Turanians. Av. Tūra.

تورانی : (tūrani) Turanian, Tartar. From (tūr).

تیز : (tiz) Sharp. Phl. tizh, Av. tizhi, teēzha. Cf. Sans. tikshna.

جادو : (jādū) Magic. Phl. Yādūk, Av. Yātu.

جفت : (juft) Couple, union, joining. Phl.Yukht, Av.Yakhta. Cf. Sans. yukta, joined.

جگر : (jigar) Liver. Phl. jikar, Av. Yākare, Sans. Yakrit.

جم : (jam) See (jamshīd).

جمشید : (Jamshīd) Jamshed. Av. Yima-kshaeta. Yima is the same as Sans. Yama of the Hindu mythology and kshaeta means ruler, chief, brilliant.

جنگل : (jangal) Jungle. Same as Sans. Jangala.

جو : (jau) Barley. Av. Yava, Sans. Yava.

جوان : (jawān) Young, a youth. Phl. Joyān or juyān, Av. Yavan, Yvan, Sans. Yuvan, lat. juventus, Fr. juene.

جوغ : (jūgh) Yoke. Sans. Yūgam; Gk. Zugon, Goth.juk, Ger.Joch.

جهان : (jahān) World. Phl.gēhān, World, Av.gaethanam, gaetha, World, material World.

جهاندار : (jahāndār) The protector of the world. Phl. gēhāndār.

چار : (chār) See (chahār).

چاه : (chāh) Well. Phl. chāh, Av. chāt.

چتوک : (chutūk) Sparrow, Cf. Sans. chatikā.

چرخ : (charkh) Sky. Phl. chakhr; Av.chakhra, wheel; Sans. chakra (wheel). A case of transposition of letters.

پود : (pūd) Woof. Cf. Sans. byuti, weaving.

پور : (pūr) Son. Phl. pūr, puhr, Av. Puthra, Sans. Putra, Cf. Lat. puer, child.

پول : (pūl) See (pul).

پهلو : (pahlū) Side. Phl.pahlūk, Av. peresu, Sans. pārswa.

پهلوی : (pahlavi) Pahlavī, Middle persian, pārthian. From pahlaw. Simplified form of Pārthawa. O.P. name of Pārthia. (yā) for relation.

پی : (pai/pay) Foot. Phl. pāč, O.P. pāda, Av.pādha, Sans. Pada, pāda.

پیاده : (piyāda) Pedestrian, foot-soldier, pawn in the chess. Phl. Piyādak, Pādak, Av. pādhaayant, Sans. Padāti pedestrian see (pā)

پیام : (payām) See (paighām).

پیامبر : (payāmbar) See (Paighāmbar).

پیدا : (paidā) Manifest, clear. Phl. Pādāk, Pitak, Sans. Ins. patyāk, paityāk.

پیرامن : (pirāman) See (Peerāmūn).

پیرامون : (pirāmūn) Round about, around, complete. Phl. pērāman, Av.Pairi. Sans.pari.Gk. peri.

پیش : (pish) Before, in the presence of, in front of. Phl. pēsh, O.P. patish, Av. paitish.

پیغام : (paighām) Message. Phl. pēdam. Pētam.

پیغامبر : (paighāmbar) Message-bearer, prophet. Phl. pētambar, pēdambar.

پیکار : (paikār) Dispute, quarrel, battle. Phl.patkār.

پیکر : (paikar) picture, figure. Phl.patkar, O.P.paitikara.

پیمانه : (paimāna) Cup, goblet, measure. Phl.patmānak.

پیمبر : (payambar) See (paighāmbar).

پیمودن : (Paimūdan) To measure. Phl.Padmūdann, Av. paiti + ma, Av. mā = Sans. mā, to measure.

پیوستن : (paiwastan) To join, to attach, to be joined or attached. Phl. padvastann, Av. paiti + band = Sans. prati + bandh.

پیوند : (paiwand) Connection, relation, junction, Phl.padvand. Av.paiti + band = Sans.prati + bandh.

تا : (tā) To, upto, so that.Phl.tāk, O.P.Yāka.

تاب : (tāb) Heat, lustre, strength. Cf. Sans. tap, heat.

تار : (tār) String, thread, wire. phl. tār, Av. tathra, cf. Sans. tāra.

When the Avesta character is used for this transcription, the result is called pāzand".

پاسخ : (pāsukh) Reply, answer. Phl. pāakhvi, O.P. pati Sakhvan.

پای : (pāy) See (pā).

پختن : (pukhtan) To cook. Phl.pōkhtann, Av. pach = Sans. pach, to cook.

پدر : (pidar) Father. Phl. ped, pīdar, O.P.pitar, Av.pita, pitar, Sans. pitā , Lat. pater. Gk. patēr, Teut. fadar, Kelt. fathir, Fr. pire.

پذیرفتن : (padhiruftan) To receive, to accept. Phl.pati-raftann. Phl.pat = O.P. pati = Av.paiti = Sans. prati, towards, to, near etc. Av. paitigerev = Sans. prati-grah.

پر : (par/parr) Feather. Phl. par, Av. parena, Sans.Parnā.

پُر : (pur) Full. Av. perena, full, Sans. pūrna, Lat. plenus.

پرسیدن : (pursīdan) To ask, to question. Phl.pursidann , Av.peres, fras, to ask, Sans. prchh, prachh, to ask.

پروردن : (parwardan) To bring up, to nourish. Phl.parvardann, Av.pairibere, Sans. bhr, bharan.

پرهیختن : (parhīkhtan) To abstain, to restrain. Phl.pahrikhtann, Av.paitirich, paotithyadh = Sans.pari-tyaj.

پری : (parī) Fairy. Phl.parīk, witch, fairy, Av.pairikā.

پس : (pas) After, behind. Phl.Pas, O.P. pasā, Sans. paschāt.

پسر : (pisar) Son. Phl. pūs, Av.puthra, O.P. puthra, Sans. putra. Cf.Lat. puer, child.

پشت : (pusht) Back, support. Phl. pusht, Av. parshti, Sans. prashtha.

پل : (pul) Bridge. Phl. pōhl, Av. peretu.

پلپل : (pilpil) Pepper. From Sans. pipali.

پناه : (panāh) Protection, shelter.Phl.panāh. Av.pā, to protect, Sans. Pā, to protect.

پنج : (panj) Five, Phl.Panj; O.P. Pancha; Av. Pancha; Sans. Pancha.

پنجاه : (panjāh) Fifty. Phl.panchāh, panjāh, O.P. pañchāsat, Av. panchāsata, Sans. Panchāsat.

پند : (pand) Advice, counsel. Av. Pānta.

of the world of the righteous hereafter, i.e., paradise". Not (bi + hisht).

بیابان : (biyābān) Desert, wilderness. Phl.viyāpān, viyāvān, Av.wiāpa, wiwāpa.

بید : (bīd) willow, rattan, cane. Cf.Sans.vetra, Cane rattan, Beng. bet.

بیدار : (bīdār) Aware, wakeful. (bīd) consciousness, Av. vidhya, wit, knowledge, Sans.vidyā.pers (ar) possessor.

بیست : (bīst) Twenty. Phl. vīst, O.P. and Av.visaiti, Sans. Vins'ati.

بیم : (bīm) Fear. Phl.bīm; Av. bī = Sans. bhī, to fear. Cf. Sans. bhīma, fearful, awe-inspiring.

بیمار : (bīmār) Sick. Phl.vīmār.

بیوه : (bewa) widow. Sans. vidhavā, Lat.viduas, Goth. widuwō, Ger.wittwe, Eng-widow.

پا : (pā) Foot, step. Phl.pāē, O.P.pāda, Av. pādha, Sans. pāda, pada.

پاپکان : (pāpakān) Descendant of pāpak. Son of pāpak. Phl. pāpakān, (ān) for relation.

پاداش : (pādāsh) Retribution. (pā) prefix = Phl.pāt, O.P. pati, back, again. (dāsh) is the reduction of Phl. dahishn, giving.

پادشاه : (pādshāh) Ruler, sovereign. Phl.Pātakhshāy. pati. Av. paiti akin to Sans. pati, master, Lord, Phl. khshāy from O.P.Khshāyathiya, king.

پادشاهی : (pādshāhī) Rulership, sovereignty, kingship, Phl. pātakhshāih. See (Pādshāh).

پار : (pār) Last Year. O.P. para, other, Sans. Para.

پارس : (pārs) Persia, Fārs. Phl.Pārs, O.P.pārsa, name of the province of Fārs.

پارسی : (pārsī) Persian. Phl.Pārsīk.

پاژند : (pāzhand)[1] pāzand. Av.paiti-zainti. pā for Av. paiti meaning at the foot. Zhand or zand for Av. zainti = Pahlavi Commentary on the Avestan text. Pāzand means the "re-explanation of a Pahlavi text by transcribing it into a character less ambiguous than the pahlavi script, and substituting the proper Persian words for their huzvārish equivalents.

---

1. The more common spelling is پازند (Pazand).

بغداد :	(baghdād)	Baghdād. Phl.Bagho-dāt, set by Bagha i.e., God. Av. bagha = O.P. baga = Sans. bhaga, god. Not (bāgh), garden and (dād), justice as given in ghiyāsu'l Lughāt, Burhān-i-Qāti' etc.
بلغار :	(bulghār)	Name of a town on the Volga, about 100 miles south of Kazan (See Geographic d'Aboul Fidā). It is this Bulghār that is often mentioned by persian poets. It should not be confused with Bulgaria as is often unfortunately done.
بلند :	(buland/baland)	High, tall, great. Phl.buland, Av. berezant, Sans. bṛhat.
بَن :	(ban)	Shrub, bush, field, Cf.Sans Vana, forest.
بُن :	(bun)	Root, basis. Phl.būn, Av.būna; Sans. budhna.
بند :	(band)	Band, tie, binding. Av.banda, Sans. bandh, to bind, to tie.
بند به :	(band bih)	Name of a bull in the Kalila wa Damna. Sans. Pingalaka.
بنده :	(banda)	Slave. Phl.bandak, O.P. bandaka,
بندهشن :	(bundahishn)	Original creation. Phl.būn, beginning, origin, Av.būna, Phl.dahishn, creation.
بودن :	(budan)	To be. Phl. Būdann, Av.bū = Sans.bhū, to be.
بوز :	(būz/Boz)	See (buz)
بوم :	(būm)	Country, land. Av.būmīm, Sans.bhūmim.
بوی :	(būy/boy)	Scent. Phl. bōč, Av. baodhi.
به :	(bih)	Good, excellent, Phl. vēh, O.P. vahyah, Av. vahu, Sans. vasu.
بهار :	(bahār)	(1) Spring. Phl.vahār, O.P.vahāra, Av.vanra. (2) Temple.Buddhist monastery.Sans.vihāra, Buddhist monastery. Muslim historians and lexicographers have wrongly called it a fire-temple or idol-temple Its use in the sense of an idol-temple is illustrated by the following verse: بخت سوی درت خزان آید راست چون بت پرست سوی بهار Fortune comes creeping to thy door, just as does the idolater to Bahar.
بهشت :	(bihisht)	Heaven, paradise.Phl. vahisht, Av.vahishtemahum, the best world, Corresponding to Sans. Vasishtamakhum. "The two words are invariably found together in the special sense

بامدادان	: (bāmdādān)	In the morning. See (bāmdād). (an) is an adverbial suffix.
بان	: (bān)	Protector, keeper, possessor, Phl. pān, Pānak, O.P. and Av. Pāna from the root pā, to guard, to protect.
بانگ	: (bāng)	Sound, voice, Phl. vāng. Akin to Sans. vākam, speech.
بانو	: (bānū)	Lady. Phl. bānūk.
بُت	: (but)	Idol, Av. būiti, the demon of idolatry. The word būiti occurs three times in the Avesta invariably accompanied by the word daēva.
بچه	: (bachcha)	Child, young of an animal. Phl. vachak. of Sans. vatsa.
بخت	: (bakht)	Destiny, fortune. Phl. bakht, Av. bakhta.
بد	: (bad)	(ending, as in mūbad, ispahbad etc.) Phl. pat, Av.Paiti corresponding to Sans. Pati, master.
بر	: (bar)	On, above, over, Phl. avar, O.P. upariy, Av.upari; Sans.upari. (abar) old form of bar.
برتر	: (bartar)	Higher. Phl. avartar, Av. uparatara, Sans. uparatara.
برادر	: (birādar)	Brother, Phl.brad brādar, O.P. brādar, Av. bratar, Sans. bhrātar, Lat. frater, Teut. brother, kelt. brathir, Fr. frere.
بُردن	: (burdan)	To bear to carry. Phl. būrdann, Av. bere; Sans. bhṛ.
برف	: (barf)	Snow. Phl. varf, Av. vafra, Sans. vapra.
برگ	: (barg)	Leaf. Phl. varg, Av. vareka.
برنا	: (barna)	Young. Phl. apornāk.
برنج	: (birinj)	Rice. Cf. Sans. vrīhi.
بز	: (buz)	Goat. phl. būj, Av.buza, Sans. bukka, Ger. Bock, Fr. bouc.
بزرچمهر	: (buzurchmihr)	Name of the famous minister of nūshīrwān the Just. Phl. Vazōrg mitro.
بزرگ	: (buzurg)	Great. Phl.vajurg, O.P. vazarka.
بس	: (bas)	Much, very. Phl. vas, O.P. vasiy.
بستر	: (bistar)	Bed. Phl.vastarg, bed-clothes, dress, Av. vastra, Sans. vastra.
بسیار	: (bisyar)	Many, much, very. Phl. vasyār.

انگشت	(angusht)	Finger. Phl. angūsh, Av. angushta, Sans. angushtha.
انگلیون	(angilyūn)	The Gospels, the evangle, from GK. evangelion pronounced as evangelion, good news.
اهرمن	(ahraman)	See (ahrīman).
اهریمن	(ahrīman)	Ahriman, Satan of the Zeroastrian mythology, Av. angramainyu, the evil spirit.
ایدون	(īdūn)	Thus. Phl. aēdunn, Av.aeta, this and Phl. gūn, manner.
ایران	(īrān)	Iran, persia. Phl.airān, Av.airyanavaeja, the cradle of the Aryans.
ایزد	(izid/izad)	see (yazdan)
با	(bā)	With. Phl.apāk, awāk, abāk, (abā) old from of neo-Persian.
بابکان	(babakan)	See (pāpakān).
باد	(bād)	Wind. Phl. vād, Av.vātō, Sans.vātā, Lat.ventis.
بار	(bār)	Burden, weight. cf. Sans. bhāra.
باران	(bārān)	Rain. Phl.varan Av.vāra, vārenti, Sans.vār, vāri, water, varshā, vrshti, rain, varshan, to shower.
بارش	(bārish)	Rain, raining. See (bārān).
باز	(bāz)	Back, again. phl. avāj, avāz, Av. apasha, apāsh, Sans. apa.
بازار	(bāzār)	Market. Phl. bāchār, O.P. abāchari. Not abā-broth and zār place.
بازارگان	(bāzārgān)	Merchant. Phl. vāchārkān. Here the Phl. ending kān has been softened in neo-persian into gān. The same is the case with words like (shāigān), kingly, (shāpūrgān), belonging to or befitting shāpūr, (mihragān) belonging to the sun.
بازو	(bāzū)	Arm. Phl.bajae Av.bāzawo, bāzu, Sans.bāhū.
باش	(bāsh)	Be, remain. O.P.Vabishiya cf.Sans.bhavishya.
بال	(bāl)	Wing, feather, cf. Sans bāla, hair.
بالا	(bālā)	High. Phl. balae, Av. berezai , berezant, Sans. vrhat.
بام	(bām)	Morning, down. See (bāmdād).
بامداد	(bāmdād)	Morning, dawn. Phl. tāmtāt, Av.bāma + tāt, morning. Av.bāma corresponding to Sans. bhama, brightness, splendour.

اسپنتمان : (ispantmān) Name of the ninth ancestor of Zoroaster. It generally follows the name of Zoroaster indicating the family to which he belonged. Phl. spitamān, Av. spitama.

اسپنج : (ispanj) See (sipanj)

اسپهبد : (ispahbud) Commander-in-chief, general. Phl. spāh-pat, O.P. Spāda-Pati. See (sipāh) and (bud).

استاره : (istāra) See (sitāra).

استان : (istān) See (sitān).

استر : (astar) Mule. cf. Sans. asva-tara.

استه : (asta) Bone. Av. asta, Sans. asthi, GK.Osteon.

اسروش : (usrosh) See (sarosh).

اسفنتمان : (isfantamān) See (ispantamān).

اسفهان : (isfahān) Isfahan. Phl. spāhān, lit. "the military town".

اسوار : (aswār) See (sawār).

اشتر : (ushtur) See (shutur).

اصطخر : (iṣṭakhr) Persipolis, Phl. Stākhar.

افتادن : (uftādan) To fall. Phl. ōftadann, Av.ava, down = Sans. ava + fta transposition of pat = Sans. pat, to fall.

افراسیاب : (afrāsiyāb) Name of a great legendary leader of the Turanians. Phl. frāsiyav, frāsiyak, Av. franrasyān.

افریدون : (afrīdūn) See (farīdūn).

امروز : (imruz) Today. O.P.ima, this + rūz, rōz, day. see (rūz).

انبار : (ambār) Collection, warehouse, granery. Phl. anbār, Av. ham + bere, corresponding to Sans. Sam + bhṛ.

انباز : (anbāz) Partner, comrade, associate. Phl.hambāz.

انجمن : (anjuman) Assembly, meeting, congregation, Council. Phl. hanjaman, Av. hanjamana, corresponding to Sans. Sangamana. It has nothing to do with Ar.anjum pl.of najm, star, and pers. indicating place which latter is an invention to keep the imaginary solution.

اندام : (andām) Body, limb. Av. Pandāma, limb.

اندر : (andar) In, within. Phl. andar, O.P. antar; Av. antare, Sans. antar, Lat. inter, Fr. entre.

آشنا	: (ashnā)	Familiar, Phl. āshnāk, Av. Zhnā.
آفتاب	: (āftāb)	Sun. āf from and O.P. word akin to Sans. ābhā, light and tāp, corresponding to Sans. Tāp, heat. Av. tap = Sans. Tap, to be not. Not a combination of āfat and āb as given in Burhān-i-Qāti'.
آفرین	: (āfrīn)	Benediction, blessing, praise. Phl. ārfīn, Av. āfrīna.
آگاه	: (āgāh)	Aware. Phl. ākās, Av. ākāh.
آواز	: (āwāz)	Sound. Phl. Āvāch, Av. root vach, corresponding to Sans. Vach, to speak.
آوردن	: (āwardan)	To bring. Phl. āvōrdann, Av. ā + bere = Sans. ābhar.
آهن	: (āhan)	Iron. Av. ayarih, corresponding to Sans. ayas, iron.
آینه	: (āyna)	Mirror. From Av. ayarih, iron. Before the invention of glass, polished pieces of iron were used to reflect the face in.
آیینه	: (āyīna)	See āyna .
آبا	: (abā)	With. Old form of bā . Phl. apāk, awāk, abāk.
ابر	: (abr)	(1) Cloud. Connected with Sans. abhra. (2) On, over. Old form of bar . Cf.Sans. upara.
ابرو	: (abrū)	Eybrow. Cf.Sans, bhrū.
ابستا	: (abistā)	Avesta, the Zoroastrain Bible. Phl.avastāk. Arabicised form are abastāq, abastā, wastāq, bastak.
اختر	: (akhtar)	Star.Phl.akhtar, Av. akhtara, Sans. nakshatra.
اردشیر	: (ardshīr)	Ardashir (Proper name), Phl.Artakhshir; Av.Aretakhshathra.
ارمزد	: (urmuzd)	God. Phl. aūharmazd, San. Ins. aūharmazd; O.P. aura-Mazdā, Av. ahura-mazdā.
از	: (az)	From, than. Phl. aj, O.P. hachā, Av.hacha.
اژدر	: (azhdar)	See (azhdahā).
اژدرها	: (azhdarhā)	See (azhdahā).
اژدها	: (āzhdahā)	Dragon. Av. azhi-dahāka, lit. a biting serpent, corresponding to Sans. ahi-dansaka.
اسب	: (asb)	Horse. Phl. asp, O.P. asa, Av. aspa, Sans. asva.
اسپ	(asp)	See (asb).

DICTIONARY

Preface

Conjecture is hardly a sure guide. It makes one generally grope in the dark and shoot wide of the mark. Due to the ignorance of ancient Iranian Languages, Muslim Lexicographers of the neo-persian language had to work with an unavoidable handicap and had, to a certain extent, to depend upon their fancy and guess in deriving many Persian words. Their case is like that of one who, not knowing that the x in Xmas stands for the Greek letter khi (represented by Ch in Latin script) the initial letter in spelling Gk. Khristos (transcribed Christos with Latin letters) goes to connect it with the cross.

A Persian Dictionary is yet to be written in which the result of the up to date linguistic investigations of the Iranian Branch should be incorporated.

In the following pages I have tried to give correct derivation and Philological affinity of a number of words mainly Persian, a few being of Arabic or Turkish origin.

If this humble work help in any way to open the eyes of the students of Persian I shall deem my venture successful and my labour amply rewarded.

____G.M.Hilali
Rajshahi, 2.5.1945

آئین : (a'in) Custom, usage, law, phl. āivinak

آئینه : (a'ina) See (āyna).

آب : (ab) (1) Water. Phl. āv, O.P. api; Av.ap, ap; āp, Sans.ap.
(2) Lustre. Connected with Sans. abha

آبادان : (abādan) Cultivated, inhabited, Prosperous, Phl.āvādān from Av. āp and vant, having lit. having water.

آبستا : (ābistā) See (abistā).

آبستن : (ābistan) Pregnant. Phl. apōch, upasputhrya.

آتش : (ātish) Fire, Phl. ātāsh, Av. ātarsh, ātar.

آذر : (ādhar) Fire, Phl. āthro, ādar, Av. āthrō, the angel presiding over fire, fire, sacred fire.

آذربایجان : (Ādharbāijān) Azarbāijān, name of the north western (mist) province of persia, Phl. āthropādgān.

آراستن : (ārāstan) To adorn, to arrange, Phl. ārāstann, Av. ā + rāth, rāz, corresponding to Sans. rāj.

آز : (āz) Avarice, Phl. āj, āz, Av. azhi, āzi.

آزاد : (āzād) Free-born, Phl. āzādak, Av. āzāta.

آسمان : (āsmān) Sky, heaven, Phl. āsmān, sky, heaven, O.P. and Av. asman, stone, heaven. Cf. Sans. āsmān, stone. āsmān and sang are derivatives. The word has nothing to do with (ās) = āsyā, mill, mill-stone and (mān) = (mānind), like.

آشکارا : (āshkārā) Evident, manifest. Phl. āshkārak. Cf. Sans. āvishkāra.

ABBREVIATIONS

Ar.	Arabic	Mod.	Modern
Aram.	Aramaic	Mod. Pers	Modern Persian
Arm.	Armenian	N. Pl.	Nominative plural
Av.	Avestic	O.G.H.	Old High German
Baby.	Babylonian	O. P.	Old Persian
Beng.	Bengali	Orig.	Originally
Copt.	Coptic	Paz.	Pazand
Cun.	Cuneiform	Pers.	Persian
Eng.	English	Phl.	Pahlavi
Fr.	French	Pl.	Plural
Ger.	German	Prak.	Prakrit
Gk.	Greek	S.	Singular
Goth.	Gothic	Sans.	Sanskrit
Guj.	Gujrati	Sas.	Sassanian
H.	Hindi	Sas. Ins.	Sassanian-Inscription
Heb.	Hebrew	Slav.	Slavonic
Imp.	Imperative	Sp.	Spanish
Ins.	Inscription	T.	Turkish
Kelt.	Keltic	Term.	Termination
Lat.	Latin	Teut.	Teutonic
Lit.	Literally	Ved.	Vedic

* * *

Part-II: Unpublished

A. English:

1) Gleanings from the Qur'an:

This booklet of 55 pages deals with the interpretations of the Holy Qur'an and was written in 1963.

2) Anecdotes from Islamic History:

It includes twenty seven historical stories describing Islamic events.

3) Hindi-Urdu Elements in Bengali:

It is a booklet which deals with the Hindi and Urdu elements in Bengali Language.

4) Manners in Islam:

It deals with the different manners and ways as laid down in the Islamic code of life.

B. Bengali

5) Jahan Ara Begum:

This is a Bengali translation of an Urdu book rendered by Dr.Hilali during 1928-29. It consists of 49 pages on foolscape size. The original author of the book is Maulvi Ziyauddin Barni.

6) Khialer Dhara: (Streams of Stray thoughts):

This is a collection of certain passages on various topics as expressed from time to time relating to stray throughts.

7) Rubaiyat of Khaiyam:

This is a Bengali translation of eighty one quatrains of the famous Persian poet Omar Khaiyam.

8) Zarb-i-Kalim:

This is a Bengali translation of different poems of Zarb-i-Kalim by Allama Muhammad Iqbal, a famous philosopher-poet of Urdu and Persian.

9) Bengali verses:

It is a collection of Bengali verses composed by Dr.Hilali himself during the period from 1925 to 1941 AD.

10) Persian verses:

These verses were composed by Dr.Hilali while he was posted at Chittagong in 1938 as it appears from the manuscript. It also includes one poem under the title of "The Decline of the Muslims of Bengal" and a Mathnavi in the metre of the famous Mathnavi of Maulana Rumi bearing the title of 'Jam-i-Jam' (The cup of Jamsheed). The writer uses his pen name as 'Hilali' in the verses.

* * *

5) Perso-Arabic Elements in Bengali:

This is a commendable work of Dr.Hilali consisting of 310 pages edited by late Dr.Muhammad Enamul Haq with an introduction in Bengali and published posthumously by the then Central Board for the Development of Bengali at Dacca, in 1967.

The author with his life-long labour has collected several thousands Bengali words and etimologically pointed out Persian and Arabic elements mixed with Bengali words which, in true sense of the term, indicates the impact of Perso-Arabic Languages on Bengali Language.

B. Bengali

6) Halida Hanum: (Khalida Khanam)

This booklet includes biographical sketch and achievements of the famous Turkish Lady known as Khalida Edib Khanam. It consists of 52 pages and published in 1933 (1340 Bengali Era) from New Sarswati Press, 25/A, Muchhwa Bazar Street, Calcutta.

7) Al-Biruni:

It is a booklet of 64 pages describing the life sketch and contributions of the famous Muslim Philosopher-scientist, Al-Biruni and was published from Abinas Press, 40 Mirzapur Street, Calcutta in 1937 (1344 Bengali Era)

8) Hazrater-Jiban-Nity (Ideals of the Prophet's life):

This booklet of 96 pages describes of the moral teachings of the Prophet of Islam(Sm). It was published from Rajshahi in 1965.

9) Hilali Rachanabuli (Collection of Hilali's writings vol.1)

It contains two published booklets viz; Khalida Edib Khanam and Al-Biruni, six articles in English and eleven in Bengali (both published and unpublished), letters of learned personalities addressed to Dr.Hilali including his life and works. Among these celebrated figures the names of a few, as for example Dr.Suniti Kumar Chatterji of Calcutta University, Dr.I.J.S.Tarapurewala of Bombay, Dr.U.M.Daudpota (Bombay), Seyama Prasad Mookerjee of Calcutta, Nawab Sir Amin Jang Bahadur (Hyderabad) and Dr.Muhammad Enamul Haq, Director, Bengali Academy of Dhaka may be mentioned. It consists of 233 pages and was published by his son, Mr.Humayun Khalid from Rajshahi in September, 1981.

His works:

The scholarly personality of Dr.Sheikh Ghulam Maqsud Hilali in various fields of knowledge may be assessed from his writings in different languages and on varied subjects. These may be divided into following categories:

Part - I (Published)

A. English

1) A Manual of Persian Grammar:

This book was compiled for the students of Matriculation and Intermediate classes and published by the author from the Alexandra S.M.Press, Dacca, in 1934. It consists of 223 pages.

2) Ash'ar-i-Taran:

It is a compilation of Persian verses of Ramtaran Mukherji (1793-1860), a contemporary of Raja Ram Mohan Roy of West Bengal. These verses were also rendered into English with an introduction by Dr.Hilali and published in 1938. It consists of 46 pages. It also includes Persian prose compositions of the poet.

3) Islamic Attitudes towards Non-Muslims:

This is a booklet of 55 pages which deals how the Muslims behaved with the Non-Muslims within the frame work of Islam. It was published by the author from Rajshahi Printing Works, Rajshahi, in 1952.

4) Iran and Islam: Their Reciprocal Influence:

This is the doctoral thesis of Dr.Hilali submitted in the University of Calcutta in 1949. It was published in the journal of the Asiatic Society of Pakistan (Dacca), vol.VIII, nos.I & II, in 1963. Its Bengali translation appeared from the Bengali Academy, Dacca, in 1979.

The author has critically examined the influence of Iran on Islam with numerous examples and at the same time the impact of Islam on Iran in various aspects of life specially in historical, religious and cultural perspectives. This is actually a unique type of book which shows the wide range of knowledge of the author and his painstaking labour in research work.

books. Apart from other subjects i.e history, biography, Islam, Qu'ran and literature, his profound learning and high intellectual attainments provided him with an opportunity to specialise himself in the field of Philology as it is evident from his following books:

1) Perso-Arabic Elements in Bengali,
2) Hindi-Urdu Elements in Bengali,
3) Iranian Philology,
4) Iran and Islam: Their Reciprocal Influence.

After the first quater of the 20th Century, there were a few educationists in Bengal who were interested in the Science of Languages among whom Dr.Suniti Kumar Chatterji, Dr.Muhammad Shahidullah, Dr.Muhammad Enamul Haq, Dr.Sheikh Ghulam Maqsud Hilali, Dr.Din Mohammad and Professor Abdul Hay's name be mantioned.

Dr.S.K.Chatterji, apart from being the senior most, was a top ranking philologist of Asia as well as an internationally known figure. He was equally qualified in the Semetic, Indo-Aryan and Iranian group of Languages. The filed of the other philololgists was mostly confined to Bengali or broadly speaking to the Indo-Aryan group of languages. Dr.Hilali, besides Indo-Aryan, also extended the horizon of his study towards the Indo-Iranian as well as the Semetic group of languages in which he still stands unrivalled among the Bengali writers. It was a long felt gap which was filled by Dr.Hilali in the midist of the 20th century and appreciated by his contemporaries specially by Dr.S.K.Chatterji and Dr.Muhammad Enamul Haq. It is up to his readers to judge how far he was successful in his efforts which was achieved with hard labour and great patience. It is beyond doubt that he was a secluded, calm and quiet scholar who could not see most of his important works in published form.

Last days:

After his retirement from the Degree College, Sirajganj in 1960, Dr.Hilali enjoyed his free life for about a year. He expired on Monday, the 17th December, 1961 in the evening and was buried at Sirajganj.

His son, Mr.Humayun Khalid, an Assistant Engineer in the University of Rajshahi has been organising a seminar at Rajshahi and Sirajganj every year in memory of Dr.Hilali and holding ceremonies of awarding 'Hilali Prize' among the successful students after essay competition.

When the Christian missionaries criticised Islam, Dr.Hilali could not but protest against it and wrote its rejoinder in the 'Light', a weekly magazine published by the Ahmadia Mission at Lahore.

While studying in the University, Dr.Hilali formed an association under the title of 'Tanzim', The aims and objects of the association was to remove superstitions from the Muslim Society and to advise the people to adopt various professions so that the society may not suffer from any handicap.

When Saifuddin Kitchlu a famous Muslim leader came to Sirajganj on the invitation of 'Tanzim' he delivered his speech in Urdu, which was translated by Dr.Hilali in Bengali in an impressive way. Thus Dr.Hilali came in contact with an all- India fame personality on one hand and was introduced to the public as an orator had on the other hand.

Teaching life:

Dr.Hilali started his teaching career from the Sa'adat College in Karatia, the present district of Tangail in the year 1926. During 1928-30, he practiced in the Judges' Court at Pabna. But due to his mental aptitude towards kowledge and learning he left his profession of law and again joined the Sa'adat College at Karatia.

Later on he joined the Government College at Krishnagar and served the presidency College at Calcutta and Government College at Chittagong. He was transferred to the Government College, Rajshahi in 1943 from where he retired as Professor of Arabic and persian on 30th November, 1956. He also worked as an Assistant Inspector of Schools for Muslim Education, Chittagong Division for about a year and while at Rajshahi as Curator of Varendra Research Museum for a short period.

He was re-employed in the Degree college at Sirajganj where he served during 1957 and 1958. Then he was appointed as Research Officer in the Bengali Academy at Dacca in the year 1959. He again joined the Degree college, Sirajganj where he taught till the end of 1960.

As Scholars:

Dr.Hilali, as I know him, was keenly interested in the pursuit of knowledge since his student life. Even during his teaching profession, Dr.Hilali, used to devote his time in regular study and believed in the dictum that labour makes a man perfect. His intelligence Combined with labour crowned his knowledge with success. Bengali was his mother tongue where as English was his medium of teaching. Arabic and Persian being his special subjects of study, he learnt through his personal efforts certain other languages e.g., Phalavi, Avesta, Sanskrit, Hindi, Urdu, French, Turkish, Italian and German. He had a small but very useful personal collection of

Life & Works of Dr.Hilali

Early life:

The illustrious son of Sheikh Abdul Jabbar Munshi, Dr.Sheikh Ghulam Maqsud Hilali was born on the 30th of November, 1900, in village Phulbari of Sirajganj sub-division, in the district of Pabna. The name of his grand father was Shaikh Zakiuddin Munshi who was a teacher. As his fore-fathers belong to an educated class better known as 'Munshi', his house was famous as 'Munshi Bari'. Mother of Dr.Hilali, Khush Mahal, was the daughter of the celebrated Saikh family of Sirajganj.

Educational Career:

Dr.Hilali started his student life from the school of Janab Ali Khan situated in a village near Phulbari. Maulana Abdul Hamid Khan Bhashani, the famous socio-poltical leader, though a few years senior to him, was his class fellow there and used to live by the side of the same school. Thereafter he studied in Islamia Middle English School of Sirajganj and Passed his Matriculation Examination in 1918 fro Sirajganj Victoria High School. He passed the I.A and B.A examinations from Edward College, Pabna in 1920 and from Rajshahi College in 1922 respectively. He took his M.A. degree in Persian Language and Literature in the year 1924 from Calcutta University and was placed Second in first Class. In 1932 he appeared as a private candidate at the M.A. Arabic of Calcutta University securing first position in First Class and was awarded a Gold Medel. He received his D.Phil degree from the University of Calcutta in the year 1949, the subject of his doctoral thesis being 'Iran and Islam: Their Reciprocal Influence'. He also completed the Bachelor of Law from the Univesity of Calcutta in 1927.

Social activities:

From his very boyhood Dr.Hilali was intersted in Social welfare activities. It so happened that in 1915 he opened a school in a room of his house for the illiterate children of his locality. This initiative of Dr.Hilali was encouraged by his elders. After some time the school was transferred to a better place by the school authority there and gradually it was established as a standard school.

On his success in the different examinations, Dr.Hilali used to get books as prizes which inspired him to establish a Library for the local people in his own house.

without the authentic source books. Unfortunately, in this respect Bangladesh is very poor.

While editing the present manuscript I have adopted the following methods:

1) Persian words at certain places have been arranged alphabetically.

2) Pronunciation of Persian words have been given in Roman Letters so that who are not acquainted with persian may be benefited.

3) Diacritical marks have been used according to the internationally accepted rules in order to facilitate the readers for correctly pronouncing the words.

4) Punctuation has been put as per rules of grammar for clarifying the meaning of words.

5) Spelling of a few words e.g., 'Pahlawi' and 'Sasanian' have been revised as 'Pahlavi' and 'Sassanian' wherever necessary.

6) Phonetical signs over 'n' e.g., n, n, have been dropped as this is a work of philology and not of phonetics. Moreover, it will be difficult to maintain it in printing.

7) For ascertaining the exact form, meaning and pronunciation of each and every word, from beginning to end, I have tried to consult the books as mentioned above.

8) As Dr.Hilali is still not much known in Bangladesh, India and Pakistan, a separate chapter on his life and works has been added to introduce him.

Now I would like to mention one important point here. The learned author has named the book as 'Iranian Philology' on the plea that he has based it with Persian words and provided its equivalents of different languages. But the main thing is that the words used for comparative meaning belong not only to the Indo-Iranian Family of Languages but also to the Indo-Aryan as well as Indo-European Families of Languages. It would, therefore, be justified, in my opinion, to name the book as 'Etymological Dictionary' which can cover the area of all the families of Languages used in it.

My thanks are due to Mr.Humayun Khalid for providing me with the manuscript and my son Engineer Ijaz Kalim for translating the Bengali materials related to the biography of the author. I would be unfair if I do not thank Mr.Rustam Ali Sheikh of Rajshahi University who took interest in neatly and correctly typing the manuscript with diacritical marks.

*

Introduction

The present work is based on a manuscript compiled by Dr.Sheikh Ghulam Maqsud Hilali in the year 1945. Dr.Hilali was a devoted teacher, a seeker of knowledge who was keenly interested in philology. During his teaching career he used to study regularly. This book is the result of his painstaking effort. Mr.Humayun Khalid (son of Dr.Hilali), an Assistant Engineer in the University of Rajshahi, is to be congratulated that inspite of his pre-occupations in his professional work, he took care of preserving the manuscript for about 34 years after the death of his father in 1961.

Though apparently a short script, it was not, in fact, an easy job to go through this manuscript and confirm its contents with full confidence without having proper knowledge of various languages used by its author. The source materials at my disposal were also limited. Non-availability of dictionaries specially of Pahlavi, Avesta and old Persian Languages made my work difficult. Under the circumstances, the job of editing of the manuscript became impossible at Rajshahi. I had to go, therefore, for the purpose to Dhaka, but the source materials there also were not easily available because of their misplacement in book-shelves also for declining interest with the Iranian Languages.

I have, however, consulted Lughatname-i-Dehkhuda (incomplete), Farhang-i-Farsi by S.Haim, Farhang-i-'Amid by Hasan 'Amid, Farhang-i-Nizam (incomplete) by Aghai Sayed Muhammad Ali, Persian Dictionary edited by F.Steingass and the dictionaries of various European and Indian Languages. Inspite of that I can not say that as an Editor I have discharged my duties perfectly.

Dr.Hilali has not mentioned his sources in the manuscript. I believe that he has learnt most of the languages through his personal efforts and not by attending any institution in this connection. I have found in his personal collection a booklet in three parts entitled 'Lessons in Pahlavi-Pazend' by Sheriarji Dadabhai Bharucha, an Honourary Fellow of the University of Bombay and his correspondence with Dr.I.J.S.Taraporwala of Bombay University. Dr.Hilali, as it appears, has utilised these sources in respect of Pahlavi, Avesta, old Persian and Sanskrit languages. But while exactly putting the words of these languages, he has confused at certain places. I have ascertained them with the help of the above mentioned sources. I have my limitations too, as my knowlwdge of Iranian Languages which I learnt at the University of Tehran (Iran) is not sufficient enough for editing

A Concise Etymological Dictionary of Persian Language

By

Dr. Sheikh Ghulam Maqsud Hilali

(d. 1961)

Edited by

Dr.M.Kalim Sahsarami

Rajshahi University, Rajshahi

Bangladesh

CONTENTS

Journal No. 103

English Section

Farhang-i Hilali	Ed. by Dr.Kalim Sahsrami	1
An Early Source for Arab Historiography	F.M.Donner	33

Urdu/Persian Section

The Problem of Urdu Language: A discussion — 1

Participants:

Dr.Masood Husain Khan, Mr.Jamna Das Akhtar, Mr.Syed Hamid, Prof.Md.Mohsin, Mr.Syed Hashim Ali, Dr Abul Faiz Sahar, Dr.Khaliq Anjum, Dr.Gopi Chand Narang,Nawab Rahmatullah Khan Sherwani, Mr.Taqi Rahim, Dr.Ansarullah, Mr.Rashid Hasan Khan,Mr.Masood Ahmad Barakati, Mr.Adbul Latif Azmi, Miss Qurratul Ain Haider, Mr.Mazhar Imam, Dr.Ejaz Ali Arshad, Mr.Ghulam Sarwar, Dr.Hanif Kaifi, Dr.Mohammad Hasan & others — 1

An Urdu Encyclopaedia of Islam: Index of Burhan		113
Dr.Kidwai's two Urdu Articles, *Written half a Century Back*		193
Shia Sunni Issue & Nadir Shah		221
Rationalist Ulema of India	Abdus Salam Khan	231
Jinnah	M.R.A.Baig	323
Hindus under Muslim Rule		367
Commentary on Surah Fatiha & Surah Ikhlas	Khuda Bakhsh Khan	395
Two Urdu Translations	Khuda Bakhsh	427
Love Offerings	Khuda Bakhsh	447
Shah Abdul Aziz & Shia Sunni Issue	Shah Fakhre Alam	449
My Prophet	Munazir Ahsan Gilani	452
Manuscript of Aina-i Kalpi	Altaf Husain Sherwani	455

1996

Price Rs. 75/-

Printed by Pakeeza Offset Press, Muhammadpur, Shahganj, Patna
and published by Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna.

Khuda Bakhsh Library Journal

103

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna